ایک غیر فانی تاریخی ناول

نورجہاں

حصہ اوّل

مصنفہ

صادق حسین صدیقی سردھنوی

ملکہ نورجہاں کی مفصل داستان حیات
جہانگیر کا عہد زریں اور مغلوں اور راجپوتوں
کی تاریخی معرکہ آرائیاں



قیمت

پندرہ روپئے

ناشر

نسیم بکڈپو۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ

ٹیلیفون: آفس ۲۲۵۵۹ | رہائش ۲۵۳۳۴

باہتمام عزیز الرحمن شاہی پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوئی

(اگست ۱۹۷۶ء)



غلط الزام

یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جو بات جس قدر زیادہ مشہور ہوتی ہے وہ اتنی ہی غلط اور لغو ہوتی ہے۔" ایسی ہی لغویات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جہانگیر نے شیر افگن کو نورجہاں کو حاصل کرنے کے لیے قتل کرایا۔ اور اس قتل میں عشق و محبت کو دخل تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جہانگیر کو نورجہاں سے محبت ہو گئی تھی شہنشاہ اکبر نے نورجہاں کی شادی شیر افگن کے ساتھ کرادی۔ لیکن جہانگیر نے تخت نشین ہو کر شیر افگن کو قتل کرادیا اور نورجہاں سے شادی کرلی۔

حقیقت یہ ہے کہ جہانگیر کو نورجہاں سے عالم جوانی میں محبت شاہزادگی کے زمانے میں ہو گئی تھی۔ شہنشاہ اکبر نے اپنی بھتیجی بیوی ملکہ جودھا بائی کے کہنے سے نورجہاں کی شادی جہانگیر کے ساتھ نہیں کی۔ بلکہ ایک ایرانی شخص شیر افگن کے ساتھ شادی کرادی۔ عرصہ دراز کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوئے تو شیر افگن بردوان کے جاگیردار اور بنگال کے ناظم تھے۔ انہوں نے بغاوت کی تیاری کی۔"

جہانگیر کو معلوم ہو گیا انہوں نے قطب الدین کو صورت حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ قطب الدین نے شیر افگن کو اپنے پاس طلب کیا اور ان کے آنے پر ان کی وفاداری کا امتحان لینے کے لیے انھیں حراست میں لینا چاہا۔ شیر افگن نے مشتعل ہو کر قطب الدین کے پیٹ میں خنجر بھونک دیا۔ قطب الدین کے ہمراہیوں نے شیر افگن کے ٹکڑے اڑا دیئے۔

جہانگیر کو قطب الدین کے مارے جانے کا ملال ہوا۔ انہوں نے شیر افگن کی دولت اور جائیداد ضبط کرلی۔ نورجہاں ایک عرصہ تک معتوب اور پریشان رہی آخر اس نے دربار میں اپنی فریاد پہونچائی۔ جہانگیر کو تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ شیر افگن بے قصور تھے۔ انہوں نے مرحوم کی بیوہ کو اشک شوئی اور ہمدردی کے لیے اسے اپنی والدہ کی خدمت پر مقرر کردیا۔

مدت تک نورجہاں قصر شاہی میں اس خدمت پر مامور رہی۔ اتفاق سے ایک روز جہانگیر نے دیکھ لیا۔ پرانی محبت عود کر آئی۔ انہوں نے اس سے شادی کرلی۔

نورجہاں

یہ تمام واقعات مختلف تاریخوں سے اخذ کرکے ناول نورجہاں میں مفصل بیان کئے گئے ہیں۔ نورجہاں کی دنیا بھر میں اس لیئے شہرت ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی بے مثل حسینہ تھی۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ وہ بہت زیادہ خوبصورت اور پری جمال تھی۔ لیکن نہایت تعلیم یافتہ عاقل و فرزانہ مدبرہ اور بڑی بہادر تھی جہاں گیر نام کے حکمراں تھے حقیقی حکمراں وہی تھی۔

آخری زمانہ میں مہابت خاں نے بغاوت کی۔ اور بڑے بڑے بہادر اور شیر دل لوگ جہانگیر کا ساتھ چھوڑ گئے۔ اور مہابت خاں نے جہانگیر کو نظر بند کردیا تو نورجہاں نہایت دلیری سے لڑی اور بڑی حکمت عملی سے جہاں گیر کو مہابت خاں کی حراست سے نکال لائی۔

اس نے فرش چاندنی مرصع زیورات اور لباس میں نئی نئی وضع کے

ترانس اور عطر ایجاد کیے۔"

نورجہاں کب اور کہاں پیدا ہوئی اس کے والدین کون تھے ــــ مینا بازار میں کیسے جہانگیر سے ملاقات ہوئی۔ شیر افگن کے ساتھ کس طرح رہی کب جہانگیر سے شادی ہوئی کس اولوالعزمی کے ساتھ اس نے حکومت کی۔ کس بہادری سے لڑی یہ تمام حالات اس ناول میں بشرح بیان کئے گئے ہیں۔"

جہانگیر

اسی طرح جہاں گیر کی بابت مشہور ہے کہ وہ شرابی تھے۔ ہر وقت مدہوش رہتے تھے شہنشاہ اکبر اسی وجہ سے ناخوش تھے۔ ان کی آرام طلبی کو دیکھ کر وہ ان کے یعنی جہانگیر کے بیٹے کو تخت نشین کرنا چاہتے تھے وغیرہ

یہ واقعات بھی غلط ہیں۔ جہانگیر نے شرابی امیر کے سر دربار کوڑے لگوائے تھے۔ تمباکو کھانے اور پینے کی ممانعت کردی تھی۔ نماز پڑھتے تھے۔ درویشوں سے عقیدت رکھتے تھے۔ اکبر لامذہب تھے۔ ان کے عہد میں اسلام ہندوستان سے رخصت ہونے لگا تھا ــ جہانگیر نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلے اعلان یہ کیا کہ شعائر اسلام پر عمل ہوگا۔ چنانچہ ان کے زمانے سے پھر شریعت اسلامیہ پر عمل درآمد ہونے لگا۔ پھر نیر اسلام ہندوستان میں جلوہ گر ہوا۔ یہ واقعات بھی اس طرح ناول میں مفصل بیان کئے گئے ہیں۔"

تعصّب

غیر مسلم مورخوں نے تعصب کی وجہ سے مسلمان بادشاہوں کو بدنام کرنے کیلیئے واقعات کو توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے تاکہ ان تاریخوں کو پڑھنے والے مسلمانوں کیطرف سے بدظن ہو جائیں۔ انھوں نے چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش کی ہے لیکن پھر بھی چاند کو چھپا نہیں سکے۔ اصلیت ظاہر ہو کر رہی۔ اگر مسلمان اسلامی تاریخوں کا مطالعہ کریں تو دیکھیں سب کچھ معلوم ہو جائیگا۔"

احقر۔ صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی۔

پہلا باب (۱)

مصیبت زدہ مسافر

شام کا وقت تھا۔ آفتاب عالمتاب مغرب کی طرف تیزی سے قدم بڑھائے چلا جا رہا تھا۔ دھوپ کی سفیدی مائل رنگت سنہری ہو چکی تھی۔ آفتاب کی تمازت میں بھی بڑی حد تک کمی واقع ہو گئی تھی۔ گرمیوں کے دن تھے ہوا بند تھی۔ بڑی امس ہو رہی تھی۔ اس وقت سڑک پر جو ہرات سے قندھار کو گئی ہے۔ دو مسافر ٹٹوؤں پر سوار بیٹھے جا رہے تھے۔ ان میں ایک مرد تھا اور دوسری عورت۔ ان کے چہروں سے اگرچہ وجاہت و نجابت کے آثار ظاہر تھے۔ لیکن غربت و افلاس بھی ٹپک رہے تھے۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ کسی زمانے میں وہ امیر ہوں گے۔ مگر گردش زمانہ نے انھیں فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیا تھا۔ معمولی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ رنج و غم اور فکر و پریشانی ان کے چہروں سے عیاں تھا۔

عورت نہایت شکیلہ تھی۔ خد و خال دلکش تھے کسی وقت رنگ سرخ و سفید ہو گا۔ مگر اس وقت چہرہ پر سرخی نام کو نہ تھی۔ سفیدی غالب تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بیمار رہی ہو یا اب بھی بیمار ہو۔

عورت نے چلتے چلتے کہا۔ "اب بالکل نہیں چلا جاتا۔"

مرد نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "بیگم ذرا ہمت سے کام لو۔ اب قندہار دور ہی کتنا رہ گیا ہے۔ چند ہی میل ہے۔ وہاں پہنچ کر آرام کرنا۔"

بیگم۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہیں کہ ہم شہر میں پہنچ سکیں۔

مرد۔ نہیں قدرت ایسی ظالم نہیں ہو سکتی۔

بیگم۔ توبہ کیجئے آپ قدرت کو ظالم کہہ کر خدا کو بے مہر بتا رہے ہیں شاید تکلیفوں اور مصیبتوں نے آپ کے عقائد کو متزلزل کر دیا ہے۔"

مرد نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ زمانہ بھر کی مصیبتیں مجھ پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ میری بد قسمتی نے تمہیں بھی مبتلائے مصیبت کر دیا ہے۔"

بیگم۔ نہیں۔ نہیں بد قسمت میں ہوں۔ میری وجہ سے تم پر بھی ادبار آ گیا ہے تم بھی مبتلائے مصیبت ہو گئے ہو۔"

مرد۔ پیاری تم بد قسمت نہیں ہو۔ بد قسمتی میری ہے۔ تم کیوں اس غربت و افلاس میں جنگلوں اور بیابانوں میں میرے ساتھ بھٹکنے کے لیے چلی آئیں کیوں نہ اپنے میکہ میں جا کر آرام سے رہیں۔"

بیگم۔ میں نے مسرت اور شادمانی کے دن آپ کے ساتھ بسر کئے۔ اب غربت و افلاس میں کیسے ساتھ چھوڑ دوں۔"

مرد بولا "تو پہلی ہی سے مجھے تم سے بے پناہ محبت تھی۔ لیکن تمہاری اس وفاداری نے اس محبت میں اور اضافہ کر دیا ہے اور محبت کے ساتھ ساتھ تمہاری عزت بھی میرے دل میں بہت کچھ بڑھ گئی ہے۔"

بیگم میں خوش ہوں کہ آپ مجھ سے خوش ہیں جب بیوی سے اس کے شوہر خوش ہوں گے۔ خدا اور رسول صلعم بھی اس سے ضرور خوش ہوں گے۔ جب کبھی سے یہ دونوں

خوش ہوں گے اسکی خوش بختی میں کیا شک ہے۔

یہ دونوں مرد اور عورت میاں بیوی تھے مرد نے کہا۔ کسے خبر تھی کہ ہم اس نوبت کو پہنچیں گے

بیگم نہ معلوم ہم سے کیا گناہ سرزد ہوا ہے جس کے پاداش میں فقر وفاقہ اور پریشانی

وغم سے سابقہ پڑا ہے۔

مرد اسی بات کا تو افسوس ہے۔ ہم نے کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کی کبھی غرور

نہیں کیا۔ کبھی کسی سائل کو نہیں جھڑکا۔ آج جو لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں انھیں

نے ہمیں وطن سے نکالا ہم نے ہمیشہ ان کے ساتھ نیکی کی ہے ۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا

پھر ہم کیوں اس حال میں پہنچے۔

بیگم۔ خدا امتحان لیا کرتا ہے اپنے نیک بندوں کی آزمائش کیا کرتا ہے۔ کیا

آپ بھول گئے کہ خدا نے رسول صلعم کے لاڈلے نواسہ حضرت امام حسین علیہ السلام

کا امتحان لیا تھا

مرد بجا۔ مجھے تسلی ہے۔ میں کسی سے یہ بھی تو نہیں کہہ سکتا کہ میں خواجہ محمد

شریف کا بیٹا ہوں۔ جو شاہ ایران کے وزیر اعظم تھے۔

خواجہ محمد شریف ایران کے بادشاہ طہماسپ کے وزیر اعظم تھے۔ نہایت نیک دل

مدبر اور مخیر آدمی تھے۔ ہندوستان میں جب شہنشاہ ہمایوں کو شیر شاہ نے شکست دی

تو ہمایوں بھاگ کر ایران میں پہنچے ۔۔۔ یہ واقعہ ۱۵۴۳ء کا ہے۔ اس

وقت ایران میں شاہ طہماسپ حکمراں تھے اور خواجہ محمد شریف ان کے وزیر

اعظم تھے۔

خواجہ محمد شریف ہی کی تحریک پر شاہ طہماسپ نے شہنشاہ ہمایوں کا پرتپاک خیر مقدم[1]

---

[1] جب شاہ ہمایوں ہندوستان سے بھاگ کر ہرات کے نواح میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کیا تھا اور تین برس تک مہمان رکھ کر شاہانہ مہانداری کی تھی۔ پھر انکی نیک دل وزیرِ اعظم کے ترغیب دینے پر شاہ طہماسپ نے بارہ ہزار ایرانی سوار شہنشاہ ہمایوں کو مدد کے لیے دیئے تھے۔ شہنشاہ ہمایوں نے ان سواروں ہی کی مدد سے کابل اور قندھار فتح کر کے اول لاہور۔ پھر دلی پہ قبضہ کیا تھا۔ گویا ان سواروں کی اعانت سے شہنشاہ ہمایوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کی تھی ......"

خواجہ محمد شریف کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مرزا غیاث بیگ اپنے باپ کے جانشین ہوئے لیکن یہ قاعدہ ہے کہ اچھے آدمیوں کے برے لوگ دشمن ہوا کرتے ہیں۔ خواجہ محمد شریف اور ان کے بیٹے غیاث بیگ کے بھی دشمن تھے خواجہ کے سامنے تو ان کی عداوت سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ لیکن ان کی وفات کے بعد دشمنوں نے لگائی بجھائی کر کے مرزا غیاث بیگ کو ان کے عہدہ سے علیحدہ کرا دیا۔ اور اوباش لوگ ایسے ان کے پیچھے پڑے کہ انھیں اپنا وطن چھوڑنا پڑ گیا۔"

اگرچہ وہ وزیرِ اعظم کے بیٹے تھے لیکن ان کے پاس دولت نہ تھی۔ شاید اس

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰ کا) پہنچے تو انہوں نے شاہ طہماسپ کو اپنے خاص قلم سے اپنی تمام سرگزشت لکھ کر بھیجی۔ شاہ طہماسپ صفوی بہت زیادہ متاثر ہوئے انہوں نے اس وقت اس نواح کے گورنروں کے پاس احکام بھیج دیئے کہ شاہ ہمایوں کا ہر جگہ شاندار استقبال کیا جائے۔ مہانداری میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا جائے شاہزادہ ایران کو حکم دیا کہ ہرات جا کر استقبال کریں چنانچہ اس حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی۔ ہر مقام پر شہنشاہ ہمایوں کا شایان شان استقبال (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کی وجہ یہ تھی کہ ان کے باپ بڑے مخیر تھے جو کچھ ہاتھ آتا۔ سائلوں کو دے ڈالتے تھے اس لیے جب وہ وطن سے چلے تو ان کے پاس بہت معمولی سامان۔ بہت کم نقدی اور ان کی بیوی کے پاس چند ہی زیورات تھے۔"

مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی۔ بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ جب مرزا غیاث بیگ اور ان کی شریک حیات، وطن سے نکلے تو چند ہی منزل چلے تھے کہ ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کرکے جو کچھ ان کے پاس تھا سب کچھ لوٹ لیا۔ صرف تنوں پر کپڑے چھوڑ دیئے اب بے چارے نانِ شبینہ کو محتاج ہو گئے۔ بیابانوں کی خاک اڑاتے اور دشوار گذار منزلیں طے کرتے بھوکے پیاسے نواح قندھار میں جا پہنچے۔

مرزا غیاث بیگ ایران سے ہندوستان کے ارادہ سے چلے تھے اتنا لمبا اور خطرناک سفر انہوں نے اس خیال سے اختیار کیا تھا کہ شہنشاہ ہمایوں ہندوستان

(بقیہ صفحہ ۱۰ کا) کیا گیا شاہانہ مدارات کی گئی۔ شاہزادہ نے ہرات پہنچ کر ہمایوں کا ایسا استقبال کیا جیسے وہ اپنے باپ کا کیا کرتے تھے۔ شہر نیشاپور پہنچ کر انہوں نے فیروزہ کی کان ملاحظہ کی۔ وہاں ایک چشمہ عجیب و غریب تھا۔ جب اس چشمہ میں گندگی ڈالی جاتی تھی تو آندھی کا طوفان اٹھ کر اس نواح کو تیرہ و تار کر دیتا تھا شہنشاہ ہمایوں نے خود اس تماشے کو ملاحظہ کیا۔ جب ہمایوں دارالسلطنت کے قریب پہنچے تو ارکین دولت اور امرائے سلطنت نے استقبال کیا جب دارالسلطنت نظر آنے لگا تو خود شہنشاہ طہماسپ نے شہر سے باہر نکل کر شاندار استقبال کیا۔ بڑی تعظیم و تکریم کی۔ قصر شاہی کے حصہ میں مہمان رکھا۔ ہزاروں قسم کے تحفے مثل عراقی گھوڑے جن کے زین سنہرے باگیں مرصع۔ گدی فاخرہ اور اسلحہ تیار تھے۔ نر و مادہ سانڈنیاں جو صبا رفتار تھیں۔ خنجر و تلوار، قاقم و سنجاب، سمور، زربفت، مخمل و تقمہ، گئے (صفحہ ۱۲ پر)

کے بادشاہ کی ان کی مصیبت کے زمانے میں ان کے باپ خواجہ محمد شریف نے بڑی مدارت کی تھی۔ وہ سوچے ممکن ہے ہمایوں زندہ ہوں اور ان کے باپ کا حسن سلوک یاد کرکے ان کی مصیبت میں ہاتھ بٹائیں۔"

یہ مرزا غیاث کی بڑی اولوالعزمی تھی کہ وہ یکہ و تنہا بغیر کسی سہارے کے جا رہے تھے۔ آج کل ہماری قوم کے نوجوان اپنے وطن سے نکل کر کسی دوسرے شہر میں قسمت آزمائی کے لیے جانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں سمجھتے وہ نہیں جانتے کہ حرکت ہی میں برکت ہے۔ وطن سے نکل کر ہی عزت ملتی ہے شہرت قدم چومتی ہے۔ دولت ہاتھ آتی ہے ؎

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا　　عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا

بیگم نے کہا۔ آپ ایران کی حدود میں، کیوں کسی پر ظاہر کریں کہ آپ خواجہ محمد شریف وزیر اعظم ایران کے بیٹے ہیں۔ گمنامی میں سفر کیجئے۔ ہندوستان میں پہنچ کر اس بات کو ظاہر کیجئے گا۔"

مرزا غیاث۔ سوچتا ہوں اگر شہنشاہ ہمایوں زندہ نہ ہوں تو کہیں یہ تکلیفیں اور پریشانی کا سبب نہ بن جائیں۔"

بیگم۔ شہنشاہ ہمایوں نہ ہوں گے ان کی اولاد ہو گی اول تو ہر مسلمان احسان کو بہت مانتا ہے اور بادشاہ تو ذرا سے احسان کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ

(بقیہ صفحہ ۱۱ کا) اطلس شجر، ہزار دل طشت و آفتابہ۔ ہزاروں طبق و شمع دان اور بہت سی نادر روزگار چیزیں ہمایوں کی نذر کیں۔ ہمایوں نے ڈھائی سو لعل گراں بہا پیش کئے۔　　(صادق۔ صدیقی۔ ۔ ۔ دھنوی)

(از سیر المتاخرین جلد اول صفحہ ۱۰۲)

اس وسوسہ میں نہ پڑیں۔ انشاء اللہ ہندوستان پہنچ کر ہماری تکلیفوں کا پریشانیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

مرزا غیاث۔ انشاء اللہ — مجھے سب سے بڑا غم یہ ہے کہ میں تمہارے لیے کھانا بھی مہیا نہیں کر سکتا۔ آج تمہیں تین وقت کا فاقہ ہے — یہ گرمی یہ سخت دھوپ۔ اس پر بھوک پیاس کی تکلیف۔ مجھے تمہاری حالت دیکھ دیکھ کر بڑا ہی قلق ہوتا ہے۔"

بیگم۔ اگر میں بھوکی ہوں تو آپ بھی بھوکے ہیں۔ آپ میرا خیال مطلق نہ کریں میں عورت ہوں اور عورت بھوک پیاس کی تکلیف کو ہنسی خوشی برداشت کر لیتی ہے۔ البتہ مرد مشکل سے کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ رزق عورت کی قسمت سے ملتا ہے۔ افسوس مجھے ہے کہ میری بدقسمتی نے آپ کو بھی مبتلائے مصیبت کر رکھا ہے۔"

مرزا غیاث۔ تم بدقسمت نہیں ہو۔ لیکن ہم بدقسمتی کا شکوہ ہی کیوں کریں خدا م ازل نے جو ہماری پیشانیوں پر لکھ دیا ہے وہ پیش آ لے گا۔"

بیگم۔ صحیح یہی بات ہے۔ قسمت کا شکوہ کرنا بھی خدا ہی کا شکوہ کرنا ہے۔ ہمیں اس سے بچنا چاہیئے۔"

مرزا غیاث۔ ٹھیک ہے۔ تم ذرا ہمت کرو قندھار قریب ہی رہ گیا ہے۔ وہاں کوئی نہ کوئی خدا کا نیک بندہ ہمیں کھانے پینے کو دے ہی گا۔"

بیگم۔ بخدا مجھے بھوک پیاس کی تکلیف نہیں ہے۔

مرزا غیاث۔ اور کیا تکلیف ہے۔

بیگم۔ مجھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ فقرہ پورا نہ کر سکی مرزا غیاث کی طرف دیکھ کر شرما گئی۔ مرزا غیاث سیدھے آدمی تھے۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکے۔ اب دونوں خاموش ہو کر سفر طے کرنے لگے۔

دوسرا باب (۲)

بیہوشی

ان دونوں نے ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ مرزا غیاث نے دیکھا کہ ان کی شریک حیات کانپ رہی ہے۔ انہوں نے اس کے چہرہ کی طرف نظر کی۔ چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ جس میں کچھ زردی کی بھی جھلک تھی۔ مرزا گھبرا گئے۔ انہوں نے جلدی سے پوچھا بیگم کیا خدانخواستہ جاڑا چڑھ آیا ہے۔"

بیگم نے خفیف آواز میں جواب دیا۔" نہیں۔

مرزا غیاث۔ پھر کیا بات ہے۔ تم کانپ کیوں رہی ہو۔؟

بیگم۔ میں کیسے بتاؤں۔ میرے درد ہو رہا ہے۔"

مرزا غیاث اور بھی گھبرا گئے۔ انہوں نے پوچھا۔ درد کہاں ہو رہا ہے۔

بیگم نے اپنا خچر روک کر کہا۔ مجھے سنبھالو۔ میں اب ایک قدم بھی خچر پر سوار ہو کر نہیں چل سکتی۔

مرزا غیاث نے فوراً اپنے خچر سے کود کر اپنی آرام جان کو سنبھالا۔ بیگم بالکل ہی نڈھال ہو گئی تھی۔ اس میں بیٹھنے کی سکت بھی باقی نہ رہی تھی۔ اس نے اپنے جسم کا تمام بوجھ مرزا غیاث پر ڈال دیا۔ مرزا نے اسے اپنی آغوش میں لے کر آہستہ سے خچر سے اتارا اور راستہ سے ذرا ہٹ کر ایک درخت کے نیچے لے جا کر بٹھا دیا۔ وہ جلدی سے خچروں کے پاس آئے انھیں ہانک کر درخت کے نیچے ہی لے گئے۔ زمین پر فرش

اتار کر بچھایا اور اس پر بیگم کو لٹا دیا۔ بیگم لیٹتے ہی بیہوش ہو گئیں۔"

یہ دیکھ کر مرزا غیاث کی روح ہی نکل گئی۔ وہ جھک کر اسے ٹٹولنے اور ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس وقت ان کے پاس نخلخا یا اور کوئی خوشبو نہ تھی۔ خوشبو تو خوشبو پانی تک نہ تھا۔ ممکن تھا کہ پانی کے چھینٹے دینے سے بیگم کو ہوش آجاتا۔ مرزا غیاث پریشان اور مغموم تو تھے ہی۔ بیوی کی یہ حالت دیکھ کر اور بھی غمزدہ ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ اسے ہلانے اور آوازیں دینے لگے۔ انہیں بیگم نے بتایا تھا کہ درد ہے۔ وہ یہ تو سمجھ گئے کہ درد کی تکلیف کی وجہ سے بیہوش ہو گئی ہے۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ درد کس جگہ ہے۔ اگر معلوم بھی ہو جاتا تو اس وقت کیا علاج ہو سکتا تھا۔

تھوڑی دیر میں بیگم کو ہوش آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ مرزا غیاث کو بڑی خوشی ہوئی گویا خود انہوں نے دوبارہ زندگی پائی۔ انہوں نے جلدی سے آواز دی۔ "بیگم"

بیگم نے کمزور آواز میں کہا۔ ہاں۔

مرزا غیاث۔ کیسی طبیعت ہے۔

بیگم۔ آپ گھبرائیں نہیں۔

مرزا غیاث۔ درد کس جگہ ہے"

بیگم نے پھر شرمیلی نظروں سے مرزا کو دیکھا اور کہا ... "کہا تو ہے اب تک نہیں سمجھے۔"

مرزا غیاث۔ "میں اب بالکل نہیں سمجھا"

بیگم۔ "میرے پیٹ میں درد ہے۔"

مرزا غیاث۔ مگر پیٹ میں درد کیوں ہے۔ تم نے کھانا ہی کیا ہے — اوہ

سمجھا شاید بھوک کی شدت سے یہ درد ہو رہا ہے۔ خدایا کیا کروں۔ کیا چیز کھانے کو دوں۔ یہاں تو سوائے ریت کے ذروں اور درخت کے پتوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

بیگم: فکر نہ کرو۔ یہ درد نہ کچھ کھانے سے ہوا۔ نہ بھوک کی شدت سے۔ نہ مجھے کھانے کی خواہش ہے۔ نہ کچھ کھانے سے یہ درد دور ہو سکتا ہے۔"

مرزا غیاث: پھر کیسا درد ہے۔"

بیگم: "آپ بڑے ہی سادہ لوح ہیں ۔۔۔ میری حالت دیکھ کر بھی کچھ نہیں سمجھے۔"

مرزا غیاث: بالکل نہیں سمجھا۔ تم صاف کیوں نہیں بتا دیتی ہو۔"

بیگم: یہ درد، دردِ زہ ہے۔"

بیگم شرما گئی۔ مرزا غیاث نے خوش ہو کر کہا " اوہ میں اب سمجھا۔ خدا کا شکر ہے۔"

لیکن فوراً ہی مرزا کو اپنی بے زری، غربت ۔ افلاس اور غریب الوطنی کا خیال آ گیا اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ اس سے پہلے اس کی بیگم کے ایک بچہ اور پیدا ہوا تھا جس کا نام ابوالحسن تھا اور جسے اس وقت وہ اپنے وطن ہی میں اپنے بھائی کے پاس چھوڑ آئے تھے۔

جب ابوالحسن پیدا ہوا تھا تو بیگم کی خدمت کے لیے دسیوں کنیزیں اور خادمائیں تھیں۔ ہر قسم کا ساز و سامان تھا۔ ہر طرح کی نعمت تھی۔ بڑی دھوم دھام کی گئی تھی۔ تمام محل میں عجیب چہل پہل رہی تھی۔ کنیزیں فاخرہ لباس پہنے اپنی بھڑک دکھاتی پھر رہی تھیں ۔۔۔ سیکڑوں آدمی مبارکباد دینے آئے تھے آج جب بیگم کے پھر بچہ پیدا ہونے والا تھا تو کنیزیں اور خادمائیں تو کیا

کوئی عورت بھی پاس نہ تھی۔ کھانے کو روٹی کا سوکھا ٹکڑا بھی نہ تھا۔ مرزا کو اس خیال سے بڑا صدمہ پہنچا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ بیگم نے دیکھ لیا۔ اس نے کہا "شاید آپ کو اس وقت ہماری امارت کا زمانہ یاد آ گیا۔"

مرزا غیاث۔ "ہاں۔ سوچتا ہوں۔ کیا تھا کیا ہو گیا۔ تم نے ناز و نعم میں پرورش پائی۔ شاہزادیوں کی طرح رہیں۔ ابوالحسن کی پیدائش کے وقت ہزاروں پیسے لٹا ڈالے تھے۔ آج پھوٹی کوڑی بھی پلہ نہیں ہے۔ جنگل بیابان میں ہیں۔"

بیگم۔ "پھر کیا غم ہے۔ ہمارے ساتھ کوئی اور نہیں ہے۔ لیکن خدا تو ہے۔ وہی ہم پر رحمت اور مہربانی کرے گا۔ دولت ہنڈتی پھرتی چھاؤں ہے اب ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ کیا عجب ہے کہ پھر آ جائے۔ میرے سرتاج آپ غم و فکر نہ کریں۔ آپ کو غمگین دیکھ کر میری روح کو صدمہ ہوتا ہے"

مرزا غیاث۔ "افسوس میں مرد ہو کر بزدلی کرتا ہوں۔ تم عورت ہو کر دلیری دکھا رہی ہو۔ اب میں بے صبری کا اظہار نہ کروں گا۔ غم و فکر کو پاس نہ آنے دوں گا۔ راضی بہ رضا رہوں گا۔"

بیگم۔ "ہاں۔ ہمیں راضی بہ رضا ہی رہنا چاہیئے۔ میں چونکہ کمزور ہوں۔ اس لیئے درد کی تکلیف زیادہ معلوم ہو رہی ہے۔ اگر میں پھر بے ہوش ہو جاؤں تو آپ تردد نہ کریں۔"

مرزا غیاث۔ "مجھے تم سے محبت ہے۔ اس لیے تردد ہونا لازمی ہے۔ لیکن اب میں اپنے دل کو خود ہی تسلی دے لوں گا۔"

بیگم نے کچھ نہ کہا۔ دراصل وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ دردِ زہ کی تکلیف بڑھ گئی وضع حمل کا وقت قریب آ گیا۔ وہ مرزا غیاث کے غمزدہ ہونے کی وجہ سے کراہنا نہ چاہتی تھی۔ لیکن جب تکلیف زیادہ بڑھ گئی تو مجبور ہو کر کراہنے لگی۔ پھر بھی

جہاں تک ہوتا ضبط کرتی اور نازک لبوں کو موتیوں جیسے سفید دانتوں میں ر دبا لیتی۔"

مرزا غیاث اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کی تکلیف دیکھ کر غمگین اور پریشان ہو رہے تھے۔ دفعتاً بیگم پھر بے ہوش ہو گئی۔ مرزا غیاث کو بڑا فکر ہوا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح بیگم کی تکلیف دور کر دیں۔ مگر یہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے خدا سے دعا مانگی کہ بچہ بخیریت پیدا ہو جائے اور بیگم زندہ سلامت رہیں۔"

تھوڑی دیر میں بیگم کو پھر ہوش آگیا۔ دراصل جب تکلیف حد سے بڑھ جاتی تھی تو ہوش میں آجاتی تھی۔"

بیگم کچھ دیر تو بے حس و حرکت پڑی رہیں۔ پھر اس نے مرزا سے کہا۔ میرے سرتاج اگر میں مر جاؤں ... ...

مرزا نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ایسی بدفالی کی باتیں نہ کرو اس سے میری روح کو صدمہ پہنچتا ہے۔ میری ڈھارس تمہاری وجہ سے بندھی ہوئی ہے۔ مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے۔ تمہارے بعد میرا زندہ رہنا دشوار ہے۔"

بیگم:۔ میں اس کے متعلق کچھ کہنا چاہتی تھی۔

مرزا غیاث۔ اسکے متعلق کچھ نہ کہو۔ مجھے بڑا رنج و قلق ہوتا ہے۔

بیگم۔ اچھا بچہ کے متعلق تو میں کچھ کہہ دوں۔

مرزا غیاث۔ میں سمجھ گیا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ انشاء اللہ بچہ کو تم خود پرورش کرو گی۔"

اسی عرصہ میں بیگم پھر بے ہوش ہو گئیں۔ مرزا اور اس کے ...

کھسک کر بیٹھ گئے۔

تیسرا باب (۳)

معصوم بچی

کمزوری کی وجہ سے بیگم بار بار بیہوش ہو جاتی تھی اور جب وہ بیہوش ہو جاتی تھی تو مرزا غیاث بیگ کو بڑا ہی قلق ہوتا اور بڑی پریشانی ہوتی۔ جب اسے ہوش آجاتا تو انھیں کچھ خوشی کچھ اطمینان ہو جاتا تھا۔

بیگم کو پھر ہوش آگیا۔ وہ کراہنے لگی مرزا غیاث اس کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے کہا۔ بیگم گھبراؤ نہیں —— یہ بے ہوشی کے دورے کمزوری کی وجہ سے پڑ رہے ہیں۔

بیگم میں سمجھتی ہوں۔ میں نے غلطی کی کہ اس حالت میں آپ کے ساتھ آئی اور آپ پر نہ صرف بار ہوگئی۔ بلکہ آپ کے لیے پریشانی کا باعث بھی بن گئی۔

مرزا غیاث مجھے پریشانی کچھ نہیں ہے —— البتہ غم یہ ہے کہ میں اس حالت میں تمھاری کچھ مدد نہیں کر سکتا۔

بیگم اس کا خیال نہ کرو۔ اگر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔ مگر یہ خوشی بھی ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں —— میری تمنّا یہ ہے کہ میرا جو کچھ بھی حشر ہو وہ آپ کے سامنے ہو۔

مرزا غیاث تم شائد اپنی زندگی سے نا امید ہو۔ بیگم انشاء اللہ تم اس مرحلہ سے گذر کر تندرست ہو جاؤ گی۔

بیگم۔ خدا بہتر کرے۔

مرزا غیاث۔ ہاں وہ بہتر ہی کرے گا۔"

بیگم کے پھر درد شروع ہوا۔ وہ کراہنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں لڑکی پیدا ہوئی۔ مرزا غیاث بیگم کو یہ خوشی ہوئی کہ بیگم اس نازک دور سے بخیریت گذر گئیں۔ لڑکی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے سجدۂ شکر کیا۔ بیگم کو مبارکباد دی۔ بیگم کے لبوں پر پھیکا تبسم نمودار ہوا۔ مرزا غیاث نے بچی کو گود میں لیا۔ بیگم نے بچی پر نظر ڈال کر کہا۔ "کس قدر پیاری بچی ہے یہ۔"

مرزا غیاث۔ ہاں بڑی ہی پیاری ہے۔ خدا اسے صاحب نصیب کرے۔

بیگم۔ ہمارا نصیبہ اس کی ولادت سے بیدار ہو جائے۔"

مرزا غیاث۔ آمین۔"

اب پھر بیگم کی طبیعت بگڑنے لگی۔ مرزا کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ پھر بیہوش ہو گئی۔ مرزا کو پھر فکر و پریشانی نے آگھیرا۔ وہ بچی کو گود میں لے کر بیگم کو دیکھنے لگے۔ دیر تک دیکھتے رہے۔ بیگم پر مردنی چھا گئی۔ مرزا کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ داغ مفارقت نہ دے جائے۔ انہوں نے سوچا کہ اس جنگل بیابان میں پڑے رہنے سے طبی امداد تو کیا۔ بیگم کو کھانے پینے کے لیے بھی کچھ میسر نہ آئے گا۔ ایسی صورت میں ممکن ہے وہ فوت ہو جائے۔ شام قریب آتی جا رہی تھی۔ رات کو اس بھیانک جنگل میں رہنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ قندھار قریب تھا وہاں پہنچ کر ہی کھانے اور آرام کی سبیل ہو سکتی ہے۔ وہ فوراً روانگی پر تیار ہو گئے۔"

لیکن بیگم کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ ادھر بچی رو رہی تھی۔ مرزا غیاث بیگ سخت پریشان تھے۔ وہ اس فکر میں تھے کہ بیگم کو ہوش آجائے تو وہ اسے بچی دے کر چل پڑیں۔ لیکن بیگم کو ہوش آنے میں نہ آتا تھا

ادھر دن چھپنے کے قریب تھا۔ قندھار اگرچہ کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ مگر پھر بھی چند میل کا فاصلہ تھا۔ اور یہ فاصلہ چار گھڑی سے پہلے طے نہیں ہو سکتا تھا"

انہوں نے بیگم کو آوازیں دیں۔ جھنجھوڑا لیکن بیگم نے نہ آنکھیں کھولیں نہ حرکت کی جب دیر تک کوشش کرنے پر بھی بیگم کو ہوش نہ آیا تو مرزا نے اسے اسی عالم میں لے کر چلنے کا قصد کر لیا۔ انہوں نے نیم مردہ بیگم کو خچر پر سوار کیا۔ خود اسے سنبھالنے کے لیے اس کے پیچھے بیٹھ گئے۔ بچی کو بائیں طرف گود میں لے لیا۔ ابھی خچر نے حرکت بھی نہ کی تھی کہ بیگم ایک طرف کو جھک گئی مرزا نے اسے سنبھالا تو بچی کو گود میں سنبھالے رکھنا دشوار ہو گیا۔ اس سے مرزا اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ بیگم اور بچی دونوں کو لے کر نہیں چل سکتے ان دونوں میں سے ایک کو وہیں چھوڑ دینا اور دوسری کو لے چلنا ممکن ہے۔ لیکن اب یہ سوال پیدا ہوا کہ جنگل میں موت کا مقابلہ کرنے کے لیے بچی کو چھوڑیں یا بیگم کو۔ اگر پدری محبت بچی کو لے چلنے پر ابھارتی تھی تو بیوی کی محبت اسے لے چلنے پر اکساتی تھی وہ حیران تھے کہ کسے چھوڑیں اور کسے لے چلیں۔ دیر تک غور و خوض کرنے پر بھی وہ کوئی بات طے نہ کر سکے۔ دراصل محبت دونوں سے تھی۔ اور وہ ان میں سے کسی کو بھی چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن دونوں کو ساتھ لے چلنا بھی دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا اس لیے ایک کو وہاں چھوڑنا ضروری تھا۔

انہوں نے سوچتے سوچتے یہ خیال کیا کہ بچی کا بغیر ماں کے پرورش پانا غیر ممکن ہے اگر بیوی بچ گئی تو بچے اور بھی پیدا ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ماں پر اس ننھی سی جان کو قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ خود خچر سے اترے۔ بیوی کو اتارا اور پھر بچی کو زمین پر لٹا دیا۔ بچی رونے لگی۔ مرزا کے دل میں محبت نے جوش مارا۔ انہوں نے پھر بچی کو گود میں اٹھا لیا۔ اسے چھاتی سے لگا لیا۔ آغوش کی گرمی پا کر بچی چپ ہو گئی۔ مرزا کا پایہ استقلال پھر متزلزل ہو گیا۔۔۔ بچی کو تنہا جنگل میں چھوڑنے

کو جی نہ چاہا ۔

لیکن پھر یہ بات یاد آگئی کہ بچی اور بیوی دونوں کو اس حالت میں ساتھ لے کر نہیں چل سکتے کہ بچی ننھی سی جان ہے اور بیوی بیہوش ہے دونوں میں سے ایک بھی اس قابل نہیں کہ اپنے سہارے سے خچر پر بیٹھی رہے اور وہ تنہا دونوں کو سنبھال نہیں سکتے ۔ اس لیے ایک کو وہیں چھوڑ دینا ضروری ہے ۔ اس کے ساتھ ہی پھر یہی خیال آیا کہ بغیر ماں کی بچی اس وجہ سے نہیں پل سکتی ۔ کہ ان میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ وہ بچی کے لیے کوئی انا ملازم رکھ سکیں اس لیے انہوں نے پھر بچی ہی کو چھوڑنے کا قصد کر لیا ۔ انہوں نے بچی کو کو خوب پیار کیا ۔ کئی دفعہ سینے سے لگایا اور ایک جگہ سے پتے ہٹا کر زمین صاف کر کے وہاں بچی کو لٹا دیا ۔ اور اوپر سے اس پر پتے ڈھک دیئے بیچارے مرزا کے پاس اتنا کپڑا بھی فالتو نہ تھا کہ بچی کو اڑھا دیتے ۔ پتوں سے اس کی ستر پوشی کر دی ۔ بچی خاموش رہی ۔ مرزا جلدی سے اسکے پاس سے چلے آئے کہ کہیں وہ رونے نہ لگے اور پھر ان کا دل پسیج نہ جائے ۔

انہوں نے خچر کے پاس آکر پھرتی سے اس پر بیوی کو سوار کیا ۔ خود اسے سنبھالنے کے لیے اس کے پیچھے بیٹھ گئے ۔ دوسرے خچر کی باگ اپنی کمر سے باندھ لی اور وہاں سے چلے ۔

اگرچہ اولاد سے ماں کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے ۔ لیکن باپ کو بھی کچھ کم نہیں ہوتی ۔ اس وقت مرزا کے دل میں بھی پدری محبت کا طوفان اٹھ رہا تھا ۔ جی نہ چاہتا تھا کہ معصوم بچی کو سنسان بیابان میں درندوں کی خوراک ہونے کے لیے اکیلا چھوڑ دیں ۔ لیکن بیوی کی طویل بیہوشی اور انتہائی کمزوری نے انہیں کلیجہ پر پتھر رکھ کر اسے چھوڑنے پر مجبور کر ہی دیا ۔ انہوں نے خچر کو تیزی

سے اس لیے چلانا شروع کر دیا کہ کہیں بچی رونے نہ لگے ـــ اور اس کی آواز سن کر ان کا دل پھر بے چین نہ ہو جائے۔ اس پر بھی وہ مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھے جاتے تھے ـــ مجبوری انسان سے کیا کچھ نہیں کرا دیتی یہ مجبوری ہی تھی کہ باپ نے بچی کو جنگل بیابان میں چھوڑ گیا پھر ابھی مرزا نے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ بچی رونے لگی ـــ اس کی آواز مرزا کے کانوں میں آئی۔ چاہا پھر لوٹ کر اسے اٹھا لائیں۔ لیکن پھر وہی خیال آ گیا کہ اٹھا تو لائیں گے۔ لیکن لے کیسے چلیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کان بند کر لئے تاکہ بچی کے رونے کی آواز کانوں میں نہ آئے۔ اور خچر کی رفتار تیز کر دی۔ مگر جوں جوں وہ بڑھتے گئے آواز برابر آتی رہی۔ وہ بے چین ہو گئے انہوں نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ "پروردگار! مجھے صبر دو۔"

عین اس وقت بیگم کو ہوش آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ کچھ دیر بے مدعا ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ جب حواس درست ہوئے تب اس نے سمجھا کہ وہ خچر پر سوار اپنے شوہر کی آغوش میں ہے ـــ اس سے اس کو سکون سا حاصل ہوا۔ مگر جب وہ پورے طور پر ہوش میں آ گئی اور اپنی زچگی کی حالت کا احساس ہوا تو بچی کا خیال آ گیا اسی کے ساتھ ہی دور فاصلے پر سے کسی بچی کے رونے کی آواز کانوں میں آئی۔ اس نے جلدی سے پوچھا۔ "میرے سرتاج بچی کہاں ہے۔!"

مرزا اس سوال سے چکر میں آ گئے۔ بیوی کو کیا جواب دیں۔ لیکن اس کی تشفی کے لیے جواب دینا ہی ضروری تھا انہوں نے کہا۔ "بچی کا فکر نہ کرو۔ خدا کا شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا۔"

بیگم۔ ہاں اللہ کا احسان ہے۔ مگر میری بچی کہاں ہے۔

مرزا۔ خدا نے چاہا تو بچی بھی مل جائے گی۔"

بیگم نے سنبھل کر کہا۔ مگر وہ ہے کہاں۔"

اب مرزا کو تمام واقعہ بتانا پڑا۔ انہوں نے کہا تم بیہوش تھیں اور بچی گرسنگی کا لوتھڑا تھی۔ دونوں کو سنبھال کرلے چلنا ناممکن ہوگیا۔ اس لیئے میں نے بچی کو وہیں چھوڑ دیا۔ اور تمھیں لے آیا۔

بیگم کاش آپ مجھے وہیں چھوڑ دیتے۔ آپ نے اپنی بچی کو جنگل بیابان میں چھوڑ دیا اسے کیسے آپ کے دل نے گوارا کیا۔

مرزا۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ اسے وہاں چھوڑتے وقت مجھے کس قدر رنج وقلق ہوا تھا۔ لیکن مجبوری تھی ــــ تمھیں بچانے کے لیے اسے تم پر سے قربان کرنا پڑا۔

بیگم۔ مگر میں اس کے بغیر کیسے جی سکوں گی۔ جب یہ یاد آئے گا کہ ہم اپنی ننھی سی بچی سنسان مقام پر چھوڑ آئے تھے تو کلیجہ منہ کو آجایا کرے گا۔ آپ میری بچی کو لے آئیں ــ۔"

مرزا۔ لیکن ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ اگر میں پھر اسے لینے گیا تو دن راستہ ہی میں چھپ جائے گا اور ہم قندھار میں نہ پہنچ سکیں گے۔

بیگم کچھ پرواہ نہیں۔ ہمیں بھیڑیئے کھاجائیں یا ڈاکو قتل کرجائیں میں اپنی بچی کو چھوڑ کر آگے نہیں جاسکتی۔ للہ آپ جائیے اور اس معصوم کو لے کر آئیے ــ۔"

مرزا۔ بیگم بچی کا خیال چھوڑ دو۔

بیگم یہ ناممکن ہے ــــ جائیے میں آپ کی منت کرتی ہوں جلد جائیے اور اسے لے کر آئیے

مرزا مجبور ہوگئے وہ خچر سے اترے سہارا دے کر بیگم کو اتارا۔ بیگم کو صاف سی

جگہ بٹھا کر خود خچر پر سوار ہوئے اور بچی کو لانے کے لیے تیزی سے لوٹے۔

چوتھا باب (۴)

بچی کے محافظ

دنیا میں ایک دو نہیں بہت سے ایسے واقعات ہو گزرے ہیں کہ جو لوگ کسمپرسی کی حالت میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بڑی شہرت ناموری حاصل کی۔ شداد کی ماں جہاز میں سفر کر رہی تھی۔ طوفان آگیا۔ جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس کی ماں ایک تختہ پر بہہ نکلی۔ وہ حاملہ تھی۔ وضع حمل کا وقت قریب تھا۔ اسی تختہ پر اس کے بچہ پیدا ہوا۔ یہ بچہ شداد تھا۔ شداد کے پیدا ہوتے ہی اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ یہی بچہ بڑا ہو کر جلیل القدر بادشاہ ہوا۔ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور دنیا میں بہشت بنائی۔

فرعون کو نجومیوں نے اطلاع دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہو گا جو اسے تخت و تاج سے بے دخل کر دے گا۔ فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکے پیدا ہوں وہ قتل کر دیئے جائیں۔ ہزاروں معصوم بچے قتل کر ڈالے گئے۔ اتفاق سے انہیں ایام میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے ان کی والدہ نے جلدی سے انہیں صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں بہا دیا۔ فرعون کی بیوی نے اس صندوق کو نکلوایا اس میں بچہ دیکھ کر حیران ہوئی۔ خدا نے ان کی محبت اس کے دل میں پیدا کر دی اس نے انہیں پرورش کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ انا کی تلاش رہی۔ خدا کو یہ منظور تھا کہ ماں اور بیٹے کو ایک جگہ کر دیں چنانچہ

حضرت موسیٰ کی والدہ ہی دودھ پلانے پر مقرر ہوئیں بڑے ہو کر حضرت موسیٰ پیغمبر ہوئے ان کی بد دعا سے فرعون دریائے نیل میں غرق ہوا۔

اسی طرح مرزا غیاث بیگ کی یہ بچی جس کی قسمت میں، اقسام ازل نے ملکۂ ہند ہونا لکھا تھا۔ ایسی کس مپرسی کی حالت میں پیدا ہوئی کہ باپ اسے ساتھ نہ لے جا سکے۔ پتوں سے ڈھک کر سنسان اور ہولناک جنگل میں درندوں کی خوراک بننے کے لیے چھوڑ گئے۔ مگر قدرت کے عجیب کھیل ہیں۔

جاکو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے

اس معصوم بچی کی حفاظت و پرورش کا انتظام کر دیا۔

جب مرزا غیاث بیگ اس ننھی سی جان کو خشک پتوں سے ڈھک کر چلے آئے تو بچی نے رونا شروع کر دیا۔ اس وقت وہاں کوئی آدمی نہ تھا۔ ہو کا مقام تھا بچی کی رونے کی آواز دور تک پھیل گئی۔

اس درخت پر کچھ پرندوں کے گھونسلے تھے۔ یہ پرندے دن میں بستیوں کی طرف چلے جاتے اور شام سے پہلے واپس آجاتے۔ چنانچہ اب ان کی واپسی شروع ہو گئی تھی۔ انہوں نے خلاف معمول ایک انسانی بچہ کو درخت کے نیچے پڑے روتے ہوئے دیکھا۔ وہ ازراہ ہمدردی سب سے نیچے شاخوں پر آکر چہچہانے لگے۔ گویا وہ اپنی شیریں گفتاری سے اس بچی کو بہلانا اور چپ کرانا چاہتے تھے۔ لیکن بچی نہ کچھ سنتی تھی نہ سمجھتی تھی۔ غالباً بھوک سے رو رہی تھی۔ روئے چلی جا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک سیاہ پھن دار سانپ تیزی سے دوڑتا ہوا آیا۔ اسے دیکھتے ہی پرندوں نے زور زور سے اس خوف سے شور کرنا شروع کر دیا کہ کہیں وہ موذی اس معصوم بچی کو ڈس نہ لے۔ لیکن سانپ پر ان کے چلانے اور شور کرنے کا کوئی اثر بھی نہ ہوا۔ وہ برابر بچی کی طرف دوڑتا رہا۔ پرندے بے قرار ہو گئے۔ ان میں سے بعض

دل جلے سانپ کو روکنے کے لیے اس پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن سانپ بڑا ہی زہریلا اور خوفناک تھا۔ جب پرند اس کے قریب پہنچے تو پھنکار مار دیتا۔ بیچارے پرند ڈر کر پرواز کرتے اور پھر بے چین ہو کر اس کی طرف آتے اور اسے درخت کی طرف جانے سے روکنے کی کوشش کرتے۔"

لیکن سانپ بھلا ان سے کیا رکتا۔ وہ برابر درخت کی طرف دوڑتا رہا۔ آخر بچی کے پاس پہنچ گیا۔ بہت سے پرند انسانوں کے ہمدرد ہوتے ہیں۔ ان میں گرسیں بھی ہیں۔ یہ چھوٹے پرند جب سانپ کو دیکھتے ہیں تو شور کرنے لگتے ہیں ان کے شور کرنے سے انسان سمجھ جاتا ہے کہ کوئی سانپ قریب ہی ہے اس سے یہ فایدہ ہوتا ہے کہ آدمی یا تو سانپ کو مار ڈالتے ہیں یا سانپ آدمیوں کو دیکھ کر خود ہی بھاگ جاتا ہے۔"

جب پرندوں نے دیکھا کہ سانپ بچی کے پاس ہی پہنچ گیا ہے۔ تو وہ اور بھی بے چین ہو کر شور کرنے لگے۔ سانپ نے پھن اٹھا کر بچی کو دیکھا۔ دیکھتا رہا۔ پرند اب بھی اس پر حملے کر رہے تھے۔ وہ پھنکاریں مار مار کر انھیں ڈرا رہا تھا۔ آخر جب پرندوں نے دیکھ لیا کہ سانپ بچی کو کچھ نہیں کہتا تو وہ مطمئن ہو کر درخت پر کی شاخوں پر جا بیٹھے اور چہچہانے لگے گویا وہ اس بات پر خدا کی حمد کر رہے تھے کہ سانپ بچی کی حفاظت کر رہا ہے۔"

سانپ نے بچی کے گرد گھیرا ڈال لیا اور پھن اٹھا کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے وہ بچی کی حفاظت کر رہا ہو۔ بچی اب بھی رو رہی تھی سانپ پھن ہلا رہا تھا گویا وہ اسے چپ کرانے اور کھلانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

ابھی سانپ کو بچی کے پاس آئے کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ہرات کی طرف سے غبار اٹھا جب غبار کا دامن چاک ہوا تو ایک قافلہ آتا ہوا نظر آیا

اس قافلے میں بہت سے آدمی تھے جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ چند خچر تھے جن پر خیمے اور اسباب وغیرہ لدا ہوا تھا۔

یہ قافلہ طہران دار السلطنت ایران سے آ رہا تھا۔ یہ لوگ سوداگر تھے مال تجارت لیے ہندوستان جا رہے تھے۔ ملک مسعود اس قافلہ کا سردار اور ملک التجار تھے۔ ادھیڑ عمر کے آدمی تھے۔ نہایت نیک۔ مخلص اور دین دار مسلمان تھے وہ مذہباً شیعہ تھے اکثر اماکن مقدسہ کی زیارت کرتے رہتے تھے۔

چونکہ بہت تھوڑا دن باقی رہ گیا تھا اور قندھار ابھی دور تھا۔ اس لیے ملک مسعود نے یہ ارادہ کر لیا کہ اسی میدان میں قیام کر کے رات گزار دیں اور صبح وہاں سے آگے روانہ ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اس درخت سے ذرا فاصلے پر جس کے نیچے مرزا غیاث کی بچی پڑی تھی قافلہ کو ٹھہر جانے کے لیے کہا۔ سوار گھوڑوں سے اترے اور خیمے نصب کرنے کے لیے مناسب جگہیں تلاش کرنے لگے۔ اس سے دور تک اس قافلے کے لوگ پھیل گئے۔ ملک مسعود بھی مناسب جگہ تلاش کرنے لگے

اس وقت مرزا غیاث کی بچی[1] چپ ہو گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ روتے روتے تھک گئی تھی۔ لیکن اسے اب پھر بھوک نے ستایا۔ اس نے پھر رونا شروع کر دیا۔ سانپ پھر پھن ہلا ہلا کر بچی کو خاموش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

ملک مسعود اس درخت کے قریب پہنچ گئے تھے کئی اور آدمی بھی ان کے ساتھ تھے انہوں نے بچی کے رونے کی آواز سنی ان کے قافلے کے ساتھ نہ کوئی عورت تھی نہ بچہ تھا انھیں بڑا تعجب ہوا انہوں نے اپنے ہمراہیوں سے پوچھا۔ تم نے بھی کسی

---

[1] تاریخ ہند میں یہ واقعہ مفصل لکھا ہے۔ (صادق صدیقی سردھنوی)

بچہ کے رونے کی آواز سنی ہے۔

ایک ساتھی نے کہا "جی ہاں سنی ہے۔"

ملک مسعود تعجب ہے۔ اس سنسان میدان میں انسانی بچہ کے رونے کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔

دوسرا ساتھی۔ مجھے بھی کمال حیرت ہے۔ یہاں نہ کوئی عورت نظر آرہی ہے نہ مرد۔ پھر بچہ کہاں رو رہا ہے۔

ملک مسعود۔ قدرت کے عجب کھیل ہیں۔ آؤ اسے تلاش کریں۔"

انہوں نے تلاش شروع کی۔ ملک مسعود درخت کی طرف چلے۔ جوں جوں وہ درخت کے قریب ہوتے گئے آواز صاف طور پر سنائی دینے لگی۔ وہ گھوڑے کے اوپر سوار تھے۔ سانپ نے گھوڑے کے سموں کی آہٹ پا کر پھن اونچا کر کے دیکھا ملک مسعود کو آتا دیکھ کر اس نے جو گھیرا بچی کے گرد ڈال رکھا تھا وہ توڑ دیا۔ اور سمٹ کر بیٹھ گیا۔

بچی اب بھی رو رہی تھی۔ سانپ کی کوششوں سے وہ خاموش نہ ہوئی ملک مسعود جب درخت کے نیچے پہنچ گئے تو سانپ نے انھیں دیکھ کر بچی کی طرف پھن کر کے اشارہ کیا کہ اب تک اس معصوم کی حفاظت میرے ذمہ تھی۔ میں اپنا کام ختم کر چکا — اب خدا کی یہ امانت تمھارے سپرد کر رہا ہوں۔ تم اس کی نگہداشت کرتے رہنا۔"

سانپ نے ایک مرتبہ پھر بچی کو دیکھا۔ گویا اسے اس ننھی سی جان سے محبت ہو گئی تھی اور وہاں تیزی سے چلا گیا۔ ملک مسعود نے سانپ کو بیٹھے۔ اشارہ کرتے اور جاتے دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ پروردگار! تو عجب قدرت والا ہے۔ موذی جانوروں سے بچوں کی حفاظت کرتا ہے۔ تیری نرالی شان ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اترے۔ پتوں کو ہٹایا دیکھا تو ایک بچی پڑی رو رہی ہے انہوں نے جلدی سے اٹھایا اسے جھاڑا پونچھا۔ سینہ سے لگا کر پیار کیا۔ انسان کو انسانی بچہ سے قدرتاً محبت ہوتی ہے۔ ملک مسعود کے دل میں بھی انسانی محبت نے جوش مارا۔

ان کی آغوش میں آکر ننھی بچی کے رونے میں کچھ کمی واقعہ ہوگئی۔ لیکن اب بھی بالکل خاموش نہیں ہوئی۔ ٹھہر ٹھہر کر رونے لگتی تھی۔ ملک مسعود سمجھ گئے کہ وہ بھوکی ہے۔ انہوں نے اپنا انگوٹھا اس کے منہ میں دے دیا۔ بچی انگوٹھا چوسنے میں مشغول ہوگئی۔

ٹھیک اس وقت مرزا غیاث بیگ اس میدان میں پہنچے انہوں نے دور سے ملک مسعود کو گود میں بچی کو اٹھاتے دیکھا انھیں اطمینان ہوگیا کہ ان کی بچی رحمدل انسان کی آغوش میں پہنچ گئی ہے۔ اب اس کی نگہداشت و پرورش ہو جائے گی۔ وہ خاموشی سے واپس لوٹ گئے۔

ملک مسعود بچی کو قافلے میں لائے۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا ——— "عزیزو! مجھے اس بیابان جنگل میں خدا نے یہ بچی دی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کوئی مفلس مگر شریف آدمی غربت و افلاس سے تنگ آکر اسے یہاں ڈال گیا ہے ممکن ہے اس کی ماں بیمار ہو یا مر گئی ہو۔ اس کی حفاظت و پرورش کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوگئی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے قافلہ میں کوئی عورت نہیں ہے جو اسے دودھ پلا سکے۔ یہ بھوکی ہے۔ ہمارے پاس گائے یا اونٹنی کا دودھ بھی نہیں ہے اگر اسے رات کو دودھ نہ ملا تو کہیں بھوکی نہ مر جائے۔ اس لیے اب ہمیں یہاں قیام نہ کرنا چاہیئے بلکہ قندھار میں پہنچ کر جلد سے جلد اس بچی کے لیے کوئی انتظام کرنا چاہیئے۔"

بہت سے لوگ ان کے پاس دوڑ کر آئے۔ انہوں نے بچی کو دیکھا۔ بچی نہایت خوبصورت تھی۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ یہ آپ کو کہاں سے ملی ہے۔"

ملک مسعود نے تمام واقعہ انھیں سنا دیا۔ انھیں بڑا تعجب ہوا اسی وقت تمام قافلہ پھر گھوڑوں پر سوار ہو گیا ـــ اور ذرا تیزی سے قندھار کی طرف چل پڑا۔

پانچواں باب

بچی کا اقبال

مرزا غیاث بیگ بیگم کو بٹھا کر بچی کو لینے کے لیے چلے آئے تھے۔ بیگم تنہا بیٹھی مرزا اور بچی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے سینہ میں مامتا کا جوش اٹھ رہا تھا۔ چھاتیوں میں دودھ اس قدر پیدا ہو گیا تھا کہ چھلکا پڑتا تھا۔ اگر وہ نحیف و زار نہ ہوتی تو اپنی بچی کو لینے کے لیے خود چل پڑتی۔

لیکن اس پر اس قدر ضعف طاری تھا کہ چلنا پھرنا تو درکنار اسے بیٹھا رہنا بھی دشوار تھا۔ یہ نقاہت فاقوں کی تھی۔ تین وقت اسے بھوکے رہتے ہو گئے تھے اس عرصہ میں۔ ایک کھیل بھی اڑ کر ان کے منہ تک نہیں گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں مرزا غیاث بیگ واپس آ گئے۔ ان کی آغوش میں بچی کو نہ دیکھ کر مامتا کی ماری ماں کا کلیجہ دھک سے ہو گیا ـــ اس نے پوچھا۔ میری بچی کیا ہوئی۔ خدانخواستہ اسے کسی درندہ نے پھاڑ کھایا۔ تم کیوں اسے نہیں لائے۔"

مرزا نے کہا۔ بیگم! بے صبری اور غم کا اظہار نہ کرو۔ تمھاری بچی محفوظ ہے۔

یہ کہہ کر مرزا خچر سے اترے۔ بیگم نے پھر پوچھا "مگر وہ ہے کہاں۔ تم اسے لائے کیوں نہیں۔"

مرزا نے جواب دیا "اس کا نہ لانا ہی مناسب معلوم ہوا۔ ہم مفلس اس کو پرورش نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دولت مندوں کی آغوش میں پہنچ گئی ہے

بیگم۔ مجھے مفصل بتاؤ۔"

مرزا۔ میں جب اس درخت کے قریب پہنچا جس کے نیچے اپنی قرۃ العین کو چھوڑ آیا تھا تو میں نے وہاں ایک قافلہ کو دیکھا ایک شریف آدمی جو شائد اس قافلہ کا سردار تھا۔ بچی کے رونے کی آواز سن کر درخت کے نیچے گیا اور بچی کو گود میں اٹھا کر اسے بہلانے لگا ــــــ میں منظر دیکھتے ہی خدا کا شکر ادا کر کے چپکا چلا آیا۔

بیگم۔ خدا کا شکر ہے۔ مگر آپ اسے لے آتے۔ ہم اسے پال لیتے۔

مرزا۔ دیکھو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ وہ قافلہ شاید ہرات سے آرہا ہے۔ قندھار ضرور جائے گا۔ ہم وہاں پہنچ کر اس قافلہ کو ڈھونڈ نکالیں گے اور اس سے اپنی بچی کو واپس لیں گے۔

بیگم۔ لیکن آپ ابھی کیوں نہ لے آئے۔

مرزا۔ میں اس لیے نہ لایا کہ ایک تو تم بہت کمزور ہو۔ دوسرے تین وقت کے فاقے سے ہو۔ تمھاری چھاتیوں میں دودھ نہ ہوگا۔ بچی کو کیا پلاؤ گی۔ وہ بھوکی مر جائے گی۔ قافلہ والے اس بھوک کا کوئی نہ کوئی انتظام کر ہی لیں گے

بیگم۔ لیکن میری چھاتیوں میں دودھ بھرا ہے۔ میں اسے بھوکا نہ رہنے دیتی

مرزا۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ لیکن بیگم! خدا ہی کو یہ منظور تھا کہ میں اسے نہ لاؤں اس میں بھی کوئی اس کی مصلحت ہوگی۔"

بیگم۔ لیکن میری مامتا۔ میرا کلیجہ مسوس رہا ہے ہم دونوں چل کر قافلہ والوں سے اپنی بچی کا مطالبہ کریں۔ یقین ہے وہ ہمیں کھانے کو بھی دیں گے اور بچی بھی دیدیں گے۔

مرزا۔ میری غیرت اس بات کو گوارا نہ کرے گی کہ میں ان کے سامنے دست سوال دراز کروں۔ بیگم! میں مرجاؤں گا۔ لیکن بھیک نہ مانگوں گا۔"

بیگم اداس ہوگئی۔ مرزا نے کہا۔ "غم نہ کرو۔ انشاء اللہ کل تک تمھاری بچی تمھارے پاس آجائے گی۔

بیگم۔ آپ باپ ہیں۔ ماں کی محبت کو نہیں جانتے۔

مرزا۔ تم بیوی ہو۔ شوہر کی محبت سے ناواقف ہو۔ میاں اپنی بیوی کو زیادہ سے زیادہ آرام اور زیادہ سے زیادہ راحت پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ چلو خچر پر سوار ہو جاؤ۔ ابھی قندھار دور ہے۔ میں چاہتا ہوں دن میں وہاں پہنچ جاؤں تاکہ تمھارے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرسکوں۔

بیگم عصیر کی سل کلیجہ پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اس قدر کمزور تھی کہ اس کے اٹھتے ہی قدم لڑکھڑانے لگے۔ مرزا نے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور خچر پاس لے جاکر آغوش میں اٹھا کر سوار کر دیا۔ دوسرے خچر پر مرزا خود سوار ہوئے اور بیگم کو تسلی دیتے ہوئے قندھار کی طرف چل پڑے۔"

اس وقت آفتاب بہت کچھ مغرب کی طرف جھک گیا تھا۔ دھوپ کی تمازت بالکل جاتی رہی تھی۔ ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے سنہری دھوپ میدانوں اور درختوں کی چوٹیوں پر پھیلی ہوئی تھی۔"

چوں کہ بیگم کمزور تھی۔ اس لیے مرزا آہستہ آہستہ خچروں کو چلا رہے تھے وہ اسے زیادہ سے زیادہ آرام و راحت پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔ انھیں اپنی بیوی سے محبت بہت زیادہ تھی۔ لیکن افلاس کا برا ہو۔ بے زری کی وجہ سے وہ اس کے لیے کھانا مہیا نہ کر سکتے تھے۔ اس بات کا انھیں سخت ہی رنج و قلق تھا۔ بچی کا خیال انھیں کبھی آ جاتا تھا۔

لیکن بیگم کو اس وقت نہ افلاس کا خیال تھا نہ بھوک و پیاس کی پرواہ تھی۔ اسے سب سے زیادہ بچی کا خیال تھا۔ مامتا سینے میں جوش مار رہی تھی۔ بچی کا خیال آتے ہی ہوک سی اٹھتی تھی۔ سخت صدمہ ہوتا تھا مگر وہ ضبط کر رہی تھی۔۔۔

ابھی ان دونوں نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ پیچھے سے گھوڑے کے سموں کی آواز آئی۔ مرزا غیاث بیگ نے مڑ کر دیکھا۔ انھیں بہت سے سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ انہوں نے بیگم سے کہا "یہ کوئی قافلہ آ رہا تھا ممکن ہے وہی قافلہ ہو جس کے ایک معزز شخص نے ہماری بچی کو اٹھا لیا تھا۔"

بیگم نے بھی پیچھے پھر کر دیکھا۔ اس نے کہا "خدا کرے وہی قافلہ ہو۔ میری بچی مجھے مل جائے۔ نہ ملے تو میں اسے دور سے ہی دیکھ لوں۔ میں نے اپنی لخت جگر کو دیکھا بھی نہیں۔"

مرزا غیاث۔ "اب دیکھ لینا۔"

چونکہ قافلہ قریب آ گیا تھا۔ اس لیے مرزا غیاث نے اپنا اور بیگم دونوں کا خچر راستہ کے قریب ایک سرے پر اس لیے کر لیے کہ آنے والے آسانی سے نکل جائیں۔ اہل قافلہ دونوں کے پاس آئے اور آہستہ آہستہ ان کے قریب

سے گذرنے لگے۔"

مرزا غیاث بیگ کا خیال صحیح نکلا۔ یہ وہی حافظ تھا جس کے امیر قافلہ ملک مسعود نے ان کی بچی کو اٹھا لیا تھا۔ جب وہ مرزا غیاث اور ان کی بیوی کے پاس سے گذرنے لگے تو دفعتہ انھیں خیال ہوا کہ وہ بچی کی پرورش و پرداخت کے لیے مرزا سے کہیں ان کے ساتھ عورت ہے۔ عورت بچی کو پال لے گی۔ ان کے جلو میں ایک معمر آدمی چل رہے تھے۔ انہوں نے ان سے مشورہ کیا اگر اس خاتون سے بچی کی پرورش کے لیے کہا جائے تو کیا ہرج ہے۔"

معمر آدمی نے خاتون (مرزا غیاث کی بیوی) کی طرف دیکھا اس وقت اس نے اپنے چہرے سے نقاب ڈال لیا تھا۔ اس نے کہا۔ عورت کی صورت تو نظر نہیں آتی۔ مگر مرد وجیہہ و شریف معلوم ہوتا ہے۔ اگر عورت اس کی بیوی ہے تو یقیناً شریف ہو گی۔ یہ بچی کی پرورش پر آمادہ ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔"

ملک مسعود نے ایک آدمی کو مرزا غیاث کے بلانے کے لیے بھیجا۔ مرزا ان کے پاس آ گئے۔ ملک مسعود نے ان سے کہا۔ ہمیں ایک بچی جنگل میں ملی ہے بدقسمتی سے ہمارے ساتھ کوئی عورت نہیں ہے۔ بچی بہت اچھی ہے۔ آپ کے ساتھ خاتون ہے۔ اگر یہ خاتون اس بچی کی پرورش پر آمادہ ہو جائیں تو میں بڑا مشکور رہوں گا۔۔۔ اس صلہ میں میں پانچ سو روپے آپ کو دوں گا۔"

اس نوید جاں بخش کو سن کر مرزا کا دل سینے میں فرط مسرت سے اچھلنے لگا۔ جی چاہا کہ فوراً اقرار کر لیں۔ لیکن اس میں سُبکی نظر آئی۔ انہوں نے کہا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن میں اپنی بیوی سے پوچھ لوں۔

ملک مسعود۔ صرف پوچھئے نہیں۔ بلکہ انھیں آمادہ کیجئے کہ وہ ایک ننھی سی جان کو بچانے کے لیے کچھ انسانی ہمدردی اور کچھ ایثار سے کام لیں۔"

مرزا۔ میں کوشش کروں گا۔ عورتیں فطرتاً نرم دل ہوتی ہیں۔ رحم و ہمدردی کا جذبہ بھی ان میں بہت کچھ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ یقین ہے وہ تیار ہو جائیں گی۔

ملک مسعود۔ خدا کرے وہ تیار ہو جائیں۔ جائیے آپ انھیں آمادہ کیجئے

مرزا غیاث بیگ خوش خوش وہاں سے لوٹے اور بیگم کے پاس آئے۔ انہوں نے آتے ہی بیگم سے کہا۔ بیگم مبارک ہو۔ تمھاری بچی اس قافلے کے ساتھ ہے میر قافلہ چاہتے ہیں کہ تم اس بچی کو پرورش کرو۔ اس صلے میں وہ پانچ سو روپے بھی دیتے ہیں۔ دیکھو ہماری بچی کیسی اقبال مند ہے کہ پیدا ہوتے ہی اپنا اور اپنے والدین کا رزق ساتھ لائی ہے۔"

بیگم۔ مجھے نقدی کی ضرورت نہیں۔ اپنی بچی چاہیئے۔ آپ اسے لے آئیں۔

مرزا۔ جب خدا نقدی بھی دلانا چاہتا ہے تو ہم کیوں نہ لیں۔

بیگم۔ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔"

مرزا یہاں سے چل کر ملک مسعود کے پاس آئے۔ اس وقت قافلہ رک گیا تھا انہوں نے کہا۔ میری بیوی نے اس لڑکی کی پرورش منظور کر لی ہے۔ لیکن آپ کہاں جائیں گے۔"

ملک مسعود۔ میں سوداگر ہوں۔ تجارت کی غرض سے ہندوستان جا رہا ہوں

مرزا۔ خدا کا شکر ہے۔ میں بھی ہندوستان ہی جا رہا ہوں۔"

ملک مسعود۔ جب تو بہت ہی اچھا ہے۔ آپ ہمارے قافلے کے ساتھ چلیں۔

مرزا۔ اسی لیے تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ تنہا جا رہا تھا۔ اب آپ کا ساتھ

ہو جائے گا۔ وہ بچی کہاں ہے۔"

ملک مسعود نے ایک سوار کو اشارہ کیا۔ وہ قریب آیا۔ زربفت کے ایک ٹکڑے میں لپیٹ کر وہ بچی کو لیئے ہوئے تھا اس نے اسے مرزا کو دیا۔ مرزا اپنی قرۃ العین کو لے کر خوش خوش بیگم کے پاس پہنچے۔ بیگم نے کپڑا اٹھا کر بچی کو دیکھا۔ وہ سو رہی تھی۔ بیگم اس کی صورت دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی۔ اس نے اسے سینہ سے لگا لیا خوب پیار کیا اور دودھ پلانے لگی۔ تھوڑی دیر میں وہ قافلے کے ساتھ قندھار کی طرف روانہ ہو گئی۔"

چھٹا باب (۶)

"مہر النساء"

ملک مسعود نے مع قافلے کے قندھار میں جا کر قیام کیا۔ اہل قافلہ نے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ مرزا غیاث بیگ کے پاس کیا رکھا تھا۔ اگرچہ ملک مسعود نے انہیں روپے دے دیئے تھے۔ لیکن جب وہ قندھار میں پہنچے تو بازار بند ہو چکے تھے۔ نیا شہر تھا کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ جنس کہاں سے لاتے اس روز رات کو بھی مرزا اور ان کی بیوی نے فاقہ ہی سے رات گذارنے کا ارادہ کر لیا۔

لیکن ملک مسعود کو خیال آگیا کہ مرزا غیاث کے پاس نہ جنس ہے اور نہ بازار کھلے ہوئے ہیں۔ کہیں وہ اور ان کی بیوی بھوکے نہ رہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان دونوں کے لیے اپنے پاس سے کھانا بھجوا دیا۔ ان دونوں نے خدا کا شکر ادا کر کے کھانا کھایا اور ملک مسعود کو دعائیں دیں۔"

دو تین روز یہ قافلہ قندھار میں مقیم رہا۔ اہل قافلہ نے وہاں خرید و فروخت کی جب سب فارغ ہو گئے تو یہ قافلہ ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ مرزا غیاث بھی ساتھ تھے۔ سفر میں کتنا بھی آرام ملے پھر بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اگرچہ بیگم کی راحت کا مرزا غیاث اور ملک مسعود خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ مگر پھر بھی اسے تکلیف ہوتی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس کی صحت بحال ہو رہی تھی۔ کمزوری دور ہوتی جا رہی تھی۔ چہرہ کی زردی دور ہو کر سرخی آنے لگی تھی۔"

مرزا غیاث نے اپنی اس بچی کا نام مہرالنساء رکھا۔ ایک روز ملک مسعود نے مرزا غیاث سے دریافت کیا کہ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ کون ہیں؟

مرزا غیاث نے جھجکتے جھجکتے سب کچھ بتا دیا۔ جب ملک مسعود کو معلوم ہوا کہ وہ ایران کے وزیر اعظم خواجہ محمد وزیر کے بیٹے ہیں۔ تو وہ ان کے ساتھ اور بھی زیادہ سلوک کرنے لگے۔"

مرزا اور بیگم دونوں کو اپنی بیٹی مہرالنساء سے بہت زیادہ انسیت ہو گئی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ وہ صورت شکل کی اچھی تھی۔ موٹی تازی تھی گلگوتھنہ سی معلوم ہوتی تھی۔ روتی بہت کم اور ہنستی زیادہ تھی۔ دوسرے اس لیے کہ اس کی اقبال مندی کی یہ پہلی دلیل تھی کہ پیدا ہوتے ہی وہ صرف اپنا ہی نہیں بلکہ اپنے والدین کا رزق بھی ساتھ لائی تھی۔ جس روز سے مہرالنساء پیدا ہوئی ان دونوں میاں بیوی کو فقر و فاقہ سے سابقہ نہیں پڑا۔ کھانا افراط سے اور اچھا ملنے لگا ملک مسعود ان دونوں کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔"

عجیب بات یہ تھی کہ ملک مسعود کو بھی مہرالنساء سے بڑی محبت ہو گئی تھی جب قافلہ کہیں رکتا۔ اور وہ اطمینان سے بیٹھتے تو مہرالنساء کو بلا لیتے اور

گھٹنوں اسے کھلاتے۔

جوں جوں مہرالنساء بڑی ہوتی جاتی تھی۔ ایسے تماشے کرتی کہ دیکھنے والے اس سے محبت کرنے لگتے تھے۔ اچھا بچہ سب ہی کو پیارا معلوم ہوتا ہے وہ بھی اچھی تھی سب ہی کو پیاری معلوم ہوتی تھی۔ قافلے کے تمام ہی لوگ اسے کھلاتے اور پیار کرتے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ پیار ملک مسعود کرتے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے کوئی بیٹی نہ تھی خدا نے یہ بیٹی دے دی ہے جب ان کے یہ الفاظ مرزا غیاث سنتے تو انھیں فکر ہوتا کہ ان کی بیٹی کو ملک مسعود اپنی بیٹی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اس کا تذکرہ ایک روز اپنی بیوی سے کیا۔ بیگم کو بڑا فکر ہوا۔ اس نے کہا۔ یہ خدشہ مجھے پہلے ہی سے تھا کہیں ملک مسعود ہماری اس بیٹی کو ہم سے چھین نہ لیں۔"

مرزا غیاث۔ چھین کیسے لیں گے۔ میں کہہ دوں گا کہ یہ بیٹی میری ہے۔"

بیگم۔ مگر تمھاری اس بات کو مانے گا کون۔ تمام قافلے والوں کو یہ بات معلوم ہے کہ ملک مسعود نے اس بچی کو جنگل میں پڑا پایا تھا۔ انہوں نے مجھے اس کی دودھ پلائی مقرر کیا۔ اس وقت بھی ہم نے یہ نہیں کہا کہ یہ ہماری بیٹی ہے۔

یہ بات سن کر مرزا غیاث سکتے میں آ گئے۔ انہوں نے کہا۔ بیگم تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اس طرح تو ہم نے اپنی حماقت میں اپنی بیٹی کو خود ہی دوسرے کے حوالے کر دیا۔ ایک طرف ملک مسعود کے احسانات ہیں۔ دوسری طرف بیٹی کی محبت ہے۔ کیا کیا جائے جس سے گتھی آسانی کے ساتھ سلجھ جائے ملک مسعود ناراض بھی نہ ہوں اور ہماری بیٹی بھی ہمارے پاس رہ جائے۔"

بیگم۔ آپ کسی روز ملک مسعود سے سارا واقعہ بیان کر دیں۔"

مرزا غیاث۔ واقعہ تو بیان کر دوں۔ لیکن کہیں ملک مسعود یہ نہ سمجھیں کہ مہرالنساء کو اچھی پیاری لڑکی دیکھ کر میں اس پر قبضہ جمانے کے لیے اسے اپنی

بیٹی بتا رہا ہوں۔"

بیگم۔ "پھر کیسے بات بنے؟"

مرزا غیاث۔ "یہی فکر تو پیدا ہو گیا ہے۔ سب سے زیادہ تردد اس بات سے ہو چلا ہے کہ ملک مسعود کو مہرالنساء سے بہت زیادہ محبت ہوتی جاتی ہے۔"

بیگم۔ "لیکن ملک مسعود سے اصل واقعہ بیان ضرور کر دینا چاہیئے۔ وہ نیک دل اور انصاف پسند آدمی ہیں۔ شاید انھیں یقین آ جائے۔"

مرزا غیاث "اچھا میں آج ہی کسی وقت موقع دیکھ کر ان سے تمام واقعہ کہہ دوں گا۔"

بیگم "خدا کرے انھیں یقین آ جائے۔"

دیر تک دونوں بیٹھے یہی باتیں کرتے رہے اسی روز شام کے وقت مرزا غیاث ملک مسعود کے پاس گئے۔ اس وقت ملک مسعود بہت خوش تھے۔ مرزا نے چاہا کہ ان سے مہرالنساء کی ولادت کا واقعہ بتا دیں کہ خود ملک مسعود ہی نے یہ ذکر شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا "مہرالنساء کیسی پیاری بچی ہے۔ میں بھی کیا خوش قسمت ہوں کہ مجھے ایسی پیاری بیٹی عطا کی

مرزا غیاث یا تو خوش ہو چلے تھے کہ ملک مسعود نے خود ہی یہ ذکر شروع کر دیا جب انہوں نے کہا کہ کیسی پیاری بیٹی خدا نے عطا کی ہے تو وہ سوکھ گئے۔ انھیں بڑا فکر ہوا۔ اصل واقعہ بیان کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ملک مسعود نے مرزا سے مخاطب ہو کر کہا "مجھے رہ رہ کر اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ اس معصوم کے والدین کس قدر سنگدل تھے کہ اس ننھی سی جان کو جنگل بیابان میں پتوں سے ڈھک کر چھوڑ گئے جب میں نے اس کے رونے کی آواز سنی تو مجھے بڑا تعجب ہوا جب اس کے پاس پہنچا تو ایک سیاہ پھن دار سانپ

کو اس کے پاس بیٹھے اس کی حفاظت کرتے دیکھا۔

مرزا غیاث کو یہ بات معلوم نہ ہوئی تھی۔ وہ سانپ سے بہت ڈرتے تھے۔ اگرچہ اس واقعہ کو کئی مہینے گزر چکے تھے۔ مگر انھیں ایسا معلوم ہوا جیسے آج ہی اور اس وقت سانپ مہرالنساء کے پاس بیٹھا ہو۔ ان پر خوف طاری ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔ سانپ بیٹھا تھا۔

ملک مسعود۔ جی ہاں۔ وہ میرے گھوڑے کی سموں کی آواز سن کر بھاگ گیا۔

مرزا غیاث۔ خدا نے بڑا فضل کیا۔

ملک مسعود۔ جی ہاں بڑا فضل کیا۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کو اس کی حفاظت کرنا منظور ہے۔ عجب نہیں کہ اس کی قسمت میں کوئی کارنمایاں کرنا۔ یا شاہیر عالم میں سے ہونا لکھا ہو۔

مرزا غیاث۔ مجھے اس بات کا قطعی یقین ہے کہ مہرالنساء بڑی با اقبال اور بڑی خوش قسمت ہے۔

ملک مسعود۔ تم نے کیا بات دیکھی۔؟

مرزا غیاث۔ میں نے یہ دیکھا کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنا اور اپنے والدین کا رزق لائی ہے۔

والدین کا ذکر آنے سے ملک مسعود کو بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا۔ والدین کا رزق۔؟ تمھیں کیا معلوم

مرزا غیاث۔ مجھے خوب معلوم ہے۔

ملک مسعود۔ اس کے والدین کہاں ہیں۔

مرزا غیاث۔ یہیں ہیں۔ آپ کے قافلہ کے ساتھ۔

ملک مسعود کو بڑی حیرت ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ مگر اس قافلے کے ساتھ سوائے

تمھارے اور تمھاری بیوی کے اور کوئی میاں بیوی نہیں ہیں۔

مرزاغیاث۔ میں ہی وہ سنگدل باپ ہوں جو اپنی بیٹی کو پتوں سے ڈھک کر چلا آیا تھا۔

ملک مسعود نے انتہائی حیرت انگیز نظروں سے مرزاغیاث کو دیکھ کر کہا "مہرالنساء کے باپ تم ہو"

مرزاغیاث۔ جی ہاں۔

ملک مسعود۔ مگر تم اس معصوم کو اس کس مپرسی کی حالت میں کیوں چھوڑ آئے تھے "

مرزاغیاث۔ میں مجبور ہو گیا تھا"

مرزاغیاث نے مہرالنساء کے پیدا ہونے اور اس کی ماں یعنی اپنی بیوی کے بے ہوش ہو جانے۔ دونوں کو نہ لے چل سکنے کے تمام واقعات مفصل بیان کر دیئے انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ جب ان کی بیوی کو ہوش آیا اور اس نے اپنی بچی کو وہاں سے اٹھالانے کا تقاضہ کیا تو وہ گئے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ ملک مسعود نے بچی کو گود میں لے لیا ہے تو یہ اطمینان کر کے کہ وہ انسانوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے۔ لوٹ آئے۔

ملک مسعود نے اس واقعہ کو صحیح ماننے میں کوئی اعتراض نہیں کیا۔ نہ مرزاغیاث سے کسی طرح کی جرح کی۔ بلکہ انھیں ان سے اور بھی ہمدردی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے کہا۔ مجھے پہلے ہی اس بات کا شبہ ہوا تھا۔ تمھاری بیٹی تمھیں مبارک رہے۔ مگر مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔ اگر تمھیں اس میں اعتراض نہ ہو تو میں بھی اسے اپنی بیٹی ہی سمجھوں۔

مرزاغیاث۔ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بلکہ یہ تو میرے

لیے اور فخر کی بات ہوگی۔

مرزا غیاث کو اس سے بڑی خوشی ہوئی۔ ملک مسعود نے بلا کسی اعتراض کے مہرالنساء کو ان کی بیٹی تسلیم کر لیا۔ وہ خوش خوش وہاں سے اٹھ کر بیوی کے پاس آئے۔ اسے یہ خوش خبری سنائی۔ بیگم باغ باغ ہو گئی اس نے کہا خدا کا شکر ہے۔ یہ مرحلہ طے ہو گیا مرزا نے جب اسے بتایا کہ مہرالنساء کی حفاظت سانپ کر رہا تھا تو اس پر خوف طاری ہو گیا اس نے مہرالنساء کو سینے سے لگا کر بھینچتے ہوئے کہا۔ "ہے ہے" میری بچی کے پاس سانپ بیٹھا تھا۔ وہ اسے پیار کرنے لگی۔

ساتواں باب

دلی میں آمد

جب ملک مسعود کا قافلہ ہندوستان میں داخل ہوا تو وہ لاہور کے قریب پہنچ کر بیمار ہو گئے۔ اور ایسے سخت بیمار ہوئے کہ زندگی کی توقع نہ رہی یوں تو تمام اہل قافلہ نے بڑی دل سوزی اور ہمدردی سے ان کی خدمت اور تیمارداری کی۔ لیکن سب سے زیادہ مرزا غیاث بیگ اور ان کی بیوی نے خدمت کی رات اور دن ان کے پاس بیٹھے رہتے۔ وقت پر دوا دیتے۔ وقت پر کھانا کھلاتے ملک مسعود ان دونوں سے اس قدر خوش ہوئے کہ جب انھیں آرام ہو گیا اور غسل صحت انہوں نے کیا تو وہ انھیں اپنی تجارت کا اور سامان تجارت کا ایک تہائی حصہ دینے لگے۔ لیکن مرزا غیاث نے اس بات کو منظور نہ کیا۔ انہوں

نے شکریہ ادا کر کے انکار کر دیا۔ ان کے اس ایثار کا ملک مسعود پر اور بھی اثر ہوا۔ اب وہ ان دونوں کے آرام و راحت کا اور بھی خیال رکھنے لگے

جب ملک مسعود بیمار ہوئے تھے تب انہوں نے سنا تھا کہ دلی میں جشن نوروز ہونے والا ہے۔ چونکہ اس موقعہ پر تمام ہندوستان کے معززین اور سلطنت مغلیہ کے ماتحت جو راجہ مہاراجہ اور نواب تھے۔ وہ سب شریک ہوتے تھے اس لیے سوداگروں کا ہر قسم کا مال اچھے داموں پر فروخت ہو جاتا تھا۔ وہ دل چاہتے تھے کہ اگر انھیں آرام ہو جائے تو وہ دلی چلے جائیں۔ لیکن ان کی علالت نے بڑی طوالت اختیار کی۔ آٹھ مہینہ سے بھی زیادہ عرصے تک علیل رہے جب آرام ہو گیا تو ضعف باقی رہ گیا۔ دو مہینے طاقت آنے میں لگ گئے۔ غرض تقریباً ایک سال ان کی علالت اور توانائی میں لگ گیا۔ اس عرصے میں مہرالنساء تقریباً ڈیڑھ سال کی ہو گئی اس کے دانت بھی نکل آئے، بڑے تماشے کرتی تھی۔ کیونکہ حسین و جمیل تھی۔ خوش انداز خوش رفتار تھی۔ موٹی تازی تھی۔ جامہ زیب تھی اس لیے جو اسے دیکھتا بے ساختہ پیار کرتا تھا۔ ماں باپ کی آنکھ کا تارا تو تھی ہی تمام اہل قافلہ کی بھی جان ہو گئی۔ سب اسے ہاتھوں چھاؤں میں رکھتے تھے۔ وہ ایسا کھلونا تھی۔ جس سے سب ہی کو دلچسپی تھی۔

اب پھر جشن نوروز کا غلغلہ ہوا۔ لاہور اور اس کے مضافات سے لوگ اس جشن کی شرکت کے لیے روانہ ہونے لگے۔ ملک مسعود بھی قافلہ لے کر چل پڑے چونکہ جشن کا زمانہ بہت ہی قریب تھا۔ اس لیے تیزی قطع منازل و دو دو مراحل کر کے دلی پہنچے۔

دلی میں دیس دیس کے لوگ جمع ہو رہے تھے۔ مختلف مذہب کے آدمی

آئے تھے ہر ملک اور ہر قوم کا لباس جداگانہ تھا۔ اس لیے طرح طرح کے لباس والے مرد عورتیں اور بچے بازاروں اور راستوں پر چلتے پھرتے نظر آتے تھے ہندوؤں اور پارسیوں میں پردہ نہ تھا۔ ان کی عورتیں بھڑکیلے لباس پہنے بے حجابانہ بازاروں میں خرید فروخت کرتی پھرتی رہتی تھیں۔ مسلم خواتین فاخرہ لباس پہنے چہروں پر نقاب ڈالے کبھی کبھی نظر آجاتی تھیں۔ امراء کی سواریاں صبح و شام کے وقت بڑی شان سے نکلتی تھیں۔ حسب حیثیت سواروں کے رسالے جلو میں ہوتے تھے۔ بہت سے راجپوت رانا اور راجہ آئے تھے۔ راجپوت سواروں کو جب وہ نکلتے تھے تو لوگ ان کے عجیب لباس اور ہتھیاروں کو حیرت سے دیکھنے لگتے تھے۔ رانیوں مہارانیوں کی سواریاں بڑے تزک و احتشام سے نکلتی تھیں باندیوں کی پلٹنیں ساتھ ہوتی تھیں۔ مردوں کے رسالے بھی آگے پیچھے ساتھ ہوتے تھے۔ اگر مسلمان امراء میں سے کسی بیگم کی سواری نکلتی تھی تو کچھ سوار آگے چلتے تھے ان کے پیچھے قلماقنیاں پورے ہتھیاروں سے بدن سجائے ہوئے تھیں ان کے پیچھے کنیزیں۔ کنیزوں کے پیچھے قلماقنیاں ان کے پیچھے سوار ہوتے تھے اس طرح سواری کی شان بہت کچھ بڑھ جاتی تھی۔

ملک مسعود نے دلی پہنچ کر تجارت شروع کر دی۔ دور دراز ملکوں سے سوداگر آئے تھے۔ قسم قسم کا مال ساتھ لائے تھے۔ اچھی چیزوں کی قیمت منہ مانگی ملتی تھی۔ ہر سوداگر نے اپنے سامانِ تجارت اچھے داموں فروخت کر دیا تھا۔ سب کو بہت کافی منافع ہوا تھا۔ وہ محض تجارت کی غرض سے آئے تھے۔ مالِ تجارت فروخت ہو چکا تھا۔ اب وہ جشن نوروز میں شرکت کی وجہ سے ٹھہرے ہوئے تھے۔

جشن نوروز موسم بہار میں ہوتا تھا۔ بہار کے موسم میں زمین سبزہ زار اور

باغیچے گل پوش ہو جاتے ہیں۔ ہر ذی روح پر کیف و سرور کا عالم طاری ہو جاتا ہے انسانوں میں سے کرحیرند اور پرند اس رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے صوفی منش اور خدا پرست انسان اس موسم میں اور بھی زیادہ خدا کی ثنا و صفت اور عبادت کرتے ہیں اور رند مشرب لوگ لہو لعب اور لغویات میں پڑ جاتے ہیں۔

ترکستان اور ایران میں عہد جاہلیت سے نوروز میں لغویات ہوتی تھیں۔ رقص و سرور کی محفلیں گرم ہوتیں۔ شراب کے دور چلتے۔ سال بھر کے لیے شگون لیئے جاتے۔ جب ترکی اور ایرانی مسلمان ہوئے تو جو لوگ سچے اور پکے مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے اس قبیح رسموں کو چھوڑ دیا۔ لیکن جن کے دلوں میں کچھ کھوٹ رہ گیا تھا۔ وہ ان رسموں کا دامن پکڑے رہے۔

ہم جس زمانہ کا ذکر کر رہے ہیں اس وقت دلّی کے تخت پر شہنشاہ اکبر متمکن تھے۔ شہنشاہ اکبر شہنشاہ ہمایوں کے بیٹے تھے ہمایوں نہایت نیک خصال۔ سخی۔ خدا پرست مخلص اور پکے مسلمان تھے۔ لہو لعب سے دور رہتے تھے۔ شراب سے سخت نفرت کرتے تھے۔

لیکن شہنشاہ اکبر رند مشرب تھے۔ جاہل تھے بدعقل تھے لوگوں کے کہنے میں جلد آتے تھے بری صحبت کا اثر جلد قبول کر لیتے تھے۔ ہندوؤں میں بہت سے فرقے اور طبقے شراب کو شیر مادر سمجھ کر پیتے ہیں۔ راجپوتوں کی گھٹی میں شراب پڑی ہوتی ہے۔ اکبر کو راجپوت میسر ملے۔ انہوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی شراب پینی بھی شروع کر دی۔ اور ہندوؤں کی بہت سی رسمیں اختیار کر لیں۔ انتہا یہ ہوئی کہ وہ مذہب سے بھٹک گئے۔ انہوں نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے خدا کی کملی ناخوشی کی پرواہ نہ کی۔ ہم ان کی مذہبیت پر تاریخی اور مذہبی روشنی میں انشاءاللہ کبھی اور موقع پر مفصل تبصرہ کریں گے۔ یہاں صرف اکبر کے جشن

نوروز کا تذکرہ کرنا مقصود ہے۔

جشن نوروز کی تیاریاں بڑے زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ روپے کنکریوں کی طرح لٹائے جا رہے تھے لاکھوں روپے صرف ہو چکے تھے --- اور لاکھوں صرف کئے جا رہے تھے۔ دیوان خاص و عام کے چاروں طرف ایک سو بیس [120] عالیشان ایوان تھے جن کی عمارت نہایت خوشنما تھی۔ طرح طرح کے بیش بہا پتھروں سے ان ایوانات کو رنگین کیا گیا تھا۔ سادگی کے عالم میں بھی یہ ایوان نہایت دیدہ زیب معلوم ہوتے تھے اور جب ان کو آراستہ کر دیا جاتا تھا تو اور بھی دلفریب نظر آنے لگتے تھے۔

ان ایوانوں میں سے ایک ایک ایوان ایک ایک امیر کو عطا کر دیا جاتا تھا ہر امیر اپنے حصہ کے ایوان کو آراستہ کر کے اپنی قابلیت اور علو ہمت کا ثبوت دیتا تھا۔ ان کی آراستگی خدمت گاران خاص کے سپرد ہوتی تھی جو خاص طور پر آئین بندی کرتے تھے۔

ان کے درمیان میں سجا منڈل ہوتا تھا جسے جلوہ گاہ خاص کہتے تھے۔ اسے شہنشاہ اکبر خود اپنے زیر اہتمام آراستہ کراتے تھے۔ ہمیشہ اس کی زیبائش سب سے بڑھ جاتی تھی۔

ہر ایوان اور دولت خانۂ خاص اور جلوہ گاہ خاص کی آراستگی اس طرح کی جاتی تھی کہ تمام مکان کے در و دیوار کو بوقلمونی بنا تا تھا۔ ادمی و کاشانی مخمل بنادسی زربفت کمخواب اور میسلے کے دوپٹے۔ تاش تمامی جن میں گوٹے، پٹھے۔ پیمک۔ دھنک، گوکھرو۔ سنہری اور روپہلی لیس اور مقیش ٹکے ہوتے تھے۔ خلعت پہنائے جاتے تھے۔ کشمیر کی شالیں اڑھائی جاتی تھیں۔ ایران و ترکستان کے دبیز قالین فرش پر بچھائے جاتے تھے۔

فرنگ۔ چین اور ماچین کے پردے کنول نادر تصویریں۔ عجیب و غریب آئینے شیشے اور بلور کے کنول قرینے سے سجائے جاتے ہر رنگ قندیلیں۔ جھاڑ فانوس اور قمقمے شامیانوں میں لٹکائے جاتے شامیانے دردوزی ہوتے جن کا رنگ آسمانی ہوتا اور جس میں چاند اور تارے کاڑھے جاتے تھے۔

ایوانوں کے صحنوں میں مصنوعی سبزہ زار اور گل زار بنا کر کشمیر کی گلپوش وادیوں کو شرما دیا جاتا تھا۔ یہ مصنوعی باغیچے سے زیادہ دل کش اور دل فریب معلوم ہونے لگتے تھے۔

غرض یہ ایوان اور دولتخانۂ خاص اور جلوۂ خاص ایسے آراستہ کیے جاتے تھے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے چونکہ ایوان ایک امیر کے سپرد کیا جاتا تھا اور ہر امیر اس کی آراستگی میں بڑا خرچ اور بڑی کوشش کرتا تھا اس لیے ان کی زیبائش قابلِ دید ہو جاتی تھی۔

جوں جوں جشنِ نوروز کا دن قریب آتا جاتا تھا۔ ایوانوں کی تیاری کی تکمیل میں ہر امیر اور خود شہنشاہ کی مصروفیت بڑھتی جاتی تھی۔ ملک مسعود نے اس عرصہ میں یہ کوشش کی کہ شہنشاہ اکبر کے حضور میں باریاب ہوں کئی درخواستیں دیں کئی امیروں سے سفارش کی۔ لیکن شہنشاہ لغویات میں مصروف تھے ملک مسعود کو باریابی کا موقع نہ مل سکا۔ حکم یہ ہوا کہ جشنِ نوروز کے دن آؤ۔" ——— مطلب یہ تھا کہ اس روز آکر کچھ نظر پیش کرو۔

ملک مسعود شہنشاہ اکبر کے حضور میں پیش ہو کر مرزا غیاث کا تعارف اور ان کے لیے سفارش کرنا چاہتے تھے اس ملاقات سے ان کی اپنی ذاتی کوئی غرض نہ تھی۔ اب انھیں یہ بھی شوق ہوا کہ وہ دیکھیں کہ جشنِ نوروز میں کیا ہوتا ہے اگرچہ وہ ایرانی تھے لیکن ایران میں بہت کم لوگ نوروز مناتے تھے۔

غرض وہ جشن نوروز میں شریک ہونے کے لیے تیاریاں کرنے لگے۔ چونکہ وہ مرزا غیاث کو بھی لے جانا چاہتے تھے۔ اس لیئے ان کے لیے بھی درباری لباس تیار کرانے لگے۔"

آٹھواں باب (۸)

ملکہ زمانی

دن گذرتے دیر نہیں لگتی۔ جب کسی کام کے لیے کوئی تاریخ مقرر ہوئی اور آئی آخر نوروز کا دن بھی آ ہی گیا۔ ملک مسعود مرزا غیاث کو ساتھ لے کر صبح ہی جلوہ گاہ خاص کی طرف چل دیئے۔ راستہ میں انھوں نے بے شمار لوگوں کو تیزی سے آتے جاتے ہوئے دیکھا۔ تمام بڑی بڑی سڑکیں بیرقیں وغیرہ لگا کر خوب سجائی گئی تھیں بازاروں کی خوشنما چھت بندی کی گئی تھی۔ یوں تو بازاروں میں قسم قسم کی چیزیں فروخت ہو رہی تھیں۔ لیکن آج سب سے زیادہ پھولوں کے گجرے۔ زیورات گلدستے طرح طرح کے گل دانوں میں رکھے بک رہے تھے۔ گل فروش لڑکے بھی تھے اور خوش جمال لڑکیاں بھی۔ ایک دو نہیں۔ سیکڑوں دکانیں تھیں۔ اور ہر دکان پر خریداروں کا ہجوم تھا۔ ملک مسعود کو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ چونکہ آج جشن روز ہے اس لیے دلی کا ہر باشندہ پھولوں کے زیورات۔ ہار۔ گجرے۔ اور گلدستے خرید کر عزیزوں اور دوستوں کو دیا کرتے ہیں۔ امراء اور شاہی باغوں کے مالی اپنے آقاؤں کو اور مالنیں بیگمات اور شاہزادیوں کو پھول اور پھولوں کی عجیب عجیب چیزیں بنا بنا کر نذر کرتے ہیں۔ دلی کے تمام مالی اور مالنیں آج کے دن اتنا پیدا

کر لیتی ہیں کہ سال بھر کے لیئے کافی ہوتا ہے۔ ملک مسعود کو تعجب ہوا کہ اس قدر پھول کہاں سے لائے گئے ہیں۔"

دلی کا ہر باشندہ پھولوں کے گجرے اور ہار پہنے ہوئے تھے ملک مسعود اور مرزا غیاث بھی ایک نوجوان مالن کے پاس پہنچے۔ انھیں ذی وجاہت دیکھ کر مالن نے کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تشریف رکھیئے۔ دونوں بیٹھ گئے۔ مالن نے کہا۔ "کہیئے سرکار کیا چاہیئے۔ گجرے پیش کردوں یا بیگمات کے لیے ہار۔

ملک مسعود۔ بیگمات تو نہیں ہیں گجرے ہی دو۔

مالن۔ غالباً آپ تنہا ہی اس شہر میں تشریف لائے ہیں۔

ملک مسعود۔ ہاں۔"

مالن۔ اور جشن نوروز میں شرکت کا ارادہ ہے۔

ملک مسعود کو بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے پوچھا۔ یہ تم نے کیسے سمجھا۔

مالن نے مسکرا کر۔ "آپ درباری لباس پہنے ہوئے ہیں۔ لیکن شاید دربار میں شرکت کا پہلا ہی موقع ہے۔"

ملک مسعود۔ ہم پردیسی ہیں اور پہلی ہی مرتبہ شرکت کے لیے جا رہے ہیں۔ مالن نے یہ تمام گفتگو شستہ فارسی زبان میں کی تھی۔ (یہ خیال رہے کہ اس وقت ہندوستان میں فارسی زبان رائج تھی۔) ملک مسعود اور مرزا غیاث کو اس کی شیریں زبانی پسند آئی۔ مالن نے نہایت عمدہ پھولوں کے گجرے پیش کیئے۔ دونوں کو پسند آئے۔ ملک مسعود نے قیمت پوچھی۔ مالن نے ہنس کر کہا۔ "پھولوں کی قیمت کیا ہو سکتی ہے۔ یہ آپ کی نظر ہیں۔"

ملک مسعود اور مرزا غیاث نے گجرے پہن لیئے۔ مالن نے دونوں کو دو دو مالا

میں پھول دے کر کہا ــــ "جہابلی پر نچھاور کرنے کے لیے شاید ان کی ضرورت پیش آ جائے۔"

شہنشاہ اکبر کو جہابلی کہا کرتے تھے۔ ان دونوں نے پھول بھی لے لیے۔ ملک محمود نے پانچ اشرفیاں مالن کی نذر کیں۔ مالن نے بڑے سلیقہ سے سلام کیا۔ دونوں سلام کا جواب دے کر آگے بڑھے۔ راستے بھر انھیں خوش پوش مرد اور عورتیں آتے جاتے ملے۔ اکثر امراء اور بیگمات کی سواریاں بھی ملیں عید کے روز شاید ایسی بھیڑ اور ایسے عمدہ لباس پہننے والے مرد عورتیں اور بچے نظر آتے تھے۔ جیسے آج نظر آ رہے تھے۔ بڑے اور بچے سب ہی خوش تھے۔

جب یہ لوگ جلوہ گاہ خاص کے ملحقہ ایوانات میں پہنچے تو بڑے ہر ایوان کے سامنے فوجی رسالے سفید وردیاں پہنے مسلح کھڑے تھے۔ جب وہ ایوانوں میں داخل ہوئے تو ان کی آراستگی دیکھ کر اور بھی حیران ہوئے۔ لیکن جب جلوہ گاہ خاص میں پہنچے اور اس کی آراستگی اور زیبائش دیکھی تو عش عش کر اٹھے یہاں درباری امراء۔ ان کی بیگمات ـ رانا، راجہ اور ان کی رانیاں راجکمار زادیاں اور شاہزادیاں سب موجود تھیں جو عام طور پر سفید لباس پہنے ہوئے تھیں۔ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کے زیور جھلملا رہے تھے ایک تو یہ عورتیں اور لڑکیاں تھیں ہی خوبصورت دوسرے اچھے لباس اور جگمگاتے ہوئے زیورات نے انھیں بالکل پریاں بنا دیا تھا۔

شہنشاہ اکبر پردہ کو اڑا دینا چاہتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ علماء اور عام مسلمان شدید طور پر اس کی مخالفت کریں گے۔ اس لیے کھلم کھلا پردہ کو ترک کرنے کی جرأت نہ کرتے تھے پھر بھی اکثر موقعوں پر وہ مردوں اور عورتوں کو ایک جگہ جمع کر دیتے تھے۔ شاہی بیگمات کو بھی ان مجمعوں میں بے حجابانہ

شامل ہوتا پڑتا تھا گویا ناموس چنگیزی و چغتائیہ کو منظر عام پر لانے میں انھیں کوئی جھجک نہ ہوتی تھی۔“

جب شہنشاہ کی یہ کیفیت تھی تو امراء کیوں پیچھے ہٹ جاتے۔ وہ بھی اپنی بیویوں بیٹیوں۔ بہنوں اور دوسری عزیز لڑکیوں اور عورتوں کو ان محفلوں میں لاتے تھے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ امیروں اور رئیسوں کا وہی مذہب اور آئین ہو جاتا ہے جو بادشاہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی مسلمان امراء بہک رہے ہیں وہ اپنی بیگموں اور لڑکیوں کو ہندوستانی لباس پہنا کر اپنے ساتھ بازاروں باغوں اور سینماؤں میں کھلے منھ لیے پھرتے ہیں۔ کلبوں میں لے جاتے ہیں۔ ان کا غیر مردوں سے میل جول معیوب نہیں سمجھتے۔ بلکہ فخر جانتے ہیں۔ ان خدا کے بندوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کی اس یورپی تہذیب کی تقلید کو عام مسلمان اچھا نہیں سمجھتے۔ وہ خدا اور رسول صلعم کی نافرمانی کرتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں لوگ بے وجہ گناہ کماتے ہیں۔ کیوں عورتوں اور لڑکیوں کو گنہگار بناتے ہیں۔ خدا انھیں ہدایت دے اور وہ اس فعل کو گناہ سمجھ کر اس سے بچیں۔

ملک مسعود اور مرزا غیاث اس مخلوط مجمع کو دیکھ کر چونکے۔ انھیں بڑی غیرت آئی۔ لیکن ایسے امیروں کا معاملہ تھا جو حکومت پر چھائے ہوئے تھے۔ انھیں یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ امیروں کو ان کے اس فعل پر ملامت کریں۔ البتہ انھوں نے دل سے اس فعل کو برا سمجھا۔ یہ بھی پختگی ایمان کی دلیل ہے کہ کسی خلاف شرع فعل کو جب دیکھیں اور منع کرنے کا مقدور نہ ہو تو دل سے اسے برا سمجھیں۔“

اس وقت شہنشاہ اکبر اس مجمع میں نہیں آئے تھے۔ البتہ ان کی بیگمات آگئی تھیں ان بیگموں میں ملکہ مریم الزمانی بھی تھی۔ مریم الزمانی کا اصلی نام جودھ بائی کہا جاتا ہے۔ جودھ بائی۔ آمیر کے راجہ بہارمل کی بیٹی تھی۔ بہارمل کا بیٹا بھگوان داس

تھا اور بھگوانداس کا بیٹا راجہ مان سنگھ تھا۔ شہنشاہ اکبر نے بھگوانداس اور راجہ مان سنگھ کو اعلیٰ عہدے دیئے تھے۔ جاگیریں بھی دی تھیں۔ شہنشاہ اکبر کے دربار کے رتن۔ دہیرے، مشہور ہیں۔ ان میں راجہ مان سنگھ بھی تھے۔ راجہ مان سنگھ شہنشاہ اکبر کے مشیر سلطنت اور مصاحب خاص تھے۔ رشتہ کے لحاظ سے راجہ مان سنگھ کے شہنشاہ اکبر پھوپھا ہوتے تھے۔ کیوں کہ راجہ مان سنگھ کے باپ کی بہن سے شہنشاہ اکبر کی شادی ہوئی تھی۔"

جودھابائی نہایت خوبصورت تھی۔ اس نے شاہی حرم سرا میں آکر نہ اپنا مذہب بدلا تھا۔ نہ معاشرت بدلی تھی۔ لباس اس قسم کا پہنتی تھی جیسا اپنے باپ کے گھر پہنتی رہی تھی۔"

شہنشاہ اکبر کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ ان کی کئی بیگمیں تھیں۔ کئی بیگموں کو امید ہوئی۔ لیکن اسقاط ہوگیا۔ آگرہ کے قریب ایک قصبہ سیکری ہے۔ وہاں ایک بزرگ شیخ سلیم چشتیؒ رہتے تھے۔ اکبر نے ان کی خدمت میں جاکر ان سے وراثت تخت کے نہ ہونے کی شکایت کی۔ انہوں نے دعا دی۔ خدا کی شان اسی سال یعنی ۹۷۷ھ میں جودھابائی کے بطن سے شاہزادہ پیدا ہوا۔ چونکہ وہ شیخ سلیم چشتیؒ کی دعا کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ اس لیے شہنشاہ اکبر نے ان کا نام شاہزادہ سلیم رکھا۔ دیہی شاہزادہ سلیم اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر کے لقب سے شہنشاہ ہوئے۔

چونکہ مریم الزمانی شاہزادہ ولی عہد کی والدہ تھیں اس لیے تمام بیگمات ان کا بڑا ادب و لحاظ کرتی تھیں۔ وہ اس وقت بھی اپنا قومی لباس پہنے ہوئے تھیں سرخ ریشم کا خوشنما لہنگا تھا جس میں بڑے بڑے سنہرے پھول کڑھے ہوئے تھے دھانی رنگ کے ریشم کا شلوکا تھا۔ شلوکا اور لہنگا دونوں پر سنہری لیس لگی ہوئی تھی۔ لہنگا پر ہر آٹھ انگل کے فاصلے پر آبدار موتیوں کی جھالریں ٹکی ہوئی

تھیں۔ شلوکہ پر ہیرے کے کنی کے چھوٹے چھوٹے پھول کڑھے ہوئے تھے۔ اور جھالر متفرق قسم کے جواہرات کی تھی۔ ڈوپٹہ ریشمین کیکئی رنگ کا تھا۔ اس ہیرے اس قدر جواہرات کی جھالر ٹکی ہوئی تھیں کہ ان کی جگمگاہٹ دیکھ کر آنکھیں جھپک جاتی تھیں سر کے بالوں میں بال بال موتی پروئے ہوئے تھے۔ مغلیہ خاندان کی بیگمات اور شاہزادیاں امیروں کی بیویاں اور بیٹیاں بھی نہایت قیمتی اور خوش نما لباس پہنے ہوئے تھیں زیورات زیادہ تر خالص سونے اور جواہرات کے تھے ان جواہرات کی ضو سے جلوہ گاہ خاص اور بھی جگمگانے لگا تھا۔

راجہ بیربل، راجہ ٹوڈرمل، راجہ مان سنگھ، ابوالفضل فیضی عبدالرحیم خان خاناں، ملا شیری، ملا کابلی جو شہنشاہ اکبر کے رتن کہلاتے تھے مع اپنے اہل و عیال کے موجود تھے ان میں سے ہر ایک ملکہ مریم الزمانی کے سامنے بچھا جاتا تھا۔

جلوہ گاہ خاص کے وسط میں تخت تیموری بچھا ہوا تھا جس پر شہنشاہ اکبر جلوس فرماتے تھے تخت کے داہنی طرف کچھ زمین چھوڑی ہوئی تھی جس پر فرش نہ تھا اس میں ایک چولہا بنا ہوا تھا۔ چولھے پر کڑاھی چڑھی ہوئی تھی چولھے کے چاروں طرف ہندوؤں کی طرح چوکا لگا ہوا تھا چولھے کے پاس ایک خوبرو ہندو عورت بیٹھی تھی جس کی مانگ میں سیندور بھرا ہوا اور ماتھے پر خوشنما ٹیکا لگا ہوا تھا یہ اس کے سہاگن ہونے کی نشانی تھی ایک طرف کئی برہمن ماتھے پر قشقہ لگائے کھڑے تھے دفعتہً غل ہوا کہ شہنشاہ تشریف لا رہے ہیں تمام حاضرین نہایت مودب ہو گئے۔

نواں باب (۹)

شہنشاہ اکبر

تھوڑی ہی دیر میں شہنشاہ اکبر آئے۔ سب نے رکوع و سجود کی شان سے جھک کر انہیں سات مرتبہ تسلیمیں کی۔ اکبر قدرے لمبے قد کے تھے۔ رنگ گندمی تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں۔ جسم توانا اور تندرست۔ سینہ کشادہ تھا۔ ہاتھ اور بازو لمبے تھے۔

شہنشاہ اکبر کی پیدائش نہایت کس مپرسی کی حالت میں ہوئی تھی۔ جب شیر شاہ سوری نے شہنشاہ ہمایوں کو شکست دی تو ہمایوں اپنی عزیز از جان بیوی حمیدہ بیگم کو ساتھ لے کر چند جاں نثاروں کے ہمراہ بھاگے۔ جب وہ امیر کوٹ کے ویرانہ کو طے کر رہے تھے اور بھاگا بھاگ ہندوستان سے نکل جانے کی فکر میں تھے۔ دفعتہً حمیدہ بیگم کو درد زہ شروع ہوا۔ اور امرکوٹ میں پہنچ کر ۵ رجب ۹۴۹ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۵۴۲ء بروز یکشنبہ اکبر پیدا ہوئے۔ چغتائیوں میں دستور تھا کہ کسی کی ولادت کے وقت حسب حیثیت کچھ تقسیم کرتے عزیزوں اور دوستوں کو کھانا کھلاتے لیکن شہنشاہ ہمایوں کے پاس اس وقت کیا رکھا تھا۔ ایک نافہ کمر سے بندھا ہوا تھا۔ اسے نکال کر توڑا اور حاضرین میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح شگون پورا کیا۔

جب شہنشاہ ہمایوں ایرانی لشکر لے کر ہندوستان میں واپس آئے اور دلی فتح کرلی تو اکبر ان کے ساتھ تھے۔ ہمایوں کی وفات کے بعد اکبر ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو جمعہ کے روز پنجاب کے مشہور قصبہ کلانور میں جو ضلع گورداسپور میں واقع ہے تخت نشین ہوئے۔ اس وقت شہنشاہ ہمایوں کے حکم سے اکبر سلطان سکندر کی سرکوبی

کے لیے جا رہے تھے۔ ابھی کلانور میں پہنچے تھے کہ ہمایوں کی وفات کی خبر پہنچی۔ اس وقت اکبر کی عمر تیرہ سال آٹھ مہینے اٹھائیس دن کی تھی۔ بیرام خاں خانخاناں ساتھ تھے۔ انہوں نے اکبر کو اسی وقت اس خیال سے تخت نشین کرا دیا کہ کہیں ملک میں بغاوت نہ پھوٹ نکلے۔

بیرم خاں شہنشاہ ہمایوں کے زمانے سے اکبر کے اتالیق تھے سلطنت مغلیہ کے نمکخوار اور ہواخواہ تھے ان کا خیال صحیح نکلا۔ قلمرو مغلیہ میں بغاوت ہو گئی۔ ہیمو بقال نے بغاوت کی۔ اس نے آگرہ اور دلی پر قبضہ کر لیا۔ اکبر کو اس کے نادان خیر خواہوں نے مشورہ دیا کہ وہ کابل بھاگ جائے۔ اکبر کمسن تھے ہی کابل جانے کو تیار ہو گئے لیکن بیرم خاں اڑ گئے۔ انہوں نے للکار کر کہا "یہ کیا بزدلی ہے۔ ایک بقال سے ڈر کر بھاگے جاتے ہو۔ اس دوں ہمتی سے ہمارا خودکشی کر لینا اچھا ہے۔ ہمیں سلطنت مغلیہ کے لیے اپنی جانیں لڑا دینا چاہئیں"۔

چونکہ بیرم خاں کا اثر لشکر پر زیادہ تھا اس لیے ان کی بات مانی گئی۔ تمام امراء لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ اکبر کی بھی ہمت بندھ گئی۔ بیرم خاں پنجاب سے واپس لوٹے۔ جب وہ پانی پت کے میدان میں پہنچے تو ہیمو بقال ان کے مقابلے میں آ گیا۔ ہیمو دلی میں باقاعدہ تخت نشین ہو چکا تھا اس نے "وکرما دیتہ" اپنا خطاب رکھا تھا۔ پانی پت کے میدان میں پچاس ہزار سوار ڈیڑھ ہزار ہاتھی اور اکیاون توپیں لایا تھا۔ اگرچہ شاہی لشکر اس کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ لیکن بیرم خاں کی جانبازی نے اس لشکر کی ہمت بڑھا دی۔ ۵ نومبر ۱۵۵۶ء کو جنگ ہوئی۔ نہایت گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اثنائے جنگ میں ہیمو بقال کی آنکھ میں ایک تیر لگا۔ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی اس کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ ہیمو گرفتار کر کے اکبر کے

سامنے پیش کیا گیا۔ بیرم خاں کے حکم سے اسے قتل کر ڈالا گیا۔ بیرم خاں اکبر کو لے کر دلی پہنچے۔ دلی پر قبضہ کر کے آگرہ گئے۔ آگرہ پر تسلط کر لیا۔

اگرچہ آگرہ اور دلی پر قبضہ ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی سلطنت کی حالت قابل اطمینان نہیں ہوئی تھی۔ پنجاب میں سکندر بغاوت کر رہا تھا۔ اجمیر۔ گوالیار اور جون پور بھی باغی ہو گئے تھے۔ بیرم خاں نے بڑی جاں فشانی سے سکندر کو ہزیمت دی۔ اجمیر گوالیار اور جون پور پر قبضہ کیا۔ ان معرکہ آرائیوں میں تین سال گذر گئے۔

جب سلطنت مضبوط ہو گئی اور اکبر کے دشمنوں کا قلع قمع ہو گیا تو اکبر کے نادان مشیروں نے اکبر کے کان بھرنے شروع کیے کہ وہ شاہ شطرنج ہیں۔ اصل بادشاہ بیرم خاں ہیں۔

اکبر میں عقل تھی ہی نہیں۔ وہ کانوں کے کچے تھے۔ لوگوں کے کہنے کا ان پر بہت جلد اثر ہو جاتا تھا۔ وہ بیرم خاں سے ناراض ہو گئے۔ ان کے احسانات بھول گئے۔ اس بات کا بھی لحاظ نہ کیا کہ بیرم خاں ان کے اتالیق رہ چکے ہیں۔ ایک روز اپنے نادان مشیروں کو ساتھ لے کر بیرم خاں کے ساتھ بھاگ آئے۔ اور دلّی میں پہنچ کر ایک اعلان جاری کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ہم نے اب سلطنت کے کاروبار ہاتھ میں لے لیے ہیں۔ ساتھ ہی بیرم خاں کے پاس فرمان بھیجا کہ تم یا کسی صوبے کی حکومت لے لو یا مکہ چلے جاؤ۔ بیرم خاں نے کہلا دیا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ آپ کی سلطنت کے قیام کے لیے کیا۔ جب آپ لوگوں کے لکھانے سے مجھ سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں تو اب میرا ہندوستان میں رہنا مناسب نہیں ہے۔ میں مکہ جانا چاہتا ہوں مجھے مکہ جانے کی اجازت دی جائے۔

اکبر نے فوراً انہیں مکہ جانے کی اجازت دے دی۔ بیرم خاں مکہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔ لیکن جو لوگ بیرم خاں سے ناخوش تھے وہ ان کی جان کے

بیٹنے کی فکر میں تھے۔ انھیں یہ پسند نہیں تھا کہ بیرم خاں مکہ چلے جائیں۔ انہوں نے
پھر لگائی بجھائی شروع کی۔ اور یہ ذہن نشین کرا دیا کہ بیرم خاں بغاوت کرانے
کی فکر میں ہیں۔ اکبر کے کان تھے۔ آنکھیں نہ تھیں۔ آنکھیں ہوتیں تو وہ دیکھتے
بیرم خاں ان کے استاد ہیں۔ ان کا رتبہ باپ کے برابر ہے۔ انہوں نے ان کی سلطنت
کے قیام میں اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ ان کا احترام کرتے اور انھیں عزت
وعظمت کے ساتھ مکہ جانے دیتے۔ انہوں نے یہ غلطی کی کہ بیرم خاں کی نگرانی کرانی
شروع کر دی۔ آخر بیرم خاں انسان تھے انھیں اکبر کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری
انہوں نے اعلان بغاوت کر دیا اور پنجاب کی طرف روانہ ہوئے۔

اکبر لشکر گراں لے کر پنجاب کی طرف چلے شاہی لشکر سے بیرم خاں کے کئی معرکے ہوئے
آخر بیرم خاں کو ہزیمت ہوئی۔ بیرم خاں نے اکبر کو لکھا کہ "میرے احسانات کا یہی
معاوضہ تھا کہ مجھے باغی بنا دیا گیا" اکبر کو ندامت ہوئی انہوں نے عبداللہ سلطان
پوری معروف مخدوم الملک اور منعم خاں کو بھیجا کہ بیرم خاں کو دلاسا دے کر حضور
میں لائیں۔ یہ دونوں بیرم خاں کو ساتھ لائے۔ جب بیرم خاں اکبر کے حضور میں
باریاب ہوئے تو انہوں نے اپنا رومال اپنی گردن سے باندھ لیا۔ اکبر نے پوچھا
"یہ کیا کیا ـــ؟"

بیرم خاں نے چشم پرنم ہو کر عرض کی۔ آپ کے بزرگوار نے مجھے عزت دی تھی
آپ نے وہ عزت اتاری۔ میں آپ کا اتالیق تھا۔ میں نے آپ کی سلطنت کیلئے
اپنی جان لڑا دی۔ آپ نے میرے دشمنوں کے کہنے سے میری بے عزتی کی میرا
رتبہ جاتا رہا۔ میرے لیے اسی صورت سے حاضر ہونا چاہیے تھا۔

اکبر پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ بہت شرمسار ہوئے۔ خود اپنے ہاتھ سے ان کی
گردن سے رومال کھولا۔ انھیں اپنے قریب بٹھایا اور کہا "ہم چاہتے ہیں

کہ تمہیں جاگیر بخش دیں۔ تم ہندوستان ہی میں رہو۔

بیرم خاں۔ جن لوگوں نے میری طرف سے آپ کو بھڑکایا ہے۔ وہ کیوں خاموش بیٹھیں گے۔ میں دور رہوں گا اور وہ حضور ہی میں ہوں گے۔ وہ آپ کے کان بھریں گے میں ان کی باتوں کی تردید نہ کر سکوں گا۔ ممکن ہے وہ آپ کے ذریعہ سے میری جان لیں۔ اور ایک مسلمان کو قتل کرنے کی وجہ سے آپ گنہگار ہوں اس لیے یہی مناسب ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں اور میں مکہ چلا جاؤں۔

بیرم خاں نے کھری کھری باتیں اکبر کے سامنے کہی تھیں۔ اکبر شرمسار تھے انہوں نے کہا۔ "اچھا بابا! اگر تم مکہ ہی جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔ میں نے خوشی سے اجازت دی۔

اکبر نے بیرم خاں کے ساتھ سختی کر کے صرف اپنی سخت گیری ہی کا اظہار نہیں کر دیا۔ بلکہ یہ ظاہر کر دیا کہ وہ محسن کش ہیں۔ نیز یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ انہوں نے پہلے بیرم خاں کو مکہ جانے کی اجازت دی۔ پھر ان کی نگرانی کر کے انہیں اشتعال دلایا اور جب وہ دوبارہ حاضر ہوئے تو پھر مکہ جانے کی اجازت دے دی۔ یہ تلون مزاجی بادشاہوں کی شان کے خلاف ہے۔

بیرم خاں سنی مسلمان تھے۔ جب تک بیرم خاں اکبر کے اتالیق رہے اکبر بھی سنی مذہب کے پابند رہے۔ لیکن جب بیرم خاں چلے گئے تو اکبر ہر معاملے میں آزاد ہو گئے۔ انہوں نے رفتہ رفتہ اپنے مذہب سے بھی دگردانی شروع کر دی جب سے انہوں نے جودھا بائی سے عقد کیا اس وقت سے اسے اور دوسرے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے بہت سی ہندوانہ رسمیں اختیار کر لیں۔

خیمہ میں اکبر کے آتے ہی سب نے انہیں شاہی تسلیمات ادا کیں۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ چند پنڈتوں نے ان کے سامنے آکر کہا۔ "حضور شبھ لگن کا وقت آ گیا۔"

اکبر نے بیربل سے کہا۔ "کون عورت دال دے گی۔"

ایک سہاگن نوجوان ہندو عورت ایک چاندی کے تھال میں کچھ ارد دے کر آئی۔ ایک اور سہاگن ہندو عورت نے چکیا سنبھالی اس نے دال دلنی شروع کی۔ اس وقت جتنی ہندو سہاگن عورتیں تھیں سب نے گانا شروع کر دیا۔ اتنے دال دلی گئی۔ اتنے وہ گاتی رہیں۔ اکبر بیٹھے سنتے رہے۔ پنڈت بیٹھے منتر جپتے رہے۔ جب دال دی جا چکی تب برہمنوں نے گنگا جل پیش کیا۔ دال اس پانی میں بھگوئی گئی۔ پنڈتوں نے کہا "مہاراج جی۔ اشنان کا وقت ہو گیا۔"

شہنشاہ اکبر غسل کرنے چلے گئے۔

دسواں باب (۱۰)

جشن نوروز

یونہی شہنشاہ اکبر غسل کر کے آئے۔ ارباب طرب اور اہل نشاط یعنی طوائفیں کشمیری۔ ایرانی۔ تورانی۔ اور ہندوستانی گویئے۔ ڈوم ڈھاڑی، میراثی۔ کلاونت گانے والے، بیرداتی۔ ڈومنیاں، پاتریں۔ کنچنیاں گروہ در گروہ آکر ایوان خاص اور دیوان عام میں پھیل گئیں ـــــ جو طوائفیں اچھی یا جو گویئے اچھا ناچتے اور اچھا گاتے تھے۔ وہ جلوہ گاہ خاص میں رہ گئے

طوائفیں۔ ڈومنیاں۔ پاتریں۔ اور کنچنیاں نوعمر اور خوبصورت تھیں۔ جہاں جہاں وہ پہنچ گئیں۔ وہیں اندر کا اکھاڑا بن گیا۔ رئیس۔ امیر۔ نواب۔ راجہ اور مہاراجہ انھیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ چونکہ وہ بناؤ سنگار خوب کیے ہوئے تھیں۔ اس لیے بیگمات بھی انھیں دیکھنے لگیں۔

چونکہ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں شراب عام ہوگئی تھی عیاشی اور فحاشی بڑھ گئی تھی بازاروں کے بڑے موڑوں میں رنڈیاں ہی رنڈیاں نظر آنے لگیں۔ شرفا اور علما نے اکبر سے اس بات کی شکایت کی۔ اکبر نے تمام طوائفوں کو شہر کے باہر ایک جگہ آباد کر دیا۔ اس آبادی کا نام شیطان پورہ رکھا۔ اس کے لیے قانون جاری کیے داروغہ منشی اور چوکیدار مقرر کیے۔ ایک مجلد کتاب داروغہ کو دی گئی۔ جو شخص کسی رنڈی کے پاس آتا اس کا نام کتاب میں لکھا جاتا۔ چونکہ اس سے تمام جنتوں میں رسوائی ہوتی۔ اس لیے لوگ وہاں کم آنے جانے لگے اگر امرا میں سے کوئی بھی جاتا تو اس کی خبر اکبر کو جاتی۔ اکبر اس کا مذاق اڑاتے وہ شرمندہ ہو جاتا۔ ایک مرتبہ بیربل بھی جا پہنچے فوراً پرچہ نویسوں نے اطلاع کی۔ بیربل کو معلوم ہو گیا وہ شرم کر اپنی جاگیر پر بھاگ گیے۔

شہنشاہ اکبر غسل کرنے گئے تھے۔ جلوہ گاہ خاص سے کر ایوان عام اور دیوان خاص اور ان کے ملحقہ ایوانات میں عورتوں مردوں کا ہجوم تھا۔ اب رنڈیاں اور کنچنیاں بھی پھیل گئی تھیں۔

شہنشاہ اکبر غسل کر کے آئے۔ نجومیوں نے تاروں کو دیکھ کر رنگین جوڑا پہننے کی ہدایت کی۔ مہتمم ملبوسات نے فوراً اس قسم کا جوڑا پیش کیا۔ شہنشاہ اکبر نے پہنا۔ کھڑکی دار پگڑی راجپوتی شان سے باندھی۔ مکٹ سر پر رکھا۔ مہارانی قسم کے گہنے پہنے چونکہ اکبر نے ڈاڑھی منڈانی شروع کر دی تھی اس لیے وہ اس اندراس درج

بھی ہندو راجہ معلوم ہونے لگے۔

افسوس یہ ہے کہ اکبر نے اپنا آبائی لباس جس سے مردانہ شان ظاہر ہوتی تھی چھوڑ دیا ہندوانہ لباس پہننے لگے تھے۔ یہ لباس ان کے پھبتا نہ تھا۔

شہنشاہ اکبر جب غسل کر کے واپس آئے تو ایک نوجوان ہندو عورت نے دھونی شروع کر دی۔ وہ عورت بھی سہاگن تھی اور کسی ہندو امیر کی بیوی تھی سریلے پنچے سروں میں گانا شروع کیا۔ سات سہاگنوں نے گانے میں اس کا ساتھ دیا۔ معلوم ہوتا تھا انھیں سب کو گانا آتا ہے۔ نہایت اچھا گا رہی تھیں۔

جب دال دھل کر صاف ہو گئی تو ایک اور پری جمال ہندو عورت پیٹھی پیسنے بیٹھی وہ بھی سہاگن تھی۔ چھ اور سہاگنیں اس کے چاروں طرف بیٹھ گئیں۔ ان ساتوں نے نہایت سریلے انداز میں گیت شروع کیا۔ پیٹھی پستی جاتی تھیں۔ ہنستی جاتی تھیں۔ اور گاتی ..... جاتی تھیں۔

ملکہ جودھا بائی بھی ان کے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ وہ بھی نوجوان تھیں۔ حسین تھیں۔ ان عورتوں کو چھیڑ چھیڑ کر ہنساتی جاتی تھیں۔ اکبر انھیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں پیٹھی پس کر تیار ہو گئی۔

ایک طرف پنڈت بیٹھے منتر جپ رہے تھے۔ دوسری طرف جوتشی اور نجومی اپنے ہاتھوں میں لیے اسطرلاب لگائے بیٹھے جشن کی ساعت کا انتظار کر رہے تھے۔ پنڈتوں کے سامنے ایک صاف سی جگہ پر کوئلے دہک رہے تھے۔ صندل، لکڑی اور بہت سی خوشبوئیں ان کے پاس رکھی تھیں۔ یہ سامان ہون کے لیے تھا۔ ہون اس وقت ہوتا تھا جب اکبر تخت پر بیٹھتے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں جوتشیوں اور نجومیوں نے حکم لگایا کہ جشن کی ساعت آ گئی ہے۔ ایک بوڑھا برہمن ہون کرنے کی طشتری لے کر اٹھا اس میں قشقہ لگانے

سامان تھا۔ وہ شہنشاہ اکبر کے پاس آیا۔ اس نے کہا۔ مہابلی جی ٹیکا لگوا لیجئے
اکبر نے سر آگے بڑھا دیا۔ برہمن نے ان کے ماتھے پر ٹیکا لگایا۔ ایک برہمن جواہر
ار کنگن لے کر بڑھا۔ جودھا بائی نے برہمن سے کنگن لے کر اکبر کے ہاتھوں میں پہنا
یے چونکہ ہندوستان کے راجہ اور مہاراجہ زیورات پہنا کرتے تھے۔ ان میں سے
ثر اکبر کے مشیر تھے۔ اس لیے اکبر کو بھی زیور پہنے کا شوق ہو گیا تھا۔ حالانکہ شریعت
سلام میں مردوں کو زیور پہنے کی سخت ممانعت ہے۔ لیکن اکبر کو اسلام سے دور کا
ی واسطہ نہ تھا۔

ادھر اکبر کے ہاتھ میں کنگن پہنائے گئے ادھر چولھے پر کڑھائی رکھی گئی اس
نیچے آگ جلائی۔ جب آگ روشن ہو گئی تو پنڈتوں نے کونڈوں پر سامگری ڈالی
ہون شروع کر دیا۔ ہون کا تعلق آتش پرستی سے ہے۔ ہندوستان نے یہ
یقہ ایران کے زرتشتیوں سے حاصل کیا تھا۔ آریہ جو اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں
بھی ہون کی صورت میں آتش پرستی کرتے ہیں۔

ادھر ہون ہو رہا تھا۔ پنڈت زور زور سے منتر جپ رہے تھے۔ کونڈوں پر
خوشبوئیں ڈالتے جاتے تھے۔ ادھر کڑھائی میں گھی کڑکڑانے لگا تھا
شوخ و شریر سہاگن عورت نے میٹھی کا بڑا بنا کر کڑھائی میں چھوڑا۔ اسی
ت اکبر نے تخت پر قدم رکھا۔ ان کے تخت پر قدم رکھتے ہی نقارۂ دولت پر چوب
نوبت خانے میں نوبت بجنے لگی۔ اس پر شور آواز سے گنبد گردوں گونج
۔ تمام دلی والوں کو معلوم ہو گیا کہ جشن کی کارروائی شروع ہو گئی۔

تھوڑی دیر میں نوبت بجنی بند ہو گئی۔ حاضرین نے مبارکباد کا غل مچا دیا۔ امراء
پیچھے ان کے ملازم خوان اور کشتیاں لیے کھڑے تھے جن پر زرنگار خوان پوش
تھے۔ موتیوں کی جھالریں ٹنک رہی تھیں۔ ان میں سونے چاندی کے بادام

پستے وغیرہ میوہ جات ۔ روپے ۔ اشرفیاں جواہر بھرے ہوئے تھے ۔

شہنشاہ اکبر کے تخت پر بیٹھتے ہی امراء نے خادموں سے خوان اور کشتیاں ۔
کر شہنشاہ پر اُن سب چیزوں کو اس طرح نچھاور کیا کہ جلوہ گاہ خاص میں سو۔
چاندی کے ڈھیر لگ گئے ۔"

اب بیگمات شاہی ۔ شہزادیاں اور دوسری عورتیں جھروکوں میں چلی گئیں اور
کی کارروائی شروع ہوئی ۔ شاہزادے اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے ۔ سوائے شاہزادو
کے اور کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی ۔ راجہ ۔ مہاراجہ ۔ رانا ٹھاکر، ایرانی اور ت
سردار خود اوڑھے ۔ زرہ بکتر پہنے ۔ چار آئینہ لگائے سر سے پاؤں تک لوہے میں غر
ہتھیار سجائے پرے باندھے تصویروں کی طرح خاموش کھڑے تھے ۔

اب نذریں پیش کرنے کا وقت آیا سب سے پہلے شاہزادوں نے نذریں دیں
پھر ایرانی اور ترکی، امراء نے ۔ پھر راجوں ۔ راناؤں اور ٹھاکروں نے ۔

نذریں پیش کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص نذر پیش کرتا اول سلام گاہ پر جاتا وہا
سے تخت گاہ تک تین جگہ رکوع کی شان سے جھک کر آداب و کورنش بجا لاتا ۔ ا
تخت گاہ کے قریب پہنچ کر سجدہ ریز ہوتا ۔ اسے آداب زمین بوس کہتے تھے ۔ جب
کوئی آداب زمین بوس ادا کرتا ۔ نقیب آواز دیتا کہ " آداب بجا لاؤ " جہاں پنا
شہنشاہ ہند بادشاہ سلامت جہالیلی کے حضور میں ہو ۔ " آداب بجا لا کر کھڑا ہو
سر جھکا کر نذر پیش کرتا ۔ شہنشاہ اکبر نذر پر ہاتھ رکھ دیتے

جب نذریں پیش ہو چکیں تب ملک الشعراء نے حضور میں آکر مبارک باد کا قصید
پڑھا ۔ اسے خلعت فاخرہ وانعام عطا ہوا ۔ اس کے بعد خوش گلو طوائفوں نے گا
اور ناچنا شروع کیا ۔ ان کی سریلی آوازوں سے جلوہ گاہ خاص میں ترنم پیدا ہو
لگا سننے والے مست و بیخود ہو گئے ۔

اس میں تخت کے قریب سونے کی ترازو لا کر کھڑی کی گئی۔ طوائفیں بٹھا دی گئیں خوش گلو بیگمات نے قریب آکر گانا شروع کیا۔ شہنشاہ اکبر تخت سے اتر کر ترازو کے پلڑے میں جا بیٹھے۔ ہندو سہاگن عورتیں گاتی ہوئی ست انجا لائیں۔ دوسرے پلڑے میں ست انجا لا کر اکبر کو تولا۔ اس کے بعد چاول سے پھر دودھ سے پھر گھی سے پھر ترتیا سے پھر جست سے پھر تانبے سے۔ پھر چاندی سے اور پھر سونے سے تولا گیا یہ بارہ چیزیں تھیں نوروز کے دن ان چیزوں سے اکبر کو تولا جاتا تھا۔ یہ تمام چیزیں معہ سونے چاندی کے برہمنوں کو دے دی گئیں۔ یہ تلادان کہلاتا تھا اور اکبر سال میں دو مرتبہ تلتے تھے۔ ایک نوروز کے دن دوسرے اپنی ولادت کے دن ۵ رجب کو ولادت کے دن چاندی۔ قلعی کپڑے۔ بارہ قسم کے میوے۔ شیرینی، تلوں، کے تیل اور سبزی سے تلتے تھے۔

تلادان کے بعد دربار اور جشن نوروز کی کارروائی ختم ہو گئی۔ اب ملک مسعود نے تخت گاہ کے قریب جا کر کہا" عالم پناہ میں ایران سے آیا ہوں سوداگر ہوں میرے ساتھ خواجہ محمد شریف کا بیٹا آیا ہے جو ایران کے وزیر اعظم تھے اور جنہوں نے شہنشاہ ہمایوں کی مدارات کی تھی۔"

اکبر" خواجہ محمد شریف کا بیٹا کہاں ہے؟"

ملک مسعود نے مرزا غیاث کو اشارہ کیا۔ انہوں نے بڑھ کر آداب عرض کی اور کہا" مجھ پر ایران کی زمین تنگ ہو گئی۔ میں شہنشاہ ہند کے دامن میں پناہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

اکبر" تم نے اچھا کیا۔ تم زمرۂ ملازمان میں بھرتی کیے جاتے ہو۔"

مرزا غیاث نے شکریہ ادا کیا۔ اسی روز سے وہ ملازم ہو گئے۔ اسی وقت دربار برخاست ہو گیا۔ اس کے بعد اٹھارہ روز تک جشن ہوتا رہا۔ بڑے بڑے امراء اور

جہاراجوں نے جلوہ گاہِ خاص کے ملحقہ ایوانات میں شہنشاہ اکبر کی دعوت کی تمام دلّی میں بھی اٹھارہ روز تک جشن ہوتا رہا۔ ہم نے اس جشن کے واقعات آئین اکبری اور تزک جہانگیر سے لیے ہیں۔

گیارھواں باب (۱۱)

آغاز شباب

مرزا غیاث ملازم ہو گئے تھے۔ ملک مسعود سامان تجارت پہلے ہی فروخت کر چکے تھے وہ محض جشن نوروز دیکھنے اور مرزا غیاث بیگ کو ملازم کرا دینے کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ دونوں باتیں بھی ہو گئی تھیں۔ یعنی جشن بھی دیکھ چکے اور مرزا کو بھی ملازم کر دیا تھا۔ اب انہوں نے وطن واپس جانے کی تیاری شروع کی۔ کچھ ایسا مال تجارت خریدا جو ہندوستان میں تیار ہوتا تھا۔ اور جس کی کھپت یا مانگ ایران میں تھی۔ جب تیاری مکمل ہو گئی تو ایک روز علی الصبح انہوں نے کوچ کا ارادہ کر لیا۔ انھیں مہرالنساء سے بہت زیادہ محبت ہو گئی تھی اور وہ اکثر اسے کھلایا کرتے تھے۔ سچ پوچھو تو اس کی محبت ہی کی وجہ سے وہ جشن نوروز کے بعد کچھ عرصے رک گئے تھے۔ انہوں نے اس کی تعلیم اور شادی کے اخراجات کے لیے کچھ روپیے مرزا غیاث کو دیئے۔ اسے پیار کیا اور قافلے کے ساتھ ایران کو روانہ ہو گئے۔

مرزا غیاث کو شروع میں معمولی عہدہ ملا تھا۔ انہوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے کام کیا۔ رفتہ رفتہ ترقی ہوتی گئی۔ چند سال کے بعد وہ شاہزاد

سلیم (جہانگیر) کی سرکار میں اچھے عہدہ پر ممتاز ہو گئے۔

اس عرصے میں مہرالنساء بڑھتی رہی۔ اگرچہ وہ بچی ہی تھی اور اس کی عمر کے بچے کافی شوخ ہوتے اور بڑی شرارت کرتے ہیں مگر وہ شوخ نہ تھی۔ نہ شرارت کرتی تھی۔ بلکہ بڑی بھولی اور سنجیدہ مزاج تھی۔ اس کی والدہ چاہتی تھی کہ وہ کھیلے کودے۔ مگر خدا کی بندی بالکل بھی نہ کھیلتی تھی۔ ہر وقت ماں یا باپ کے پاس بیٹھی بلبل کی طرح چہکتی رہتی تھی۔ وہ حد درجہ خوبصورت تھی خدوخال دلکش تھے۔ رنگ گورا تھا جس میں سرخی کی کافی جھلک تھی۔ اس پہ باتیں ایسی پیاری کرتی کہ دیکھنے اور سننے والوں کو بے ساختہ پیار آتا تھا۔

وہ بڑی ذہین تھی جو بات ایک مرتبہ سن لیتی یاد رکھتی۔ جب اس کی عمر چھ سال کی ہوئی تو ان کے باپ مرزا غیاث بیگ اسے پڑھانے لگے۔ ماں سینا پرونا لکھانے لگی۔ پڑھنے میں اس کا خوب جی لگتا تھا۔

حقیقت میں مہرالنساء بڑی صاحب اقبال اور خوش قسمت تھی۔ وہ پیدا ہوتے ہی اپنا اور اپنے والدین کا رزق لے کر آئی تھی جوں جوں بڑھتی رہی اس کے باپ کا عہدہ بھی بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اب اس کے باپ کو یہ توفیق ہو گئی تھی کہ وہ چار ملازم رکھ سکیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک سائیس، اپنے لیے ایک خدمت گار۔ ایک ماما بھی ملازم رکھ لیے۔

مہرالنساء کے والدین ایرانی تھے۔ ان کی مادری زبان فارسی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں بھی سرکاری زبان فارسی تھی۔ فارسی کی قدر تھی۔ مہرالنساء بھی فارسی پڑھتی تھی۔ دو تین ہی برس میں اس نے بہت سی کتابیں پڑھ کر کافی مہارت حاصل کر لی تھی۔

شاعری سے اس کی طبیعت کو قدرتی لگاؤ تھا۔ اگرچہ اشعار موزوں نہ

کہہ سکتی تھی۔ مگر تک بندی کرلیتی تھی۔ سینے پرونے میں بھی کافی ترقی کرلی تھی
یوں تو مرزا غیاث نے اب کئی نوکرانیاں ملازم رکھ لی تھیں۔ ان میں سے دو کھانا
پکانے پر مقرر تھیں۔ لیکن مرزا غیاث کی بیوی کھانا پکانے میں بہت ہوشیار تھی
اس نے مہرالنساء کو بھی کھانا پکانے میں بڑا شائق کردیا تھا۔ مہرالنساء بھی
کھانوں میں جدتیں کرنے لگی تھی۔۔۔ جو کچھ پکاتی تھی نہایت لذیذ ہوتا تھا

ہندوستان میں دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان امیروں کی لڑکیاں پھوہڑ رہ جاتی ہیں۔ نہ سینا آتا ہے نہ پرونا آتا ہے نہ کھانا پکانا۔ ان کے والدین انھیں کچھ سکھاتے ہی نہیں۔ اس میں توہین و تذلیل سمجھتے ہیں۔ وہ اس بات کو معیوب سمجھتے ہیں کہ ان کی بیٹیاں کچھ کام کریں۔ لڑکیاں بچپنے ہی سے آرام طلب ہو جاتی ہیں جوانی ہی میں ان کی صحت بگڑ جاتی ہے۔ طرح طرح کے عوارض لاحق ہو جاتے ہیں۔ اولاد کمزور اور پست ہمت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیروں کی زیادہ تر اولاد بزدل کم حوصلہ اور مسلوب الوجود ہوتی ہے۔ اگر لڑکیوں کو چاق و چست رکھا جائے آرام طلب نہ ہونے دیا جائے کہ وہ خود بھی تندرست اور باحوصلہ رہیں اور ان کی اولاد بھی صحت دار اور حوصلہ مند ہو۔۔۔۔"

ابھی مرزا غیاث بیگ کو کوئی منصب نہیں ملا تھا۔ اس لیے وہ زمرۂ امراء میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ خاندانی شریف تھے اس لیے بعض امراء کی بیبیاں ان کی بیوی سے ملنے آتی رہتی تھیں۔ مرزا غیاث کی بیوی ایسی ملنسار اور خوش گفتار تھی کہ جو بی بی ایک دفعہ اس کے پاس آجاتی تھی۔ اس کی گرویدہ ہو جاتی تھی۔ اور پھر آنا شروع کر دیتی تھی۔ لیکن اس میں مہرالنساء کی خوبصورتی اور حسن تمیز کو بھی دخل تھا۔ جو خاتون اس شعلہ رو کو دیکھتی اور اس کی دلکش باتیں سنتی۔ اس سے ملنے کے لیے ضرور آتی

مرزا غیاث بیگ کے عہدہ میں پھر ترقی ہوئی۔ شاہزادہ سلیم کی سرکار سے اکتیس پانصدی منصب اور خلعت عطا ہوا۔ اس خوشی میں انہوں نے بعض امیر زادوں اور بیگمات کی دعوت کی۔ گھر میں خوب چہل پہل ہو گئی۔ بہت سی نوعمر اور جوان لڑکیاں بھی آئیں۔ اگرچہ وہ بھی خوبرو تھیں لیکن ایسی خوبصورت نہ تھیں جیسی مہرالنساء تھی اس کی آنکھیں اس قدر دل کش اور میٹھی باتیں تھیں کہ جس کی طرف دیکھتی تھی وہ لڑکھڑا جاتی تھیں۔ جامہ زیب ایسی تھی کہ جیسا لباس بھی پہنتی پھوٹ نکلتا اس کی والدہ اسے اچھا لباس اور زیورات اس لیے نہ پہننے دیتی تھی کہ کہیں اسے نظر نہ لگ جائے۔

دعوت کے دن اس نے بھی کئی کھانے پکائے۔ کھانے کچھ ایسے لذیذ پکائے کہ کھانے والوں نے بڑی تعریفیں کیں۔ مہرالنساء کے والدین اپنی بیٹی کی تعریف سن کر بہت خوش ہوئے۔

اس دعوت میں ایسی بیگمات بھی آئی تھیں جن کی رسائی شاہی محل سرا میں تھی وہ مرزا غیاث کی بیوی کا حسن سلوک دیکھ کر ایسی متاثر ہوئیں کہ جب ملکہ مریم زمانی (جودھا بائی) کے حضور میں گئیں تو انہوں نے اس ایرانی خاتون (مرزا غیاث بیگ کی بیوی) کی بڑی تعریف کی۔

اس وقت شہنشاہ اکبر کی والدہ حمیدہ بانو بیگم زندہ تھیں ان کا لقب مریم مکانی تھا ان کی شادی بھی محبت کی رہین منت تھی۔ دربار اکبری[1] میں لکھا ہے کہ جب

---

[1] دربار اکبری شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب آزاد نے لکھی ہے۔ اسے اکبر کا مدح نامہ کہا جائے تو مناسب ہے۔ مولانا موصوف نے اکبر کی برائیوں کی بھی تعریف کی ہے۔ (صادق صدیقی۔ سردھنوی)

دنوں ہمایوں شیرشاہ کے ہاتھ سے پریشان حال تھے۔ ایک دن ماں کے سلام کو گئے۔ وہاں ایک نوجوان خوبرو لڑکی کو دیکھا۔ دیکھتے ہی اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئے۔ کسی سے پوچھا یہ لڑکی کس کی ہے۔ اس نے عرض کی۔ سید بزرگوار شیخ ژندہ پیل احمد جام کی اولاد سے ہے جو آپ کے بھائی مرزا ہندال کے استاد ہیں اس کا نام حمیدہ بانو بیگم ہے۔

شہنشاہ ہمایوں نے حمیدہ بانو بیگم کے والدین کو پیام دیا۔ شیخ کو ناگوار ہوا اور وہ کسی اپنے برابر والے سے اس کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ مگر جب ہمایوں نے زیادہ زور ڈلوایا اور خود بھی شیخ سے عرض معروض کی تب وہ رضامند ہوئے حمیدہ بانو بیگم کا ہمایوں سے عقد کر دیا۔ ہمایوں کو اس سے ایسی محبت ہو گئی کہ سفر میں حضر میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ حمیدہ بانو بیگم کو بھی ان سے بڑی محبت ہو گئی تھی۔

مرزا غیاث کی بیوی کا ذکر مریم مکانی (حمیدہ بانو بیگم) نے بھی سنا ایک روز انہوں نے اسے بلوایا۔ مرزا غیاث کی بیوی تو خدا سے یہ چاہتی تھی حسب الطلب حاضر ہوئی۔ ملکہ اور ان کی ساس کو سلام کیا۔ اور ایسی تہذیب و شائستگی ظاہر کی کہ دونوں خوش ہو گئیں۔ حکم ہوا اور امراء کی بیگموں کی طرح تم بھی محل میں آتی رہو۔ چنانچہ اس نے قصر شاہی میں آنا جانا شروع کر دیا قریب قریب امراء کی تمام بیگمات اور ان کی بہنوں اور بیٹیوں سے نہ صرف جان پہچان ہو گئی۔ بلکہ گاڑھی چھننے لگی۔

شاہی محل میں امیروں اور رئیسوں کی بیگمیں خود بھی جاتی تھیں اور اپنے ساتھ اپنی بیٹیوں کو اور دوسری عزیز لڑکیوں کو بھی لے جاتی تھیں محل میں جانے پر یہ پہنیں، ہرتا تھا کہ اسی روز واپسی ہو جائے بلکہ ایک ایک ہفتہ دو ہفتہ رہنا

ہوتا تھا۔ بعض بیگمیں تو اپنی نوجوان لڑکیوں کو بھی وہیں چھوڑ آتی تھیں اور وہ مہینوں وہاں رہتی تھیں۔ شاہزادیوں کے ساتھ کھیلتی کھاتی اور سوتی تھیں۔

مرزا غیاث کی بیوی نے ایرانی محلسرا اور وہاں کی شان و شوکت دیکھی تھی لیکن یہ شان و عظمت ہی کچھ اور تھی۔ اس نے مرزا جی سے محلوں کی نفاست اور باغوں کی نزہت۔ شاہزادیوں کی شائستگی اور بیگمات کی تہذیب کچھ ایسے پیرایہ میں بیان کی کہ مہرالنساء جو سن رہی تھی اسے بھی شاہی محلسرا میں جانے کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔

مہرالنساء کی والدہ کئی مرتبہ شاہی محلات میں ہو آئی تھی۔ لیکن وہ اپنی بیٹی کو نہیں لے گئی تھی۔ مہرالنساء کا وہاں جانے کو جی چاہ رہا تھا۔ لیکن وہ جھجکتی تھی۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اپنا معمولی گھر دیکھا تھا۔ وہ ان امیرزادوں کی بیگموں کی شان دیکھ کر ہی حیران ہوا کرتی تھی جو اس کی والدہ سے ملنے آتی رہتی تھیں۔ ایسے پر تکلف سامان جیسے یہ بیگمیں ساتھ لاتیں تھیں۔ اس نے کہاں دیکھے تھے۔

اس کے جواہرات کے زیورات نہیں تھے۔ البتہ زیور علم سے آراستہ تھی۔ وہ گلشن شباب میں قدم رکھ چکی تھی اس کی خوبروئی اور خوبصورتی پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ جوانی نے پری رخسار بنا دیا تھا۔ سفید رنگت پر سرخی غالب آکر ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے بلوری کنٹر میں شراب ارغوانی بھری ہو۔ مئے گوں آنکھیں سے باتیں کرتی رہتی تھیں۔ اس سن میں شوخی خطر ناک ہوتی ہے لیکن اس میں شوخی کے بجائے سنجیدگی اور بھولا پن تھا۔

قلعہ کے اندر ہر مہینے زنانہ بازار لگتا تھا جسے مینا بازار کہتے تھے۔ اس بازار میں مرزا غیاث کی بیوی اکثر جاتی تھی۔ مہرالنساء کا بھی جی چاہتا تھا کہ اس

بازار کو دیکھے - لیکن ماں سے کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ ضرور ماں کے ساتھ جائے گی۔

بارھواں باب (۱۲)

مہرالنساء کی ضد

جب مینا بازار لگنے میں دو دن باقی رہ گئے تو ایک دن مہرالنساء نے اپنی والدہ سے کہا "مادر مشفقہ! کیا مینا بازار میں امراء کی لڑکیاں بھی آتی ہیں۔۔۔؟"

مادر- ہاں آتی ہیں۔

مہرالنساء- اور ارا کین سلطنت کی بیٹیاں بھی۔

مادر- ہاں وہ بھی آتی ہیں۔

مہرالنساء- اور شاہزادیاں بھی شریک ہوتی ہیں۔

مادر- ہاں وہ بھی شریک ہوتی ہیں۔ مگر اس کے دریافت کرنے سے تیرا مقصد کیا ہے۔

مہرالنساء- میں کہتی ہوں جب امیروں اور سلطنت کے عہدیداروں کی بہو بیٹیاں بیگمات اور شاہزادیاں شریک ہوتی ہیں تو مجھے کیوں نہیں لے جایا کرتی ہو۔

مادر- تو وہاں جا کر کیا لے گی۔

مہرالنساء اور لڑکیاں کیا لیتی ہیں۔

مادر۔ اب تو تو منطقی ہو گئی ہے۔"

مہرالنساء۔ اس میں منطق کی کیا بات ہے۔

مادر۔ بیٹی تیرا وہاں جانا مناسب نہیں ہے

مہرالنساء۔ کیوں۔ کیا وہاں پردہ کا انتظام نہیں ہوتا۔

مادر۔ پردہ برائے نام ہوتا ہے۔ جہاں بلی اور شاہزادے آتے جاتے رہتے ہیں۔"

مہرالنساء۔ شہنشاہ باپ ہوتے ہیں۔ ان سے پردہ ہی کیا۔

مادر۔ ہاں۔ ان سے تو پردہ کی ایسی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن شاہزادوں سے تو پردہ کی ضرورت ہے۔

مہرالنساء۔ مگر میں شاہزادوں کے سامنے ہی کیوں جاؤں گی۔"

مادر۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اچانک سامنا ہو جاتا ہے۔

مہرالنساء۔ زبردستی بھی سامنا ہو جاتا ہے۔

مادر۔ زبردستی نہیں اتفاقاً" ایسا ہو جاتا ہے

مہرالنساء۔ مگر یہ اتفاق میرے ہی ساتھ کیوں ہو گا۔

مادر۔ اور کیا میرے ساتھ ہو گا۔

مہرالنساء۔ نہ تمھارے ساتھ ہو سکتا ہے۔

مادر۔ اچھا بھئی کسی کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر تو اپنے ابا سے اجازت لے لینا۔

مہرالنساء خوش ہو گئی۔ اسے یقین تھا کہ اس کے والد زیادہ حجت نہ کریں گے۔ اسی روز دن چھپنے کے بعد مرزا غیاث بیگ، کھانا کھا کر بیٹھے تو مہرالنساء نے کہا۔ ابا پرسوں مینا بازار لگے گا۔

مرزا غیاث۔ ہاں بیٹی۔ وہ تو ہر مہینہ لگتا ہے۔

مہرالنساء۔ مینا بازار میں تو عورتیں ہی عورتیں ہوتی ہیں نہ۔

مرزا غیاث۔ ہاں۔

مہرالنساء۔ اور مینا بازار بہت اچھا بازار ہوتا ہے۔

مرزا غیاث۔ ہاں دیکھنے والے اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔

مہرالنساء۔ ابا مجھے بھی اجازت دیجئے۔ میں بھی دیکھ آؤں۔

مرزا غیاث۔ ضرور دیکھ آیئے اپنی امی کے ساتھ چلی جانا۔

ان کی بیوی بھی اس وقت وہیں آگئیں تھیں۔ آؤ مہرالنساء اگر لاڈلی بیٹی نے کچھ کہا اور مان لیا۔

مرزا غیاث۔ اوہو تم بھی آگئیں۔ آؤ۔ مہرالنساء اگر مینا بازار دیکھنا چاہتی ہے تو اس میں حرج کیا ہے۔

بیگم۔ کچھ بھی حرج نہیں۔ تم بھی دیکھ آؤ نا۔

مرزا غیاث۔ مجھ بیچارے کو کون وہاں گھسنے دے گا۔ جی تو میرا بھی دیکھنے کو چاہتا ہے۔

بیگم۔ تو پھر چلے چلو۔ ڈاڑھی مونچھوں کو گھونگھٹ میں چھپا لینا۔

مرزا غیاث اور کسی بیگم نے منہ کھلوانا چاہا تو۔

بیگم کہہ دینا۔ منہ پر ڈاڑھی نکل آئی ہے۔ اسی سے شرم کے مارے منہ چھپائے ہوئے ہوں۔

مرزا غیاث۔ شرارت تو تمہاری گھٹی میں پڑی ہے۔

بیگم۔ اب شریر کہنے لگے۔

مہرالنساء۔ ابا جان نے اجازت دے دی ہے۔ پرسوں میں ضرور آپ کے

ساتھ چلوں گی۔

بیگم۔ اور اگر میں پرسوں نہ جا سکی۔

مہرالنساء۔ نہیں امی جان ضرور چلنا۔

مرزا غیاث۔ بڑی بھولی ہے۔ تو کیوں خوشامدیں کر رہی ہے۔ یہ نہ جائیں گے تو تجھے ہم لے چلیں گے۔

بیگم۔ بہت لے چلے۔ پکڑے گئے تو کیا ہوگا۔

مرزا غیاث۔ ہر گا ہی گیا۔ کہہ دیں گے اپنی بچی کو مینا بازار دکھانے کے لئے آئے ہیں۔

بیگم۔ اچھا۔ تو لے جانا۔

مہرالنساء کو امید ہو گئی کہ اب وہ مینا بازار کو دیکھ سکے گی۔ اس نے اگلا دن بڑی مشکل سے کاٹا۔ تیسرے روز ہی اس نے غسل کیا۔ اچھے کپڑے پہنے۔ جو دو چار زیورات تھے وہ بھی پہن لئے۔ وہ حور ادا معلوم ہونے لگی۔ ماں نے دیکھ نگاہیں جھکا لیں۔ کہیں اپنی ہی نظر نہ لگ جائے۔

بیگم بھی بیٹی کا اشتیاق دیکھ کر تیار ہو گئی۔ اس نے بھی فاخرہ لباس پہنا زیورات پہنے۔ وہ بھی شکیل تھی۔ اور بھی حسین معلوم ہونے لگی۔ اس وقت مرزا غیاث بھی آ گئے۔ بیوی کو تنہا دیکھ کر کہنے لگے۔ "بھلا تمہیں بننے سنورنے کی کیا ضرورت تھی۔"

بیگم۔ کیوں۔ کیا میں بڑھی ہو گئی ہوں۔

مرزا غیاث۔ خدا نہ کرے ابھی تو تم جوان بھی نہیں ہوئیں۔

بیگم۔ اس میں کچھ شک بھی ہے۔

مرزا غیاث۔ قطعی شک نہیں رہا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے جیسے ابھی رخصت ہو کر آئی ہو۔ واللہ ابھی تو تم جوان ہو۔ یا جوان معلوم ہوتی ہو۔

بیگم ان باتوں کو رہنے دو — تمہاری لاڈلی کو مینا بازار دکھانے جا رہی ہوں۔"

مرزا غیاث۔ شکریہ۔"

بیگم مذاق رہنے دو۔ میں کہتی ہوں اسے وہاں نہ بھیجو۔"

مرزا غیاث۔ کیوں۔

بیگم۔ چشم بد دور۔ اسے کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

مرزا غیاث۔ اسے تو نہیں۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔"

بیگم۔ اب تم خواہ مخواہ چھیڑ رہے ہو۔"

مرزا غیاث۔ ہاں تو رہا ہوں۔"

بیگم۔ خاک ہاں رہے ہو۔

اس وقت مہر النساء آگئی۔ مرزا غیاث نے اسے دیکھا انہوں نے بھی نظر لگنے کے خوف سے نگاہیں جھکا لیں۔ مہر النساء نے کہا۔ "چلیے امی جان"

بیگم۔ چل۔

مرزا غیاث۔ دن چھپنے سے پہلے آجانا۔

بیگم۔ کوشش کروں گی۔"

مہر النساء۔ اطمینان رکھیے۔ ابا جان! میں انھیں مغرب سے پہلے ہی لے کر آجاؤں گی۔"

مرزا غیاث۔ ہاں بیٹی تو لے آنا ورنہ یہ وہاں جاکر ہفتہ بھر کے لیے غائب ہو جاتی ہیں۔"

بیگم۔ دیکھوں گی اس کا جی وہاں سے آنے کو کیسے چاہے گا۔"

مہرالنساء "کیوں نہ چاہے گا۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ مدینا بازار کیسا لگتا ہے۔"

بیگم۔ "بازار کیا میلہ ہوتا ہے۔ بڑی اچھی دوکانیں لگتی ہیں۔ قسم قسم کا سامان ہوتا ہے۔ دوکانیں خوب سجائی جاتی ہیں۔ جب دیکھے گی تو حیران ہوجائے گی۔"

مہرالنساء۔ اسی لیئے تو دیکھنے جارہی ہوں۔

بیگم۔ دیکھو بیٹی۔ وہاں جاکر کسی وقت مجھ سے الگ نہ ہوجانا۔

مہرالنساء۔ "کیوں کیا وہاں لڑکیاں غائب ہوجاتی ہیں۔"

بیگم "غائب تو نہیں ہوجاتی۔ لیکن رل جاتی ہیں۔ اور پھر مشکل سے مل پاتی ہیں۔"

مہرالنساء۔ "شاید بازار بہت بڑا ہوتا ہے۔"

بیگم۔ "اتنا بڑا کہ تو دیکھتے دیکھتے تھک جائے گی پھر اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ ذرا ساتھ سے بچھڑے اور کہیں کے کہیں جا نکلے۔ تو نئی نئی جارہی ہے۔ نہ تونے قلعہ دیکھا ہے۔ نہ بازار دیکھا ہے۔ اگر خدانخواستہ تو بچھڑ گئی تو نہ معلوم کہاں جا نکلے۔"

مہرالنساء "اطمینان رکھیئے میں تمھارا ساتھ ہی نہ چھوڑوں گی"

مرزاغیاث۔ "ہماری مہر تم سے زیادہ ہوشیار ہے۔"

بیگم "آج معلوم ہوجائے گا۔"

مرزاغیاث۔ "اچھا سدھارو۔ پالکی دروازہ پر آلگی ہے۔"

بیگم اور مہرالنساء دونوں چلیں۔ مکان سے باہر آئیں ڈیوڑھی میں پالکی لگی ہوئی تھی —— دونوں پالکی میں بیٹھ گئیں —— کہاریاں پالکی لے کر چل پڑیں ——

تیرھواں باب (۱۳)

مینا بازار

قلعہ معلے میں مینا بازار لگتا تھا۔ ایک دن پہلے دکان دار عورتیں آجاتی تھیں۔ ساری رات دکانیں تیار کرکے سجاتی رہتی تھیں۔ صبح کی نماز پڑھتے ہی دکانوں کے سامنے کے پردے کھلنے لگتے تھے۔ کچھ دن چڑھے تمام دکانیں کھل جاتی تھیں۔ چاشت کے وقت خاصا ہجوم ہو جاتا تھا۔ دوپہر کے وقت کھوے سے کھوا چلنے لگتا تھا۔ بکنے کے لئے ہر قسم کی چیزیں آتی تھیں۔ ابریشم۔ گوٹا۔ ٹوپیاں رومال اونی اور سوتی کپڑے۔ سونے چاندی کے مرصع زیورات، جواہر، قالین۔ قسم قسم کی مٹھائیاں طرح طرح کے کھانے شیرمال۔ کوفتے۔ کباب، باقرخانیاں۔ متنجن، پلاؤ، بریانی، زردہ ہر قسم کے میوے پھل اور ترکاریاں بخاری اور لوہاری کی معمولی سے کر بہترین کام کی چیزیں۔ غرض دنیا بھر کی چیزیں فروخت ہونے آتی تھیں۔ لطف یہ کہ عورتیں ہی بیچتی تھیں اور عورتیں ہی خریدتی تھیں۔

مہرالنساء اور اس کی والدہ جب مینا بازار میں داخل ہوئیں تو بازار میں چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ امیروں اور رئیسوں کی بیگمیں۔ راجاؤں کی رانیاں اور اوسط درجہ کے ہندو مسلمانوں کی بہو بیٹیاں آگئیں تھیں۔ اور آرہی تھیں بوا۔۔۔ کا آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا جس میں سے عورتیں اتر اتر کر بازار میں آتی جاتی تھیں۔ ابھی شاہزادیاں اور شاہی بیگمات نہیں آئی تھیں۔

قلعہ کے دروازہ کے باہر فوجی پہرہ تھا۔ مرد سپاہی مسلح کھڑے تھے اندر خواجہ سرا ہتھیار لگائے پہرہ دے رہے تھے۔ خواجہ سرا عورتیں ہوتی تھیں۔ نہ مرد بلکہ مخنث ہوتے تھے۔

مینابازار کی سنتریوں میں ۲۰۔ ۳۰۔ ۴۰۔ ۵۰ قدموں کے فاصلے پر قلماقنیاں اور اردو بیگنیاں اسلحہ جنگ سے سجے پہرہ پر کھڑی تھیں۔ کچھ قلماقنیاں دوڑ دوڑ کر گشت کر رہی تھیں۔ کچھ سادہ لباس میں جاسوسی کی خدمات انجام دے رہی تھیں۔

قلماقنیاں اور اردو بیگنیاں عورتیں تھیں جو بڑی قوی ہیکل۔ گرانڈیل اور بہادر ہوتی تھیں۔ ان کے چہروں سے بڑا رعب وجلال ظاہر ہوتا تھا کسی کو قتل کر ڈالنا ان کے لیے ایک معمولی بات تھی۔ وہ محلسرا میں بھی پہرہ پر تعینات رہتی تھیں اور جب شاہی بیگمیں اور شاہزادیاں کہیں سفر میں جاتی تھیں یا محاذ جنگ پر ہوتی تھیں تو یہی بہادر عورتیں بارگاہ خواتین کی حفاظت کرتی تھیں، ضرورت کے وقت دشمن مردوں سے خوب لڑتی تھیں۔ کسی وقت نہ گھبراتی تھیں حکم کی تعمیل کرنا۔ دشمنوں کو مارنا یا لڑتے لڑتے کٹ مرنا ہی ان کے کام تھے۔ وہ بڑی جفاکش وفادار اور جاں نثار ہوتی تھیں۔ ان عورتوں کے کارنامے تاریخوں میں محفوظ ہیں افسوس ہے آج کل کے مردوں میں وہ جرأت و دلیری نہیں ہے جو اس وقت کی عورتوں میں تھیں ہماری قوم کے وہ نونہال جن کی ذات پر قوم کے بننے اور بگڑنے کا انحصار ہے آرام طلب ہو گئے ہیں۔ پر تکلف لباس پہنتے اور عورتوں کی طرح اپنی تزئین کرتے تھے یا لہو ولعب میں مشغول رہتے ہیں یا مانگ پٹی اور داڑھی مونچھیں مونڈنے میں لگے رہتے ہیں۔ نہ مردوں کی صورت رکھتے ہیں۔ نہ مردوں کی صفات ان میں باقی ہیں۔ میرے عزیز میری صداقت

گرنی پر مجھے معاف کریں۔ ان میں مخنثوں کی خو بو آگئی ہے۔"

مجھے اور مجھے ہی کیا قوم کے ہر دردمند کو قوم کے نونہالوں کی یہ حالت دیکھ کر بڑا ہی رنج ہوتا ہے۔ جن نوجوانوں کو مرد اور جفاکش مرد بن کر قوم کی رہنمائی کر کے قومی وقار کو بڑھانا چاہیے تھا۔ وہ آرام طلب ہو کر قوم کو پستی کے گڑھے میں گرا رہے ہیں۔ اے قوم کے نوجوان! اے قوم کے دردمندوں کی آواز سنو، فضول تکلفات اور بے فائدہ تزئین کو چھوڑ دو۔ تعلیم میں صنعت و حرفت میں ایسی ترقی کرو کہ قوم کے بزرگ تمہاری ذات پر فخر کریں گے۔"

کسی کام سے گھبراؤ نہیں۔ نہ کسی صنعت کو برا خیال کرو قوم کو پستی سے نکالنے کے لئے کام میں لگ جاؤ رات کو سوچو کہ تم نے کیا اور کس قدر کام کیا۔ کتنا وقت بیکار کھو دیا۔ عہد کر لو کہ آئندہ ایک لمحہ بھی بیکار نہ جانے دو گے۔ زمانے کے مختلف دور ہوتے ہیں۔ یہ دور سائنس کی صناعی کا ہے خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں بھی سائنس[1] نے زبردست ترقی کی تھی۔ تاریخوں میں اسی ترقی کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ تم بھی ترقی کرو۔ لیکن تمہارا اصلی جوہر شجاعت ہے۔ مسلمان بہادر ہوتے تھے۔ مسلمانوں کی اولاد کو بھی بہادر ہونا چاہیے۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ ضروری ہے کہ مسلمان خدا پرست ہو قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝ "یعنی

---

[1] تاریخوں سے ثابت ہے کہ سب سے پہلے گھڑی خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں مسلمان سائنسدانوں نے ایجاد کی۔ جب یہ گھڑی فرانس کے بادشاہ شارلمین کے پاس بھیجی گئی تو وہ اسے از خود چلتے دیکھ کر ڈر گیا۔ سمجھا کہ یہ مسلمانوں کے جادو کا کمال ہے۔ (صادق، صدیقی۔ سردھنوی۔)

مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور تم میرا شکر کرو۔ مجھ سے کفر مت کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ جو خدا کو یاد کرتا ہے اس کی عبادت کرتا ہے۔ اس کی عطیات پر اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ خدا اسے یاد کرتا ہے اسے نوازتا ہے اس کا رتبہ بڑھاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نمازی اور پرہیزگار رہو۔"

قلماقینوں کے فرائض میں داخل تھا کہ وہ بازار میں کسی ایک جگہ مجمع نہ ہونے دیں۔ دوکانوں اور دوکانداروں کی حفاظت کریں اور اگر ضرورت ہو تو شاہزادوں کے لیئے راستہ صاف کریں۔

مسلح قلماقینوں کو دیکھ کر مہرالنساء کو حیرت ہوئی۔

اس نے بازار میں داخل ہو کر دیکھا کہ کئی سنٹر ہیں اور ہر سنٹر میں مختلف قسم کی دکانیں ہیں۔ بزازہ صرافہ، مینا کاری، نجاری، آہن گری وغیرہ کی دوکانیں الگ الگ اور بڑے قرینے سے آراستہ تھیں۔ برتنوں میں مٹی کے، چینی کے اور شیشہ کے برتن تھے اور ہر قسم کے برتنوں کی دکانیں الگ الگ تھیں۔

(گزشتہ سے پیوستہ) ہارون رشید کا دارالخلافہ بغداد تھا۔ خلیفہ ہارون رشید نے بغداد میں ایک نہایت بلند گھنٹہ گھر تعمیر کرایا تھا۔ اس گھنٹہ گھر کے گنبد کے اوپر لوہے کے گھوڑے پر لوہے کا سوار تھا۔ گنبد میں پیتل کا ایک گھنٹہ لٹک رہا تھا۔ جب گھنٹہ بجنے کا وقت آتا لوہے کا سوار از خود گھوڑے سے اتر کر گنبد میں آتا اور گھنٹہ بجا کر پھر گھوڑے پر سوار ہو جاتا۔ اس زمانے کے سائنس داں اس قسم کا گھنٹہ ابھی تک ایجاد نہیں کر سکے ہیں۔ خلیفہ ہارون رشید نے ایک باغیچہ بنوایا تھا جس میں چاندی کے درخت سونے کی شاخیں۔ زبرجد کے پتے اور زمرد کی گھاس تھی شاخوں پر سونے کے پرندے تھے جب پروا ہوا چلتی تھی تو یہ پرند از خود گانے لگتے تھے۔ (صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی)

بزازہ کی دوکانوں میں ململ اور کپڑے قابل دید تھے۔ نہایت مہین لیکن ریشم کی طرح ملائم اور نہایت خوبصورت ڈھاکہ کی ململ سے زیادہ مہین و ملائم تھا۔ ریشم اعلیٰ قسم کا خوبصورت اور وضعدار چھینٹیں۔ نہایت عمدہ اور خوبصورت کشمیر کی شالیں نہایت اچھی غرض جو کپڑا بھی تھا وہ دیکھنے کے قابل تھا۔ اس کی وضع دیکھ کر خریدنے کو جی چاہتا تھا۔ اسی طرح زیورات سادہ اور مرصع قابل دید تھے۔ مینا کاری کا کام نفاست میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ لکڑی کی خوبصورت چیزیں بھی قابل دید تھیں۔ لوہے کا سامان سبک اور کارآمد تھا۔ مٹی کے برتن دیکھنے کے قابل تھے ان پر ایسا روغن پینٹ کیا ہوا تھا کہ دیکھ کر طبیعت پھڑک اٹھتی تھی۔ چینی کے برتن بھی نہایت اچھے تھے۔ بلور اور شیشہ کے ظروف دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔"

یہ سب چیزیں ہندوستان میں بنتی تھیں اور اچھی بنتی تھیں۔ آج ہم ان چیزوں کے محتاج ہیں اور دوسرے ممالک کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں یہ سب چیزیں خود ہمارے دیس میں بنتی تھیں۔ اور ایسی اچھی اور اس قدر زیادہ بنتی تھیں کہ دوسرے ممالک میں ان کی بہت زیادہ مانگ تھی۔ صرف ایشیا ہی میں نہیں بلکہ یورپ میں بھی جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ انگلستان کی ایک ملکہ نے اپنی تاجپوشی کا دربار اس لیے ملتوی کر دیا تھا کہ ہندوستان سے کپڑے کا جہاز وقت پر نہ پہونچ سکا تھا۔

جب ہندوستان پر انگریزوں نے قبضہ کیا تو اپنے ملک کے کپڑے کی نکاسی کے لیے ہندوستان کی پارچہ بافی کی صنعت کو تباہ کرنا ضروری سمجھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے پارچہ بافوں کو ملازم رکھا۔ انھیں دوسرے کاموں میں لگا دیا۔ کچھ لوگوں کو پیشگی روپے دے کر خود کپڑا تیار کرانے لگے۔ ان سے ایسا ناقص کپڑا تیار کرایا جس سے وہ اچھا کپڑا تیار کرنا بھول گئے۔ بعض ان لوگوں کو جنھوں نے نہ ملازمت کرنا چاہی نہ زر پیشگی لیا۔ مختلف قسم کے دباؤ ڈال کر ناکارہ کر دیا گیا۔ غرض پارچہ بافی

…صنعت کو جس طرح بھی ہو تباہ کر کے اس حالی کو پہونچا دیا کہ اب ہندوستانیوں کے … تن ڈھانکنے کے لیئے ہندوستان میں کپڑا تیار نہیں ہو سکتا۔ اب تیار ہوتا ہے … گزی اور گاڑھا۔

مہرالنساء اور اس کی والدہ دوکانوں کی سیر کرتی ہوئی چلی جا رہی تھیں۔ دفعتاً … شور ہوا۔ جہاں پناہ آگئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد سامنے سے شہنشاہ اکبر آتے ہوئے … نظر آئے۔ امیروں کی بیگموں اور بیٹیوں نے انھیں سلام کرنا شروع کیا۔ جب … مہرالنساء کے قریب آئے تو اس نے اور اس کی ماں نے بڑے … ادب سے سلام کیا۔

یہ دونوں ایک بزازہ کی دوکان پر کھڑی تھیں۔ اکبر بڑھنا چاہتے تھے … دوکان دار ایک جوان لڑکی تھی۔ اس نے بڑھ کر کہا۔ ”عالم پناہ! … ٹھہریئے۔“

شہنشاہ اکبر ٹھہر گئے۔ نوجوان عورت ان کے پاس آئی۔ اس کی ہتھیلیاں ملی … ہوئی تھیں۔ اور ان میں کوئی چیز چھپی ہوئی تھی۔ لڑکی نے کہا۔ کیا آپ ایسی چیز … خریدیں گے جو بہترین ہو۔

اکبر۔ ضرور خریدیں گے۔ ” دکھاؤ۔

لڑکی نے ہتھیلیاں کھولتے ہوئے کہا۔ میری ان ہتھیلیوں میں بیس گز لمبا ململ … کا تھان ہے۔ اس کی نفاست اور مہین پن دیکھیئے۔

ململ نہایت باریک اور عمدہ تھی۔ اکبر کو پسند آئی۔ مگر انھیں اس میں شک ہوا کہ … بیس گز ہے یا نہیں۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا یہ بیس گز کا تھان ہے۔؟

لڑکی نے جواب دیا۔ ”جی ہاں۔ میں ابھی ناپے دیتی ہوں۔

یہ کہتے ہی اس نے بڑھ کر گز لیا اور کھڑے کھڑے ململ کو ناپ دیا۔ پوری بیس گز تھی

شہنشاہ اکبر اور دوسرے دیکھنے والے بڑے حیران ہوئے۔ اکبر نے وہ ململ لے لی اس کی قیمت دی اور کچھ انعام دیا۔ وہ آگے بڑھے۔ مہرالنسا اور اس کی والدہ بھی آگے بڑھیں۔"

چودھواں باب

شاہزادہ سلیم

جوں جوں مہرالنسا آگے بڑھتی جاتی تھی۔ پرتکلف دکانیں۔ دکانوں کا بیش بہا سازوسامان۔ حسین و نوجوان دکان والیوں کو دیکھ کر حیران ہوتی جاتی تھی۔" اس نے چلتے چلتے کہا۔ "امی جان کیسا اچھا بازار ہے۔"

ماں نے جواب دیا۔ "یہ بازار اگرچہ اچھے ہیں۔ مگر معمولی ہیں —— ان بازاروں کے استعمال کی دوکانیں دیکھنا کتنی بڑی اور کس قدر بارونق ہوتی ہیں۔ مہرو تو بازار میں آکر کچھ حیران سی ہو گئی۔"

مہرالنساء۔ امی جان! میں نے ایسے پرتکلف ایسے بارونق اور ایسی بیش بہا چیزوں سے لبریز بازار دیکھے کہاں ہیں۔"

بیگم۔ ہاں تونے کہاں دیکھے ہیں۔ بیٹی ہم ایران کے رہنے والے ہیں۔ وہاں بھی ایسے بازار نہیں لگتے۔

مہرالنساء۔ امی جان! تم تو کہتی تھیں۔ ایران چلیں گے۔

بیگم۔ ارادہ تھا۔ مگر پھر سوچا ایران میں اب ہمارا کیا رکھا ہے ہمارے ہموطنوں نے ہمیں وطن سے نکال دیا۔ ہندوستان میں ہمیں پناہ ملی۔ اب ہندوستان ہی ہمارا وطن ہے۔ ہندوستان ہی میں ترقی کرنی چاہیے۔"

مہرالنساء۔ مگر ابھی تو ایران میں ہمارے عزیز و اقارب ہیں، ہمیں وہاں سے واسطہ کیوں نہیں۔

بیگم۔ ہاں۔ عزیز ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض ایسے ہیں جنھوں نے وطن سے نکالنے میں ہمارے دشمنوں کی مدد کی۔

مہرالنساء۔ مگر بعض ایسے بھی تو ہیں جنھیں ہم بھول نہیں سکتے۔

بیگم۔ ہاں۔ ایسے بھی ہیں۔ انھیں ہم یاد کرتے ہیں اور جبتک وہ ہمارے پاس نہیں آجاتے یاد کرتے رہیں گے۔

مہرالنساء۔ ان میں میرے بھائی بھی تو ہیں۔

بیگم نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ہاں میرا بیٹا ابوالحسن ہے۔ اسے تو بھی یاد کرتی ہے میں بھی یاد کرتی ہوں۔ میں نے تیرے ابا سے کہا تھا کہ اسے بلالیں۔ انھیں خود ہی اس کی یاد ستانے لگی ہے۔ اسے بلانا چاہتے ہیں۔ مگر ابھی ہندوستان سے ایران کوئی ایسا قافلہ نہیں گیا جو یہاں واپس آئے اور ابوالحسن اس کے ساتھ آجائے۔

مہرالنساء۔ وہ مجھے کیا پہچانیں گے۔

بیگم۔ اس نے تجھے دیکھا ہی نہیں پہچانے گا کیسے نہ تو نے اسے دیکھا ہے تو بھی ویسے نہ پہچانے گی۔

یہ دونوں باتیں کرتی ہوئی چلی جا رہی تھیں کہ سامنے سے چند امیروں کی بیگمیں آتی ہوئی ملیں۔ ان کے ساتھ بچے بھی تھے اور نوجوان لڑکیاں بھی تھیں۔ ایک بیگم نے کہا۔ اوہو۔ آج تو تم مہرالنساء کو بھی ساتھ لائی ہو۔

بیگم۔ کیا کروں۔ ضد کرنے لگی۔ لانا ہی پڑا۔

دہی بیگم۔ مجھے یہ بچی بہت ہی پیاری معلوم ہوتی ہے۔ مینا بازار میں بڑے بڑے امیروں کی بیٹیاں اور شاہزادیاں آئی ہیں۔ مقابلہ کرکے دیکھ لو مہرالنساء

کے برابر ایک بھی خوبصورت نہیں ہے۔ خدا اسے نظر بد سے محفوظ رکھے۔

بیگم۔ آمین۔ کیا کروں اس نظر لگنے ہی کے خوف سے تو میں اسے لے کر کہیں آتی جاتی نہیں۔

وہی بیگم۔ جب سیر کر چکو تو ادھر ہی چلی آنا۔ ہم وہیں ہوں گی۔

بیگم۔ میں تھک چلی ہوں۔ مگر مہرالنساء سارا بازار دیکھنا چاہتی ہے۔

وہی بیگم۔ اسے بازار کی اچھی طرح سیر کرا دو۔

بیگمیں آگے بڑھ گئیں۔ بیگم مہرالنساء کو لے کر چلیں انھیں ہر قدم پر کئی بیگمیں نئے بیچ ملتے تھے۔ بچے خوش رنگ لباس پہنے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر دوڑتے پھر رہے تھے ان میں زیادہ تر کمسن لڑکیاں تھیں، جو بالکل ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے خوش رنگ سنہری تتلیاں اڑ رہی ہوں نوجوان لڑکیاں بھی خوبصورت ہرنیوں کی طرح زقندیں لگا رہی تھیں۔ البتہ بیگمیں سنجیدگی کے ساتھ چل پھر رہی تھیں۔ چلتے چلتے یہ دونوں بازاروں کے اتصال پر پہنچیں۔ یہاں ایک وسیع گول میدان تھا۔ اس میدان میں بڑی بڑی اور شاندار دکانیں تھیں۔ ان میں کچھ دکانیں زرکپڑے کی تھیں اور کچھ زیورات کی۔ نہایت قرینہ سے سجی ہوئی تھیں۔ زرق برق کپڑوں اور جگمگاتے ہوئے زیورات سے دکانیں جگمگ کر رہی تھیں۔ ان دکانوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ ہر دکان پر کافی بھیڑ تھی مہرالنساء نے کہا "امی! جاؤ ہم بھی یہاں سے کوئی کپڑا اور کوئی زیور خریدیں۔

بیگم نے کہا "ابھی نہیں۔ دوپہر کے وقت کے بعد خریدنا اس وقت امیروں رئیسوں کی بیگمیں اور شاہزادیاں خریدا کرتی ہیں۔ ان کے خریدنے سے قیمتیں بڑھی رہتی ہیں۔ دوپہر کے بعد ان کی خرید بند ہو جاتی ہے۔ اس وقت قیمتیں بھی مناسب ہو جاتی ہیں۔"

مہر النساء۔ "چلو تو دوسری طرف کے بازار دیکھ آئیں"
بیگم۔ "اب تو تو تھکی نہیں۔ میں تھک گئی ہوں۔ ذرا کہیں آرام کرکے پھر آگے چلیں گی۔"
مہر النساء۔ "اوئی۔ ابھی سے تھک گئیں تم۔ ابھی ہم نے دیکھا ہی کیا ہے اور چلی ہی کتنی دور ہیں۔"
بیگم۔ "بازاروں میں چلتے ہوئے معلوم نہیں ہوا۔ ورنہ ہم نے کافی فاصلہ طے کر لیا ہے۔ ادھو ملکہ زمانی آرہی ہیں۔ آؤ ایک طرف کھڑی ہو جائیں۔ اگر انہوں نے دیکھ لیا تو ساتھ چلنے پر اصرار کریں گی۔"
دونوں ایک طرف بچ کر کھڑی ہو گئیں۔ سامنے سے ملکہ مریم الزمانی (جودھا بائی) آرہی تھیں۔ راجپوتی لباس میں تھیں۔ ان کے ساتھ کئی ہندو خادمائیں تھیں کئی راجپوت نوجوان لڑکیاں تھیں اور کئی شہزادیاں تھیں۔ دو قلماقنیاں آگے آگے راستہ صاف کرتی چلی آرہی تھیں۔ مہر النساء نے اپنی والدہ سے پوچھا "ان کے ساتھ یہ راجپوت لڑکیاں کون ہیں۔"
بیگم نے کہا "یہ کچھواہہ خاندان کی لڑکیاں ہیں۔ ملکہ مریم الزمانی بھی اسی خاندان سے ہیں۔ وہ لڑکی جو ملکہ کے داہنے ہاتھ ہے۔ ملکہ کے بھائی راجہ بھگوان داس کی بیٹی اور کنور مان سنگھ کی بہن ہے۔ اس کی شادی شاہزادہ سلیم (جہانگیر) ولی عہد بہادر سے ہوئی ہے۔"
اس وقت ملکہ اور شاہزادیاں آگے بڑھ گئیں۔ مہر النساء نے کہا۔ "یہ راجپوتنیاں ابھی تک ہندوانہ لباس میں رہتی ہیں۔"
بیگم "یہ راجپوتنیاں ہی کیا خود شہنشاہ اکبر نے ہندوانی لباس پہننا شروع کر دیا ہے اور لباس ہی نہیں بلکہ ہندوانہ رسمیں بھی اختیار کر لی ہیں۔ اسی لیے مسلمان

شہنشاہ اکبر سے ناخوش ہیں۔

مہرالنساء۔ یہ تو شہنشاہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔ وہ مسلمان ہیں۔ انھیں مسلمان بن کر رہنا چاہیے۔

بیگم۔ انھیں ہندوؤں نے گھیر لیا ہے۔ راجہ ٹوڈرمل۔ راجہ بیربل، راجہ بھگوان داس کنور مان سنگھ اور وہ سب ہندو رانا اور راجہ ہر وقت اکبر کے گرد رہتے ہیں۔ انھیں کے رسم و رواج کو اکبر اختیار کرنے جا رہے ہیں۔ لیکن ایسی باتیں کہنا بھی شہنشاہ کو پسند نہیں اس لیے ہمیں بھی ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

اس طرح بیگم اور ان کے ساتھ کی عورتیں اور لڑکیاں ان سے بہت دور نکل گئیں تھیں۔ ان دونوں نے دوکانوں کی سیر شروع کی۔ ایک دوکان پر دونوں کھڑی ہو کر دور سے زیادہ تماشہ دیکھنے لگیں اور کچھ ایسی محو ہوئیں کہ کسی بات کا خیال ہی نہ رہا۔ اچانک مہرالنساء کے پیر پر کسی کا پیر رکھا گیا۔ مہرالنساء نے آہ کیا۔ بیگم نے گھبرا کر بیٹی کو دیکھا۔ پوچھا "کیا ہوا"۔

مہرالنساء نے جواب دیا "میرے پیر پر کسی کا پیر رکھا گیا۔"

بیگم نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ کس نے رکھا

بیگم نے دیکھا ایک نوجوان لڑکا ان کے آگے سے بڑھ کر دوکان پر جا کھڑا ہوا

مہرالنساء نے کہا "اس لڑکے نے میرے پیر پر پیر رکھا ہے امی جان! تم تو کہتی تھیں۔ یہاں مرد نہیں آتے۔ یہ تو مرد بھی موجود ہیں۔"

بیگم مہرالنساء کو وہاں سے گھسیٹ کر الگ لے گئی۔ اس نے کہا "مہرو تو بھی کیسی بچی ہے۔ ایک ذرا سی بات کے پیچھے چلی گئی۔"

مہرالنساء۔ کیا ڈر تھا۔

بیگم۔ تو اس لڑکے کو نہیں جانتی۔

مہرالنساء - میں کیا جانوں۔

بیگم - یہ ولیعہد بہادر ہیں - شاہزادہ سلیم - انھیں صاحب عالم کہتے ہیں -

مہرالنساء - اچھا - یہ صاحب عالم ہیں۔

بیگم - ہاں۔

عین اس وقت شاہزادہ سلیم دوکان سے لوٹے مہرالنساء نے دور سے انھیں دیکھا وہ نہایت خوبرو اور دیدرو نوجوان تھے - انھیں دیکھ کر مہرالنساء کا سینہ دھک دھک کرنے لگا - جی چاہا قریب سے جا کر انھیں دیکھے - جی بھر کر دیکھے - مگر والدہ کے خوف سے اس کی جرأت نہ کر سکی۔

اب تک مہرالنساء دلجمعی کے ساتھ مینا بازار کی سیر کرتی رہی تھی - لیکن اب دفعتہً اس کا جی اچاٹ ہو گیا اس نے ماں سے کہا "چلئے امی جان اب کہیں بیٹھیں گے۔"

بیگم ہاں چلو، میں تو بہت تھک گئی ہوں - آ باغیچہ میں بیٹھیں گے۔"

مہرالنساء - چلئے۔

بیگم مہرالنساء کو لے کر باغیچہ کی طرف روانہ ہوئی چلتے چلتے اس نے کچھ کھانے کا سامان بھی خرید لیا۔

پندرھواں باب

آغاز محبت

مہرالنساء اور اس کی والدہ دونوں باغیچہ میں پہنچیں - یہاں کا عالم بھی

کچھ اور تھا۔ بیگمیں اور ان کی جوان جوان لڑکیاں سبز سبز گھاس پر اس طرح بیٹھی یا پڑی تھیں۔ جس طرح ہرے بھرے میدانوں میں ہرنیاں یا بہشت زار باغ میں حوریں اور اس طرح ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں کہ ان کے تبسم سے باغیچہ کا پتہ پتہ روشن معلوم ہوتا تھا۔ بعض مدہم سُروں میں گا بھی رہی تھیں۔ ان کی سریلی آواز سے ترنم سا ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بلبلیں گا رہی ہوں۔

بعض اپنے بچوں کو ساتھ لیے بیٹھی کچھ کھا اور انھیں کھلا رہی تھیں۔ سب لباس اور مرصع زیورات پہنے تھیں۔ یوں بھی حسین تھیں۔ ایسا دھوکا ہوتا تھا جیسے اس چمن زار میں پریاں اتر آئی ہوں۔ یا خدا نے اس خطہ کو بہشت بنا کر یہاں آسمانی حوریں بھیج دی ہوں۔

مہرالنساء کی والدہ اپنی بیٹی کو لے کر ذرا آگے نکل گئیں۔ اور پھولوں کے کنج میں بیٹھ کر کھانے لگیں۔ مہرالنساء کی صحت اچھی تھی۔ وہ دن میں کئی کئی مرتبہ کھاتی تھی اور خوب کھاتی تھی۔ لیکن نہ معلوم کیوں اس وقت اس سے کچھ نہ کھایا گیا۔

اس کی والدہ نے کہا بھی "مہرو! کھاتی کیوں نہیں۔"

مہرالنساء کے والدین پیار سے اس کا آدھا نام "مہرو" لیا کرتے تھے مہرالنساء نے کہا "کھا تو رہی ہوں۔"

بیگم "اسی کو کھانا کہتے ہیں۔ ذرا ذرا سے نوالے اٹھا کر نگل نگل کر کھا رہی ہو۔ کیا بھوک نہیں ہے۔۔۔؟"

مہرالنساء۔ "ہاں ابھی کچھ کھل کر بھوک نہیں لگی ہے۔"

بیگم "اور کب بھوک لگے گی۔ دوپہر تو ہو گیا۔"

مہرالنساء۔ "شاید تکان ہو گیا۔"

بیگم نے ہنس کر کہا۔ "تجھے تکان ہو گیا۔ شریر کہیں کی۔ ابھی کہہ دوں تو سارا

باغیچہ میں ہرنی کی طرح دوڑتی پھرے۔

مہر النساء نے کچھ عاجزی سے کہا "ہاں امی جان مجھے باغیچہ کی سیر کی اجازت دے دیجئے۔ میں سیر کر آؤں۔

بیگم۔ نا بابا نا میں تجھے اکیلے سیر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔

مہر النساء۔ تو تم بھی چلو۔ دیکھو کیسا اچھا باغیچہ ہے۔ قدرت نے کس قدر گلکاری کی ہے۔؟

اس وقت چند بیگمات وہاں آ گئیں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا۔ "مہر النساء کیا کہہ رہی ہے۔"

بیگم۔ کہتی ہے باغیچہ کی سیر کی اجازت دے دو۔"

وہی بیگم۔ پھر کیا حرج ہے۔ اجازت دے دو۔ تھوڑی دور سیر کرے گی۔ میری بیٹی نوشابہ بھی سیر کرنے گئی ہے یہاں کوئی غیر تھوڑا ہی آتا ہے۔"

مہر النساء نے عذر کرتے ہوئے کہا۔ "اچھی امی! آپ مجھ کو اجازت دے دیجئے

بیگم نے بادل ناخواستہ کہا۔ "اچھا جا لیکن ایک تو دور نہ جانا۔ دوسرے جلدی لوٹ آنا۔"

مہر النساء نے خوش ہو کر کہا۔ "دور کہاں جاتی۔ سامنے ہی تو جاؤں گی۔ جب تمہیں اکٹھے دیکھوں گی جھٹ لوٹ آؤں گی۔"

یہ کہتے ہی مہر النساء اٹھی ایک روش پر چل پڑی۔ اس چمن کی تختہ بندی نہایت سلیقہ سے کی گئی تھی۔ نوجوان چمن سر ابھار ابھار کر پریوں کو دیکھ رہے تھے نہایت خوش نما پھول کھل رہے تھے۔ اگرچہ دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن سبزہ کی کثرت کی وجہ سے دھوپ کی سفیدی کچھ ناگوار معلوم نہیں ہوتی تھی۔

مہر النساء بے مدعا ایک روش سے دوسری پر اور دوسری سے تیسری پر

بڑھی چلی جارہی تھی۔ گویا اسے تقدیر کھینچے لیے جارہی تھی۔ اس نے آہستہ سروں میں کچھ گانا شروع کردیا تھا۔ اس کی آواز غضب کی رسیلی اور دلکش تھی پودے جھومنے اور شاخیں لچکنے لگیں۔"

وہ رفتارِ ناز سے سبزہ کو بیدار کرتی اور نغمۂ شیریں سے پھولوں کو بدمست بناتی چلی جارہی تھی کہ دفعتہً اس کی نگاہیں اٹھ گئیں۔ دیکھا تو سامنے سے شاہزادہ سلیم یعنی ولیعہد بہادر چلے آرہے تھے۔ ان کے دونوں ہاتھوں میں دو کبوتر تھے۔

مہرالنساء نے انھیں دور سے اچھی طرح دیکھا۔ دیکھتی رہی جب ولیعہد قریب آگئے تو وہ پھولوں کے کنج میں اتر گئی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ شاہزادہ کو دیکھے جائے۔ لیکن دوشیزگی کی حیا اس کی اجازت نہ دیتی تھی۔"

وہ پھولوں کے کنج میں ایک چھوٹے سے فوارہ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ شاہزادہ سلیم کبوتر ہاتھ میں لیے ادھر ادھر دیکھتے چلے آرہے تھے وہ خوب جانتے تھے کہ چمن میں بیگمات اور ان کی لڑکیاں بھری ہوئی ہیں۔ ان کی عادت کسی کو دیکھنے کی نہ تھی۔ وہ پھولوں کو دیکھتے چلے آرہے تھے۔ قسم قسم کے خوشرنگ پھول کھل رہے تھے۔ چند پھول انھیں بہت ہی بھلے معلوم ہوئے جی چاہا انھیں توڑیں لیکن ہاتھ رکے تھے ادھر ادھر نظر کی مہرالنساء سے قریب کھڑی تھی۔ اس پر نگاہ پڑی۔ لپک کر اس کے پاس پہنچے وہ ان کے پیروں کی چاپ سن کر سہم گئی ــ خوف زدہ نگاہیں اٹھاکر ان کی طرف دیکھا۔"

شاہزادہ کی نظر اب بھی پھولوں کی طرف تھی۔ گویا وہ انھیں نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا ــ "ذرا ہمارے کبوتر سنبھال لو ہم پھول توڑلیں۔"

مہرالنساء نے کچھ جواب نہیں دیا۔ بلکہ دونوں ہاتھوں کو بڑھا کر کبوتر لے لیے شاہزادہ کیاری میں پہنچے اور پھول توڑنے لگے۔"

مہرالنساء شہزادہ سلیم کو دیکھ رہی تھی اور کچھ ایسی محو ہوئی کہ ایک ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑگئی کبوتر کو موقع مل گیا وہ پھڑپھڑایا۔ مہرالنساء اسے سنبھال نہ سکی۔ کبوتر ہاتھ سے اڑ گیا۔ مہرالنساء کا چہرہ فق پڑ گیا۔ ڈر گئی کہ خدا جانے شاہزادہ آکر کیا کہیں دل میں آئی کہ دوسرا کبوتر بھی چھوڑ چھاڑ بھاگ چلوں۔ مگر پھر سوچی کہ کہیں چوری کا الزام نہ لگ جائے۔ شاہزادہ کا معاملہ ہے خدا جانے کیا ہو۔ اس لیے جی کڑا کرکے کھڑی رہی۔"

وہ اس قدر بھولی اور سیدھی تھی کہ کوئی بات بھی نہ تراش سکی۔ ابھی وہ اسی تذبذب میں تھی کہ شاہزادہ بھی پھول توڑ کر آگئے۔ انہوں نے آکر دیکھا کہ لڑکی کے ہاتھ میں ایک کبوتر ہے۔ انھیں تعجب ہوا کہ دوسرا کبوتر کہاں گیا۔ انہوں نے مہرالنساء سے پوچھا۔ ہیں۔ ایک کبوتر کہاں گیا۔"

مہرالنساء نے پاش نگاہیں اٹھا کر شاہزادہ پر شراب حسن کی بارش کرتے ہوئے کہا۔ وہ اڑ گیا صاحب عالم۔"

سلیم۔ کیسے اڑ گیا:؟

مہرالنساء نے انتہائی سادگی سے دوسری مٹھی کی بھی گرفت ڈھیلی کر لی اور دوسرا کبوتر بھی پھڑپھڑا کر اڑ گیا۔ مہرالنساء نے عرض کی۔ صاحب عالم اس طرح اڑ گیا۔

شاہزادہ سلیم کو غصہ آنے لگا تھا۔ لیکن مہرالنساء کے بھولے پن کی ادا دل پر کچھ ایسی اثر کر گئی کہ سارا غصہ رفوچکر ہو گیا۔ انہوں نے مہرالنساء کو دیکھا اس کی پیاری صورت ان کے دل میں اتر گئی۔ مہرالنساء نے شرما کر

سر جھکا لیا۔

شاہزادہ چند ثانیہ اسے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے پوچھا "تمہارا کیا نام ہے۔؟"

مہرالنساء نے عرض کی۔ "مہرالنساء خانم۔"

سلیم "خوب نام ہے۔ کس کی بیٹی ہو۔"

مہرالنساء نے انتہائی بھولے پن سے کہا۔ "اپنے باپ کی۔"

سلیم اس بھولے پن پر اور بھی لوٹ گئے۔ ہنس کر بولے۔ "تمہارے باپ کا نام کیا ہے۔؟"

مہرالنساء۔ "مرزا غیاث بیگ"

سلیم۔ "کون غیاث بیگ؟"

مہرالنساء۔ "حضور کے ناظم باغات۔"

سلیم۔ "اوہو تم مرزا غیاث بیگ طہرانی کی بیٹی ہو۔ لیکن ہم نے آج سے پہلے کبھی تمہیں نہیں دیکھا۔ کیا محل میں تم نہیں آیا کرتیں۔؟"

مہرالنساء۔ "جی نہیں۔"

سلیم۔ "کیوں۔؟"

مہرالنساء "میری والدہ مجھے کہیں نہیں لے جاتیں۔"

سلیم۔ "مگر ہمارے محل میں تمام امراء کی لڑکیاں آتی ہیں۔"

مہرالنساء۔ "ہمارے یہاں لڑکیاں گھر سے باہر نہیں نکلتیں۔"

سلیم۔ "سواریوں میں تو نکلتی ہیں۔"

مہرالنساء "بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں پردہ کا بڑا خیال ہے۔"

سلیم۔ قصر شاہی میں پردہ کا معقول انتظام ہے۔ کوئی غیر نہیں آسکتا۔"

مہرالنساء۔ اب امی جان کو کون سمجھائے۔ آج بھی وہ بڑی منتوں سے لائی ہیں۔"

سلیم۔ ایک مرتبہ تم ضد کر کے چلی آؤ۔ پھر خود ہی وہ تمہیں لایا کریں گی آؤ گی نا۔"

مہرالنساء امی جان سے عرض کر دوں گی۔ اگر وہ لائیں گی تو ضرور آ ؤں گی۔

سلیم۔ وعدہ کرتی ہو۔"

مہرالنساء۔ جی ہاں وعدہ کرتی ہوں۔ مگر یہ وعدہ مشروط ہے۔"

سلیم نے پھر مہرالنساء کو دیکھا۔ مہرالنساء پہلے ہی سے شرما رہی تھی۔ اور ہی گئی۔ شاہزادہ سلیم دونوں کبوتر اور کبوتروں کے ساتھ اپنا دل بھی اسے وں سے گنوا کر چلے گئے۔ مہرالنساء بھی وہاں سے چلی آئی۔ وہ سوچتی تھی کہ ہزادہ نے اسے ہی کبوتر دے کر پھول کیوں توڑے۔ دراصل وہ پھول نا چاہتے تھے۔ یا یہ میرے پاس آنے کے لیے بہانہ تھا۔ بہانہ ہی معلوم ہوتا نچہ سے دونوں کبوتر اڑ گئے اور وہ خفا نہیں ہوئے۔ وہ اپنی ماں کے پاس آ پہنچی نے کہا۔ "سیر کر آئیں۔ آؤ اب گھر چلیں جو خریدنا ہے خرید لیں۔"

مہرالنساء۔ "چلیے۔"

دونوں وہاں سے چلیں۔ بازار میں پہنچیں۔ کچھ کپڑا وغیرہ خریدا اور وہاں سے قلعہ کے دروازہ پر آئیں۔ قلمانیوں سے کہہ کر پالکی منگوائی اور گھر کی طرف روانہ ہوئیں۔

سولھواں باب ۱۶

اعلان جنگ

ایک روز خلاف معمول مرزا غیاث بیگ دیر کرکے مکان پر آئے۔ بیگم اور مہرالنساء ان کا انتظار کر رہی تھی۔ جب وہ آکر اطمینان سے بیٹھ گئے تو بیگم نے پوچھا "آج کہاں رہے بڑی دیر کرکے آئے"

مرزا غیاث بیگ نے جواب دیا۔ "کہاں رہا۔ آج مہارانا پرتاب سنگھ کا وا... آیا تھا۔"

اس وقت مہرالنساء بھی وہاں آگئی۔ بیگم نے کہا۔ مہارانا پرتاب سنگھ کون ہیں۔؟

مرزا غیاث۔ راجپوتانہ میں میواڑ ایک ملک ہے۔ میواڑ کا حکمران رانا اودے سنگھ تھے۔ اودے سنگھ کے بیٹے مہارانا پرتاب سنگھ ہیں۔"

مہرالنساء۔ کیا وہی پرتاپ سنگھ ہیں جو ایک عرصے سے شہنشاہ اکبر سے لڑ رہے ہیں۔"

مرزا غیاث۔ ہاں وہی ہیں۔"

بیگم۔ سنا ہے اکبر ان کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے انکار کر... اسی لیے لڑائی ہو رہی ہے۔"

مرزا غیاث۔ یہ غلط ہے۔ لڑائی راجہ مان سنگھ کی وجہ سے ہوئی۔"

مہرالنساء ۔ راجہ مان سنگھ کی وجہ سے ؟ مگر راجہ مان سنگھ تو ہندو اور مہارانہ پرتاب سنگھ کے ہم مذہب ہیں ۔ ان کی وجہ سے لڑائی کیسے ہوئی

مرزا غیاث ۔ یہ لڑائی طعنہ زنی کی وجہ سے ہوئی ۔ مہارانہ پرتاب سنگھ نے راجہ مان سنگھ کو یہ طعنہ دیا تھا کہ "تم نے اپنی بہن ترک شاہزادہ کو بیاہ دی کوئی ہندو تمھارے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا ۔ راجہ مان سنگھ کو برا معلوم ہوا ۔ انہوں نے شہنشاہ اکبر سے شکایت کی ۔ اکبر چونکہ خاندان کے سرپرست ہیں ۔ انہوں نے مہارانہ پرتاب سنگھ پر چڑھائی کر دی ۔"

مہرالنساء اباجان ! آپ کو یہ واقعات اچھی طرح معلوم ہیں ۔ ذرا مفصل سنائیے ۔"

مرزا غیاث ۔ ہوا یہ کہ سنہ ۹۷۹ھ راجہ مان سنگھ شعلہ پور کی مہم فتح کرکے آرہے تھے ۔ جب اودے پور کی سرحد سے گزرے تو جی چاہا کہ رانا پرتاب سنگھ سے ملاقات کرتے چلیں ۔ رانا پرتاب سنگھ کی عام طور پر ہندو عزت کرتے ہیں راجہ مان سنگھ نے مہارانہ پرتاب سنگھ کی خدمت میں اپنا سفیر بھیجا اور ملاقات کی تمنا ظاہر کی ۔"

راجہ مان سنگھ بھی ذی عزت خاندان کے چراغ تھے ۔ کچھ تو خاندانی وجاہت کی وجہ سے اور کچھ شہنشاہ اکبر کی خدمت میں تقرب حاصل ہونے کے باعث سب ہی راجہ ، مہاراجہ اور مہارانا ان کی عزت کرتے تھے ۔ مہارانا پرتاب سنگھ نے بھی ان کی عزت کی ۔ وہ اپنی ولیعہد بھائی کو کملمیر[٭] سے ان کے

٭ رانائے میواڑ کا دارالسلطنت اول چتور گڑھ تھا جب وہ فتح ہو گیا تو اودے پور ہوا جب وہ بھی ہاتھ سے نکل گیا تو کملمیر کو دارالسلطنت بنایا ۔

استقبال کے لیے جھیل ادے ساگر تک آئے۔ جھیل کے کنارے پر ڈیرے خیمے لگا دیئے دعوت کا سامان ہونے لگا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو مہارانا پرتاب سنگھ خود نہیں آئے۔ ہندؤں میں دستور ہے کہ جب ایک راجہ دوسرے کے یہاں مہمان ہوتا ہے۔ تو میزبان مہمان کے سامنے خود کھانے کی تھالی رکھتا ہے۔ مہارانا پرتاب سنگھ نے اپنے بیٹے کو راجہ مان سنگھ کے پاس بھیجا اور کہلا دیا کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میں نہ آسکوں گا۔ آپ کھانے پر بیٹھیں اور اچھی طرح سے کھائیں۔

راجہ مان سنگھ بات کو تاڑ گئے۔ وہ سمجھ گئے درد ورد کچھ نہیں۔ یہ شخص بہانہ ... ہے۔ میرے ساتھ کھانا کھانے میں اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ انہوں نے پیغام بھیجا کہ "مہارانا جی! میرے دل میں آپ کی عزت اور محبت تھی۔ اسی لیے میں آپ سے ملنے آیا۔ لیکن آپ نے میری عزت کا خیال نہ کیا۔ مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ میرے سامنے کھانے کی تھال رکھیں۔ آپ کو جو مرض ہے۔ اسے میں سمجھ گیا ہوں مگر یہ مرض لاعلاج ہے۔"

مہارانا نے اس کا معقول جواب نہیں دیا۔ بلکہ یہ طعنہ مارا کہ مجھے اس کا بڑا رنج ہے کہ میں آپ کے سامنے کھانے میں شریک نہ ہو سکا۔ نہ آپ کے سامنے کھانے کا تھال رکھ سکا۔ کیا کروں۔ مجبوری ہے۔ جس شخص نے اپنی بہن ترک سے بیاہ دی اس کے ساتھ کھانا بھی کھایا ہوگا۔ میں اسکے ساتھ کیسے کھانا کھا سکتا ہوں۔"

راجہ مان سنگھ کو یہ بات کھا گئی۔ اپنی اس حماقت پر پچھتائے کہ کیوں یہاں آکر ذلت اٹھائی۔ انھیں اس بات کا ایسا صدمہ ہوا کہ کھانا نہیں کھایا۔ بلکہ چاول کے چند دانے گران دیوی (رزق دینے والی دیوی) کو چڑھائے۔ ...

چاول اپنی پگڑی میں رکھ لیے اور کھانے پر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بھارا رانا کے بیٹے سے کہا "بھارا رانا سے کہہ دینا کہ تمھاری عزت بچانے کے لیے ہم نے اپنی عزت کھوئی بہنیں اور بیٹیاں ترکوں کو دیں تم نے پھر بھی ہماری قدر نہ کی۔ ہم چاہتے تھے تم بھی بے خوف ہو کر رہو۔ تمھاری وجہ سے ہمارا ابھی سر اونچا رہے۔ مگر۔ تم ذلت چاہتے ہو۔ تم بے خوف رہنا نہیں چاہتے ہو۔ تمھاری مرضی۔"

اس وقت رانا بھی وہاں آگئے۔ انہوں[1] نے کہا۔ مان سنگھ یہ معاملہ عزت و آبرو کا ہے۔ تم نے ترکوں کو اپنی بہنیں اور بیٹیاں دے کر اپنی عزت کھو دی۔ ان کے ساتھ کھانا کھا کر اپنا دھرم کھو دیا۔ اب ہمارے دھرم کو بگاڑنے آئے ہو ہم تمھارے دم جھانسوں میں نہیں آسکتے۔"

مان سنگھ کو غصہ آگیا۔ انہوں نے گھوڑے پر چڑھ کر کہا "بھارا رانا جی! آج تمھاری عزت و محبت میرے دل سے نکل گئی —— اگر تمھاری شیخی نہ جھاڑ دوں تو میرا نام مان سنگھ نہیں۔"

بھارا رانا پرتاب سنگھ نے اب بھی سنجیدگی سے کام نہ لیا۔ انہوں نے چلتے چلتے اور تیل ڈالا۔ اور ہنس کر کہا۔ ہمیشہ ہم سے ملتے رہنا۔

مان سنگھ۔ اس طرح ملوں گا کہ ہمیشہ یاد کرو گے۔"

قاعدہ ہے کہ جب کوئی بڑا آدمی کسی پر خفا ہوتا ہے اور اسے برا بھلا کہتا ہے تو اس کے مشیر و مصاحب بھی خفا ہو جاتے ہیں اور برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ بھارا رانا پرتاب سنگھ کے کسی بے لحاظ اور غیر مہذب مصاحب نے آوازہ کسا۔ جب آؤ تو اپنے پھوپھا اکبر کو ساتھ لانا۔

---

[1] شاد صاحب نے نارا جہاں میں یہ واقعہ مفصل لکھا ہے۔ (صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی)

راجہ مان سنگھ کو بے حد غصہ آیا۔ انہوں نے کہا "شہنشاہ اکبر کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ شاید میری ملاقات ہی سے تم گھبرا جاؤ۔ تیار رہنا اور یاد رکھنا کہ تم نے کچھواہہ خاندان کی توہین کی ہے۔"

مہارانا یاد رکھیں گے اور ملاقات کے لیے تیار رہیں گے

مہارانا نے راجہ مان سنگھ کو اشتعال دلانے کے لیے اپنے آدمیوں سے بلند آواز سے کہا۔ "دیکھو جس جگہ راجہ مان سنگھ بیٹھے تھے وہاں کی زمین ناپاک ہو گئی ہے۔ اسے کھدوا کر گنگا جل سے دھلواؤ۔ سب سردار جو اس ضیافت میں شریک تھے۔ نہا دھو کر نئی پوشاکیں بدلیں۔"

راجہ مان سنگھ نے سنا۔ انھیں اور غصہ آیا۔ مگر ضبط کر گئے اور وہاں سے چلے آئے۔ مہارانا پرتاب سنگھ نے جو کہا تھا اس پر عمل کرایا۔ جس جگہ راجہ مان سنگھ بیٹھے تھے اسے دھلوایا۔ کھدوایا۔ سرداروں نے نہا کر پوشاکیں بدلیں

جب راجہ مان سنگھ آگرہ میں واپس آئے تو ان کے ہمراہیوں نے یہ واقعہ ابوالفضل سے بیان کیا۔ ابوالفضل نے شہنشاہ اکبر کے گوش گزار کیا۔ اکبر کو بڑا غصہ آیا۔ ابوالفضل نے شہنشاہ اکبر سے یہ بھی کہا کہ "کہیں ایسا نہ ہو کہ راجپوت بغیرت کھا کر پھر بگڑ جائیں۔"

اکبر نے اسی وقت تصدیق اور دریافت حال کے لیے راجہ مان سنگھ کو طلب کیا مان سنگھ نے حاضر ہو کر تمام واقعہ سنا دیا۔ شہنشاہ اکبر نے کہا "تم نے خوب کیا کہ مہارانا کو منہ توڑ جواب دیئے۔ لیکن تم نے وہاں سے آتے ہی ہم سے کیوں نہیں واقعہ بیان کیا۔"

مان سنگھ نے عرض کی۔ "عالم پناہ کیا عرض کرتا۔ مہارانا نے مجھے طعنے دیے عقلمندی نہیں کی۔ میں آپ سے شکایت کرتا ان سے بھی زیادہ بر

حقلی کرتا۔

اکبر۔ یہ تمھاری دانشمندی ہے۔ مگر مان سنگھ! مہارانا پرتاب رانے نے تمھاری توہین نہیں کی ہے بلکہ ہمیں اعلان جنگ دیا ہے۔ ہم نے ان کا اعلان منظور کر لیا ہے۔"

مان سنگھ۔ کیا جہاں پناہ کا ارادہ مہارانا پرتاب سنگھ پر لشکر کشی کرنے کا ہے۔

اکبر۔ ہاں۔ تم پرتاب سنگھ کو دھمکی دے آئے ہو کہ اس کی شیخی نہ جھاڑ دوں تو مان سنگھ نام نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ تمھاری بات کو اونچا کرنے کے لیے فوج کشی کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ فوج کشی کی جائے۔"

مان سنگھ۔ حقیقت یہ ہے کہ میری توہین ہوئی ہے۔ اور میں توہین کا بدلہ ضرور لینا چاہتا ہوں۔"

اکبر۔ بدلہ لو اور ایسا لو کہ ایسے خود سروں کے دماغ سیدھے ہو جائیں۔"

چنانچہ اسی وقت فوجیں منتخب کی گئیں۔ شاہزادہ سلیم سپہ سالار مقرر ہوئے۔ راجہ مان سنگھ اور مہابت خاں نائب سپہ سالار مقرر ہوئے۔ راجہ مان سنگھ کا یہ لشکر دوسرے ہی روز کیل کانٹے سے لیس ہو کر مہارانا پرتاب سنگھ کے ملک کی طرف چل پڑا۔"

مرزا غیاث اتنا بیان کر کے خاموش ہو گئے۔ مہرالنساء نے کہا "پھر کیا ہوا؟"

مرزا غیاث۔ "بتاؤں گا پہلے کھانا کھا لو۔"

فوراً کھانا آیا۔ مرزا غیاث بیگم اور مہرالنساء سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانے لگے۔"

****

سترہواں باب (۱۷)

آغاز جنگ

جب یہ سب کھانا کھانے سے فارغ ہوئے تو مہر النساء نے کہا۔ "ابا جان اب اس جنگ کا حال سنائیے۔"

مرزا نے کہا۔ "ابھی سناتا ہوں۔"

بیگم نے پوچھا۔ "مگر یہ حالات آپ کو معلوم کیسے ہوئے۔"

مرزا غیاث۔ "خود مان سنگھ نے مجھ سے بیان کیے تھے۔"

اب مرزا غیاث نے بیان کرنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا۔

"راجہ مان سنگھ کے دل کو لگی تھی، وہ شاہزادی سلیم کی معیت میں لشکر لیے تیزی سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ مہارانا پرتاب سنگھ کو بھی اس لشکر کی چڑھائی کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ انہوں نے تیاری شروع کر دی تھی۔ کچھ فوجی دستے اپنے ملک کی سرحد پر شاہی سپاہ کو روکنے کے لیے بھیج دیے تھے۔ مگر جب شاہی فوجیں ان کے ملک میں داخل ہوئیں تو ان کے فوجی دستے انہیں نہ روک سکے۔ مقابلہ ہوتے ہی شکست کھا کر بھاگ نکلے۔"

رانا پرتاب سنگھ پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ ان کی سلطنت میں کوملمیر سے رگھنا تک (شمالاً جنوباً) ۸۰ میل طویل اور میرپور سے ستولا تک (شرقاً غرباً) ۷۰ میل عریض پہاڑی کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اس تمام حدود میں پر پیچ گھاٹیاں

چٹانیں اور ندی نالے بہ کثرت ہیں۔ شمال سے یا جنوب سے مشرق سے یا مغرب سے جس طرف سے بھی دارالسلطنت کوملیر تک جاؤ۔ راستے اس قدر تنگ ہیں کہ دو گاڑیاں برابر نہیں چل سکتیں۔ راستے کیا ہیں، تنگ گھاٹیاں ہیں جن کے قریب ہر طرف عمودی پہاڑ اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ گویا گھاٹیوں میں سے نکلو تو چٹانوں کی قدرتی دیواریں سامنے آجاتی ہیں۔ انھیں کول کہتے ہیں۔ ان پہاڑوں میں بعض ایسے میدان بھی ہیں جن میں بڑے بڑے لشکر سما سکتے ہیں ـــــ ان ہی میدانوں میں سے ایک بڑا میدان ہلدی گھاٹ ہے۔ یہ میدان بالکل پہاڑ کی گردن پر واقع ہے۔ نہایت مضبوط اور بڑا ہی بیڈھب مقام ہے چونکہ اس کے چاروں طرف پہاڑوں کا سلسلہ زینہ بہ زینہ سیڑھیوں کی طرح درجہ بدرجہ پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے تھوڑا سا لشکر عظیم الشان حملہ آوروں کو وہاں روک کر تباہ کر سکتا ہے۔"

اسی میدان میں رانا پرتاب سنگھ نے اپنا قیام کیا۔ تمام گھاٹیوں اور راستوں پر فوجیں پھیلا دیں۔ ان کے ساتھ بائیس ہزار سوار اور تقریباً دس ہزار پیادے تھے۔ اور پیادے بھیل[1] تھے۔ پہاڑ کے اوپر اور نیچے کے درجوں میں راجپوت ڈٹے ہوئے تھے۔ اور پہاڑی ٹیلوں، گھاٹیوں اور چوٹیوں پر بھیل پھیلے ہوئے تھے بھیل پتھروں کے کیڑے ہوتے ہیں۔ جس طرح بندر درختوں پر کودتے

---

[1] بھیل ہندوستان کے اصل باشندے ہیں تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ متمدن تھے شمالی ہندوستان میں رہتے تھے۔ ایرانیوں نے آکر انھیں قتل کیا تھا۔ اور ان کی آبادیوں کو ویران کر ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ ایرانیوں نے آجکل جو اپنے آپ کو آریہ کہتے ہیں۔ لوٹ مار کے لیے بیچارے بھیلوں پر حملہ کیا تھا۔ یہ قوم لیٹری تھی

اچھلتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بھیل ایک چٹان سے دوسری چٹان پر ایک پتھر سے دوسرے پتھر پر بلا تکلف زقند لگا دیتے ہیں۔"

غرض رانا کی وفادار سپاہ تمام راستے اور گھاٹیوں کو روکے پڑی تھیں۔ بھیلوں کے اصل ہتھیار کمانیں ہیں۔ وہ تیر کمانیں لیئے اس تاک میں بیٹھے تھے کہ اسلامی لشکر جب حملہ آور ہو تو وہ تیروں کی باڑھ ماریں۔ اور بھاری بھاری پتھر مسلمانوں پر لڑھکا دیں درہ کے دہانے پر خود رانا پرتاب سنگھ میواڑ سورما سپاہیوں کو لیے ڈٹے ہوئے تھے۔"

شاہزادہ سلیم نے ایک روز پہاڑ کے دامن میں جا قیام کیا۔ انہوں نے اور مہابت خاں اور راجہ مان سنگھ نے مہارانا کے لشکر کی ترتیب دیکھی۔ انہیں گھاٹیوں میں گھسنا اور پہاڑوں پر چڑھنا دشوار معلوم ہوا۔ دشمن تمام راستوں کو روکے ہوئے تھا۔ یہ امر یقینی تھا کہ مسلمانوں کے بڑھتے ہی بہادر راجپوت تیر برسا دیں گے اور وزنی پتھر ڈھکیل کر سپاہیوں کو کچل ڈالنے کی کوشش کریں گے ——— لیکن اس اندیشہ پر بھی ایک سپاہی بھی نہ گھبرایا۔ ہر ایک جان دینے پر آمادہ ہو گیا۔" شاہی لشکر کے ساتھ توپیں بھی تھیں اور رہکلے بھی تھے۔ جو دور سے آگ برساتے تھے۔ پہاڑی چٹانیں اڑانے کے لیے بارود بھی تھی۔ شہزادہ سلیم نے

(گذشتہ سے پیوستہ) محض لوٹ مار کی غرض سے ہندوستان آئی تھی۔ مگر جب ہندوستان جنت زار کو دیکھا تو یہیں آباد ہو گئی۔ اس قوم نے ہندوستان کے اصل باشندوں بھیلوں وغیرہ پر بڑے مظالم کئے۔ انھیں شمال سے جنوب کی طرف ڈھکیل دیا۔ جو وہاں باقی رہ گئے انھیں اپنا غلام بنا لیا۔"

(صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی)

دور تک اپنا لشکر پھیلا دیا۔ توپ خانہ اور رسکلہ برداروں کو آہستہ آہستہ آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ بقیہ فوج کو ان توپچیوں کے پیچھے بڑھنے کا اذن ملا۔

مہابت خاں نہایت تجربہ کار سپہ سالار تھے۔ وہ پہاڑی لڑائی کے ڈھنگ سے خوب واقف تھے۔ جانتے تھے کہ دشمن بھاری پتھر لڑھکایا کرتے ہیں انہوں نے پہلے ہی سیکڑوں متحرک جھونپڑیاں بنوا لی تھیں جو مضبوط چوبی ٹھوں کی تھیں۔ ان پر لوہے کی چادریں جڑ دی گئی تھیں اور چھوٹے چھوٹے لوہے کے پہیے انہیں ڈھکیلنے کیلئے لگا دیے گئے تھے۔

ایک ایک جھونپڑی اتنی بڑی تھی کہ اس کے پیچھے پچاس پچاس آدمی آ سکتے تھے۔ ان میں سوراخ کر کے توپوں کے دہانے داخل کر دیے گئے تھے ان جھونپڑیوں کی آڑ میں اسلامی لشکر نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ بھیلوں نے دیکھ لیا۔ اول اول تو وہ ان بڑی بڑی جھونپڑیوں کو دیکھ کر سخت حیران ہوئے مہارانا کو بھی تعجب ہوا۔ راجپوتوں اور بھیلوں نے تیروں کی باڑھیں ماریں۔ تیر ان جھونپڑیوں سے ٹکرا کر سنگی چٹانوں سے گر پڑے۔ چونکہ تمام مسلمان جھونپڑیوں کے پیچھے تھے اس لیے ایک شخص بھی زخمی نہ ہوا۔

جھونپڑیوں میں سامنے کی طرف بہت سے سوراخ رکھے گئے تھے۔ ان سوراخوں میں سے مسلمان افسر دشمنوں کی نقل و حرکت دیکھتے رہتے تھے۔

اسلامی لشکر آہستہ آہستہ جھونپڑیوں کے سایہ میں بڑھ رہا تھا۔ وہ گھاٹیوں سے نکل کر پہاڑی درجوں کو یکے بعد دیگرے طے کرتے جاتے تھے لمبائی میں دور تک آہنی جھونپڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور قطار در قطار برابر برابر آگے بڑھتی آتی تھی۔

جب وہ کئی درجوں کو عبور کر گئیں اور دہانہ قریب رہ گیا تو مہارانا پرتاب سنگھ

نے سیاہ فام بھیلوں کو پتھر لڑھکانے کا اشارہ کیا بھیل نہایت جفاکش اور مضبوط و توانا ہوتے ہیں۔ انہوں نے زور لگا لگا کر بھاری بھاری پتھر اکھاڑ اکھاڑ کر لڑھکانا شروع کیے۔

یہ پتھر جب جھونپڑیوں پر آ کر پڑتے تھے تو بڑا شور کرتے تھے اور بعض مرتبہ جب کسی بڑے پتھر کی پوری زد جھونپڑی کی کمر پر پڑتی تھی تو اس قدر جھٹکا لگتا تھا کہ کئی کئی گز جھونپڑی پیچھے ہٹ جاتی تھی۔

جھونپڑی کے اندر کی طرف بے شمار لکڑی کے دستے لگے ہوئے تھے۔ ان دستوں کو تمام وہ سپاہی جو جھونپڑی کے اندر ہوتے تھے۔ پکڑے اپنی پوری طاقت سے آگے کو ڈھکیلتے رہتے تھے۔ اس زور آزمائی سے پتھروں کی ڈھکیل کم پڑتی تھی۔ لیکن پھر بھی اس سنگ اندازی سے جھونپڑیوں کی رفتار کچھ کم ہو گئی تھی۔

راجپوت تیر برسا رہے تھے اور بھیل پتھر گرا رہے تھے۔ ان دونوں طبقوں کا منشاء مسلمانوں کو کچل ڈالنے یا پہاڑ سے نیچے گرا دینے کی تھی۔ لیکن اب تک ایک مسلمان بھی نہ کچلا تھا۔ نہ زخمی ہوا تھا۔ بلکہ اسلامی سپاہ آہستہ آہستہ اوپر چڑھتی جا رہی تھی۔ اس سے بھیلوں کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے اور بھی تیزی اور پھرتی سے پتھر گرانے شروع کیے۔

جب راجپوت اور بھیل ایک تیر کے فاصلے پر رہ گئے تو شاہزادہ سلیم نے جو بڑی جھونپڑی کی آڑ میں ہاتھی پر سوار چلے جا رہے تھے توپچیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے توپوں میں بارود ڈالی۔ پھر گولا ڈالا۔ اس کے اوپر بھی بارود بھری اور فلیتے دے دیئے۔

اژدھا پیکر توپوں نے بڑے شور کے ساتھ گولے اگلے۔ تمام پہاڑ اس گرج سے گونج اٹھا۔ آگ اور دھوئیں کی بارش شروع ہو گئی۔ توپوں کے چھینٹے

وقت جھونپڑیوں کو ایسا زور کا جھٹکا لگا تھا کہ وہ پیچھے سرکنے لگی تھیں۔ لیکن مسلمان زور کر کے پھر انھیں آگے بڑھا دیتے تھے۔"

بہت سے راجپوت اور بھیل توپوں کے گولوں کی زد میں آ گئے۔ ان کے جسم ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑ گئے۔ بھیل جو تیروں کے مرد میدان اور راجپوت جو تلواروں کے دھنی ہیں اس گولہ باری سے خوف زدہ ہو گئے۔

لیکن پرانی قسم کی توپیں بہت دیر میں گولہ اگلتی تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ پرانی توڑہ دار بندوقوں کی طرح توپوں میں بھی اول بارود بھر کر کوٹ کر توپ تیار کی جاتی تھی۔ اس کے بعد فلیتہ دکھایا جاتا تھا اور توپ بڑی گرج کے ساتھ چلتی۔ لیکن اس طرح ایک گولہ سر ہونے میں کافی وقت صرف ہو جاتا تھا ابھی ایک ایک توپ نے دو دو ہی گولے اگلے تھے کہ راجپوت چٹانوں کے پیچھے ہو گئے اور بھیل پتھروں کے نیچے جا چھپے۔"

ان دشمنوں کے ہٹتے ہی تیروں اور پتھروں کی بارش بند ہو گئی۔ مسلمانوں کو موقعہ ملا۔ وہ تلواریں ڈھالیں اور نیزے لے لے کر جھونپڑیوں کے اندر سے نکلے اور شیروں کی طرح دوڑ کر آگے بڑھنے لگے۔ مہارانا پرتاب سنگھ نے دیکھ لیا۔ وہ سمجھ گئے دست بدست لڑائی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ انہوں نے اپنے خاص رسالے کو اپنے پاس بلا لیا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے پر تیار ہو گئے"

غیاث بیگ اتنا بیان کر کے خاموش ہو گئے۔

اٹھارھواں باب (۱۸)

خونریز جنگ

کچھ وقفہ کے بعد غیاث بیگ نے پھر بیان کرنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا "ایک طرف سے راجہ مان سنگھ۔ دوسری طرف سے مہابت خاں اور قلب سے شاہزادہ سلیم بڑھے اتفاق سے سب سے پہلے شاہزادہ سلیم ہی کی ٹکر مہارانا پرتاپ سنگھ سے ہو گئی۔ اسلامی مجاہد بڑھے زور سے راجپوتوں پر جا پڑے۔ راجپوت بھی لڑنے والی قوم ہے۔ اڑ گئی۔ مسلمان بھی کب پیچھے ہٹنے والے تھے۔ ڈٹ گئے تلواریں میانوں سے باہر نکل آئیں۔ ڈھالیں تن گئیں۔ گھمسان کی جنگ ہونے لگی مسلمان راجپوتوں پر اور راجپوت مسلمانوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے مار کاٹ شروع ہو گئی۔ ہاتھ اور سر کٹ کٹ کر اچھلنے اور دھڑ اور پیر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ خون سے پتھروں پر سرخ گلکاری ہونے لگی۔

راجپوت جے کارے لگا رہے تھے۔ ان کی آواز چٹانوں سے ٹکرا کر بازگشت پیدا کر رہی تھی۔ مسلمان بھی کبھی کبھی اللہ اکبر کا پرشور نعرہ بلند کر دیتے تھے۔ ان کے اس نعرہ سے پہاڑ کانپنے لگتا تھا۔ عمودی چٹانیں لرز جاتی تھیں۔"

لڑائی درہ کے دہانے پر ہو رہی تھی۔ راجپوت مسلمانوں کو دہانے کے اندر نہ داخل ہونے دیتے تھے۔ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انہیں روک رہے تھے مسلمان راجپوتوں کو پیچھے ڈھکیل کر درہ میں داخل ہونے کے لیے سر توڑ کوشش

رہے تھے۔

مہارانا پرتاپ سنگھ لوہے میں غرق پانچوں ہتھیاروں سے مسلح اپنے مشہور گھوڑے ...ک نامی پر سوار کھڑے سپاہیوں کے حوصلے بڑھا رہے تھے۔ وہ بہادر تھے۔ نہایت بہادر شیر دل ان کا جی چاہتا تھا کہ میدان جنگ میں کود پڑیں۔ بہادری کے جوہر دکھائیں۔ لیکن ابھی اس کا موقع نہیں آیا تھا۔ وہ راجہ مان سنگھ کی فکر میں تھے۔ انھیں معلوم تھا یہ آگ راجہ مان سنگھ کی لگائی ہوئی ہے۔ وہی اس لشکر کو چڑھا کر لائے ہیں۔ وہ ان کی تاک میں تھے۔ چاہتے تھے کہ مان سنگھ کو قتل کر کے انتقام لیں لیکن راجہ مان سنگھ کو بھیلوں نے روک لیا تھا وہ اور ان کی فوج بھیلوں سے الجھ رہی تھی بھیل بڑی سرفروشی سے لڑ رہے تھے راجہ مان سنگھ کے ہمراہی بھی نہایت جوش سے جنگ کر رہے تھے ادھر بھی گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔

شاہزادہ سلیم ایک بلند قامت ہاتھی پر سوار تھے جس ہودہ میں بیٹھے تھے خالص چاندی کا تھا۔ جس پر سونے سے مینا کاری ہو رہی تھی۔ اور باہر کی طرف سونے کے تاروں میں جواہرات کی جھالریں لٹک رہی تھیں۔ آگے مہاوت جو ہاتھی کو قدم قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ پیچھے علمبردار جھنڈا ہاتھ میں لیے۔ بیٹھا تھا علم کا پرچم شاہزادہ سلیم کے سر پر لہرا رہا تھا۔

مہارانا پرتاپ سنگھ ایک ہاتھ میں چتر لیے ہوئے تھا۔ یہ چتر چاندی کا تھا جس پر سونے سے کام ہو رہا تھا۔ راجپوتی جھنڈا ایک سردار لیے ہوئے تھا۔

لڑائی بڑے زور و شور سے جاری تھی۔ لاشوں پر لاشیں گرتی چلی جا رہی تھیں خون کے چشمے بہہ نکلے تھے۔ فریقین گرمائے ہوئے تھے۔ بڑی پھرتی سے لڑ رہے تھے۔ ...یں اٹھ اٹھ کر [illegible] کے فیصلہ کر رہی تھیں۔ اگر راجپوت [illegible] ہوئے

تھے مسلمانوں کو بڑھنے نہ دیتے تھے۔ مگر مسلمان بھی جوش و خروش سے تڑ رہے تھے سر ہتھیلیوں پر رکھے قدم قدم آگے بڑھ رہے تھے شاہزادہ سلیم کا ہاتھی بھی موقع ملنے پر کچھ آگے بڑھ جاتا تھا۔

شاہزادہ سلیم لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے وہ نوعمر تھے بہادر تھے انھیں جوش آگیا۔ انہوں نے للکار کر بلند آواز سے کہا۔ "مسلمانو! بڑھو۔ دہانہ میں داخل ہو کر راجپوتوں کو پیچھے دھکیل دو۔"

مسلمان اس آواز کو سن کر سنبھلے۔ انہوں نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا اور جوش میں آکر بڑھے۔ ادھر شاہزادے نے اپنا ہاتھی بڑھوایا۔ مسلمانوں نے راجپوتوں کو ریل کر دہانہ پار کر دیا۔ اب مسلمانوں کا ریلا بڑھا۔ مسلمان دہانہ میں داخل ہو کر ہلدی گھاٹ کے میدان میں پھیلنے لگے۔ راجپوت انھیں وہاں سے نکالنے کے لیے ان پر پھرتی سے وار کرنے لگے۔ جنگ کا زور اور بھی بڑھ گیا خونخوار تلواریں پھرتی سے اٹھنے لگیں۔ سرتن کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ خون سے تمام پتھر سرخ رنگے گئے۔

اس عرصہ میں شاہزادہ کے ساتھ جس قدر بھی لشکر تھا۔ سب دہانہ درہ کو عبور کر کے میدان میں آگیا مہابت خاں بھی لڑتے بھڑتے درہ کے دہانہ پر پہنچ گئے اور راجپوتوں کو مارتے کاٹتے ہٹاتے ہلدی گھاٹ کے میدان میں پہنچ کر بڑے جوش سے حملہ آور ہوئے ان کے اور ان کی فوج کے آکر شریک جنگ ہونے سے جنگ کا زور اور بھی بڑھ گیا۔

مسلمان میدان میں دور تک پھیل گئے وہ راجپوتوں کو بھگا دینے یا قتل کر ڈالنے کے لیے ان پر نہایت سخت حملے کرنے لگے لیکن راجپوت بھی کٹ کٹ کر لڑ رہے تھے نہایت استقلال اور بڑی بہادری سے مسلمانوں کے حملے روک

رہے تھے۔ جب موقع پاتے تھے خود بھی زبردست حملے کرتے تھے

ان متواتر حملوں سے راجپوت اور مسلمان دونوں ہی قتل ہو رہے تھے۔ لیکن مسلمان بہت کم مر رہے تھے اور راجپوت کثرت سے مارے جاتے تھے۔ اسی وقت شاہزادہ سلیم بھی لڑائی میں شریک ہو گئے تھے وہ تیر کمان ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ ترکش میں سے تیر نکال کر چلہ میں لگانے اور اس زور سے کمان کھینچ کر تیر چھوڑتے کہ ہوا کو چیرتا ہوا جب کسی راجپوت کے سر و سینہ پر جا کر لگتا تو خود یا زرہ بکتر کو توڑ کر پیشانی یا چھاتی میں ترازو ہو جاتا زخمی چلا کر جھکتا اور پھر زمین پر پڑ کر تڑپنے لگتا۔ شاہزادہ سلیم برابر اسی طرح تیر چلا رہے تھے اور ان کے جانکاہ تیروں سے راجپوت زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے

مہارانا پرتاب سنگھ بھی تلوار لیے نہایت دلیری اور بڑے جوش سے حملے کر رہے تھے۔ وہ جب مسلمان پر حملہ کرتے تھے اسے قتل یا زخمی کئے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔ اب بھی وہ ابھر ابھر کر مان سنگھ کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن مان سنگھ اب تک ہلدی گھاٹ کے میدان میں نہیں آئے تھے۔ وہ اور اس کا لشکر مغلوں سے لڑ رہا تھا۔"

جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ تلواروں کی جھنکار زخمیوں کی آہ و زاری اور راجپوتوں کے جیکاروں کی آوازیں تمام میدان کو گونج رہا تھا یہ مختلف آوازیں جب اونچی اونچی پہاڑی چٹانوں سے ٹکراتی تھیں تو نہایت عجیب آواز باز گشت پیدا ہوتی تھی۔"

چونکہ راجپوت زیادہ تعداد میں مارے جا رہے تھے اس لیے انکی تعداد ہر دم کم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ پرتاب سنگھ دیکھ رہے تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ اگر تھوڑی دیر اور یہی کیفیت رہی تو تمام راجپوت موت کے گھاٹ اتر جائیں گے

انہوں نے سوچا کہ شاہزادے پہ حملہ کر کے لڑائی کو ختم کر دینا چاہیے اور اگر وہ مارے گئے جب لڑائی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ شاہزادہ کی طرف بڑھنے لگے۔ لیکن شاہزادہ کے گرد ان کا رسالہ خاص تھا۔ اور یہ رسالہ بڑی ازحد دلیری سے جنگ کر رہا تھا۔ اس نے جانباز سوار ہر اس راجپوت کو مار ڈالتے تھے جو شاہزادہ کی طرف بڑھتا تھا۔"

مہارانا پرتاب سنگھ نے دو ہزار سوار راجپوتوں کو لے کر اس رسالہ پہ یلغار کر دی۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد صرف پانچسو تھی۔ لیکن اس پرزور حملہ سے مسلمان گھبرائے نہیں۔ بلکہ بڑی جرأت اور نہایت استقلال سے سینہ سپر ہو گئے اور بڑی پھرتی اور جوش سے لڑنے لگے۔ شاہزادہ سلیم نے بھی تیزی سے تیر برسانے شروع کر دیئے ادھر مہارانا پرتاب سنگھ اور ان کے ہمراہیوں نے سروں کی بازیاں لگا دیں۔ اس وقت جنگ کا زور سب سے زیادہ اس جگہ بڑھ گیا سرفروش بڑی بہادری سے لڑنے لگے۔ تلواریں پھرتی سے چلنے لگیں سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے خون پتھروں پر پانی کی طرح بہنے لگا۔ موت تیزی سے انسانوں کی کھیتی کاٹنے لگی۔ مسلمان راجپوتوں میں اور راجپوت مسلمانوں میں گھس گئے۔ ہر شخص بڑے جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ تیروں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی۔ بڑا خوفناک منظر ہو گیا تھا۔

اس وقت مہارانا پرتاب سنگھ کو موقع مل گیا۔ وہ گھوڑا بڑھا کر شاہزادہ سلیم کے پاس پہنچے۔ انہوں نے گھوڑے کے ایڑ لگا دی۔ گھوڑا بڑھا۔ چونکہ مسلمان بڑی سخت لڑائی لڑ رہے تھے اور ہر شخص اپنے حال میں گرفتار تھا۔ اس لیئے کسی نے مہارانا پرتاب سنگھ کو شاہزادے کے قریب جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

جب چھارانا شاہزادہ سلیم۔ (جہانگیر) کے ہاتھی کے قریب پہنچے تو انہوں نے تلوار میان میں ڈال لی اور برچھا سنبھالا۔ ساتھ ہی گھوڑے کو اشارہ کیا۔ وفادار چیتک نامی گھوڑا ہاتھی کی طرف جھپٹا۔ اس نے اگلا پیر[۱] ہاتھی پر رکھ لیا۔ چھارانا نے برچھے کا وار کیا۔ برچھا الجھ کر ہودے میں رہ گیا۔ شاہزادہ سلیم نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا۔ چیتک کی گردن پر پڑا۔ گھوڑا زخمی ہو کر پیچھے ہٹا۔ اس عرصے میں بہت سے مسلمانوں نے چھارانا پرتاپ سنگھ پر یورش کر دی۔

اب مرزا بیگ خاموش ہو گئے۔"

انیسواں باب (۱۹)

ہزیمت

مہرالنساء نے کہا۔ "ابا جان! آپ نے واقعہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھینچ دی۔"

مرزا غیاث نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شاعر ہی جو ٹھہرا۔"

مرزا غیاث بیگ اچھے شاعر تھے۔ بیگم نے مسکرا کر کہا۔ "بس رہنے دو۔ ذرا بیٹی نے

---

[۱] ٹاڈ صاحب نے تاریخ راجستان میں لکھا ہے کہ اس جنگ کے مرقعہ جو میواڑ میں ملتے ہیں ان میں چھارانا پرتاپ سنگھ کے گھوڑے کا ایک پاؤں شاہزادہ سلیم کے ہاتھی پر رکھا ہوا دیکھا گیا۔

(صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی)

تعریف کر دی تو پھول گئے۔"

مرزا غیاث بیگ نے قہقہہ لگا کر کہا۔" بیٹی مہرو! تو نے بھی کیا بات کی ہماری تعریف کرنے لگی۔ تیری امی بھی تو شاعرہ ہیں۔ ان کی تعریف نہیں کرتی۔"

بیگم۔ تو یہ میں شاعرہ ہوں۔ شاعر تو غبی ہوتے ہیں۔"

مہرالنساء۔ امی جان شعر تو میں بھی کہہ لیتی ہوں۔

مرزا غیاث۔ تو تو اپنی امی سے بھی زیادہ غبی ہے۔

مہرالنساء۔ لیجیے امی جان۔ آپ کو بھی غبی بنا دیا۔

بیگم۔ پھر انے پتہ کی بات کہہ دی ہے نہ۔"

مرزا غیاث۔ عورتوں کو سوائے گپ شپ کے اور آتا ہی کیا ہے۔"

بیگم۔ جی۔ یہ خانہ داری کا کام آپ ہی تو کر لیتے ہیں۔"

مرزا غیاث نے پھر قہقہہ لگایا اور کہا۔ یہ خانہ داری کے کام کو بڑا کام سمجھتی ہیں یہ بھلا کچھ کام ہے۔

بیگم۔ جی نہیں۔ جب کرو تو پتہ چلے۔

مرزا غیاث۔ ہا ہا۔ عورتوں کا کام ہم کریں۔

مہرالنساء۔ ہاں۔ ابا جان مہارانا پرتاب سنگھ کا پھر کیا ہوا

بیگم ہاں۔ شاعر صاحب سنائیے۔

مرزا غیاث۔ یہ لڑائی کی داستان ہے۔ اسے وہی لوگ خوب بیان کرنا جانتے ہیں۔ جو لڑ سکتے ہیں۔"

بیگم۔ ہاں ہاں۔ آپ تو رستم دوراں ہے

مرزا غیاث۔ اس میں کچھ شک بھی ہے۔

بیگم۔ آپ داستان سنائیے۔"

مرزا غیاث۔ سنو۔"

انہوں نے بیان کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے مہارانا پرتاب سنگھ کو نرغہ میں لیا۔ چونکہ گھمسان کا رن پڑا تھا۔ راجپوت اور مسلمان ایک دوسرے پر زور سے حملے کر رہے تھے۔ ہر شخص وار کرنے یا وار روکنے میں مصروف تھا۔ ذرا آنکھ جھپکنے میں سر تن سے الگ ہو جاتا تھا۔ اس لیے کوئی بھی دوسرے کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

راجپوت دیکھ رہے تھے کہ مہارانا کو مسلمانوں نے نرغہ میں لے لیا ہے۔ لیکن وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ اپنے ہی حال میں گرفتار تھے۔ مسلمانوں نے رفتہ رفتہ مہارانا پرتاب سنگھ کے ساتھیوں کو مار ڈالا۔ مہارانا اس وقت بھی بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ لیکن وہ اور ان کا گھوڑا۔ دونوں زخمی ہو گئے تھے۔ مہارانا تین مرتبہ تڑپ تڑپ کر مسلمانوں کے نرغہ میں سے نکلے۔ لیکن مسلمانوں نے پھر انھیں دبا لیا۔ قریب تھا کہ مہارانا مارے جائیں کہ جھالا واڑ کا سردار اپنے ...... کئی سو جاں نثاروں کی جمعیت لے کر دوڑا اور مہارانا کے پاس پہنچ کر اپنے درمیان میں لے لیا۔"

مسلمانوں نے ان نو وارد راجپوتوں پر تیزی سے حملہ کر دیا۔ راجپوت بھی بڑی بہادری سے لڑنے لگے۔ جنگ اور ہی تیزی سے ہونے لگی۔ سر کٹ کٹ کر اچھلنے لگے۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں۔ خون کے فوارے ابلنے لگے۔ شاہزادہ سلیم نے بھی اپنا ہاتھی اسی طرف ریل دیا۔ راجپوت دبنے لگے۔ مسلمانوں نے انھیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ پھر تلواریں پھرتی سے چلنے لگیں ......" پھر خون کی ندیاں بہہ گئیں۔"

مہارانا اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ اب ان میں لڑنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔ جھالا واڑ کے سردار نے ان کے ہاتھ سے چتر لے لیا اور لڑتا بھڑتا انھیں

بے کر چلا۔ مسلمانوں نے اس کی مزاحمت کی۔ قدم قدم پر بڑھے اور اس کے جانبازوں کو روکا۔ اس دارو گیر میں جھالا کا سردار[1] کام آیا۔ اس کے بہت سے ساتھی مارے گئے۔ لیکن مہارانا اس زغے میں سے نکل آئے انہوں نے راجپوت کو ایک جگہ جمع کرنا چاہا۔ اسی وقت راجہ مان سنگھ بھیلوں کو شکست دے کر وہاں آ گئے۔ ان کے لشکر نے آتے ہی اس شدت سے حملہ کیا کہ راجپوتوں کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ بھاگے مسلمان ان کے تعاقب میں دوڑے مہارانا بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمان دو ہزار کے قریب کام آئے۔ راجپوت چودہ ہزار مارے گئے۔ بائیس ہزار میں سے آٹھ ہزار نے بمشکل بھاگ کر اپنی جانیں بچا کر جا سکے۔

ہلدی گھاٹ کی یہ وہ مشہور جنگ ہے جس میں مہارانا پرتاب سنگھ کو زبردست ہزیمت ہوئی۔ ان کی حکومت کا بیدا رشتہ ختم ہو گیا۔ وہ خانہ بدوش ہو گئے۔ ان کی بقیہ عمر بڑی تکلیفوں اور پریشانیوں میں گزری۔

غرض مہارانا پرتاب سنگھ شکست کھا کر بھاگے چونکہ مسلمانوں نے ان کا اور ان کے سپاہیوں کا تعاقب کیا۔ اس لیے سب لوگ تتر بتر ہو گئے۔ یہاں تک کہ مہارانا بھی تنہا ہی بھاگے۔ ایک راجپوت بھی ان کا ساتھ نہ دے سکا۔ وہ چیتک نامی گھوڑے پر سوار بھاگے چلے جا رہے تھے۔ وہ اور گھوڑا دونوں زخمی تھے۔ دونوں کے

---

[1] ہلدی گھاٹ کی جنگ کے بعد سے جھالا کے سردار میواڑ کا بادشاہی نشان اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں اور درباریوں میں رانا کے داہنی طرف جگہ پاتے ہیں مانا اودے پور جھالا کے سردار کو راجہ کا خطاب دیتے ہیں۔ ان کا نقارہ قلعے کے دروازے تک بجتا ہے۔ یہ رتبہ دوسرے کو حاصل نہیں۔

[2] از دربار اکبری صفحہ ۵۳۹ - (صادق صدیقی۔ سردھنوی)

زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ دونوں کو آرام کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ لیکن جان پیاری ہوتی ہے۔ مغل پیچھا کر رہے تھے۔ مہارانا پرتاب سنگھ جان بچانے کے لئے بھاگے جا رہے تھے۔"

شام ہو گئی تھی۔ آفتاب اونچی چٹانوں کے پیچھے چلا گیا تھا گھاٹیوں میں قبل از وقت اندھیرا چھانے لگا تھا۔ دو مغل مہارانا کا پیچھا کیے چلے آ رہے تھے۔ تینوں گھوڑے آگے پیچھے تیزی سے دوڑتے ہوا سے باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے نعل پتھروں سے ٹکرا کر چنگے اڑا رہے تھے۔

ایک چوتھا سوار تیزی سے گھوڑا دوڑا کر آیا۔ مغلوں نے سمجھا وہ بھی ان کا ساتھی ہے۔ لیکن اس سوار نے مغلوں کے قریب پہنچ کر تلوار کا ہاتھ مارا ایک مغل کا سر تن سے الگ ہو گیا۔ دوسرا مغل دوڑا جا رہا تھا۔ اسے اپنے ساتھی کے قتل ہونے کی خبر نہ ہوئی وہ سمجھا اس کا گھوڑا پیچھے رہ گیا ہے وہ برابر دوڑتا رہا۔ یہاں تک چوتھے سوار نے اس کے برابر میں آ کر اس پر بھی حملہ کیا دوسرے مغل کا سر بھی اڑ گیا یہ سوار تیزی سے دوڑا۔ اس نے بلند آواز سے پکارا "او نیلے گھوڑے کے سوار ذرا ٹھہرو۔"

مہارانا پرتاب سنگھ کے گھوڑے چیتک نامی کا رنگ قدرے نیلاہٹ لیے ہوئے تھا۔ اس وقت مہارانا ایک پہاڑی ندی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے گھوڑے کے ایڑ لگائی۔ اگرچہ چیتک گھائل ہو رہا تھا۔ مگر وہ ہرن کی طرح بجار ٹیلیاں جھاڑ کر پانی پر سے اڑ گیا۔ لیکن ندی کے دوسری طرف جاتے ہی زخموں سے چور ہو کر گر پڑا۔ مہارانا کو دکھ الگ ہو گئے۔

اس عرصہ میں چوتھا سوار بھی ندی پار کر ان کے پاس آ گیا۔ جھٹپٹا وقت ہو گیا تھا۔ مہارانا کو خوف ہوا کہ کوئی مسلمان آ پہنچا۔ انہوں نے گھبرائی ہوئی

نظروں سے اسے دیکھا۔ انہوں نے جلدی ہی اسے پہچان لیا۔ وہ ان کا بھائی سکت تھا۔ مہارانا کا خوف دور ہو گیا ــــ انہوں نے خوش ہو کر کہا۔ "کون بھائی سکت۔"

سکت نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔ ہاں تمہارا وہ بدقسمت بھائی جو ترکوں کا غلام ہے۔"

سکت کسی نجی معاملہ میں پرتاب سنگھ سے ناخوش ہو کر گھر سے نکل آیا تھا آگرہ پہنچ کر شہنشاہ اکبر کے لشکر میں ملازمت کر لی تھی۔ اس وقت وہ راجہ مان سنگھ کے ہمراہ آیا تھا۔ مہارانا پرتاب سنگھ نے پوچھا "تم کیسے آ گئے۔"

سکت نے جواب دیا "میں نے آپ کی لڑائی دیکھی۔ میرے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوئی۔ میں نے سمجھ لیا۔ آپ اپنی قوم کا۔ اپنے باپ دادا کا۔ اپنے خاندان کا نام روشن کرنے والے ہیں۔ میرے دل میں ہمدردی پیدا ہوئی جب آپ شکست کھا کر بھاگے میں آپ کے پیچھے چلا۔ لیکن مجھ سے پہلے دو مغلوں نے آپ کا تعاقب کیا۔ میں نے دوڑ کر ان دونوں کو مار ڈالا۔ پرماتما کا دھنباد ہے کہ آپ بچ گئے۔"

پرتاب سنگھ۔ ہاں پرماتما نے کرپا کی۔ آؤ تم میرے ساتھ چلو۔

سکت۔ کہاں چلوں ــــ نہ گھر رہا نہ بار رہا۔ آپ جائیے مجھے واپس جانے دیجئے۔ موقع ہوا تو پھر حاضر ہوں گا۔"

پرتاب سنگھ جیسی تمہاری مرضی۔ مگر میرا گھوڑا مر رہا ہے۔

سکت نے اپنا گھوڑا جس کا نام انکارد تھا رانا کو دے دیا جب رانا

سلہ از تاریخ ہندوستان صفحہ ۲۴۲۔

نے چٹک سے اپنا اسباب اتار کر انگار دپر رکھا تو چٹک نے دم توڑ دیا۔ رانا کو افسوس ہوا۔ وہ انگار دپر چڑھ کے چلے گئے۔ سکٹ واپس لوٹا اور جن دو مغلوں کو اس نے مارا تھا ان میں سے ایک کے گھوڑے پر سوار ہو کر شاہزادہ کے لشکر میں داخل ہو گیا۔"

اس عرصے میں مسلمانوں نے راجپوتوں کے خیمہ د فرودگاہ پر قبضہ کر لیا تھا سکٹ کو دو مغلوں کے ساتھ جاتے ہوئے کئی مسلمانوں نے دیکھا تھا جب وہ تنہا آیا تو انہوں نے مغلوں کا حال پوچھا۔ اس نے بات بنا کر کہا کہ پرتاب سنگھ نے دونوں مغلوں کو مار ڈالا انھیں اس بات کا یقین نہیں آیا۔ اس کی اطلاع شاہزادہ سلیم کو ہوئی۔ شاہزادہ نے سکٹ کو بلا کر کہا کہ اگر سچ سچ بیان کر دو گے تو معاف کر دوں گا۔ مجبور ہو کر سکٹ نے تمام حال سچ سچ بیان کر دیا۔ شاہزادہ کو غصہ تو بہت آیا۔ لیکن انہوں نے وعدہ کر لیا تھا معاف کر دیا۔ مگر اس سے کہا اب تمہاری خدمات کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ اب تم اپنے بھائی کے پاس جا کر رہو[1] چنانچہ سکٹ با دلِ ناخواستہ اسی وقت وہاں سے چلا گیا۔

مرزا غیاث اس قدر بیان کر کے خاموش ہو گئے۔

بیسواں باب (۲۰)

اکبر کا مذہب

جب غیاث بیگ خاموش ہو گئے تو بیگم نے کہا۔ شاہزادہ نے سکٹ کو معاف کر کے

---

[1] دربار اکبری صفحہ ۵۴۰

اسلامی شان رکھ لی۔

مرزا غیاث۔ بے شک مسلمان جب کسی سے کوئی وعدہ کرتا ہے تو ضرور اسے پورا کرتا ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی یہی ہے جو وعدہ کرو اسے پورا کرو اگرچہ شاہزادہ سلیم ایک راجپوت عورت کے بطن سے ہیں، ماں نے راجپوتی معاشرت اور ہندو تہذیب و ہندو مذہب کی تعلیم دی۔ لیکن دادی نے اسلام کی تعلیم اور اسلامی تہذیب سکھائی۔ شاہزادہ نے اسلامی تعلیم ہی کو پسند کیا۔ اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرت سیکھی۔ وہ مسلمان ہیں۔

بیگم۔ خدا انھیں مسلمان ہی رکھے۔

مرزا غیاث۔ انشاء اللہ وہ مسلمان ہی رہیں گے۔ شہنشاہ اکبر اسلام سے بہک گئے ہیں۔ ان کا ایمان متزلزل ہو گیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں ابوالفضل اور فیضی نے انھیں ورغلا کر غلط راستے پر ڈال دیا ہے۔

ابوالفضل اور فیضی دونوں حکیم مبارک کے بیٹے تھے۔ مبارک ایک غلام تھے انھوں نے آزاد ہو کر حکمت پڑھی۔ یوں تو مذہباً شیعہ تھے۔ لیکن حقیقت میں ان کا کوئی مذہب ہی نہیں تھا۔ وہ مذہب کے معاملے میں اسی طرح بھٹک رہے تھے جس طرح انسان اندھیرے میں راستہ ٹٹولتا ہے۔ افلاس نے انھیں اور بھی لامذہب کر دیا تھا۔ وہ دولت حاصل کرنے کے لیے عزت و آبرو کیا مذہب تک قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ کبھی چاہتے تھے زرتشتی ہو جائیں۔ کبھی سوچتے ہندو بن جائیں۔ لیکن کوئی بھی انھیں قبول نہ کرتا تھا۔

ابوالفضل اور فیضی ایسے لامذہب شخص کے بیٹے تھے۔ دونوں متبحر عالم تھے زبردست شاعر تھے۔ بڑے مدبر تھے۔ کہنے کو یہ دونوں بھی شیعہ تھے۔ مگر حقیقت میں وہ لامذہب تھے۔ ان کا مذہب دولت تھا۔ ان کا ایمان زر ان کا

فدار دبیر تھا۔

جب یہ دونوں بھائی دربار اکبری میں پہنچے انہوں نے پہلی ہی نظر میں یہ جانچ لیا اور دیکھ لیا کہ شہنشاہ اکبر بھی ان کی طرح سے بدعقیدہ اور لامذہب ہے۔ کبھی وہ اسلام کی طرف جھکتا ہے اور کبھی ہندو مذہب پر مائل ہوتا ہے انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ اکبر جاہل مطلق ہے۔ عقل سے بھی کورا ہے۔ نہ تدبر ہے نہ سیاست نہ استقلال ہے۔ نہ کیا قوت سمجھ بوجھ کا مادہ بالکل نہیں ہے۔ آنکھیں ہیں۔ مگر اندھا ہے۔ کچھ نہیں دیکھتا۔ البتہ کان بڑے بڑے ہیں۔ جو سنتا ہے اس پر عمل کرنے لگتا ہے۔ راجہ بیربلؔ اور راجہ ٹوڈرمل وغیرہ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں صحیح مان لیتا ہے۔ ان دونوں نے جوڑ توڑ لگا کر اکبر کو ایسے کفر و ضلالت کے گڑھے میں ڈالا کہ وہ مرتے دم تک اس سے نہ نکل سکے گا۔"

بیگم نے کہا۔ تمام بیگمات بھی یہی کہتی ہیں سنا ہے انہوں نے کوئی نیا مذہب جاری کیا ہے۔

مرزا غیاث ہاں ابھی چند روز ہوئے شیخ مبارکؔ نے یہ اعلان کیا ہے کہ

لہ۔ راجہ بیربل کی اصلیت یہ ہے کہ وہ بھاٹ تھے ان کے باپ دادا اور وہ خود ہندو راجاؤں کی تعریفیں کرکے روزی کماتے تھے۔ اتفاق سے راجہ بیربل جن کا اصلی نام مہیش داس تھا اکبر کے دربار میں آگئے۔ وہ بڑے مسخرے تھے۔ اکبر مسخروں کی قدر کرتے تھے۔ انھیں منصب عطا کر دیا۔ اکبر کے رتن بجز چند کے سب ایسے ہی طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔

لہ تاریخ ہندوستان مصنفہ ڈاکٹر ایشوری پرشاد میں صفحہ ۲۵۵ پر لکھا ہے شیخ مبارک نے نئے مذہب کا اعلان کیا تھا۔　　　(صادق صدیقی۔ سردھنوی)

شہنشاہ نے ایک نیا مذہب ..... جاری کیا ہے جس کی اشاعت کی جائے گی اس مذہب کا نام دینِ الٰہی اکبر شاہی ہوگا۔

بیگم۔ لیکن یہ شہنشاہ کو ہو گیا گیا ہے۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ خود ساختہ مذہب دنیا قبول کر لے گی۔"

مرزا غیاث۔ ہمیں اس معاملہ میں گفتگو نہیں کرنی چاہیے ---- "دیوار گوش دارد۔"

بیگم۔ اب یہاں کون بیٹھا ہے۔

مرزا غیاث۔ تو سنو بادشاہ جاہل ہے جو کوئی کچھ کہتا ہے وہ اسی کو مان لیتا ہے سچ یہ ہے کہ شیخ مبارک اور اس کے دونوں بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے بادشاہ کو احمق بنایا ہے۔ یہ تینوں باپ بیٹے دہری ہیں کسی مذہب کے بھی پابند نہیں۔ انہوں نے اکبر کے یہ بات ذہن نشین کرد ہے کہ وہ مصلح ہیں۔ دنیا میں صرف بادشاہت کرنے کے لیے نہیں۔ بلکہ دنیا کے تمام لوگوں کو ایک مذہب میں داخل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس سے یہ فا ہوگا کہ جب ایک ہی مذہب ہوگا تو دنیا سے مذہبی جھگڑے مٹ جائیں گے ---- اک میں علم کی کمی کی وجہ سے عقل نہیں ہے اس نے ان کا کہنا مان لیا۔ شیخ مبارک نے ایک نیا آئین مذہبی مرتب کر کے پیش کیا۔ ابوالفضل فیضی اور راجہ بیربل نے ا کی تائید کی (تاریخ ہندوستان میں لکھا ہے کہ راجہ بیربل نے بھی اس آئو کی تائید کی تھی۔ مگر راجہ مان سنگھ نے نہیں کی) چونکہ اس نئے مذہب میں عی پارسی۔ عیسائی اور ہندی مذاہب کی کچھ کچھ باتیں لے لی گئی ہیں ---- اس لیے غیر مسلم اس مذہب کو اختیار کرتے جاتے ہیں۔ مسلمان البتہ سخت متنفر ہیں۔

بیگم۔ مگر اس معجون مرکب مذہب میں ہے کیا۔

مرزا غیاث۔ محض واہیات اور خرافات ہے۔ پارسیوں کی طرح ستاروں اور آگ کو سجدہ کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی طرح سورج کے نکلنے اور غروب ہونے کے وقت اس کی پرستش کی جاتی ہے۔ عیسائیوں کی طرح گھنٹے بجائے جاتے ہیں جینیوں کی طرح بادشاہ اکبر کو سجدہ کیا جاتا ہے

بیگم۔ اوی۔ یہ کیسا مذہب ہے۔؟

مرزا غیاث۔ مذہب کیا ہے ایک دلگی ہے۔ مبارک اور اس کے بیٹوں فیضی اور ابوالفضل نے جاہل بادشاہ کو احمق بنانے کے لیے اور دنیا کو یہ دکھانے کے لیے کہ بادشاہ ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہے۔ یہ مذہب جاری کیا۔ چونکہ اکبر جاہل مطلق ہے اول بودہ بائی نے اسے بہکا کر ہندو مذہب کی طرف راغب کیا۔ جیسوٹ پادریوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے اکبر کو عیسائی ہو جانے کی ترغیب دی اکبر نے پرتگال سے دو پادری بلوائے۔ اُدھر جینیوں اور جینیوں نے زور لگایا مبارک اور اس کے بیٹوں نے ایک معجون مرکب مذہب بنا کر اس کے سامنے پیش کیا۔ اکبر نے شاید یہ سمجھ کر کہ اس مذہب کے جاری ہونے سے ہندو جینی۔ پارسی۔ عیسائی سب ہی خوش ہو جائیں گے اسے اختیار کر کے جاری کر دیا۔ اب بادشاہ خود آگ کو ستاروں کو۔ سورج کو اور حضرت عیسیٰ کی تصویر کو سجدہ کرتا ہے اور جو لوگ دین الٰہی و اکبر شاہی کو اختیار کر لیتے ہیں۔ ان سے ان سب چیزوں کو نیز اپنے آپ کو سجدہ کراتا ہے۔ بادشاہ کو سب سے پہلے مبارک اور اس کے بیٹوں فیضی اور ابوالفضل نے سجدہ کیا۔

بیگم۔ توبہ! توبہ!! اکبر کو کیا ہو گیا۔ خدا ہی بن بیٹھا۔

مرزا غیاث۔ اکبر نے ۹۸۳ھ میں فتح پور سیکری میں چار ایوان کے نام ایک عبادت خانہ تعمیر کرایا تھا۔ میں اسی وقت کھٹکا تھا اس عبادت خانہ میں

ہر مذہب کے عالم مباحثہ کرتے تھے اکبر سنتا تھا مسلمان علماء نے اسے متنبہ
کیا کہ وہ بہک چکا تھا۔ مذہب اسلام سے دور جا پڑا تھا۔ اس پر کسی بات
کا اثر نہ ہوا۔ آخر وہی ہوا جس کا نیک دل علماء کو اندیشہ تھا۔ یعنی اکبر مرتد ہو
گیا۔"

بیگم۔ آدمی جاہل بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے مذہب کے بڑے پابند ہوتے ہیں
اکبر کو اپنے مذہب کا پابند ہونا چاہئے تھا۔

مرزا غیاث۔ جاہل آدمی جب بادشاہ ہو جاتا ہے تو مغرور اور متکبر بن کر خدا
کے دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ اکبر نے بھی یہی کیا جو لوگ اس کا مذہب قبول کرتے
ہیں وہ چیلے کہلاتے ہیں۔ ان چیلوں سے اقرار لیا جاتا ہے کہ اخلاص چار گانہ
رکھیں گے۔ یعنی ترک جان، ترک مال، ترک ناموس۔ ترک دین

بیگم۔ ترک مال تو سمجھ میں آ گیا۔ ترک دین کا منشا شاید یہ ہو گا کہ جس دین
میں وہ پہلے تھا۔ اسی سے کوئی سروکار نہ رکھے۔ لیکن ترک ناموس کا کیا مطلب
انسان کو اپنا ناموس ہی سب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے جو انسان ناموس کا خیال
نہ رکھے۔ وہ جانور سے بدتر ہے اور ترک جان سے کیا مطلب ہے۔ یہ تو
کچھ سمجھ میں بالکل نہیں آیا۔

مرزا غیاث۔ کہیں جاہلوں کی باتیں بھی سمجھنے کے قابل ہوتی ہیں۔ خدا کا
شکر ہے میں شہنشاہ اکبر کا نوکر نہیں — بلکہ شاہزادہ سلیم کا ملازم ہوں۔
چونکہ اب شاہزادہ سلیم کا ذکر شروع ہو گیا۔ اس لیے مہر النساء لبظاہر
لاپرواہی لیکن اصل میں بڑے غور سے سننے لگی۔ بیگم نے کہا شاہزادہ سلیم نے
اکبر شاہی مذہب اختیار نہیں کیا۔"

مرزا غیاث۔ نہیں۔ اگرچہ شاہزادہ سلیم نو عمر ہیں۔ لیکن بڑے ہوشیار

ور سمجھدار ہیں۔ وہ اس نئے مذہب سے سخت نفرت کرتے ہیں انھیں افسوس
ہے کہ اکبر کے بے علم ہونے کی وجہ سے لوگ بھٹک گئے ہیں۔

بیگم کیا ان پر ان کی والدہ جودہ بائی کا اثر نہیں پڑا۔ کیا وہ ہندو مذہب
کی طرف مائل نہیں ہیں۔؟

مرزا غیاث۔ نہیں وہ مسلمان ہیں، اور یقین ہے مسلمان ہی رہیں گے۔

بیگم۔ خدا کرے وہ مسلمان ہی رہیں۔ اگر خدانخواستہ اکبر کی طرح وہ بھی لا
مذہب ہو گئے تو اس اسلامی سلطنت کا خدا ہی حافظ ہے۔"

مرزا غیاث۔ یہ تم نے سچ کہا۔ بابر نے جس سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ہمایوں
نے جس کی جڑیں مضبوط کیں۔ اکبر اس کی بنیاد کو کھود کر ہلانے لگے ہیں۔ یا تو
خدا اکبر کو عقل و سمجھ دے۔ وہ لا مذہبیت چھوڑ کر مسلمان ہو جائیں۔ یا
ان کی اولاد کو راسخ العقیدہ مسلمان بنا دے۔

بیگم۔ آمین۔ ہاں پرتاب کا قاصد کیوں آیا تھا۔ یہ آپ نے نہ بتایا

مرزا غیاث۔ ابھی بتاتا ہوں۔"

اکیسواں باب (۲۱)

پرتاب سنگھ کی غیرت

کچھ وقفہ کے بعد مرزا غیاث نے بیان کرنا شروع کیا۔

انہوں نے کہا۔ رانا پرتاب اپنی جان لے کر بھاگے وہ پہاڑ پر چڑھ گئے
ان کے پاس چند جاں نثار بھی جمع ہو گئے۔ انہوں نے اپنے اہل و عیال

کو بھی وہیں بلا لیا۔ میں کچھ تمہارا رانا کا پچھلا حال بھی سنا دوں۔

تمہارا رانا پرتاپ سنگھ، سنگرام سنگھ کے جو رانگا سانگا کے نام سے تاریخوں میں مشہور ہیں
پوتے تھے۔ رانا سانگا کے زمانے میں لودھی خاندان کے آخری فرمانروا ابراہیم دہلی
میں حکومت کر رہے تھے۔ رانا سانگا میواڑ کے حکمران تھے وہ دیکھ رہے تھے
کہ ابراہیم اچھے حکمران نہیں ہیں۔ ملک سے...... ان کا رعب داب اٹھ چکا
ہے۔ اس بڑی سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ رانا سانگا دلی پر قبضہ کرنے کے خواب
دیکھنے لگے۔ اسی زمانے میں بابر نے ہندوستان پر چڑھائی کر دی۔ اور ابراہیم
لودی کو شکست دے کر دلی پر قبضہ کر لیا۔ اس سے رانگا سانگا کی امیدیں ختم
گئیں۔ چونکہ ان کا تمام راجپوتانہ پر اثر ورسوخ تھا۔ اس لیے انہوں نے تمام
راجاؤں کو شرکت جنگ کی دعوت دی۔ راجپوت کے بھاری لشکر جمع ہو گئے دو
لاکھ راجپوت اکٹھا ہو گئے۔

رانگا سانگا اس عظیم لشکر کو لے کر بابر پر حملہ آور ہوئے انہوں نے بیانہ کا قلعہ
کر لیا۔ اور آگرہ کی طرف بڑھے۔ جس طرف سے یہ لشکر کا سیلاب گزرا۔ تباہی پھیل
چلا گیا۔ جب بابر کو اس لشکر کثیر کا حال معلوم ہوا تو وہ گھبرا گئے۔ کیونکہ
انہوں نے حال ہی میں ہندوستان پر قبضہ کیا تھا۔ ابھی تک ان کی سلطنت
مستقل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری۔ ان کے پاس تیس
سوار تھے۔ پانچ سو کابل سے اور آ گئے تھے۔ وہ اس مختصر لشکر ہی کو لے کر را
سانگا کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آگرہ سے بیس میل کے فاصلے پر سیکری
کے قریب کنواحا کے مقام پر دونوں لشکر مل گئے۔

مسلمان راجپوتوں کی بھاری جمعیت دیکھ کر کچھ متامل ہوئے بابر نے تمام فو
کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی۔ انہوں نے کہا۔"

"مسلمانو! ہم غیر ملک میں ہیں۔ غیر مسلموں نے ہم پر یورش کی ہے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جو شخص پیدا ہوا ہے۔ اس کی موت کا وقت مقام اور طریقہ پہلے ہی لکھ دیا گیا ہے۔ ہم دین اسلام کی اشاعت کے لیے سربکف ہو کر جہاد کرنے کے ارادہ سے ہندوستان میں آئے ہیں اگر اس لڑائی میں ہم مارے گئے تو شہید ہوں گے جنت کے حقدار بن جائیں گے۔ زندہ رہے فتحیاب ہوئے تو ہندوستان میں اسلام کی بنیاد مستحکم ہو جائے گی۔ غازی کہلائیں گے جنت کے وارث بنیں گے اس بات کا عزم کر لو کہ میدان جنگ سے نہ بھاگو گے۔ موت سے نہ ڈرو گے۔ اسلام کے لیے جانیں دے دو گے جو بھاگے گا خدا اس سے ناخوش ہو جائے گا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔"

اس تقریر نے مسلمانوں کے دلوں میں گھر کر دیا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ کئی معرکے ہوئے کبھی راجپوت غالب معلوم ہونے لگتے تھے۔ کبھی مسلمان آخر ۱۶ مارچ ۱۵۲۷ء کو راجپوتوں کو شکست فاش ہوئی۔ بیشمار راجپوت مارے گئے۔ چونکہ تمام راجپوتانہ اس جنگ میں شریک ہوئے تھے اور ان کی زیادہ تعداد میدان میں کام آئی اس لیے راجپوتانہ کے گھر گھر میں کہرام مچ گیا۔ ماتم ہونے لگا۔ یہ لڑائی فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ دلی میں راجپوت سلطنت قائم کرنے کی امید ہمیشہ کے لیے جاتی رہی اور سلطنت مغلیہ کی بنیاد پڑ گئی۔

رانا سانگا کے بعد اس کے بیٹے ادے سنگھ ان کے جانشین ہوئے انہوں نے اکبر کے زمانہ میں دلی فتح کرنے کے لیے پھر تیاریاں شروع کیں۔ اکبر کو بھی خبر ہو گئی انہوں نے خود شکر لے کر ادے سنگھ کے دارالسلطنت چتور گڑھ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ ادے سنگھ بھاگ کر اراولی کے پہاڑ پر جا

جا چڑھے۔ رانا ادے سنگھ نے ایک نیا شہر ادے پور بسایا۔ اور اسے
اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔ اکبر نے اس قلعہ ادے پور کو بھی فتح کر لیا۔
رانا ادے سنگھ کے بعد اس کے بیٹے رانا پرتاب سنگھ تخت نشین ہوئے
باپ اور دادا کی طرح وہ بھی مسلمانوں سے خلاف تھے۔ انہوں نے راجہ ما
سنگھ کی توہین کی۔ اس توہین کا ذکر میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ شاہزاد
سلیم نے رانا پرتاب سنگھ کو ہلدی گھاٹ کے میدان میں شکست دی۔ اور گوگن
اور کمل میر دو زبردست قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

مہرالنساء نے پوچھا۔ ابا جان یہ دونوں قلعے کہاں واقع ہیں۔

مرزا غیاث نے کہا۔ یہ قلعہ ادے پور سے چار میل کے فاصلے پر شمال کی جانب
اراوالی پہاڑ پر واقع ہے۔ ان دونوں کے نکل جانے سے رانا پرتاب سنگھ بے
ہو گئے۔ شاہی لشکر ان کے تعاقب میں تھا۔ وہ پہاڑ پر آوارہ پھرنے
ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ہزاروں قسموں کی تکلیفوں سے سا
وفادار جاں نثار اس سیاہ بختی میں رانا کا ساتھ چھوڑ گئے۔ بہت
سپاہی ان کے ساتھ رہ گئے اس مصیبت میں ان کی بیوی اور ان کا بیٹا امر
ان کے دم کے ساتھ تھے۔ ان پر فقر و فاقہ نے تسلط کر لیا تھا۔ نوبت یہاں تک
آگئی تھی کہ کبھی کبھی وقت کھانا میسر نہ آتا تھا۔ زیادہ تر شکار پر گذر ہو
تھی۔ لیکن ان مصیبتوں نے رانا پر کوئی اثر نہیں کیا۔ وہ اکبر کی اطاعت کرنے
نہ ہوئے حالانکہ اکبر چاہتے تھے کہ وہ ذرا بھی جھک جائیں۔ ان کی اطا
کر لیں تو انھیں ان کا وہ ملک جو فتح کر لیا ہے۔ واپس دے د
لیکن پرتاب سنگھ بہادر ہیں غیور ہیں۔ مستقل مزاج ہیں۔ وہ کسی طر
اطاعت کرنے پر تیار نہ ہو سکے۔"

مگر مسلسل پریشانیوں، تکلیفوں اور غموں نے ان کی جسمانی قوت کو کمزور کرنا شروع کر دیا۔ ایک روز ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ان کا استقلال جاتا رہا اور وہ اکبر کی اطاعت کرنے پر تیار ہو گئے۔ ہوا یہ کہ رانا ان کی بیوی اور ان کے بیٹے کو کئی وقت کا فاقہ تھا ایک ہفتہ سے چولھا نہ گرم ہوا تھا۔ اتفاق کہیں سے کچھ آٹا مل گیا۔ بیوی نے آٹا گوندھ کر خود روٹی پکانی شروع کی۔ رانا نہانے چلے گئے۔ رانا کا ایک خورد سالہ بچہ بھوک سے بے تاب ہو کر سو گیا تھا جب بچہ کی ماں روٹی پکا رہی تھی تو بچہ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ رونے لگا۔ ماں نے روٹی پکا کر چولھا چھوڑا اور لپک کر بچہ کو گود میں اٹھا لیا۔ وہ چاہتی تھیں کہ اسے چپ کرا کر روٹی کھلائیں۔ بہلانے سے بچہ چپ ہو گیا۔ وہ اسے لے کر چولھے کے پاس پہنچیں تو دیکھا ایک جنگلی کتا ساری روٹیاں اپنے منہ میں دبائے چلا جا رہا ہے۔ رانی دل مسوس کر رہ گئی۔ اسی وقت رانا آ گئے۔ رانی نے اس واقعہ کا ان سے ذکر کیا۔ اس روز کے واقعہ نے رانا کے عزم و استقلال کی بنیادیں ہلا دیں۔ انہوں نے کہا۔ میری قسمت ہی میں یہ ہے کہ میں اکبر کی اطاعت کروں چنانچہ انہوں نے اسی وقت ایک مختصر عرضی جسے معافی نامہ کہنا چاہیئے شہنشاہ اکبر کو لکھی اس میں لکھا۔

"مہابلی جی! میری تباہ حالی اور بدقسمتی انتہا کو پہنچ چکی ہے ایشور ہی کو یہ منظور ہے کہ میں غلام بن کر جیوں۔ میں اس شرط پر آپ کی اطاعت کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے میرا کل موروثی ملک واپس دے دیا جائے۔"

ایک قاصد کے ہاتھ یہ عرضی بادشاہ کی خدمت میں بھیجی بادشاہ نے ایک راجپوت جس کا نام پرتھی راج تھا اور جو قصر شاہی کے دروازہ پر ملازم تھا

اس عرضی کو پڑھوایا۔ بادشاہ بہت خوش ہوئے۔ لیکن پرتھوی راج نے وسوسہ ڈال دیا کہ رانا پرتاب سنگھ کبھی ایسی عرضی نہیں لکھ سکتے۔ یہ عرضی جعلی ہے۔ کسی بدسرشت نے شہنشاہ سے مذاق کیا ہے۔ پہلے رانا پرتاب سنگھ سے اس کی تصدیق کرلی جائے۔

پرتھوی راج راجپوت تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ رانا پرتاب سنگھ اکبر کی اطاعت کرلیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ رانا کی وجہ سے راجپوتوں کا سر اب بھی بلند ہے۔ اس کے علاوہ اکبر جو راجپوتوں کی قدر کررہا ہے وہ اسی لیے کہ اسے اندیشہ ہے کہ کہیں راجپوت پرتاب سنگھ کا ساتھ نہ دینے لگیں۔ جبتک رانا آزاد ہے اور اکبر سے لڑ رہا ہے اسی وقت تک اکبر راجپوتوں کی عزت کررہا ہے۔ انھیں نوازتا ہے۔ ان کی دلداری کرتا ہے۔ اگر رانا نے اطاعت کرلی تو راجپوتوں کی بے قدری ہوجائے گی۔ چنانچہ اس نے اکبر سے کہا اگر جہاں پناہ حکم دیں تو میں اس کی تصدیق کرلوں۔

اکبر کے عقل تو تھی ہی نہیں۔ انہوں نے ایسا اہم معاملہ ایک ڈیوڑھی بان کے سپرد کردیا۔ اسے اجازت دے دی۔ پرتھوی راج نے اس عرضی کی پشت پر لکھا۔

فخر راجپوت! آپ مصیبتوں سے گھبرا کر اپنی قوم کو بٹہ لگانے پر آمادہ ہوگئے۔ آج راجپوتوں کی عزت آپ کی وجہ سے ہے۔ راجپوتوں کے دل میں آپ کی قدر و منزلت ہے۔ آپ اس خاندان کے روشن چراغ ہیں۔ جس نے کبھی مسلمانوں کی اطاعت نہیں کی۔ آپ اس قدر کیوں گر گئے ہیں کہ اطاعت کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ آپ آفتاب قوم ہیں۔

آپ کا سیوک۔

"پرتھوی راج۔"

جب رانا کے پاس یہ عرضی پہنچی تو ان کے آنسو نکل آئے انہوں نے عرضی کے ٹکڑے کر ڈالے اور قسم کھائی کہ اکبر کی اطاعت نہ کریں گے۔ انہوں نے قاصد بھیجا ہے۔ اس کی زبانی پیغام دیا ہے کہ "میں اطاعت کرنے پر تیار تھا۔ لیکن اب یہ ارادہ بدل گیا ہے۔ اب میں آخری دم تک اطاعت نہ کروں گا۔

مہرالنسا۔ مگر آپ کو یہ واقعات معلوم کیسے ہوئے۔

مرزا غیاث۔ شاہزادہ سلیم نے قاصد کو اپنے حضور میں طلب کر کے اس سے تمام واقعات سنے میں بھی وہاں تھا۔ میں نے بھی سن لیے۔

مہرالنسا۔ رانا پرتاب سنگھ قابل عزت انسان ہیں۔

مرزا غیاث۔ بیشک۔ غیور آدمی کی ہر شخص عزت کرتا ہے۔

اب مرزا غیاث اٹھ کر باہر چلے گئے۔

بائیسواں باب (۲۲)

قصر شاہی

بیگم اکثر قصر شاہی میں جاتی رہتی تھیں۔ لیکن مہرالنساء کو نہیں لے جاتی تھی ایک روز جب وہ جانے لگی تو مہرالنساء نے بھی چلنے کی ضد کی۔ اس نے کہا۔ امی جان! آج میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

بیگم نے کہا۔ بیٹی! تو وہاں جا کر کیا کرے گی۔

مہرالنساء۔ تم کیا لیتی ہو۔

بیگم۔ میں تو شاہی بیگمات سے ملنے جایا کرتی ہوں۔

مہرالنساء۔ میں شاہزادیوں سے مل لوں گی۔

بیگم۔ شاہزادیوں کے ملنے سے کیا حاصل ہو گا۔

مہرالنساء۔ ان کی معاشرت ان کا تمدن دیکھوں گی۔ ان کی گفتگو سنو
گی۔ اس سے کچھ نہ کچھ حاصل ہی ہو گا۔

بیگم۔ حاصل یہ ہو گا کہ تو بھی وہی معاشرت اور وہی تمدن اختیار کر
چاہے گی۔ وہی سلیقہ۔ وہی گفتگو سیکھے گی۔

مہرالنساء۔ کیا یہ بری بات ہو گی۔

بیگم۔ دیکھو غریبوں کو امیروں کو بادشاہوں کا تمدن نہیں
سیکھنا چاہیے۔ اس سے اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ عجب اور خود بینی پ
ہو جاتی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں کہ کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا

مہرالنساء۔ تب میں ان کا تمدن اور ان کی معاشرت اختیار نہ کرو
گی۔"

بیگم۔ یہ ناممکن ہے۔ جب تو ان سے ملے گی قدرتاً تو بھی ویسی ہی پوشاک
پہننے کو چاہے گی جیسی وہ پہنتی ہیں۔ زیورات کی بھی ضرورت ہو گی۔ اگر اچھ
اور عمدہ زیورات پہن کے ان کے پاس نہ جائے گی تو ان کے دل میں
تیری وقعت نہ ہو گی۔ وہ تیرا مذاق اڑائیں گی۔ اور تو شرمائے گی۔

مہرالنساء۔ میں جانتی ہوں کہ تکلفات میں تکلیف ہوتی ہے اسلام
نے سادگی کی تعلیم دی ہے۔ میں سادگی ہی کو پسند کرتی ہوں۔ مجھ پر انشا اللہ
ان کے تمدن اور ان کی معاشرت کا اثر نہ ہو گا۔ میں مینا بازار میں بھی تو

یروں کی لڑکیوں اور شاہزادیوں کو دیکھ چکی ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ میری
دگی کا ان پر اثر ہو جائے۔

مہرالنساء۔ تکلفات سے بری تھی۔ سادہ لباس پہنتی تھی۔ بیگم نے قہقہہ
لگا کر کہا۔ وہ ضرور تیری سادہ معاشرت اختیار کر لیں گی۔

مہرالنساء۔ پھر میں بھی کیوں ان کی معاشرت اختیار کروں گی۔

بیگم۔ اب تو تو بڑی منطقی ہو گئی ہے۔

مہرالنساء۔ بس تو مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔

بیگم۔ لے چلوں گی۔ مگر اپنے ابا سے بھی اجازت لے لینا۔

عین اسی وقت مرزا غیاث بھی آ گئے۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا اجازت
لی ہے۔

بیگم۔ یہ تمہاری لاڈو قصر شاہی میں جانے کی ضد کر رہی ہے۔

مرزا غیاث۔ پھر کیا ہرج ہے۔ لیتی جاؤ۔

بیگم۔ ہاں تم کیوں منع کرنے لگے۔

مرزا غیاث۔ کیا تم ایران میں شاہی محلات میں نہ کھیلا کرتی تھیں۔ بیگم نے
ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ہاں کھیلا کرتی تھی۔ مگر ذکر اس وقت کا ہے جب دولت
و ثروت تھی۔ سب کچھ تھا۔

مرزا غیاث۔ خدا کا شکر ہے اب بھی اس نے سب کچھ دے دیا ہے۔ میں اپنی
بچی کو شاہزادیوں کی طرح رکھ سکتا ہوں۔ شاہزادہ سلیم کی مہربانی سے میرا
شمار بھی امیروں میں ہونے لگا ہے۔

بیگم۔ خدا کا ہزار ہزار احسان ہے اس نے ہماری حالت کو پھر بدل دیا
اچھا تو مہرو جلدی تیار ہو جا۔

مہرالنساء نے کنگھی چوٹی کی۔ سادہ مگر صاف ستھرا لباس پہنا۔ وہ اس قدر خوبصورت تھی کہ اس سادہ لباس میں بھی رشک حور معلوم ہونے لگی۔ بیگم نے اسے دیکھ کر مرزا غیاث سے کہا۔ میں اسے اس لیے نہ لے جاتی تھی کہ کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

مرزا غیاث۔ یہ اندیشہ تو مجھے بھی رہتا ہے۔ لیکن اس کا جی بھی تو اپنی ہمجولی شاہزادیوں سے ملنے کو چاہتا ہے۔

بیگم لے جایا کروں گی۔

بیگم نے ماں باپ کے پاس آکر نہایت سلیقہ سے دونوں کو سلام کیا دونوں نے دعا دی سواری ڈیوڑھی پر لگ گئی تھی۔ دونوں سوار ہوئیں۔ دس مسلح سوار سواری کے آگے اور پیچھے ہو لیے۔ اس شان سے وہ قصر شاہی کی طرف روانہ ہوئیں۔ جب شاہی محلات کے دروازہ پر پہنچیں تو پردہ کرا کر سواری سے اتریں۔ وہاں شاہی کہاریاں تام جھام لیے کھڑی تھیں۔ اس میں سوار ہوئیں کہاریاں لے چلیں۔

دروازہ کے اندر ہی سے قلماقنیوں کا پہرہ شروع ہو گیا تھا۔ قوی الجثہ عورتیں ہتھیار لگائے کھڑی تھیں۔ دروازہ کے دوسری طرف کشادہ صحن تھا اس میں چھوٹے چھوٹے کئی چمن زار تھے۔ جن میں پھول کھل رہے تھے پھولوں کی مہک سے تمام صحن معطر ہو رہا تھا۔

اس صحن کے بعد ایک دروازہ اور آیا۔ اس پر خواجہ سرا فوجی لباس پہنے پانچوں ہتھیار لگائے کھڑے تھے۔ جب تام جھام ان کے پاس پہنچا ان کے افسر نے پوچھا۔ یہ کس امیر کی بیگم ہیں۔"؟

ایک کہاری نے جواب دیا" مرزا غیاث بیگ طہرانی کی بیگم ہیں۔"

کہاریوں نے دوسرا بھی دروازہ عبور کیا۔ اس کے دوسری طرف بھی کشادہ صحن تھا۔ جس میں خوشنما باغیچہ تھا۔ غرض اسی طرح سات ڈیوڑھیاں کہاریاں نے طے کیں۔ ہر ڈیوڑھی پر خواجہ سراؤں یا قلماقنیوں یا اردا بیگنوں کا پہرہ تھا ساتوں دروازے طے کرنے پر وہ قصر شاہی میں پہنچیں وہاں کنیزوں کی پلٹنیں عمدہ لباس پہنے ان کے استقبال کے لیے کھڑی تھی۔ بیگم اور مہرالنساء تام جھام سے اتریں۔ کنیزوں نے انھیں سلام کیا۔ بیگم نے سلام لیا اور فرحت بخش باغیچہ کی طرف چلیں۔ ابھی وہ چند ہی قدم بڑھی تھیں کہ انہوں نے شاہزادہ سلیم کو باغیچہ کی مصفا روشوں پر چہل قدمی کرتے دیکھا۔ مہرالنساء کی ان پر نگاہ پڑ گئی ان کا دل سینہ میں دھڑکنے لگا۔

بیگم اور وہ یعنی مہرالنساء دونوں باغیچہ میں داخل ہو کر اس کشادہ روش پر چلیں جو چبوترہ پر جا کر ختم ہوئی تھی۔ انہوں نے اس روش کو آدھے کے قریب طے کیا تھا کہ سلیم ان کے سامنے آ گئے۔ انہوں نے بیگم سے مخاطب ہو کر کہا۔ اہا ہمارے ناظم بیوتات کی بیگم آئی ہیں۔

بیگم۔ جی ہاں صاحب عالم۔ مجرا عرض کرتی ہوں۔

اس وقت نازنین مہرالنساء کے سر سے ریشمیں دوپٹہ ڈھلک گیا۔ سر کے سیاہ مشک بو بال آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے چمکنے لگے مانگ شمشیر برہنہ کی طرح جگمگانے لگی۔ سلیم کی نگاہ جا پڑی۔ ان کا دل پر سانپ لوٹ گیا۔ مہرالنساء نے عجب شان دلربائی سے دوپٹہ کا پلہ سر پر لیا۔ سلیم اس مابرو کو دیکھتے ہوئے نکلے چلے گئے۔

بیگم اور مہرالنساء باغیچہ سے نکل کر چبوترہ پر پہنچیں۔ یہاں کنیزوں اور خادماؤں کی پلٹنیں بکھری ہوئی تھیں۔ کم سے کم ہزار بارہ سو کنیزیں تھیں۔ بیگم مریم الزمانی

ملکہ جودھا بائی کے حضور میں پہنچیں وہ ہندوانہ لباس میں جو زریں اور خوشنما تھا ملبوس تھیں۔ کئی پیش خدمتیں ان کی خدمت میں حاضر تھیں۔ بیگم نے آگے بڑھ کر انھیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام لیا۔ پھر بیگم نے مہرالنساء کو پیش کر کے کہا۔ یہ حضور کی کنیز زادی مہرالنساء ہے۔

مہرالنساء نے کچھ ایسے سلیقہ اور پیارے انداز سے سلام کیا کہ ملکہ کا جی خوش ہو گیا۔ انہوں نے اسے قریب بلا کر پیار کیا اور اس کی چاند سی پیشانی کو بوسہ دیا۔ دونوں ماں اور بیٹی ذرا سے فاصلہ پر نہایت ادب سے بیٹھ گئیں۔ ملکہ نے کہا۔ ماشاء اللہ مہرالنساء بڑی خوش سلیقہ اور خوش جمال بیٹی ہے۔ تم اسے پہلے کیوں نہیں یہاں لائیں۔

بیگم نے عرض کی۔ میرا خیال یہ رہا کہ اسے اس قدر حوصلہ اور سلیقہ نہیں ہے کہ ملکہ عالم کی قدمبوسی حاصل کر سکے۔

ملکہ۔ مگر یہ اس قدر سلیقہ شعار ہے کہ اور امیر زادیاں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں بڑی بھولی اور متین معلوم ہوتی ہے اس کی آنکھوں سے ذہانت چہرے سے سنجیدگی اور پیشانی سے اقبال مندی ٹپک رہی ہے۔ مجھے تو بڑی پیاری لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ جب تم آیا کرو تو اسے ضرور ساتھ لایا کرو۔

بیگم۔ یہ اس کنیز اور اس کنیز زادی کی خوش نصیبی ہے کہ ملکہ عالم اس قدر مہربانی فرما رہی ہیں۔ انشاءاللہ میں اسے آئندہ ضرور اپنے ساتھ لایا کروں گی۔

ملکہ کو بھولی مہرالنساء پر کچھ ایسا پیار آیا کہ انہوں نے اپنے گلے سے مروارید کی مالا جس میں کئی ہیرے اور لعل جڑے ہوئے تھے اور جس کی قیمت دس ہزار روپے سے زیادہ تھی اتار کر اپنے ہاتھ سے مہرالنساء کی صراحی

گردن میں پہنا دی۔

یہ لطف و کرم دیکھ کر مہر النساء کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اس نے اٹھ کر ملکہ کو خوشی سلام کیا اور کچھ اس ادا سے سلام کیا کہ صرف ملکہ ہی کا نہیں بلکہ سب دیکھنے والیوں کا جی خوش ہو گیا۔ سب نے ہی دعائیں دیں بیگم کا دل باغ باغ ہو گیا۔

مہر النساء پھر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں شاہزادہ سلیم گھومتے پھرتے آگئے اگرچہ وہ نوجوان تھے۔ مگر ابھی بچہ ہی سمجھے جاتے تھے۔ اسی لیے انھیں کہیں آنے جانے کی روک ٹوک نہیں تھی۔ جودھا بائی ان کی حقیقی والدہ تھیں۔ انہوں نے آکر انھیں سلام کیا۔ ماں نے دعا دی۔

انھیں دیکھتے ہی مہر النساء کا دوران خون تیز ہو گیا اس کے چہرہ پر سرخی آگئی۔ سلیم نے اس شاہزادی کو دیکھا۔ وہ محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگے۔

(۲۳) تیئسواں باب

حمیدہ بانو بیگم

مہر النساء کو کبوتروں والا واقعہ یاد تھا اس کی شاہزادہ سلیم سے پہلی ملاقات تھی۔ اس نے اپنی والدہ سے اس ملاقات کا ذکر نہیں کیا تھا حالانکہ وہ ذرا سی بات کا اس سے ذکر کر دیا کرتی تھی۔ مگر اس واقعہ کا ذکر کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔

شاہزادہ سلیم کو دیکھ کر اسے خوف ہو جاتا تھا کہ کہیں وہ کوئی ایسی حرکت یا ایسی بات نہ کہہ دیں جس سے شناسائی کا اظہار ہو اور اس کی والدہ کو شک ہو جائے۔

محبت اخفائے راز کا سبق پہلے ہی پڑھا دیتی ہے۔ جنھیں بدقسمتی سے محبت ہو جاتی ہے وہ چاہے بڑے ہوں یا چھوٹے یا توطم ہوں اپنی محبت کے راز کو سینے کے صندوق میں بند رکھتے ہیں۔ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ راز ظاہر نہ ہو جائے کیوں ڈرتے ہیں اسے وہ خود بھی نہیں سمجھتے۔

مہرالنساء کو شاہزادہ سلیم سے محبت ہو گئی تھی۔ چونکہ وہ متین اور مستقل مزاج تھی اس لیے اپنے چہرے کے تاثرات کو مٹانے میں کامیاب ہو جاتی تھی۔ اس کی صورت سے کوئی بات ظاہر نہ ہوتی تھی۔

شاہزادہ سلیم کے دل پر بھی کبوتروں والا واقعہ نقش ہو گیا تھا۔ جب سلیم نے مہرالنساء کے ہاتھ میں ایک کبوتر دیکھ کر پوچھا تھا۔ دوسرا کبوتر کہاں گیا تو اس نے بلا جھجک کہہ دیا کہ وہ اڑ گیا۔ شاہزادہ نے پوچھا "کیسے اڑ گیا ـــــ؟ مہرالنساء نے بھولے پن سے دوسرا کبوتر بھی اڑا کر کہا۔ "اس طرح اڑ گیا۔ اس کی یہ ادا شاہزادے کے دل میں کھب گئی تھی۔ انھوں نے اس بھولی بھالی ادا کو بھولنا چاہا مگر بھول نہ سکے۔ بلکہ جوں جوں انھوں نے بھولنے کی کوشش کی اس کی یاد اور تازہ ہوتی گئی۔

آج پہلا موقع تھا کہ مہرالنساء قصر شاہی میں آئی تھی۔ شاہزادہ اسے دیکھ کر خوش بھی ہوئے اور بے چین بھی۔ خوش اس لیے ہوئے کہ انھوں نے دوبارہ اسے دیکھا جس کی یاد میں اکثر راتوں کا زیادہ تر حصہ جاگتے گزرا تھا۔ بے چین اس لیے ہوئے کہ وہ آئی مگر اس سے باتیں کرنے کا موقع نہ

تھا۔ سب کے سامنے اس سے گفتگو کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ جب وہ اس پری رخسار کو دیکھتے تھے تو وہ فوراً آنکھیں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگتی تھی۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر انہوں نے گفتگو کی سلسلہ جنبانی کی بھی تو کہیں اسے برا نہ معلوم ہو اور وہ خفا نہ ہو جائے۔

اگرچہ وہ شاہزادے تھے ان کا رعب سب پر پڑتا تھا۔ وہ جس سے چاہتے بغیر حجاب و جھجک کے باتیں کر لیتے تھے کسی رعب میں نہ آتے تھے۔ مگر مہرالنساء سے ہمکلام ہونے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ مرعوب ہو جاتے تھے۔"

بیگم کچھ دیر بیٹھی رہی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ مہرالنساء نے گفتگو میں بہت کم حصہ لیا۔ وہ سیم تن سنگ مرمر کے بت کی طرح خاموش بیٹھی رہی کچھ وقفہ کے بعد بیگم نے عرض کی۔ اجازت ہو تو ملکہ مریم مکانی۔ (اکبر کی والدہ) کو بھی سلام کر آؤں۔

ملکہ۔ ضرور جاؤ۔ مہرالنساء کو بھی لے جاؤ۔ یقین ہے وہ بھی اس لڑکی کو دیکھ کر خوش ہوں گی لیکن ایک وعدہ کرتی جاؤ۔

بیگم۔ ارشاد فرمایئے

ملکہ۔ کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ گی۔

بیگم۔ میں اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

اب بیگم اٹھی ملکہ کو سلام کیا۔ مہرالنساء نے بھی اٹھ کر کورنش کی شاہزادہ سلیم اس کی اس ادا پر بھی مٹ گئے۔ ملکہ نے اسے دعا دی۔ ماں اور بیٹی دونوں سیدھے قدموں باہر آئیں اور وہاں سے مریم الزمانی کے کمرہ کی طرف چلیں چند کنیزیں ان کے ساتھ ہو لیں۔"

قصر شاہی میں کئی صحن تھے۔ ہر صحن میں کشادہ اور دل فریب باغیچے تھے متعدد دل کش عمارتیں تھیں بے شمار غلام گردشیں برآمدے اور کمرے تھے ہر برآمدہ اور ہر کمرہ نہایت ہی وسیع تھا۔ ہر دروازہ پر ریشمیں پردے پڑے ہوئے تھے۔ ہر کمرہ خوب سجا ہوا تھا۔ مہرالنساء نے ایسے دیدہ زیب صحن ایسے پر فضا باغیچے، ایسے نفیس کمرے اور کمروں کا ایسا نظر فریب سامان کہاں دیکھا تھا۔ وہ ان سب چیزوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا۔ صحن کی خوشنما گھاس پر دوڑے۔ باغیچوں کی صاف روشوں پر بھاگے پھرے آمدوں اور کمروں میں گھومے نرم نرم قالینوں پر رونارے۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ آداب قصر شاہی اس کی اس آرزو کی تکمیل میں حارج تھے۔

مہرالنساء نے کئی شاہزادیوں کو کنیزوں کی پلٹنوں کے ساتھ باغیچوں میں مصروف گل گشت دیکھا۔ اس کا جی بھی چاہا کہ ان کے ساتھ محو خرام ہو لیکن اس کی والدہ شاہزادیوں سے بچتی چلی جا رہی تھی۔ اس لیے اس کا موقع نہ مل سکا۔

یہ دونوں چند صحنوں۔ باغیچوں اور عمارتوں کو طے کر کے ایک فلک شکوہ عمارت کے قریب پہنچیں۔ بیگم نے کہا۔ اب دیکھو ہم ملکہ مریم مکانی (حمیدہ بانو بیگم اکبر کی والدہ) کے حضور میں باریاب ہونے والی ہیں۔ وہ بڑی دانشمند عورت ہیں ان کے سامنے کوئی طفلانہ حرکت نہ کر بیٹھنا۔

مہرالنساء اطمینان رکھیے میں کوئی نامناسب حرکت نہ کروں گی۔

دونوں عمارت میں داخل ہوئیں۔ یہاں بھی بہت سی کنیزیں کھڑی ہوئی تھیں جو کنیزیں جو دھابائی کے پاس سے ان دونوں کے ساتھ آئی تھیں وہ یہاں سے رخصت ہو گئیں۔ ملکہ مریم مکانی کی کنیزیں ان کے ساتھ چلیں۔ یہ

دونوں ایک نہایت کشادہ کمرہ میں پہنچائی گئیں۔ وہاں حمیدہ بانو بیگم نہایت شان سے زرنگار مسند پر ایک بڑے تکیے سے سہارا لگائے بیٹھی تھیں۔

اگرچہ حمیدہ بانو بیگم کبیرسن ہوگئیں تھیں۔ لیکن اب وہ اچھی خاصی شکیل معلوم ہوتی تھیں۔ ان کی صحت اچھی تھی۔ بیگم نے انھیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ بیگم کے بعد مہرالنساء نے اپنے مخصوص انداز سے سلام کیا۔ حمیدہ بانو بیگم نے اسے دعا دی۔ اس عفیفہ کے دل پر بھی مہرالنساء کی خوبصورتی اور سلیقگی نے بڑا اثر کیا۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے بیگم سے پوچھا۔" یہ کس کی لڑکی ہے۔؟

بیگم نے عرض کی "حضور کی کنیز زادی ہے۔"

حمیدہ بانو بیگم۔کیوں نہ ہو۔ ایرانی نسل ہے۔ تہذیب و شائستگی خوبصورتی اور دلربائی ورثہ میں پائی ہے۔ کیا نام ہے۔ اس کا۔

بیگم۔ اس کا نام مہرالنساء ہے۔

حمیدہ بانو بیگم۔ خوب نام ہے۔ پیاری بچی ہمارے پاس آکر بیٹھو۔

مہرالنساء شرماتی ہوئی نہایت شائستگی سے بڑھ کران کے پاس جا بیٹھی

حمیدہ بانو بیگم نے کہا۔" مہرالنساء! شرماؤ نہیں اگرچہ تم پہلی مرتبہ آئی ہو مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں تم سے عرصہ سے واقف ہوں۔ تم پہلے سے یہاں کیوں نہ آئی تھیں۔

مہرالنساء۔ امی جان نہ لاتی تھیں۔"

حمیدہ بانو بیگم۔ کیوں کیا یہاں پردہ کا معقول انتظام نہیں ہے۔

بیگم نے عرض کی۔" ملکہ جہاں! یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ میں اسے یہاں لانے کے قابل نہ سمجھتی تھی۔"

حمیدہ بانو بیگم نے ہنس کر کہا: کیوں۔ کیا یہ کالی ہے۔ بدشکل ہے بدسلیقہ ہے۔ آخر کس وجہ سے تم متامل رہتی تھیں۔

شاہی محلات میں کوئی بھونڈی شکل کی عورت داخل ہونے پاتی تھی۔ کنیزیں بھی شکیل و حسین تلاش کر کے رکھی جاتی تھیں۔ بیگم نے کہا۔ چونکہ یہ آداب شاہی سے واقف نہیں۔ شاہی معاشرت و تمدن کو نہیں جانتی اس لیے مجھے اسے یہاں لانے میں تامل رہتا تھا۔

حمیدہ بانو بیگم۔ خوب بات کہی۔ یہ تم نے اسکی سلیقہ شعاری دیکھ کر ... کہنے میں باک نہیں ہے کہ شاہزادیوں سے زیادہ خوش سلیقہ ہے۔

بیگم۔ یہ حضور کی ذرہ نوازی ہے۔"

حمیدہ بانو بیگم نے مہرالنساء سے مخاطب ہو کر کہا "پیاری بچی ہم اس وقت زیادہ زیور پہنے ہوئے نہیں ہیں۔ لیکن جو کچھ بھی پہنے ہیں ان میں سے جو چیز پسند ہو مانگو۔

مہرالنساء۔ حضور کا زیور حضور کو مبارک رہے۔ میں تو حضور کی مہربانی کی امیدوار ہوں۔

حمیدہ بانو بیگم۔ پیاری بچی۔ تم پہلی مرتبہ ہمارے حضور میں آئی ہو ہمارا یہ آئین ہے کہ جو ہم سے ملنے آتا ہے ہم اسے ضرور کچھ دیتے ہیں۔ بو... کیا چاہتی ہو ــــ مانگو ...... شرماؤ نہیں۔ ہم اپنی رعایا کی ماں ہیں تمہاری بھی ماں ہیں۔ جو چاہے ہم سے طلب کرو۔ بے جھجک مانگو۔ اور... تم شرما رہی ہو ــــ شرمائے جا رہی ہو۔ تم کچھ نہ مانگو گی اچھا تو ہم خود ...

ایک چھوٹی سی خوشنما مخملی صندوقچہ لے آئی۔ حمیدہ بانو بیگم نے اسے کھول اور ایک نہایت خوشنما جواہرات کا "پچلڑا" نکالا۔ اس کی آب وتاب سے کمرہ جگمگانے لگا۔ وہ نہایت بیش قیمت تھا۔ مریم مکانی نے وہ پچلڑا مہر النساء کے گلے میں ڈال دیا۔ اسے پہن کر اس کا چہرہ اور بھی چمکنے لگا۔ مہر النساء نے بڑے ادب سے سلام کیا۔

ابھی وہ سلام کر کے بیٹھی بھی نہ تھی کہ شاہزادہ سلیم آ گئے۔ انہوں نے دادی جان کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ دادی نے کہا "او ہو۔ شیخو جی بھی آ گئے۔ آؤ بیٹھو۔ بیٹا۔"

چونکہ شاہزادہ سلیم حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کی دعا کی برکت سے پیدا ہوئے تھے اس لیے دادی اور باپ یعنی حمیدہ بانو بیگم اور اکبر پیار سے انھیں شیخو جی کہا کرتے تھے۔ وہ دادی کی دوسری طرف مہر النساء کے بالمقابل بیٹھ گئے۔ اس وقت انھیں مہر النساء اور بھی خوبصورت معلوم ہوئی۔ وہ اس گلعذار کے پھول سے رخساروں کو دیکھنے لگے۔ مہر النساء بھی کن انکھیوں سے کبھی کبھی انھیں دیکھ لیتی تھی۔

بیگم کچھ دیر بیٹھ کر اجازت لے کر اٹھی۔ حمیدہ بانو بیگم نے اس سے اقرار لے لیا کہ آئندہ جب وہ آئے گی تو مہر النساء کو بھی ساتھ لائے گی۔ بیگم اور مہر النساء وہاں سے چل کر ملکہ جودھابائی کے پاس آئیں۔

دونوں نے ملکہ کے ساتھ کھانا کھایا اور دوپہر کے بعد اپنے گھر لوٹ آئیں

چوبیسواں باب (۲۴)

لہو و لعب

مہرالنساء تعلیمیافتہ تھی۔ شائستہ تھی۔ نہایت ادب سے گفتگو کرتی ا
سے بڑے سلیقہ سے پیش آتی۔ ان باتوں پر طرہ یہ کہ خوبصورت تھی۔ ہن
تھی جو ایک دفعہ اسے دیکھ لیتا یا اس سے باتیں کر لیتا اس کا گرویدہ ہ
اس کے پاس سے الگ ہونے کو جی نہ چاہتا۔

اب وہ اپنی والدہ کے ساتھ شاہی محل میں آنے جانے لگی تھی۔ شاہی بیگ
سے۔ شاہزادیوں سے ملکہ سے غرض سب ہی سے گھلا ملا ہو گئی تھی۔ ہر خاتون
ہر لڑکی کو اس سے بڑی محبت ہو گئی تھی۔ جب وہ محلات میں جاتی تو شاہز
اس کے گرد ہو جاتیں۔ اسے اس کی ماں سے الگ کر کے اپنے ساتھ لے جا
برآمدوں میں اور کمروں میں چھپتی اور ایک دوسری کو پکڑتی پھرتیں۔ حمید
ہرنیوں کی طرح کلیلیں کرتی ہوئی دوڑتی تھیں۔

مہرالنساء حسین ہونے کے باوجود نازک اندام اور بالکل دھان پا
۔ بلکہ بڑی چست و چالاک تھی۔ دوڑ میں سب سے آگے نکل جاتی۔ چھیڑ چ
شاہزادیوں پر حاوی آ جاتی۔ اس کے چہرے کی جلد نازک تھی۔ نرم تھی۔
کسی قدر سفید مائل گندم گوں تھی۔ جس میں شہابی رنگ کی ایسی جھلک تھی
ہلکے رنگ کے گلابی پھولوں میں پتیوں میں ہوتی ہے۔ پیشانی کشا

اونچی تھی۔ آنکھیں بادام کے مثل اور بڑی بڑی تھیں جن میں تیز چمک تھی۔ سچ پوچھو تو دونوں آنکھیں حسن کی دو کھڑکیاں معلوم ہوتی تھیں۔ ابرو سیاہ اور گھنے تھے۔ پلکیں مژگاں کی انیاں معلوم ہوتی تھیں ناک نہایت ہی موزوں تھی۔ لب بالکل کمان کی طرح تھے۔ دانت نہایت ہموار چھوٹے چھوٹے اور سچے موتیوں کی طرح سفید تھے وہ پان نہ کھاتی تھی۔ اس کے لب قدرتی سرخ رہتے تھے۔

ہندوستان میں ہندو پہلے ہی سے پان کھاتے تھے۔ مسلمان نے ہندوستان میں آکر ہندوں کے ساتھ رہنے پر بھی پان نہ کھانے کرتے تھے۔ لیکن اکبر کے زمانہ سے مسلمانوں میں بھی پان کھانے میں رواج ہوگیا۔ اس موجودہ زمانہ میں تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ کوئی قوم بھی پان نہیں کھاتی۔ بچے، جوان، بوڑھے۔ تعلیمیافتہ۔ غیر تعلیمیافتہ۔ ملا۔ مولوی۔ غرض سب پان کھاتے ہیں اور خوب کھاتے ہیں۔ ہر گھر میں اس کا خرچ بہت کافی ہے۔ اندازہ لگایا ہے کہ غریبوں کے بارہ روپیہ سے لے کر پچاس روپیہ تک اوسط درجوں کے پچاس روپے سے لے کر دو سو روپے تک اور امیروں کے دو سو روپوں سے لے کر پانچ سو روپے سالانہ تک خرچ ہوتے ہیں۔ اگر کسی کے یہاں کوئی تقریب ہوگئی تو خرچ دوگنے سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی مردم شماری تقریباً دس کروڑ ہے۔ اگر اس میں سے چوتھائی لوگ بھی پان کھاتے ہیں تو کم از کم ایک کروڑ روپیہ اس بیکار چیز میں صرف کر دیتے ہیں۔

کہتے ہیں مسلمان مفلس ہیں۔ مفلس قوم ایک کروڑ روپیہ سالانا بیکار ضائع کر دیتی ہے۔ اگر یہ روپیہ کسی مفید کام میں لگایا جائے اور اس سرمایہ سے کارخانے کھول دیئے جائیں تو چند ہی روز میں مسلمانوں کا افلاس دور ہو

جائے گی۔ مسلمان بھی مالدار قوم بن جائے۔ ایک۔ اس ذرا سے ایثار سے کہ پان
کھانے والے پان کھانا چھوڑ دیں۔ اور جس قدر صرف وہ پان میں کرتے ہیں
کسی قومی ادارہ کو دینے لگیں تو قوم سنبھل جائے قوم کے بزرگوں کو اس طرف
توجہ کرنی چاہیئے۔

غرض مہر النساء پان نہ کھاتی تھی۔ لیکن اس کے ہونٹ سرخ رہتے
جب وہ شاہی محلات میں جاتی تو شاہزادہ سلیم تاک میں رہتے تھے مہر النساء
کے ساتھ ساتھ جہاں وہ جاتی جاتے۔ ملکہ یعنی ماں کے سلام کو جاتی تو وہ
بھی پہنچ جاتے۔ دادی کے پاس پہنچتی تو وہ بھی جا موجود ہوتے۔ اس سے ہم
ہونے کی کوشش کرتے۔ باتیں کرنے کے بہانے ڈھونڈھتے۔ لیکن مہر النساء
جہاں شاہزادے ہوتے وہاں سے ٹل جاتی شرما کر دوسرے کمرے میں بھاگ جا
شاہزادہ کو باتیں کرنے کا موقع نہ دیتی۔ حالانکہ خود مہر النساء کا دل شا
سے باتیں کرنے کو چاہتا تھا۔ لیکن شرم تھی یا اور کوئی بات وہ ہمکلا
کا موقع نہ دیتی تھی۔

سلیم بڑے بڑے منصوبے گانٹھتے۔ شکایتوں اور الزاموں کے دفتر
کے دفتر تیار کرتے۔ چاہتے کہ مہر النساء کے منہ پر سب کچھ رکھ دیں۔ لیکن
کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔

برسات شروع ہو گئی تھی۔ اساڑھ کا مہینہ ختم ہو کر ساون لگ گیا
شاہی باغیچوں کے اونچے اونچے درختوں میں ریشم کے مضبوط جھولے پڑ
تھے۔ بیگمات اور شاہزادیاں جھولتی تھیں۔ بہار در بارہ ماسے گاتے
ننھی ننھی پھوار پڑتی رہتی تھی۔ اور وہ جھولتی رہتی تھیں۔"

شاہی بیگمات کی دیکھا دیکھی تمام امراء کی بیگموں اور ان کی حرم

تمام مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کی طرح گھر گھر جھولے ڈال لیے تھے۔ تیجوں کا تہوار قریب آرہا تھا۔ ملکہ جودھا بائی اور وہ تمام راجپوت رانیاں جو قصر میں تھیں اس تہوار کو منانے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ ان کی خوشنودی کے لیے مسلمان بیگمیں بھی تیاری میں مصروف تھیں۔ آخر یہ تہوار آ ہی گیا۔ ملکہ نے بہت سے ہندو مسلمان امراء کی بیگموں اور لڑکیوں کو مدعو کیا۔ بیگم اور مہر النساء کو بھی بلایا تیجو کے دن صبح ہی سے عورتوں کی آمد شروع ہو گئی۔ بیگم اور مہر النساء بھی دوپہر کا کھانا کھا کر پہنچیں اودی اودی گھٹا گھری کھڑی تھی۔ پروا ہوا ایک بہا تھی۔ ہلکے بادلوں کے دل دوش ہوا پر سوار اڑے چلے جا رہے تھے سبزہ زار لہرا رہا تھا۔ شاخیں لچک رہی تھیں۔ پودے جھوم رہے تھے۔ پھول جھول رہے تھے۔"

عورتیں اور لڑکیاں گروہ در گروہ باغیچوں میں بکھری پڑی تھیں جھولوں میں پھولوں کے گجرے لپٹے ہوئے تھے۔ شوخ طرار لڑکیاں جھول رہی تھیں۔ کہیں جھولا جھولا رہی تھیں۔ کہیں جگ گڑا علیاں پڑھتی ہوئی تھیں۔ کہیں مٹھائیاں بن رہی تھیں کہیں پوریاں اور کچوریاں تلی جا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر میں شہنشاہ اکبر ملکہ جودھا بائی اور دوسری راجپوت عورتوں کے ساتھ وہاں آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ بعض نوجوان لڑکیاں جھول رہی ہیں۔ بعض ایک دوسری کا ہاتھ پکڑے باغیچہ کی خوشنما روشوں کی سیر کر رہی ہیں بعض سبز سبز گھاس پر ہرنیوں کی طرح دوڑ رہی ہیں۔ بعض سریلے قہقہے لگا رہی ہیں۔ بعض تبسم کے پھول بکھیر رہی ہیں۔ اکبر کو دیکھتے ہی سب دم بخود اور مودب کھڑی ہو گئیں۔ اکبر نے کہا۔ "اس وقت ادب و تعظیم کی ضرورت نہیں سب کھیلو کودو۔ دوڑو۔ ہنسو۔ بولو۔ جھولو۔ ہم بھی جھولتے ہیں۔"

چنانچہ ایک جھولے میں اکبر، ایک میں جودھا بائی بیٹھ گئیں۔ راجپوتنوں نے جھونکے دیئے اور گانا شروع کیا۔ اس وقت ہندوؤں کی تمام زبان برج بھاشا تھی۔ راجپوتنیاں بھاشا ہی میں بارہ ماسہ گا رہی تھیں۔ ان کی سریلی اور شیریں آواز نہایت بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ مالنیں چاندی کے چنگیر دانوں میں پھول لیے کھڑی تھیں۔ وہ اکبر اور جودھا بائی کے اوپر پھول برسا رہی تھیں۔

اس وقت بہت سی مسلمان بیگمیں اور ان کی لڑکیاں بھی اکبر کے پاس آ گئیں۔ ان میں مہرالنساء اور ان کی والدہ بھی تھیں۔ اکبر نے مہرالنساء کو دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کس کی بیٹی ہے۔"

جودھا بائی نے کہا ـــــ یہ مرزا غیاث بیگ طہرانی کی دختر ہے۔

اکبر۔ نہایت پیاری بچی ہے۔

مہرالنساء شرما گئی۔ اکبر نے جودھا بائی سے کہا۔ دیکھو خوبصورتی اسے کہتے ہیں۔"

جودھا بائی بھی نہایت خوبصورت تھی۔ وہ بے مثل ہندی حسینہ تھی اس نے کہا۔ ہاں یہ لڑکی نہایت مہ جبیں ہے۔"

اکبر نے مسکرا کر کہا۔ اب تم اپنے حسن پر غرور نہ کرنا۔

جودھا بائی نے سحر آفریں نگاہوں سے اکبر کو دیکھ کر کہا۔ میں نے کب غرور کیا ہے۔"

اس وقت ترشح شروع ہو گیا۔ ننھی ننھی بوندیں پڑنے لگیں۔ ہوا رک گئی گرمی بڑھ گئی۔ پھر بھی ایسی گرمی نہ تھی جس سے پسینے آنے لگیں۔ اودی گھٹا نے کالی رنگت اختیار کر لی۔ ہوا نے کالے بادلوں کو بھی اڑا دیا۔ اب بجلی

سی گہوارہ گئی۔ اب بھی سب جھولا جھول رہی تھیں۔ گا رہی تھیں۔ سریلے قہقہے لگا رہی تھیں۔ اسی وقت شاہزادہ سلیم بھی کہیں سے گھومتے گھامتے آ گئے شائد وہ مہرالنساء کی تلاش میں تھے۔ یہاں آتے ہی انہوں نے اول شہنشاہ اکبر کو اور پھر ملکہ جودھابائی کو سلام کیا۔ دونوں نے انھیں دعا دی۔ وہ قصداً ہٹ کر مہرالنساء کے پاس جا کھڑے ہوئے۔

اب بڑی بڑی بوندیں پڑنے لگیں۔ اکبر نے کہا۔ بارش آیا چاہتی ہے جلدی بارہ دری میں چلو۔

بوندیں اور بھی تیز ہو گئیں۔ سب بارہ دری کی طرف چلے بارہ دری۔۔۔ ۔۔۔ باغیچوں کے بیچ میں تھی۔ سفید سنگ مرمر کی عمارت تھی جس کے چاروں طرف بارہ بارہ بڑے محرابی در تھے۔

بارہ دری کی عمارت اچھی خاصی کشادہ اور شاندار تھی۔ سب سے پہلے شہنشاہ اکبر جودھابائی اور چند اور بیگمیں وہاں آ پہنچیں۔ ان کے بعد اور بیگمات ان کی لڑکیاں، شاہی خاندان کی عورتیں، اور شاہزادیاں آنے لگیں۔ مہرالنساء اور اس کی والدہ بھی آ گئیں۔ شاہزادہ سلیم بجائے بارہ دری کی طرف آنے کے اور آگے فوارہ کی طرف چلے گئے۔

اب اچھی خاصی بارش ہونے لگی۔ شاہزادہ بارہ دری کی طرف دوڑے بارہ دری کے سامنے چاروں طرف سنگ مرمر کا چبوترہ تھا۔ جب وہ چبوترہ پر چڑھے تو اکبر نے انھیں دیکھ لیا۔ انہوں نے کہا۔ دوڑو شیخو جی۔ دوڑو شاہزادہ سلیم نے قدم بڑھائے۔ وہ بھیگ گئے تھے۔ اکبر نے زور سے کہا جلدی خدا بھیگ جاؤ گے۔ بھاگ کر آؤ۔

شاہزادہ نے دوڑنا شروع کیا۔ سب عورتیں اور لڑکیاں ان کی طرف

دیکھ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کا پیر پھسل گیا۔ وہ لمبے لمبے چبوترہ پر لیٹ گئے۔ اکبر نے ہنس کر کہا۔ "واہ بھئی شیخو جی۔ یہ زمین کیوں ناپنے لگے۔ جلدی اٹھ کر جلدی دوڑ آؤ۔"

ان کے گرتے ہی سب نے قہقہہ لگایا۔ شاہزادہ اٹھ کر بھاگے اور بارہ دری میں پہنچ کر دم لیا۔ وہ گرنے سے خفیف سے ہو رہے تھے۔ انہوں نے سب عورتوں اور لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ وہ اب تک کھل کھل ہنس رہی تھیں۔ ان کی زبان مہرالنساء پر پڑی برخلاف اور لڑکیوں کے وہ خاموش تھی ــــ تبسم تک اس کے ہونٹوں پر نہ تھا۔ شاہزادہ سلیم نے آہستہ سے کہا "اللہ رے ظالم ترا ضبط واستقلال۔"

اکبر نے شاہزادہ سے کہا "بیٹا! تمھارے کپڑے بھیگ گئے ہیں ــ بدل آؤ۔"

سلیم کپڑے بدلنے چلے گئے۔"

پچیسواں باب (۲۵)

خوف رسوائی

دیر تک شاہزادہ سلیم کے گرنے پر سریلے قہقہے لگتے رہے۔ جودھا بائی اکبر اور سب ہی بیگمات اور لڑکیاں ہنستی رہیں ــ جودھا بائی نے کہا۔ "بڑا ہی بیدھا ہے ا... کچھ نہیں گرہی پڑا۔"

ایک بیگم نے کہا۔ "مگر یہ فوارہ کی طرف کیوں چلے گئے تھے۔"

ایک شوخ لڑکی نے کہا۔ "بھاگ کر گرنا بھی تھا"
اس پر ایک فرمائشی قہقہہ لگا۔ اکبر نے کہا، "مگر یہ کس نے کہا تھا کہ بالکل ہی لمبے لمبے لیٹ جائیں۔"

ایک طرارہ بولی۔ "زمین جو نا پنی ٹھیری۔"

دوسری شریر نے کہا۔ "نہیں جی۔ زمین کی گولی بھرنے لگے تھے۔"

ایک اور شوخ نے کہا۔ "بادلوں پر تو بس نہ چلا۔ زمین کو پھاڑنے چلے تھے۔"

غرض بلبلیں طرح طرح کے فقرے چست کرتی رہیں۔ ہر قہقہہ پر فرمائشی قہقہہ پڑتا تھا۔ لیکن مہرالنساء بالکل خاموش تھی۔ بارش اس زور سے آئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا جل تھل ایک ہو جائے گا۔ یا تھوڑی دیر میں بند بھی ہو گئی شہنشاہ اکبر وہاں سے چلے گئے۔ بیگمات اور لڑکیاں سب باغیچوں میں بکھر گئیں۔ جھولوں میں جا بیٹھیں اور جھولنے لگیں۔ کسی نے بھی یہ خیال نہ کیا کہ جوڑے بھیگ رہے ہیں گھاس تر ہو رہی ہے۔ لباس خراب ہو جائے گا۔

اب بیگمات الگ۔ لڑکیاں الگ اور شاہزادیاں الگ ہو گئیں۔ مہرالنساء کو شاہزادیاں گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے گئیں۔ متعدد جھولے پڑے تھے۔ ہر جھولے میں جھولنے والیاں اور جھولانے والیاں گا رہی تھیں۔ گانے کی ترنم ریز آواز زمین سے بادلوں تک چھائی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے زمین پر یہ پوشیں اور آسمان پر پریاں گا رہی ہیں۔ شاہزادیوں نے بھی اول اول مل کر گایا پھر ایک ایک گانے لگی۔ ان کی رسیلی آواز اور دلکش انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ فن موسیقی سے واقف ہیں۔

جب سب شاہزادیاں گا چکیں تب انہوں نے مہرالنساء سے گانے کی فرمائش

کی۔ اس نے کچھ عذر کیا۔ مگر وہ اس کے عذر کو کب ماننے والی تھیں۔ اس قدر اصرار کیا کہ وہ گانے پر مجبور ہو گئی۔ اس وقت وہ جھول رہی تھی۔ شاہزادیاں جھونکے دے رہی تھیں۔ وہ گا رہی تھی۔ اس کی شیریں اور سریلی آواز نغمہ ریز تھی۔ فضا سے نغمے کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ درخت ساکت ہو گئے تھے۔ پودے جھوم رہے تھے۔ شاہزادیاں محو ہو گئی تھیں۔ اتفاق سے ملکہ جودھا بائی بھی وہاں آ نکلیں۔ وہ بھی مہرالنساء کی پشت کی طرف کھڑی ہو گئیں۔ اس کا گانا سننے لگیں۔ شہزادہ سلیم بھی آ گئے۔ وہ پھولوں کے کنج میں چھپ کر گانا سننے لگے۔ مہرالنساء جس قدر خوش جمال تھی اسی قدر خوش آواز بھی تھی۔ اس کا گانا سننے والوں پر خود فراموشی طاری ہو گئی تھی۔ جب اس نے گانا ختم کیا تو شاہزادیوں نے واہ واہ کا شور مچا دیا۔ اسے بہت کچھ داد دی۔ اور پھر اس سے گانے کی فرمائش کی۔ مہرالنساء نے پھر گایا۔ پھر اس نے فضا کو مترنم کر دیا۔ سننے والے مست و بیخود ہو گئے۔ جب وہ خاموش ہوئی تو ملکہ جودھا بائی نے اس کے پاس آ کر کہا۔ ماشاء اللہ خوب گاتی ہو۔ بڑا نورانی گلا ہے۔ آواز میں رس ہے۔ مہرالنساء شرما کر جھولے پر سے اتر آئی۔ شاہزادہ سلیم وہاں سے کھسک گئے۔ کچھ دیر جھولا جھول کر شاہزادیاں باغیچہ میں ایک طرف چلی گئیں۔ وہاں جا کر وہ کھیلنے لگیں۔ کھیل یہ شروع کیا کہ ایک کو چور بناتیں اور سب چھپ جاتیں جو پکڑی جاتی وہ چور بنتی۔ ایک مرتبہ مہرالنساء بھی پکڑی گئی۔ وہ اپنی ہتھیلیوں سے آنکھیں بند کر کے کھڑی ہو گئی۔ شاہزادیاں چھپ گئیں۔ وہ انہیں ڈھونڈنے لگی۔ اس نے نواز سے کے چاروں طرف دیکھا۔ پھولوں کے کنج میں ڈھونڈا بڑے بڑے درختوں کے پیچھے جھانکا۔ مگر اسے کوئی بھی نہ ملی۔ وہ تلاش

کرتی ہوئی پھر رہی تھی کہ کسی نے پیچھے سے آ کر اس کے مُنے پاش حسین آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

اس نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کرنے والے کے ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "چھو لیا۔"

فوراً ہی آواز آئی۔ "غور نہ کرو۔"

مہرالنساء نے آواز پہچان لی۔ یہ آواز سلیم کی تھی۔ شاہزادہ نے اس کی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا لیے۔ مہرالنساء نے کہا۔ "آپ۔۔۔۔۔"

شاہزادہ۔ ہاں۔ میں ہوں۔

مہرالنساء۔ آپ کہاں سے آ گئے۔

شاہزادہ۔ لباس خانہ سے لباس بدل کر آیا ہوں۔

مہرالنساء۔ یہاں کیوں آئے۔

شاہزادہ۔ تمھیں ڈھونڈھنے۔

مہرالنساء۔ کیا میں کھو گئی تھی۔

شاہزادہ۔ ہاں ہاں تم کھو گئیں تھیں۔ تم مجھ سے بھاگتی تھیں۔ میں تمھیں ڈھونڈتا تھا۔ تم پا جاتی تھیں۔ مگر پھر کھوئی جاتی تھیں۔

مہرالنساء۔ نا میں کھوئی تھی۔ نہ کسی نے ڈھونڈا۔ نہ کسی کو ملی۔

شاہزادہ۔ بخدا میں تمھاری تلاش میں تھا۔

مہرالنساء نے میخانہ بہ چشم ہو کر شاہزادہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم کیوں میری تلاش میں تھے۔"

سلیم کو ایسا معلوم ہوا جیسے مہرالنساء نے اسے آنکھوں سے کئی خم کے پیالے دیے اور وہ بے ہوش سے ہو گئے۔ وہ اسے دیکھتے رہ گئے۔ جواب نہ دے سکے

مہرالنساء نے کہا۔ "غلط تھا نہ۔"

سلیم۔ بالکل سچ ہے۔

مہرالنساء۔ پھر جواب کیوں نہیں دیتے۔

سلیم۔ کیا جواب دوں۔

مہرالنساء۔ کوئی جواب ہو تو دو۔

سلیم جواب ہے لیکن ڈرتا ہوں

مہرالنساء۔ ڈرتے ہو۔ کس سے

سلیم۔ تم سے۔

مہرالنساء نے مسکرا کر کہا۔ "مجھ سے ڈرتے ہو۔"

سلیم۔ ہاں۔

مہرالنساء۔ کیوں ڈرتے ہو۔

سلیم۔ کہیں تم خفا نہ ہو جاؤ۔

مہرالنساء۔ خوب۔

وہ چلنے لگی۔ شاہزادہ نے روک کر کہا۔ "ذرا ٹھہرو۔"

مہرالنساء۔ میں شاہزادیوں کو تلاش کر رہی ہوں۔

سلیم۔ میں ڈھونڈھ دوں گا۔

مہرالنساء۔ میں ڈھونڈ لوں گی۔

سلیم۔ تم اس قدر بے مہر کیوں ہو۔

مہرالنساء۔ مگر میرا نام تو مہرالنساء ہے۔"

سلیم جانتا ہوں۔ آخر مجھ سے اس قدر اجتناب کیوں ہے۔

مہرالنساء۔ دیکھو کوئی شاہزادہ اس طرف نہ آ نکلے۔

سلیم۔ آنے دو۔"

مہرالنساء۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں بدنام ہو جاؤں۔

سلیم۔ اور کوئی لڑکی مجھ سے باتیں کرنے پر بدنام کیوں نہیں ہو جاتی۔

مہرالنساء۔ آپ تو بحث کرنے لگے۔

سلیم۔ کاش مجھے اتنا حق ہوتا۔

اس وقت شاہزادیوں کے ہنسنے کی آواز آئی۔ مہرالنساء گھبرا گئی۔ وہ بھاگنے کے قصد سے مڑی۔ سلیم سمجھ گئے۔ انہوں نے لپک کر اس کے دونوں نازک ہاتھ پکڑ لیے۔ مہرالنساء نے گھبرائی ہوئی آواز سے کہا۔ "چھوڑ دیجئے۔ دیکھیے شاہزادیاں اسطرف آرہی ہیں۔"

سلیم آنے دو۔

مہرالنساء۔ نہیں۔ نہیں۔ میں بدنام ہو جاؤں گی۔ چھوڑ دیجئے مجھے چھوڑ دیجئے۔"

سلیم۔ تم اس قدر کیوں ڈرتی ہو۔"

مہرالنساء۔ اگر امی جان کو خبر ہو گئی تو وہ بہت خفا ہوں گی۔ پھر ہرگز یہاں نہ لائیں گی۔

سلیم۔ اچھا۔ میں چھوڑ دوں گا۔ لیکن تم ایک اقرار کر لو۔

مہرالنساء۔ کیا۔؟

سلیم۔ تم مجھ سے بے رخی نہ کرو گی۔

مہرالنساء۔ اچھا۔

سلیم۔ وعدہ کرتی ہو۔

مہرالنساء۔ ہاں۔

سلیم نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ وہ وہاں سے طرارہ بھرا بھاگی فوارہ کے پاس جا کر دم لیا۔ یہاں اس نے کئی شاہزادیوں کو چھپے ہوئے دیکھا اس نے دھوکا دے کر ایک شاہزادی کو چھو لیا۔ تھوڑی دیر میں یہ کھیل بھی بند کر دیا گیا۔ اب بارہ دری میں دستر خوان بچھ گیا۔ ہندو اور مسلمان خواتین پاس بیٹھ گئیں۔ دسیوں کنیزیں قرینے سے کھڑی ہو کر مگس رانی کرنے لگیں کچھ خادمائوں نے کھانا چنا — سب کھانے لگیں — دن چھپے کے قریب بیگمات رخصت ہونے لگیں۔ مہرالنساء کی والدہ بھی جودھابائی کے پاس اجازت لینے کے لیئے گئی۔ مہرالنساء بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہاں سلیم بھی موجود تھے۔ جودھا بائی نے مہرالنساء کو پیار کر کے کہا — بڑی خوبیوں کی لڑکی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اجازت دے دی — بیگم مع مہرالنساء کے اپنے گھر واپس لوٹ آئی۔

چھبیسواں باب (۲۶)

گل و بلبل

مہرالنساء اب جوان ہو گئی تھی۔ اس میں بھولا پن شوخی، سنجیدگی، متانت سب ہی کچھ تھا۔ تہذیب و شائستگی ایسی تھی کہ شاہزادیاں رشک کیا کرتی تھیں گفتگو میں ایسی مٹھاس تھی کہ جس سے ایک دفعہ باتیں کر لیتی اپنا بنا لیتی۔ اب بیگم کے لیئے یہ ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ تنہا شاہی محلات میں جائے۔ اگر کبھی وہ اکیلی بھی چلی جاتی تو شاہی بیگمات۔ شاہزادیاں ملکہ اور حمیدہ بیگم تقاضا کرتیں کہ

مہرالنساء کو ضرور ساتھ لانا۔ مجبور ہو کر وہ اگلی دفعہ بے جاتی۔ لیکن جب وہ جاتی شہزادہ سلیم اس کے پاس پہنچ جاتے۔ گویا وہ تاک میں رہتے تھے۔ مہرجہاں وہ جاتی۔ وہیں وہ بھی جاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ بالکل اس طرح پھرتے جس طرح شمع کے ساتھ پروانے

شروع شروع میں تو کسی نے ان کی اس گرویدگی کا خیال نہ کیا۔ لیکن رفتہ رفتہ کھٹک پیدا ہونے لگی۔ سب سے پہلے اس بات کا احساس شاہزادہ سلیم کی بیوی کو ہوا

شاہزادہ سلیم کی شادی جودھابائی نے اپنی بھتیجی یعنی راجہ بھگونت سنگھ پسر راجہ بہارامل کچھواہیہ کی بیٹی سے جو راجہ مان سنگھ کی بہن تھی۔ کی تھی اور اس لڑکی کو سلطانہ بیگم کا خطاب ملا تھا۔

سلطانہ بیگم بھی اپنی پھوپھی جودھابائی کی شکل نہایت حسین و جمیل تھی لیکن اس میں شاہزادیوں جیسی تہذیب و شائستگی نہ تھی۔ راجپوتی اکھڑپن موجود تھا۔ اسی وجہ سے سلیم کی اس سے اچھی طرح نہ بنتی تھی

سلطانہ بیگم میں رشک کا مادہ بھی بہت زیادہ تھا۔ وہ سلیم کو چاہنے لگی تھی چاہتی تھی کہ سلیم بھی محبت کا جواب محبت سے دے۔ سلیم کو بھی اس سے محبت تھی۔ لیکن اس قدر نہیں جس کی سلطانہ بیگم متمنی تھی۔ اس سے سلطانہ بیگم میں رشک بڑھ گیا تھا۔ چنانچہ جب سلیم کسی لڑکی سے باتیں کرتے یا ہنستے بولتے تو اسے رنج ہوتا۔ وہ سلیم سے اس کی شکایت کرتی۔ سلیم اس کا

لہ بہت تلاش کیا۔ لیکن اس راج کماری کا اصلی نام کسی تاریخ میں نظر دل سے نہیں گزرا۔ (صادق صدیقی - سردھنوی۔)

شک دور کرکے اسے اطمینان دلا دیتے۔"

اور جب کہ سلیم نے مہر النساء کو اپنا منظور نظر بنالیا اور ان کی نگاہوں سے محبت چھلکنے لگی تو سلطانہ کو رشک ہوا لیکن خود سلطانہ بیگم کو مہر النساء کو بھی اس سے انسیت ہو گئی تھی۔ اس لیے سلطانہ بیگم نہ سلیم سے کچھ کہہ سکتی تھی نہ مہر النساء کو ٹوک سکتی تھی۔ دل ہی دل میں کڑھتی رہتی تھی۔

آخر جب شاہزادہ سلیم کی گرویدگی زیادہ بڑھ گئی تو اس سے ضبط نہ ہوسکا ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ جب مہر النساء آئی تو شاہزادہ نے اسے ایسی محبت پاش نگاہوں سے دیکھا کہ وہ شرما کر وہاں سے چلی گئی۔ سلطانہ بیگم نے دیکھ لیا اسے بہت رشک ہوا اس پر یہ اور غضب ہوا کہ شاہزادہ مہر النساء کے پیچھے چل پڑا۔ انہوں نے سلطانہ بیگم کو نہیں دیکھا۔ سلطانہ بیگم ان کے پیچھے چل پڑی۔"

مہر النساء کو بھی معلوم نہ تھا کہ سلیم ان کے پیچھے چلے آرہے ہیں۔ وہ سلطانہ بیگم سے ملنے کے لیے ان کے قصر کی طرف چل پڑی راستہ میں ایک دلکشا باغیچہ تھا۔ وہ باغیچوں میں پہنچ کر پھولوں کی کیاریوں کو دیکھنے لگی۔ اسی وقت شاہزادہ سلیم وہاں آگئے۔ مہر النساء نے انھیں دیکھ لیا اس نے تیزی سے جھپٹ کر وہاں سے نکل جانا چاہا۔ سلیم سمجھ گئے۔ انہوں نے لپک کر مہر النساء کا آنچل پکڑ لیا اس سے اس کا دوپٹہ سر سے ڈھلک گیا۔ اس نے شاہزادہ کیطرف پلٹ کر مصنوعی غضب ناک نگاہوں سے دیکھ کر غصے کے لہجے میں کہا۔ "آپ نے یہ کیا کیا۔؟

سلیم نے ڈر کر فوراً آنچل چھوڑ دیا۔ مہر النساء نے دوپٹہ اوڑھتے ہوئے کہا یہ دوسرا موقع ہے کہ آپ نے مجھے ستایا۔

سلیم نے محبت بھری نگاہوں سے اس تولہرد کو دیکھتے ہوئے بڑی مسکینیت سے کہا۔ "معاف کردو۔"

مہرالنساء۔ آپ کیوں مجھے بدنام کرنا چاہتے ہیں۔

سلیم۔ بخدا میں بدنام نہیں کرنا چاہتا۔

مہرالنساء۔ پھر میرے پیچھے کیوں لگے پھرتے ہو۔

سلیم۔ دل سے مجبور ہوں۔

مہرالنساء۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔؟

سلیم۔ میں خود بھی نہیں جانتا کہ کیا چاہتا ہوں۔

مہرالنساء۔ عجیب بات ہے یہ تو۔

سلیم۔ بالکل سچ۔ ایک بات ضرور چاہتا ہوں۔

مہرالنساء۔ کیا۔

سلیم۔ ہر وقت تمھیں دیکھتا رہوں۔ تمھیں اس میں یقین ہے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

مہرالنساء۔ یہی بات تو آپ کی اور میری دونوں کی بدنامی کا سبب بن جائے گی۔

سلیم۔ لیکن ہم بدنامی سے ڈریں کیوں۔

مہرالنساء۔ بدنامی سے بری شہرت ہو جاتی ہے۔

سلیم۔ بری ہو یا اچھی۔ لیکن شہرت تو ہو جاتی ہے۔

مہرالنساء۔ اچھی شہرت شہرت ہوتی ہے۔ بری شہرت بدنامی کہلاتی ہے۔"

سلیم۔ اگر تم مجھے دیکھ کر نہ بھاگو تو کچھ بھی نہ ہو۔

مہرالنساء۔ اگر آپ میری طرف نہ دیکھیں تو میں ہرگز نہ بھاگوں۔

سلیم۔ یہ ناممکن ہے کہ میں تمھیں نہ دیکھوں۔ اب تم کہاں جا رہی ہو

مہرالنساء۔ سلطانہ بیگم کے پاس۔

سلیم۔ کیوں۔؟

مہرالنساء۔ ان سے آپ کی شکایت کرنے۔

سلیم۔ سلطانہ بیگم سے کچھ نہ کہیے گا۔ وہ گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا۔ تم وہاں نہ جاؤ۔

مہرالنساء۔ کیوں۔

سلیم۔ وہ تمھیں بدنام کر دیں گی۔

مہرالنساء۔ کرنے دو۔

سلیم۔ اچھا۔ اب میں تمھاری طرف نہ دیکھوں گا۔

مہرالنساء۔ اقرار کرتے ہو۔

سلیم۔ کیسے اقرار کر لوں۔

مہرالنساء۔ نہ کرو۔ جب سلطانہ بیگم فہمائش کریں گی۔ تب مانو گے۔

سلیم۔ وہ مجھے فہمائش نہیں کر سکتیں۔

مہرالنساء۔ اور کون کر سکتا ہے۔

سلیم۔ کوئی بھی نہیں۔

مہرالنساء۔ کیا ملکہ مریم الزمانی بھی نہیں۔

سلیم۔ تم ان سے کچھ نہیں کہہ سکتیں۔

مہرالنساء۔ کیوں۔

سلیم۔ میں نہیں جانتا۔ لیکن میرا دل کہتا ہے۔

مہرالنساء۔ تمہارا دل تمہیں دھوکا دے رہا ہے۔

سلیم۔ لیکن تم ایسا کر رہی کیوں۔؟

مہرالنساء۔ اس لیے کہ مجھے ایسا کرنا ہی چاہیئے۔

سلیم۔ تم بڑی سنگدل ہو مہرالنساء۔

مہرالنساء۔ اگر آپ لڑکی ہوتے ....

سلیم تو ہوتا کیا۔

مہرالنساء۔ تو آپ جانتے ہیں کہ ایسی باتوں سے لڑکی کس قدر ڈرا کرتی ہے

سلیم۔ مگر میں لڑکا ہوں اور نہیں ڈرتا۔

یہ فقرہ سن کر مہرالنساء کی متانت و سنجیدگی رخصت ہو گئی۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ سلیم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا —— " تم ہنسی کیوں —

مہرالنساء۔ آپ لڑکے ہیں نہ۔

سلیم۔ اور کیا بڈھا ہوں۔

مہرالنساء۔ لیکن لڑکی تو نہیں۔

سلیم۔ نہیں۔

مہرالنساء۔ اسی لیے تم نہیں جانتے کہ لڑکی کیوں ڈرتی ہے۔

سلیم۔ مہرالنساء۔ یاد ہے تم نے ایک وعدہ کیا تھا۔

مہرالنساء۔ کیا۔

سلیم۔ بے رخی نہ کرنے کا۔

مہرالنساء۔ یاد ہے۔

سلیم۔ پھر یہ بے رخی کیوں ہے۔

مہرالنساء۔ اسے بے رخی نہیں کہتے۔

سلیم۔ اور کیا کہتے ہیں۔ کیا مہر و کرم۔

مہرالنساء۔ آپ مجھ سے رحم و کرم کے متمنی ہیں۔

سلیم۔ ہاں۔

مہرالنساء۔ آپ شاہزادہ ہیں۔ مہر و کرم تو آپ کو کرنا چاہیئے۔

سلیم۔ جو مجھ سے طلب مہر کرتے ہیں۔ میں ان پر مہربانی کرتا ہوں

مہرالنساء۔ تو مجھ پر ایک مہربانی کیجئے۔

سلیم۔ کیا۔

مہرالنساء۔ مجھے ستایا نہ کیجئے۔

سلیم۔ ظالم یہ شکایت تو مجھے تم سے ہے۔

مہرالنساء۔ دیکھئے آپ دیر سے یہاں کھڑے ہیں۔

سلیم۔ تم بھی تو کھڑی ہو۔

مہرالنساء۔ کیا ہم دونوں کے لیے یہ مناسب ہے۔

سلیم۔ نامناسب بھی کیا ہے۔

مہرالنساء۔ اگر کوئی دیکھ لے۔

سلیم۔ پروا نہیں۔ دیکھ لینے دو۔

مہرالنساء۔ اچھا۔ اب تو مجھے اجازت دیجئے یا آپ چلے جائیے

سلیم۔ یہی تو بے رخی ہے۔

مہرالنساء نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ " اور وہ دیکھئے آرہی ہیں۔

سلیم نے گھبرا کر دیکھا۔ واقعی ملکہ مریم زمانی کچھ فاصلے پر سامنے چلی جا رہی تھیں۔ کنیزوں کی فوج ان کے ساتھ تھی۔ سلیم اونچے پودوں کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ مہرالنسا، وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ جب سلیم نے اسے بھاگتے دیکھا تو وہ بھی کمینگاہ سے نکلے اور انھوں نے اس کے پیچھے دوڑنے کا ارادہ کیا ابھی ایک قدم ہی نہ چلے تھے کہ کسی نے کہا۔ ٹھہریئے۔ وہ ٹھہر کر اس طرف دیکھنے لگے جس طرف سے آواز آئی تھی

ستائیسواں باب ۲۷

شکایت

آواز سن کر شاہزادہ سلیم گھبرا گیے۔ ابھی ابھی وہ مہرالنسا کو بے خوفی کی تلقین کر رہے تھے۔ مگر اس وقت خود ان پر خوف مسلط ہو گیا تھا۔ ڈر یہ تھا کہ کہیں کسی نے ان کی باتیں تو نہیں سن لیں —— یہی ڈر مہرالنسا کو بھی تھا۔ لیکن شاہزادہ نے اس کے ڈر کی تو پرواہ نہیں کی۔ اپنے لئے البتہ فکر ہو گیا۔

وہ جم کر کھڑے ہو گئے۔ تب دلہن کے پودوں کے پیچھے سے سلطانہ بیگم نکل کر ان کی طرف بڑھیں۔ سلیم پر کچھ ہراس طاری ہوا۔ لیکن کچھ سوچ کر وہ سنبھل گئے۔ سلطانہ نے ان کے پاس جا کر پوچھا "یہ کیا ہو رہا تھا۔"

شاہزادہ نے جواب دینے کے بجائے خود سوال کیا —— "تم نے کیا دیکھا۔"

سلطانہ بیگم۔ آپ کی بوقائی کا تماشہ دیکھا۔

سلیم۔ تم بہت جلد بدظن ہوجاتی ہو۔ سلطانہ بیگم۔

سلطانہ بیگم۔ کیا اپنی آنکھوں کا بھی اعتبار نہ کروں۔

سلیم۔ آنکھیں اکثر خیال کے ساتھ کام کیا کرتی ہیں۔

سلطانہ بیگم۔ نہیں بلکہ آنکھیں ہمیشہ وہی کہتی ہیں جو سامنے ہوتا ہے۔

سلیم۔ سامنے کیا ہوا۔؟

سلطانہ بیگم۔ کیا مجھے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔؟

سلیم۔ اگر اطمینان چاہو تو بیان کردو۔

سلطانہ بیگم۔ مہرالنسا آپ کے سامنے سے کیوں ٹلی تھی۔

سلیم۔ یہ اس کی عادت ہے۔

سلطانہ بیگم۔ کیا سچ کہہ رہے ہیں آپ۔؟

سلیم۔ آخر تم نے کیا دیکھا۔؟

سلطانہ بیگم۔ کیا عورت مرد کی تیز نگاہیں برداشت نہیں کرسکتی۔

سلیم نے مسکرا کر کہا۔ "تم نے کیا باتیں شروع کردیں۔ مرد کو یہ حق کب ہے کہ ہر عورت کی تیز نظروں سے دیکھے۔

سلطانہ بیگم۔ یہی تو میں پوچھتی ہوں کہ آپ نے اسے تیز نظروں سے کس حق سے دیکھا۔

سلیم۔ جانتی ہو۔ تیز نگاہیں غصّہ کی نظریں کہلاتی ہیں۔ اور اس کا مجھے حق نہ تھا۔"

سلطانہ بیگم۔ آپ آنکھوں میں خاک نہ جھونکیے۔ وہ تیز نگاہیں غصّہ کی نہ تھیں۔ بلکہ محبت کی تھیں۔"

سلیم۔ عورتوں کو ہر نظر محبت کی نظر معلوم ہوا کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت محبت کی آغوش میں جنم پاتی ہے۔ محبت کے خواب دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں محبت گھلی رہتی ہے۔ اسے محبت ہی محبت نظر آتی ہے۔

سلطانہ بیگم۔ مجھے باتوں میں نہ اڑائیے۔

سلیم۔ بخدا مجھے اڑانا نہیں آتا۔

سلطانہ بیگم۔ ٹھہر جائیے۔ آج فیصلہ کرنا ہوگا۔

سلیم۔ کس بات کا۔

سلطانہ بیگم۔ آپ اپنی یہ حرکتیں چھوڑ دیں گے۔

سلیم۔ تم مجھ پر الزام لگاتی ہو۔ کیا تمھارے لیے یہ مناسب ہے۔

سلطانہ بیگم۔ کاش یہ الزام ہی ہوتا۔

سلیم۔ خوب سمجھ لو جو تم کہتی ہو سے یح :-

وہ غلط ہے۔ جھوٹ ہے الزام ہے۔

سلطانہ بیگم۔ اگر الزام ہے تو آپ مہرالنساء کے پیچھے یہاں کیوں آئے۔ کیوں اسے روک کر باتیں کرنے لگے۔

سلیم۔ تم جانتی ہو وہ میرے ناظم بیوتات کی بیٹی ہے۔ مجھے اکثر اس سے کچھ نہ کچھ پوچھنا ہی ہوتا ہے۔

سلطانہ بیگم۔ جو کچھ پوچھنا ہو۔ ناظم سے پوچھیے۔ بیٹی سے کیا مطلب۔

سلیم نے پیچھا چھڑانے کے لیے کہا "ٹھیک کہتی ہو۔ آئندہ میں ناظم ہی سے پوچھا کروں گا۔ مہرالنساء کچھ ٹھیک جواب بھی نہیں دیتی ہے۔

سلطانہ بیگم۔ گویا آپ وعدہ کرتے ہیں کبھی مہرالنساء سے باتیں نہ کریں گے۔"

سلیم۔ یہ کیسے ممکن ہے۔۔ تم بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ کوئی مجھ سے باتیں کرنا چاہے میں کج خلقی برتوں۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔

سلطانہ بیگم۔ کیا آپ میری جان لینا چاہتے ہیں۔

سلیم۔ کیا میں تمھارا دشمن ہوں۔

سلطانہ بیگم۔ آپ دوستی کے پردے میں دشمنی کر رہے ہیں

سلیم۔ تب میرے لیے یہ راستہ اور تمھارے لیے وہ

سلیم نے اشارے سے راستہ بتایا اور چل دیئے۔

سلطانہ بیگم دیکھتی رہ گئی۔ اسے سخت ملال ہوا۔ عورت کو جب رنج ہوتا ہے تو طبیعت امنڈ آتی ہے۔ رونے کو جی چاہتا ہے۔ سلطانہ بیگم کا دل بھر آیا۔ وہ وہاں سے چل کر اپنے قصر میں پہنچی اور خوابگاہ میں جا کر مسہری پر پڑ گئی۔

آج کچھ اس کے نازک دل کو ایسا صدمہ پہنچا کہ تھوڑی ہی دیر میں اسے بخار ہو گیا۔ چہرہ تمتمانے لگا۔ آنکھیں جلنے لگیں۔ کنیزوں نے دیکھا۔ وہ گھبرا گئیں ان میں سے ایک نے ملکہ جودھا بائی کو جا کر اطلاع دی۔ جودھا بائی کو اپنی اس بھتیجی سے بڑی محبت تھی۔ وہ سنتے ہی دوڑ آئیں ۔۔۔ اس وقت سلطانہ بیگم رو رہی تھی۔ جودھا بائی نے اسے روتے دیکھ لیا۔ وہ بے چین ہو گئیں ۔۔۔ انہوں نے کہا۔۔۔ "ذرا طبیعت خراب ہو گئی تو رونے لگی۔ واہ واہ۔ کیا یہ راجپوت عورتوں کی شان ہے۔ ہم وہ ہیں جو ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی ہیں ۔۔۔ زندہ ستی ہو جاتی ہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ ابھی طبیبوں کو بلوایا جاتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں بخار جاتا رہے گا۔"

سلطانہ بیگم نے کچھ اس حسرت بھری نگاہوں سے اکبر کو دیکھا

کچھ کہنا چاہا لیکن شرم نے اجازت نہ دی۔ ایسے گھٹ کر بات نہ کر سکی۔

ملکہ جودھا بائی بہت سمجھدار تھیں۔ وہ سمجھ گئیں کہ بھتیجی کچھ کہنا چاہتی ہے۔ لیکن نہ کہہ سکی۔ انہوں نے کہا۔ تمہیں کیا تکلیف ہے۔ تم صاف صاف کہو۔

سلطانہ بیگم نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ کیسے کہوں۔

ملکہ۔ بے دھڑک کہو۔۔۔ شرماؤ نہیں۔ کیا شاہزادے سے لڑائی ہو گئی ہے؟

سلطانہ بیگم۔ میری لڑنے کی عادت نہیں ہے۔ البتہ آج انہوں نے مجھے روحانی اذیت پہونچائی ہے۔

ملکہ۔ اور اسی اذیت ہی کی وجہ سے تمہیں بخار ہو گیا ہے۔

سلطانہ بیگم۔ جی ہاں۔

ملکہ۔ میں ابھی بلا کر اس سے جواب طلب کرتی ہوں۔

سلطانہ بیگم۔ نہ بلایئے کہیں گے ماں سے میری شکایت کی۔

ملکہ۔ آخر بات کیا ہوئی۔؟

سلطانہ بیگم۔ سوچتی ہوں عرض کردوں یا نہیں

ملکہ۔ ضرور کہو۔ جس بات سے تمہیں اذیت پہنچی کہ بخار آ گیا۔ اسے ضرور بیان کرو۔

سلطانہ بیگم۔ لیکن وہ خفا ہو جائیں گے۔

ملکہ۔ ہم اسے وہ بات نہ بتائیں گے۔ البتہ اور طریقے پر تشفی کر دیں گے۔

سلطانہ بیگم۔ وہ مجھے ستاتے ہیں۔

ملکہ۔ ستانے کا طریقہ کیا ہے۔

سلطانہ بیگم۔ شرم زبان پکڑتی ہے۔

ملکہ ۔ شرم کرتی رہو گی تو گھل جاؤ گی ۔

سلطانہ بیگم ۔ میں نے آج تک آپ سے ذکر نہیں کیا ۔ شرم روکتی رہی ۔

ملکہ ۔ یہ تم نے سخت غلطی کی ۔ نتیجہ دیکھ رہی ہو ۔ بخار ہونے لگا ہے ۔

سلطانہ بیگم ۔ حقیقت میں اب ضبط کی طاقت نہیں رہی ۔ اس لیے عرض کرتی ہوں ۔

ملکہ کہو ۔

سلطانہ بیگم ۔ پچھلی باتیں بیان نہ کروں گی ۔ نہ ان کے بیان کرنے سے کوئی فائدہ ہے ۔ اب جو بات درپیش ہے وہ عرض کرتی ہوں ۔۔۔ آپ نے مہرالنساء کا نام سنا ہے ۔

ملکہ ۔ اچھی طرح سے ۔ بڑی پیاری لڑکی ہے ۔

سلطانہ بیگم ۔ اور خوبصورت بھی ہے ۔

سلطانہ بیگم ۔ ہاں بہت زیادہ خوبصورت ہے ۔

سلطانہ بیگم ۔ شاہزادہ کو اس سے انسیت ہو گئی ہے ۔

ملکہ ۔ ایک دم چونک پڑیں ۔ ایک دفعہ انھیں بھی یہ شک ہوا تھا انہوں نے شاہزادہ کی گرم نگاہیں دیکھی تھیں ۔ لیکن یقین نہ ہوا تھا ۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کسی مسلمان لڑکی سے شاہزادہ کو محبت ہو ۔ وہ جب سے اکبر کے حرم میں آئی تھیں ۔ اسی وقت سے اس فکر میں تھیں کہ یہ اسلامی سلطنت ہندو حکومت میں منتقل ہو جائے ۔ وہ اکبر سے ہندو مذہب اور ہندو معاشرت کی تعریفیں کرتی رہتی تھیں ۔ اکبر کے بہکنے اور اسلام سے بیوفائی کرنے کی سب سے پہلے وجہ یہی تھی ۔ وہ شاہزادہ سلیم کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہتی تھیں ۔ خود سلطانہ بیگم کی بھی یہی کوشش رہتی تھی ۔

اگر سلیم کو کسی راجپوت لڑکی سے محبت ہوتی تو انھیں اتنا خیال نہ ہوتا جتنا اس وقت ایک مسلمان لڑکی سے ہونے پر ہوا۔ لیکن سلطانہ بیگم کو تسلی دینے کے خیال سے انہوں نے کہا۔ "تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ سلیم اس سے ہی محبت نہیں کر سکتا۔

سلطانہ بیگم۔ غلط فہمی نہیں۔ یہ حقیقت ہے۔

ملکہ۔ تمھیں اس حقیقت کا کیسے علم ہوا۔

سلطانہ بیگم۔ میں نے آج جو کچھ دیکھا تھا۔ وہ بیان کر دیا۔ ملکہ نے کہا۔ "تم اپنا جی تھوڑا نہ کرو۔ ہم اس کا انتظام کر دیں گے۔

سلطانہ بیگم۔ لیکن ان پر یہ ظاہر نہ ہو کہ میں نے آپ سے ان کی شکایت کی ہے۔"

ملکہ۔ اس پر یہ ظاہر نہ ہوگا۔ لیکن تم اس ذرا سی بات پر رنج کر کے اپنی صحت کو ہلکان نہ کرو۔

سلطانہ بیگم۔ نہ کروں گی۔

ملکہ۔ ہم طبیبوں کو بلواتے ہیں۔

سلطانہ بیگم۔ نہیں۔ اب اس کی ضرورت نہیں۔ وہ آکر دوا دیں گے۔ میں اسے بھاگتی ہوں۔

ملکہ۔ جیسی تیرا مرضی۔

تھوڑی دیر کے بعد ملکہ اٹھ کر چلی گئی۔

اٹھائیسواں باب

اکبر کی لامذہبیت کے اسباب

شہنشاہ اکبر مرتد ہو چکے تھے۔ افسوس یہ ہے کہ وہ موحد بھی نہ رہے تھے سورج کو پوجتے تھے۔ ستاروں کے سامنے سر جھکاتے تھے ہون کرتے تھے۔ آگ کو مظہر نور الٰہی جانتے تھے۔

سورج کے ایک ہزار ایک سو ایک نام رکھے تھے۔ وظیفہ کے طور پر طلوع آفتاب سے قبل ان ناموں کو جپا کرتے تھے۔ سورج کی پوجا چار وقت مقرر کیے تھے۔ ایک صبح طلوع آفتاب کے وقت۔ دوسرا دوپہر کو عین زوال کے وقت۔ تیسرا شام کو غروب کے وقت۔ چوتھا۔ آدھی رات کے وقت۔

ملکہ جودھابائی نے راجہ بھگوان داس کے ذریعے اکبر سے یہ تحریک کی کہ خدا کے نزدیک گائے واجب التعظیم ہے۔ ویدوں میں اس کی حرمت ہے۔ قرآن شریف میں سب سے پہلے سورۃ بقر (گائے) ہے۔ اس کا احترام کرنا چاہیئے گائے ذبح کرنے کی ممانعت کی جائے۔ اس کے گوشت کو حرام قرار دیا جائے۔ طبیبوں نے بھی کہہ دیا کہ گائے کے گوشت سے بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اکبر نے تمام قلمرو میں ذبح گاؤ کی ممانعت کر دی حکم دے دیا کہ جو کوئی گائے ذبح کرے گا اسے قتل کیا جائے گا۔[۱]

---

[۱] از دربار اکبری صفحہ ۷۲

وؤں نے جب دیکھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے قدم جم گئے ہیں تو انہوں نے
شش کی کہ مسلمانوں کو اسلام سے پھیر دیں اور انھیں اپنے مذہب میں داخل
ں۔ لیکن سلطان بادشاہ پکے مسلمان تھے۔ ان کے سامنے کسی کو اس تحریک
ت نہ ہوئی۔ جب اکبر بادشاہ ہوئے تو ہندوؤں کی یہ سازش کامیاب
ں۔ اکبر بے علم تھے۔ ان کے دل میں کفر کی بیماری تھی۔ انھیں ابوالفضل اور فیضی
لے۔ وہ صراط مستقیم سے پھر گئے۔

انھیں اسلام سے روگرداں کرنے کے لیے بڑی بڑی چالیں چلی گئیں۔ ان میں
ک سازش یہ تھی کہ ہندوؤں نے ہندو عورتوں کے حسن کی تعریف اکبر کے سامنے شروع
دی۔ رانیوں کے جھوٹے سچے قصے سنائے۔ انھیں حوروں سے زیادہ حسین ثابت
م سلطان العقان بادشاہ تھے۔ نفس امارہ کے غلام تھے۔ ہندو راجکماری
دی کرنے کو تیار ہو گئے۔ چنانچہ ہندوؤں نے بھی راجہ بہاری مل کچھواہہ کی
دھا بائی سے جس کے حسن کی اس وقت بڑی شہرت تھی۔ اکبر کی شادی
۔ اس سے یہ مقصد تھا کہ بار بار اکبر کو ہندو بنائیں۔ [illegible]
ے اور کوشش کرکے انھیں ہندو بنالیں۔

انچہ جوڑ توڑ شروع ہو گئے۔ جودھا بائی نے آتے ہی اپنا اثر ڈالنا شروع کیا
نجرے نے یہ بتایا کہ خدا یا ایشور کچھ نہیں کرتا۔ آفتاب سب کچھ کرتا ہے۔ آفتاب
ہی کا مظہر کامل ہے۔ سبزہ اگانا۔ غلوں کا پکانا۔ پھولوں کا کھلانا۔
کا پھیلانا۔ عالم کا اجالا۔ اہل عالم کی زندگی اسی کے دم سے ہے۔ لہٰذا آفتاب کی
پرستش ہو جانی چاہیے۔ اکبر نے آفتاب کی پرستش شروع کر دی۔ رانی
شنگرام ایک پتھر کو پوجتی تھی۔ پیپل کے درخت [illegible]
ے۔ اکبر بھی جودھا بائی کی خوشنودی مزاج کے لیے پتھر اور پیپل کے درخت

کو پوجنے لگے۔ دیپ چند راجہ جھوڈ نے تحریک کی کہ گائے واجب التعظیم ہے
اور لائق پرستش ہے۔ وہ بچھڑے دیتی ہے جس سے ہل چلایا جاتا ہے کھیتی
ہوتی ہے۔ گائے بھی مظہر الہی ہے۔ چنانچہ اکبر نے ذبیحہ گاؤ کی ممانعت کردی
اور گائے کی تعظیم و پرستش کرنے لگے۔ تھوڑے دنوں کے بعد برہمنوں نے اپنی
پستکوں (مذہبی کتابوں) سے یہ ثابت کیا کہ گائے کا گوبر اور گائے کا پیشاب
دونوں نہایت پاک ہیں۔ اگر کوئی چیز نجس ہو جائے مثلاً کسی چیز پر کتا پیشاب کر جائے
یا پاخانہ پھر جائے۔ یا کسی وجہ سے نجس ہو جائے تو اس پر گائے کے گوبر اور پیشاب
چھڑک دو پاک ہو جائے گی۔ اکبر نے حکم دے دیا کہ گائے کے گوبر اور پیشاب کا
احترام کیا جائے۔ شاہی باورچی خانے میں گائے کے گوبر سے چولھا لگایا جانے
لگا۔ اور گائے کا پیشاب چھڑک کر اسے پاک کیا جانے لگا۔

پرکھوتم برہمن نے اکبر تک رسائی پیدا کی۔ اس نے بادشاہ کے دل میں
یہ بات بٹھا دی کہ سورج چاند اور ستارے سب پرستش کے قابل ہیں۔ برہما
مہادیو۔ اور بشن یہ تینوں خدا ہیں۔ جب خدا نے چاہا کہ دنیا پیدا کرے تو برہما
کی شکل میں آکر دنیا کو پیدا کیا۔ بشن کی صورت میں آکر دنیا کو فنا کے قریب پہنچا
اس لیے مہادیو اور برہما اور بشن کی پرستش کرنا چاہیے۔ اکبر نے ان ناموں
کی پرستش شروع کر دی۔

ابوالفضل۔ فیضی اور ان دونوں کے باپ مبارک اگرچہ ملحد تھے اور یہ کوشش
کرتے رہے کہ اکبر کو بھی ملحد بنا دیں۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی بادشاہ کو
عقیدہ کیا تھا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اکبر ہندوؤں کی آغوش میں پہنچ
کر ہندو بن گئے ہیں تو وہ بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔ لیکن پھر انہوں نے
کوششیں جاری رکھیں۔ آخر مبارک نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھ دی۔

کا نام دین الٰہی اکبر شاہی رکھا۔ اس نئے مذہب میں زیادہ تر ہندوؤں کے مذہب کی باتیں اور کچھ پارسیوں اور عیسائیوں کی باتیں شامل کرکے معجون مرکب بنا دیا۔

اس طویل تمہید سے یہ غرض تھی کہ ناظرین کے ذہن نشین یہ بات ہو جائے کہ اکبر کس عقیدہ کے آدمی تھے اور انھیں اسلام سے منحرف کرنے کے لیے کن کن لوگوں نے کیا کیا کوششیں کیں اور چونکہ اکبر بے علم تھے۔ اس لیے وہ آنکھیں بند کرکے بد عقیدہ ہو گئے۔ ہندو اکبر کی اس لیے تعریف کرتے ہیں کہ وہ مسلمان نہ تھے اور اورنگ زیب عالمگیر کی اس لیے برائی کرتے ہیں۔ کہ وہ پکے مسلمان تھے۔

غرض ہندوؤں نے کوشش کرکے اکبر کو بدراہ کر دیا تھا۔ اب ان کی یہ کوشش بھی تھی کہ وہ اکبر کی اولاد کو بھی اکبر کی طرح بہکا دیں۔ اسے بھی ہندو بنا لیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان فرمانرواؤں کو ہندو بنا کر اسلامی سلطنت کو ہندو حکومت بنا لیں۔ اس سے ہندوستان میں جو مسلمانوں کا زور ہو گیا ہے وہ ٹوٹ جائے گا۔

رانی جودھا بائی اپنے مذہب پر قائم تھیں اور شاہزادہ سلیم کو ہندو بنانے کے لیے ان تھک کوشش کر رہی تھیں۔ یہ خدا ہی کی شان تھی کہ لا مذہبیت کے ماحول میں پرورش پانے پر بھی شاہزادہ سلیم مسلمان تھے حالانکہ انھیں فیضی جیسے ملحد نے تعلیم دی تھی اور وہ دوران تعلیم میں انھیں ملحدانہ اور مشرکانہ باتوں کی تبلیغ کی تھی۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ شاہزادہ سلیم اپنی دادی حمیدہ بانو بیگم سے زیادہ مانوس تھے۔ حمیدہ بانو بیگم راسخ العقیدہ مسلمان تھیں۔ ان کی مذہبی معلومات بھی بڑھی ہوئی تھی۔ شاہزادہ کو جو شکوک ہوتے تھے وہ انھیں

رنجیدہ کر دیتی تھیں۔

اکبر بھی چاہتے تھے کہ سلیم دینِ الٰہی اکبر شاہی قبول کر لیں۔ لیکن [سلیم] نے اس نئے مذہب کو اختیار نہیں کیا تھا ان کی دادی نے بتا دیا تھا کہ ا[کبر] لا مذہب ہو گئے ہیں۔ لا مذہب انسان کبھی خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو [مسلمان] اور جو مسلمان ہو کر مرتد ہو جائیں وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

جودھا بائی کی بھتیجی سلطانہ بیگم بھی اپنے ہندوانہ مذہب پر قائم تھی [وہ] بھی شہزادہ سلیم کو بہکانے اور ہندو بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی [تھی] لیکن سلیم پر اس کے بہکانے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

ابوالفضل کا منشا بھی یہی تھا کہ سلیم مسلمان نہ رہیں۔ انہوں نے [ان کو] ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ ان کے جال میں نہ پھنسے چنانچہ ابو[الفضل] شہزادہ سے ناراض ہو گئے۔ اب انہوں نے سلیم کو ذلیل کرانے اور ان کا [زور] توڑ ڈالنے کی سازش شروع کی۔ چنانچہ وہ اکبر سے شاہزادہ [کی] شکایتیں کرنے لگے۔ لیکن انہوں نے شکایتوں کی ابتدا بڑی احتیاط سے شروع کی۔

غرض شاہزادہ سلیم پر ڈورے ڈالے جا رہے تھے۔ انھیں کافر ب[نانے] کی ان تھک کوششیں جاری تھیں۔ لیکن سلیم پر ان کوششوں کا کو[ئی] اثر نہ ہوتا تھا۔

ملکہ جودھا بائی کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلیم کا میلانِ طبع ایک ایرانی [illegible] کی طرف ہو گیا ہے تو اس خوف سے کہ کہیں حمیدہ بانو بیگم ک[ے کہنے] سے اکبر مہرالنساء سے ان کی شادی نہ کر دیں۔ انھیں بڑا فکر ہوا اس سے ان کا مقصد فوت ہوتا تھا۔

ان کی کوشش کے باوجود اب تک سلیم نے ہندو مذہب اختیار نہیں کیا تھا۔ نہ دین الٰہی میں شامل ہوئے تھے۔ جودھا بائی کو اندیشہ ہوا کہ اگر مہرالنساء سے ان کی شادی ہو گئی تو وہ بدستور مسلمان رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے یہ طے کر لیا کہ معاملہ شہنشاہ کے گوش گذار کر کے انھیں اس بات پر آمادہ کر دیں کہ وہ مہرالنساء سے سلیم کی شادی نہ ہونے دیں۔ وہ اس فکر میں رہنے اور موقع کا انتظار کرنے لگیں۔

انتیسواں باب (۲۹)

تحریک جدائی

ایک روز اکبر جودھا بائی کے پاس آئے تو کچھ متفکر تھے۔ جودھا بائی نے پوچھا "اس وقت عالم پناہ کا مزاج کیسا ہے۔؟"

اکبر نے جواب دیا۔ اچھا ہے۔

جودھا بائی۔ یہ فکر کے بادل کیسے چھائے ہوئے ہیں۔؟

اکبر۔ ہم سمجھے تھے کہ دین الٰہی اکبر شاہی کو تمام مسلمان اور سارے ہندو قبول و منظور کر لیں گے۔ لیکن صورت یہ ہے کہ تھوڑے سے ہندوؤں اور گنتی کے چند مسلمانوں نے اس مذہب کو قبول کیا ہے۔ پھر بھی ہندو اچھے ہیں کہ وہ اس دین کی مخالفت نہیں کرتے۔ مگر مسلمان سخت مخالفت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارا لحاظ بھی نہیں کرتے۔ ہمارے سامنے ہی اس مذہب کو برا بتاتے ہیں۔

جودھا بائی۔ عالم پناہ کو یاد ہوگا کہ ہم نے شروع ہی میں اس اندیشہ
ظاہر کیا تھا۔ مسلمان مذہب کے معاملے میں کسی کا لحاظ و پاس نہیں کرتے
اکبر۔ یہی بات ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہم شہنشاہ ہیں۔ مسلمان اس مذ
کو فوراً قبول کرلیں گے اور جو قبول نہ کریں گے وہ خاموش رہیں گے۔ مخ
نہ کریں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آج قطب الدین کو کہہ جب
گیا کہ وہ ہمارے مذہب کو قبول کرلے تو وہ بہت بگڑا۔ اس نے صاف
پرکہہ دیا کہ وہ اس معجون مرکب مذہب کو اختیار نہیں کرسکتا۔ دوسرے جہا
کے مسلمان بادشاہ اور سلطان روم وغیرہ جب سنیں گے تو کیا کہیں۔
ان سب کا مذہب اسلام ہے۔ اور اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ ہم
تو بہت آیا۔ لیکن مصلحتاً خاموش ہوگئے۔

جودھا بائی۔ فکر نہ کیجئے۔ جو لوگ شہنشاہ کے دامن سے وابستہ ہیں
نہ سہی کل اس مذہب کو ضرور قبول کرلیں گے۔

اکبر۔ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ آج ہم نے سنا ہے کہ شیخو جی بھی اس
کی مخالفت کرتے ہیں۔ تعجب ہے۔ باپ کی بات بیٹا نہیں مانتا۔
نے اسے سمجھایا ہے۔

جودھا بائی۔ ہم رات دن سمجھاتے ہیں۔ ہمارے سمجھانے کا اس
اثر بھی ہوجاتا ہے۔ لیکن وہ دادی کے پاس گیا اور ساری سکشا
بھولا۔

اکبر۔ تم سچ کہتی ہو۔ میری والدہ ہی میری مخالفت کر رہی ہیں۔

یہ واقعہ دربار اکبری میں مفصل لکھا ہے۔ (صادق صدیقی دھنو

ہیں ان سے کیا کہوں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ بیٹے کا مذہب جاری ہو جائے۔ ہم دنیا بھر میں مشہور ہو جائیں۔ خدا بھلا کرے مبارک اور اس کے دونوں بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کا کہ انہوں نے ہمیں مشہور جہاں کرنے کے لیے یہ مذہب نکالا۔ راجہ بیربل راجہ ٹوڈرمل اور راجہ دیپ چند جھوہ بڑی سرگرمی سے اس کی تبلیغ کر رہے ہیں شیخو جی کو تم سمجھاؤ کہ وہ اس طرح سے اس مذہب کی تبلیغ کریں جس طرح شاہ گشتاسپ کے بیٹے اسفندیار نے زرتشتی مذہب کی کی تھی۔

زرتشتی مذہب کی تبلیغ اسفندیار نے تلوار کے زور سے کی تھی جو شخص دین زرتشتی پرستوں کو قبول نہ کرتا تھا وہ اسے تلوار کے گھاٹ اتار دیتا تھا جودھا بائی نے کہا ہم کوشش کریں گے۔ مگر ایک بات زبردست رکاوٹ بن کر حائل ہونے والی ہے۔

اکبر نے متعجب ہو کر جودھا بائی سے پوچھا۔ "وہ کیا"؟

جودھا بائی۔ آپ نے مرزا غیاث بیگ طہرانی کی بیٹی مہرالنساء کو دیکھا ہے۔

اکبر۔ کئی مرتبہ۔ بڑی پیاری لڑکی ہے۔

جودھا بائی۔ شیخو جی (شاہزادہ سلیم) کو اس سے محبت ہو گئی ہے۔

اکبر۔ وہ لڑکی ہے ہی محبت کئے جانے کے قابل۔ نہایت ہی خوبصورت ہے بڑی ادا ہے۔ خوش آواز ہے۔ ایک حسین عورت میں جس قدر خوبیاں ہونی ہیں۔ اس میں وہ سب موجود ہیں۔

جودھا بائی۔ گویا آپ بھی اس پر لٹو ہیں۔

اکبر۔ اگر تم ہمارے گلے کا ہار نہ ہوتیں تو ممکن تھا ہم بھی اس پر لٹو ہو جاتے۔

جودھابائی۔ مذاق کو چھوڑیے۔

اکبر۔ مذاق تو تم نے ہی شروع کیا۔

جودھابائی۔ ہاں تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ شیخو جی کو مہرالنساء سے محبت ہو گئی ہے ...."

اکبر ہو گئی ہے تو ہونے دو — فکر کیا ہے۔ اگر یہ دیکھو کہ واقعی شیخو جی کی محبت بوالہوسی نہیں ہے۔ بلکہ سچی محبت ہے تو ہم سے کہنا ہم مرزا کو پیغام دے دیں گے۔"

جودھابائی کو بڑا فکر ہوا۔ انہوں نے اس پیرایہ میں یہ گفتگو شروع کی تھی جس سے خیال تھا اکبر بہت برہم ہوں گے۔ لیکن اکبر نے خفا ہونے کے بجائے اس رشتہ کی منظوری دے دی — انہوں نے کہا — "کیا آپ کو یہ رشتہ منظور ہے۔

اکبر۔ کیوں نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مہرالنساء میں ملکہ بننے کی اہلیت ہے۔ شیخو جی ولیعہد ہیں — ہمارے بعد وہی بادشاہ ہوں گے — مہرالنساء ان کی ملکہ ہو گی۔

جودھابائی۔ تب سمجھ لیجئے کہ آپ کے مذہب کی بنیاد قائم ہونے سے پہلے ہی اکھڑ جائے گی۔

اکبر۔ کیسے۔"

جودھابائی۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ مہرالنساء مسلمان ہے۔ وہ محل میں آتے ہی شاہزادہ کو اپنا قابو میں کر کے اسلام کو پھیلا دے گی۔ یہاں نہ ہندو مذہب باقی رہے گا۔ نہ دین الٰہی۔

اکبر بات تو معقول ہے۔ تب کیا ہونا چاہیئے۔

جودھابائی آپ ہی کوئی مناسب تجویز کیجئے۔

اکبر۔ پہلے یہ دیکھنا ہے کہ شیخو جی کو اس سے زیادہ محبت تو نہیں ہوگئی ہے

جودھابائی۔ نوجوانوں کی محبت کو آپ نہیں جانتے۔ جہاں کوئی گوری چٹی ناک قشہ کی اچھی لڑکی دیکھی اور وہ ریجھے۔ شیخو جی کی بھی یہی بات سمجھئے۔

اکبر۔ لیکن اکثر حقیقی محبت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

جودھابائی۔ ہمارے خیال میں شیخو جی سے اس کی محبت سچی نہیں ہے۔

اکبر۔ پہلے اس بات کا اندازہ کرلو۔

جودھابائی۔ اچھا فرض کرو اسے اس سے سچی محبت ہے تب؟

اکبر۔ تب ان دونوں کی شادی ہی مناسب ہوگی۔

جودھابائی۔ عالم پناہ نے اس بات پر توجہ نہیں کی کہ اس سے نقصانات س قدر ہوں گے؟

اکبر۔ لیکن تم اس بات کو بھولتی ہو کہ سچی محبت اکثر جنون میں تبدیل ہو جایا تی ہے۔ تم تو ایسے بہت سے واقعات جانتی ہو۔

جودھابائی۔ جانتی ہوں۔ مگر ہم یہی کیوں فرض کرلیں کہ شیخو جی کو مہرالنساء سے ی محبت ہوگئی ہے؟

اکبر۔ اس لیے کہ ہم نے خود شیخو جی کی محبت بھری نگاہیں مہرالنساء پر پڑتے کھی ہیں۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ مہرالنساء لاپرواہی کا اظہار کرتی ہے۔ وہ شیخو کے سامنے سے ٹل جاتی ہے۔ محبت شیخو جی کو ہے۔ مہرالنساء کو نہیں۔

جودھابائی۔ آپ عورتوں سے واقف نہیں ہیں عورت جس سے محبت کرتی ہے اس فریفتگی ظاہر نہیں کرتی۔ شرم اسے روکتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ مہرالنساء بھی یخو جی کو چاہتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس نے ایسی حرکتیں کی ہوں جس سے

شیخو جی کے دل میں آگ بھڑک اٹھی ہو

اکبر۔ مہرالنساء ایسی چالاک نہیں معلوم ہوتی ہے ـــــ اس کے چہرے سے بھولاپن ٹپکتا ہے۔"

جودھا بائی ـــــ جو عورت جس قدر بھولی ہے سمجھ لو کہ وہ اسی قدر چالاک ہے۔"

اکبر نے مسکرا کر کہا۔ تب ہماری ملکہ بھی چالاک ہے۔

جودھا بائی۔ اس بات کو مذاق میں نہ ٹالیئے۔

اکبر۔ اچھا۔ تم نے کیا تدبیر سوچی۔"

جودھا بائی۔ ہمارا خیال ہے کہ مرزا کی بیوی سے کہہ کر مہرالنساء کو محل میں آنے سے روک دیں۔

اکبر۔ یہ تدبیر مناسب ہے۔ اگر شیخو جی مہرالنساء کے نہ آنے سے زیادہ بے چین نہ ہوئے تو پھر ہم مرزا کو ترغیب دیں گے کہ وہ مہرالنساء کی شادی کسی کے ساتھ کر دیں۔

جودھا بائی۔ اس انتظار کی ضرورت نہیں۔ سلیم کو مہرالنساء کی جدائی کا قلق ضرور ہوگا۔ لیکن چند روز میں یہ رنج جاتا رہے گا۔ آپ مرزا کو مہرو کی شادی کی ترغیب دیں۔"

اکبر۔ مگر اس کام کا انجام سوچ لو۔

جودھا بائی سوچ لیا۔ ہم اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ کوئی مسلمان لڑکی ہمارے بیٹے کی بہو بن کر محل میں آ رہے۔"

اکبر۔ چاہے تمہارے بیٹے کی کچھ حالت ہو۔

جودھا بائی۔ ہاں کچھ حالت ہو۔

اکبر۔ تم جانو۔ ہم مرزا غیاث کو ترغیب دیں گے۔

جودھا بائی۔ جب مہر النساء کی شادی ہو جائے گی تب شیخو جی کی طبیعت خود بخود ٹھکانے آجائے گی۔

اکبر۔ اچھا۔

اب کچھ اور باتیں ہونے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اکبر چلے گئے۔

تیسواں (۳۰) باب

افشائے راز

جودھا بائی چاہتی تو یہ تھی کہ جلد سے جلد مہر النساء کا محل میں آنا بند کرا دے لیکن شہنشاہ اکبر کے اس کہنے پر کہ کہیں شاہزادہ سلیم کو اس سے زیادہ محبت نہ ہو گئی ہو اور وہ بے چین نہ ہو جائیں۔ انھیں کچھ تامل ہوا۔ انہوں نے شہزادہ کو سمجھانے کا قصد کیا۔ مگر پھر سوچا کہ اس سے شاہزادہ کو کہیں اور جرأت نہ ہو جائے وہ کھل کھیلیں اور مہر النساء کے ساتھ شادی کرانے مصر ہو جائیں۔ اکبر کے خیالات انھیں معلوم ہی ہو چکے تھے۔ انھیں خوف تھا کہ اس سے کہیں کام اور بگڑ نہ جائے۔

پھر بھی انہوں نے شاہزادہ کو تنبیہ کی کہ وہ عام لڑکیوں کے پیچھے نہ لگے پھریں سلیم سمجھ گئے کہ انھیں مہر النساء سے باتیں کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ انہوں نے چاہا کہ وہ اپنی محبت کا اظہار کر کے یہ درخواست کریں کہ ان کی شادی مہر النساء سے کر دی جائے۔ لیکن کچھ خوف اور کچھ شرم کی وجہ سے وہ عرض مدعا نہ کر سکے۔ البتہ یہ احتیاط کرنے لگے کہ کسی کے سامنے مہر النساء سے باتیں نہ کرتے نہ

جہاں وہ جاتی وہاں جانے بلکہ دور سے دیکھ لیتے اور اسی سے انھیں تسکین ہو جاتی۔ اب

انھیں معلوم ہوا کہ شاعروں کا عقیدہ کس قدر درست ہے ؎

دیکھنا بھی تو انھیں دور سے دیکھا کرنا

شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

جودھا بائی شہزادہ سلیم کی کڑی نگرانی رکھنے لگی تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ

سلیم ان کی تنبیہ پر عمل کر رہے ہیں۔ نہ مہرالنساء سے زیادہ باتیں کرتے ہیں

اس کے ساتھ جاتے ہیں تو انھیں یہ اطمینان ہو گیا کہ اب اگر مہرالنساء کا آنا جا

بند کر دیا جائے تو شاہزادہ کے دل پر اس کا کچھ زیادہ اثر نہ ہو گا۔ چنانچہ ایک روز

جب مہرالنساء اور اس کی والدہ آئیں تو باتوں باتوں میں جودھا بائی نے بیگم

سے کہا۔ "ماشاء اللہ مہر جوان ہو گئی ہے۔ اب تمھیں اس کی شادی جلد

کر دینی چاہیئے۔"

بیگم نے عرض کی میں خود اسی فکر میں ہوں۔ کئی جگہ سے بات آ رہی ہے۔ مگر ابھی

کوئی لڑکا آنکھوں میں نہیں جچا۔

جودھا بائی۔ "جتنے لڑکا پسند آئے اتنے تم مہرالنساء کو کہیں آنے

جانے سے روک دو۔"

بیگم۔ میں اسے کہیں آنے جانے نہیں دیتی ہوں۔ یا تو مینا بازار میں چلی

جاتی ہے یا یہاں آ جاتی ہے۔

جودھا بائی۔ "اچھا ہو تا کہ ان دونوں جگہ آنے سے بھی اسے روک

دیتیں۔"

بیگم سمجھ گئیں کہ کوئی خاص بات ہے۔ انہوں نے بھی شاہزادہ سلیم کی نگاہیں

دیکھی تھیں۔ انھیں شبہہ ہوا کہ شاہزادہ کی وجہ سے مہرالنساء کو روکا جا رہا

ہے۔ بیگم بڑی غیور تھیں۔ اسے بڑی غیرت آئی۔ وہ اس روز جلدی محل سے رخصت ہو گئی اور اس روز کے بعد مہرالنساء کو شاہی محلوں میں آنا جانا بند ہو گیا۔

ایک دو مرتبہ مہرالنساء نے ضد بھی کی۔ لیکن بیگم نے یوں ہی ٹال دیا مہرالنساء کچھ نا سمجھ نہ تھی۔ سمجھ گئی کہ شاہزادہ کی محبت کا راز ظاہر ہو گیا۔ بدقسمتی سے اس کے دل میں شاہزادہ کی محبت نے گھر کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ملکہ بننے اور حکمرانی کرنے کی خواب دیکھنے لگی تھی۔ اس پابندی سے اس کی آرزوؤں پر اوس پڑ گئی۔ لیکن وہ بڑی خوددار تھی اس تکلیف و رنج کو ہنسی خوشی برداشت کر گئی۔ چند روز تو اسے خیال رہا۔ آخر رفتہ رفتہ جاتا رہا۔ اور مہینہ ہی دو مہینہ کے بعد وہ شاہزادہ سلیم کو بالکل بھول گئی۔

بیگم نے مرزا غیاث کو توجہ دلائی کہ مہرالنساء کی شادی کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ اتفاق سے اسی روز اکبر نے بھی مرزا غیاث سے کہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کا انتظام کریں۔ چنانچہ بیگم نے یہ ذکر چھیڑا تو مرزا نے کہا۔ آج شہنشاہ نے بھی مجھ سے یہی فرمایا تھا۔

یہ سنتے ہی بیگم دھک سے ہو گئی۔ اسے خوف ہوا کہیں شہنشاہ نے شاہزادہ اور مہرالنساء کی محبت کا تو اشارہ نہیں کر دیا۔ اسے خوف ہوا کہ مرزا برس نہ پڑیں۔ لیکن خیریت ہوئی بات آگے نہیں بڑھی مرزا نے کہا۔ میں عرصے سے لڑکے کی تلاش میں تھا۔ ایک لڑکا پسند آیا ہے۔

بیگم۔ کون۔

مرزا۔ وہ بھی ایرانی ہے۔ اس کا نام تو علی قلی ہے۔ لیکن شیر افگن کے نام سے مشہور ہے۔

بیگم۔ شیر افگن ...... کہیں وہی تو نہیں جو ایران کے بادشاہ اسمٰعیل ...
کے نعمت خانہ کا داروغہ تھا۔

مرزا۔ ہاں ہاں وہی۔ وہ قبیلہ استجلو سے ہے۔

بیگم میں جانتی ہوں۔ میں نے اسے کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ سجیلا جوان ہے
آج کل وہ کس عہدہ پر مقرر ہے۔

مرزا۔ ابھی حال میں اسے یک ہزاری منصب عطا ہوا ہے۔

بیگم۔ ٹھیک ہے۔ ہونہار جوان ہے۔ اور ترقی کر جائے گا۔ وہ تو اکثر آپ کے
پاس آیا بھی کرتا ہے۔

مرزا۔ ہاں اکثر آتا رہتا ہے۔ میرا بڑا ادب و لحاظ کرتا ہے۔"

بیگم۔ یہ رشتہ مناسب ہے۔ کوشش کیجئے۔

مرزا۔ اب آئے گا تو موقع دیکھ کر بات چھیڑ دوں گا۔

یہ گفتگو مہرالنساء بھی چھپ کر سن رہی تھی۔ دراصل وہ کسی کام سے جا رہی
تھی۔ اس نے ماں کو اپنا نام لیتے سنا تو کھڑی ہو کر سننے لگی۔ اسے خیال ہوا
کہ کہیں شاہزادہ اور اس کا کوئی ذکر نہیں ہو رہا ہے۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا کی
مثال وہ سہم گئی جب اس نے سنا کہ اس کی شادی کا ذکر ہے تو وہ وہاں
سے چلی گئی لیکن اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ شیر افگن کو جس
کے ساتھ اسے وابستہ کیا جانے والا ہے ایک نظر دیکھ لے۔ ہر لڑکی کی خواہش
اپنے شریک حیات کو شادی سے قبل دیکھ لینے کی ہوتی ہے۔"

اس گفتگو کے ایک ہفتہ کے بعد اس نے سنا کہ شیر افگن آئے ہوئے ہیں
نشست گاہ کے کئی دروازے اندر کے کمروں کی طرف کھلتے تھے۔ مہرالنساء
دبے قدموں ایک دروازہ پر پہنچی دروازوں پر پردے پڑے

...تے تھے اس نے نہایت ہوشیاری سے پردہ اٹھا کر جھانکا
شیر افگن سامنے ہی بیٹھے تھے جوں ہی مہرالنساء نے جھانکا شیر افگن
...ی نظر اس پر جا پڑی۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوگئیں مہرالنساء جلدی
...ے پردہ چھوڑ کر بھاگی اور سیدھی اپنے کمرے پہنچ کر دم لیا۔

ادھر شیر افگن کے دل پر بجلی سی گری — ان کے چہرے کا
...نگ متغیر ہوگیا وہ دل سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے کہ مرزا
...غیاث بیگ آ گئے۔

شیر افگن نے اٹھ کر انھیں تعظیم دی اور بڑے ادب
...سے سلام کیا۔ مرزا غیاث بیگ نے بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم
...کیا۔ دونوں بیٹھ گئے۔

شیر افگن واقعی وجیہہ اور خوبصورت نوجوان تھے۔ چوڑا سینہ کفا
بھرے بھرے بازو تھے۔ چہرہ پر سیاہ ڈاڑھی تھی۔ جو بہت ہی بھلی معلوم
ہوتی تھی۔ کشادہ پیشانی تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں ناک اور لب موزوں تھے
دانت ہموار اور سفید تھے۔ بڑے کڑیل جوان تھے۔ انھیں دیکھنے والے پر ان
...کا کافی رعب پڑتا تھا۔

ابھی تک شیر افگن کا دل ان کے قابو میں نہ آیا تھا انہوں نے جو حسن
کی جھلک دیکھی تھی اسے دوبارہ دیکھنے کے لیے دل مچل رہا تھا — وہ سوچ
رہے تھے خدا جانے یہ کون پری وش تھی۔ یہ بات انھیں معلوم تھی
کہ مرزا کے ایک لڑکی ہے اس کے حسن کی تعریف سنی تھی۔ مگر وہ اسے اس
قدر حسین نہیں سمجھتے تھے جس قدر حسینہ انھیں نظر آئی۔ انھیں خیال ہوا کہ
کہیں کوئی لڑکی مہمان تو نہیں آئی ہوئی ہے؟

مرزا نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے شیر افگن سے کہا۔ صاحبزادہ تم نے ابھی اپنی
نہیں کی۔

شیر افگن نے عرض کی۔ ابھی اس کا موقعہ ہی نہیں ملا۔

مرزا۔ یا ابھی شادی کرنے کا ارادہ ہی نہیں۔

شیر افگن۔ ارادہ کیوں نہیں۔ تجرد کی زندگی اچھی زندگی نہیں۔

مرزا۔ اسی لیے تو آنحضور صلعم نے شادی کی تاکید کی ہے۔

شیر افگن۔ میں کسی ایرانی خاندان ہی میں اپنا عقد کرنا چاہتا ہوں۔

مرزا کا خود یہی مطلب تھا کہ شیر افگن تحریک کریں تو وہ منظور کریں۔
مرزا تو اس لیے نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ لڑکی کے باپ تھے۔ ان کی طرف سے تحریک
معیوب تھی۔ اور شیر افگن شرم کی وجہ سے درخواست نہ کر سکے۔

مرزا نے کہا۔ "تم تیار ہو جاؤ کسی ایرانی ہی خاندان میں تمھاری شادی کرا د
جب لے گی۔

شیر افگن۔ میں تیار ہوں — اور آپ کو اختیار دیتا ہوں — جہاں
چاہے کر دیجیے۔

مرزا کو امید بندھ گئی۔ انہوں نے اس ذکر کو اور زیادہ نہیں بڑھنے دیا۔
شیر افگن نے موقع دیکھ کر پوچھا۔ کیا آپ کے یہاں آج مہمان آئے ہوئے ہیں۔

مرزا نے جواب دیا۔ "نہیں۔ آج کوئی عورت مرد مہمان نہیں ہے۔"

شیر افگن سمجھ گئے کہ جھانکنے والا مہرالنساء ہی تھی۔ ان کے دل میں مہرالنساء
سے شادی کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہو گئی مگر وہ رعب و عظمت کی وجہ
سے کچھ نہ کہہ سکے تھوڑی دیر اور باتیں کر کے اٹھ کر چلے گئے۔

اکتیسواں باب (۳۱)

شیر افگن خاں

علی قلی کے دل میں مہرالنساء کی محبت کا نقش کچھ ایسا قائم ہوا کہ ہر وقت اس کا خیال رہنے لگا۔ انہوں نے اس پری جمال کو صرف ایک ہی نظر دیکھا تھا۔ اور مہرالنساء کی بھی اچٹتی ہوئی نظر ان پر پڑی تھی۔ لیکن اس ایک نظر نے ہی دن کے خرمن ہوش و حواس، اور خزانہ دل کو لوٹ لیا تھا ؎

لے گئیں ہوش و خرد کس کی نشیلی آنکھیں
کن سیہ مستوں نے لوٹا ہے خزانہ دل کا

علی قلی خاں ایران کے معزز قبیلہ استجلو سے تعلق رکھتے تھے وہ شاہ اسمٰعیل صفوی شاہ ایران کے رخت خانہ کے داروغہ تھے جب شاہ اسمٰعیل صفوی نے وفات پائی تو نئے بادشاہ نے علی قلی خاں کو اس کے عہدے سے علیحدہ کر دیا۔ علی قلی خاں چند روز تو ایران ہی میں قسمت آزمائی کرتے رہے۔ مگر جب وہاں نصیبے نے یاوری نہ کی اور فقر و افلاس نے آگھیرا۔ تو وہ ایران سے باہر جانے پر تیار ہو گئے۔

اس وقت تمام ایران میں ہندوستان کی شہرت تھی۔ مشہور تھا کہ ہندوستان جنت نشان ہے اور وہاں مغلیہ خاندان کی سلطنت ہے سلاطین مغلیہ ہنرمندوں اور بہادروں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ علی قلی خاں نے بھی ہندوستان میں جا کر

قسمت آزمائی کرنے کا خیال کیا۔ انہوں نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ اتفاق سے ایک قافلہ قندھار جا رہا تھا وہ بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے اور بخیریت قندھار پہنچ گئے۔

انہوں نے کئی مہینے قندھار میں اس خیال سے گزارے کہ کوئی قافلہ ہندوستان جاتا ہو تو وہ بھی اس میں شامل ہو جائیں۔ لیکن کوئی قافلہ ہندوستان نہ گیا۔ مجبور ہو کر انہوں نے تنہا سفر کرنے کا ارادہ کر لیا۔

انہوں نے وہیں یہ سنا کہ شہنشاہ ہند نے بھکر اور ٹھٹھہ کی تسخیر کے لیے فوجیں بھیجی ہیں۔ چونکہ یہ علاقہ قندھار سے قریب تھا اس لیے علی قلی تیار ہو کر چلے اور بھکر میں پہنچ گئے۔

بھکر کی مہم پر عبدالرحیم خاں خانان مقرر ہو کر آئے تھے۔ وہ خود بھی بہادر تھے اور بہادروں کی قدر بھی کرتے تھے۔ علی قلی ان کے حضور میں پہنچے۔ اپنے حالات بیان کیے اور فوجی عہدہ کی درخواست کی۔

عبدالرحیم خان خانان قیافہ شناس تھے انہوں نے قیافہ سے سمجھ لیا کہ علی قلی نوجوان ہیں۔ بہادر ہیں۔ فنون جنگ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ خوب لڑیں گے۔ انہوں نے ادنیٰ درجہ کا عہدہ دے دیا۔

جب جنگ شروع ہوئی تو علی قلی نہایت جانبازی سے لڑے۔ عبدالرحیم خان خانان ان کے بہادرانہ کارنامے دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے انہیں ترقی دے کر اچھے عہدہ پر مقرر کر دیا۔ ساتھ ہی شہنشاہ اکبر کو ان کے حالات لکھے۔ اکبر نے انہیں ملازمان شاہی کے زمرہ میں شامل کر کے ان کی اور ترقی کر دی۔

بھکر کی مہم ختم ہو جانے کے بعد علی قلی خان خانان کے ساتھ آگرہ میں آ رہے

...انہوں نے ایک روز اکبر کو سلام کیا۔ خان خاناں نے ان کی تعریف کی۔ علی قلی
...ش رو نوجوان تھے۔ ان کے چہرہ سے نجابت و شرافت جانبازی و دلیری
...ت و استقلال کی علامتیں ظاہر تھیں۔ اکبر نے انھیں شہزادہ سلیم کے لشکر میں شامل
...کے پانچ سو سواروں پر افسر مقرر کر دیا۔ انہوں نے جمعداری کے عہدے سے
...قی کی اور اب معمولی درجہ کے سپہ سالار ہو گئے۔ جوں جوں وہ ترقی کرتے
...ہے ان کی تنخواہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہ ایران سے مفلس و قلاش ہو کر آئے
...تھے۔ ہندوستان میں آتے ہی افلاس دور ہو گیا۔ فارغ البالی نے منھ
...دکھایا۔ وہ اوسط درجہ کے لوگوں میں شامل ہو گئے۔

شاہزادہ سلیم ایک روز اپنی سپاہ کی قواعد دیکھ رہے تھے۔ علی قلی کو دیکھ
...وہ خوش ہوئے۔ شاید اس وجہ سے کہ علی قلی ان کے ہمسن تھے خوبرو نوجوان
...تھے۔ انہوں نے حکم دے دیا کہ علی قلی کا خیمہ ان کے خیمے کے قریب نصب ہوا
...کرے اور شاہزادہ کے جلو میں چلا کریں۔ یہ بڑی عزت تھی۔ علی قلی نے شاہزادہ
...کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

کچھ عرصے کے بعد میواڑ کی مہم پیش آگئی۔ مہارانا پرتاب سنگھ پر لشکر کشی
...ہوئی۔ شاہزادہ سلیم اس مہم پر نامزد کئے گئے۔ علی قلی ان کے ساتھ چلے
...شاہزادہ کی خرگاہ کے قریب علی قلی کے بھی خیمے نصب ہوتے۔ شاہزادہ کے
...پیچھے ہاتھی پر سوار ہو کر جلو میں چلتے۔ شاہزادہ سلیم بھی ہاتھی پر چلا
...کرتے تھے۔

ایک روز شاہی لشکر گھنے جنگل میں سے گذر رہا تھا۔ راستہ سیدھا نہیں
...تھا۔ بلکہ اس میں سیکڑوں پیچ و خم پڑے ہوئے تھے۔ سرِراہ دونوں طرف بڑے
...بڑے تناور درخت اور کثرت سے جھاڑ جھنکاڑ کھڑے تھے۔ دفعتہً شیر کی

گرج فضا میں گونجی۔ سپاہی ہوشیار ہو گئے۔ گھوڑوں نے کان کھڑے کئے۔ لشکر برابر کوچ کر رہا تھا۔ اچانک شیر نمودار ہوا اور دھاڑ کر جست لگاتا سلیم کے ہاتھی کے مستک پر پہونچا۔ اس نے مستک میں اپنے پنجے گاڑ دیئے۔ اور شاہزادہ کو خونخوار آنکھوں سے گھورنے لگا۔ فیلبان ڈر کر ہاتھی کی گردن کے نیچے چلا گیا۔ شاہزادہ ہودے میں سوار تھے۔ وہ شیر کو اور شیر انھیں دیکھنے لگے۔ سواروں میں سے کسی ایک کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ شیر پر حملہ کرتا۔

علی قلی یہ کیفیت دیکھ کر اپنے ہاتھی کے ہودہ میں سے نیچے کود پڑے۔ عباری بندوق اور خنجر سب ہودہ ہی میں رکھے رہ گئے۔ وہ نہتے ہی شاہزادہ سلیم کے ہاتھی کی سونڈ پکڑ کر مستک پر پہنچے اور شیر کی کولی بھر کر اسے نیچے گرانے لگے یہ بڑی جانبازی اور جان جوکھوں کا کام تھا۔ شیر اور انسان کی کشتی کیا۔ شیر کی طاقت کو آدمی کیسے پہنچ سکتا ہے۔ مگر علی قلی نے دیکھا دیا کہ اگر انسان ہمت کرے تو شیر کو بھی کشتی میں پچھاڑ سکتا ہے۔"

علی قلی اپنی پوری طاقت سے شیر کو نیچے گرانے کی کوشش کر رہے تھے شیر اس فکر میں تھا کہ ذرا سنبھل کر علی قلی کے پنجہ مار کر ان کی تکا بوٹی کر ڈالے لیکن علی قلی نے اسے اتنا موقع بھی نہ دیا۔ وہ پوری قوت سے اسے نیچے ڈھکیل رہے تھے۔ اب بھی کسی سوار کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ بڑھ کر تلوار سے شیر کا کام تمام کر دیتا۔ سب تماشہ دیکھ رہے تھے۔"

آخر علی قلی نے شیر کو نیچے ڈھکا دیا۔ فیلبان جو ہاتھی کی گردن سے نیچے کی طرف چمٹا ہوا تھا۔ خوف سے زرد پڑ گیا۔ اسے اندیشہ ہوا کہ شیر علی قلی سے کشتی لڑنے کی وجہ سے غضبناک ہو رہا ہے۔ کہیں وہ علی قلی کو چھوڑ کر

ے چھاپ بیٹھے۔ مگر نہ تو وہ کود کر نیچے گر سکتا تھا۔ نہ ادھر پہنچ سکتا تھا
انتا کہ اگر شیر نے دیکھ لیا تو جس طرح بلی چوہے کو دبوچ کر بیٹھی ہوتی ہے
سی طرح شیر اسے دبوچ کر چلتا بنے گا۔ وہ اور بھی سکڑ کر ہاتھی کی
دن سے لگ گیا۔"

اسی دوران میں ہاتھی کا قابو چل گیا۔ اس نے شیر کی پچھلی دونوں ٹانگیں پکڑ
پھینک دیا۔ شیر سے ستک چھوٹ گیا۔ علی قلی فوراً اسے چھوڑ کر کود گئے ہاتھی
جلدی سے شیر کو اپنے پاؤں کے نیچے ڈال کر روند ڈالا۔

علی قلی دس پندرہ منٹ تک شیر کے ساتھ کشتی لڑتے رہے۔ شاہزادہ کے
کے سوار اور افسر تماشہ دیکھتے رہے۔ سلیم ان کی بے جگری [illegible] دیکھ
بہت خوش ہوئے اور انہوں نے ہاتھی سے نیچے اتر کر ان کی کمر تھپکی۔
شاباشی دی ان کی بہادری کی تعریف کی اور "شیر افگن خاں" کا خطاب
ایک چھوٹی سی جاگیر عطا کی اور منصب میں اضافہ کر دیا۔ اس روز سے علی قلی
شیر افگن کے نام سے مشہور ہوئے اور اس خطاب نے اس قدر شہرت حاصل
کہ ان کا اصل نام گم ہو گیا۔"

شاہزادہ سلیم کو ان سے بہت زیادہ محبت ہو گئی اس روز سے وہ شیر افگن
زیادہ سے زیادہ عنایت کرنے لگے میواڑ کی مہم میں شیر افگن نے اپنی بہادری کے جوہر
دکھائے وہ بڑے بڑے نامی گرامی راجپوت سرداروں سے لڑے انہیں شکست دے کر
بھگا دیا یا مار ڈالا۔"

جب میواڑ کی مہم سر ہو گئی اور شاہزادہ سلیم مظفر و منصور ہو کر واپس
آئے تو شاہزادہ نے شیر افگن کی لڑائی کا واقعہ شہنشاہ اکبر کو
سنایا اکبر بھی بہت خوش ہوئے انہوں نے خلعت فاخرہ اور ایک گھوڑا

معہ ساز و سامان کے شیر افگن کو عطا کیا۔ اس سے شیر افگن خاں کی عزت و عظمت
اور بھی بڑھ گئی۔ اب امراء انہیں اچھی نظروں سے دیکھنے لگے اور وہ امیروں
کی محفلوں میں شریک ہونے لگے۔

بتیسواں باب (۳۲)

شعاع امید

علی قلی خاں جب آگرہ میں آئے تھے تو انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ مرزا
غیاث بیگ طہرانی بھی چند سال ہوئے کہ ایران سے آئے ہیں۔ ہم وطن
ہونے کی وجہ سے انھیں ان سے لگاؤ ہو گیا۔ اس کے علاوہ مرزا غیاث
بیگ ناظم بیوتات تھے۔ شاہزادہ کی بارگاہ میں انھیں رسوخ تھا علی قلی
خاں نے بھی ان کے پاس اس امید سے آنا جانا شروع کیا کہ ان کے ذریعہ
سے شاہزادہ تک رسائی ہو جائے۔ مرزا بھی انھیں ترقی کے زینہ پر چڑھانا
چاہتے تھے موقع اور محل کے منتظر تھے۔ لیکن قدرت نے علی قلی کو ترقی کے خود
ہی اسباب پیدا کر دیئے۔ مرزا کو کوشش ہی نہ کرنی پڑی۔

جوں جوں علی قلی خاں ترقی کرتے جاتے تھے مرزا کو خوشی ہوتی جاتی تھی۔ یہ خوشی
کچھ اس وجہ سے نہ تھی کہ ان کا ارادہ ان سے رشتہ قائم کرنے کا تھا۔ انھیں کبھی
یہ خیال پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ بلکہ یہ خوشی اس سبب سے تھی کہ علی قلی ان کے ہم وطن اور
ہم خیال تھے۔

لیکن اب بیگم کے یہ توجہ دلانے پر کہ مہر النساء جوان ہو گئی ہے اور اس کی [شا]دی کی فکر ہونی چاہیئے۔ ان کا خیال شیر افگن خاں کی طرف گیا۔ شیر افگن اکثر [ا]ن کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔

شیر افگن خاں کا ذکر مہر النساء نے بھی سن لیا تھا۔ اس نے کبھی انہیں نہیں [دی]کھا تھا۔ نہ ان کے دیکھنے کی خواہش کی تھی۔ وہ اکثر آتے تھے۔ مہر النساء کو بھی [ا]ن کے آنے کا حال معلوم ہو جاتا تھا۔ مگر وہ انھیں دیکھنا تو درکنار ان کا ذکر [بھ]ی توجہ دے کر نہ سنتی تھی۔ لیکن جب اس نے سنا کہ اس کے والدین شیر افگن [خا]ں کے ساتھ اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں تو اس نے انھیں دیکھ لیا۔ لیکن [ب]احتیاطی سے شیر افگن خاں بھی بغیر اسے دیکھے نہ رہ سکے۔

انہوں نے اس رشک قمر کو دیکھا اور اپنا سکون دل ہی کھو آئے۔ جب سے [و]ہ مرزا غیاث بیگ کے پاس سے اٹھ کر آئے ان کی طبیعت کا رنگ ہی بدل [گی]ا تھا۔ نہ کسی کام میں جی لگتا تھا نہ بات کرنے کو دل چاہتا تھا۔ جو حسین چہرہ [انہ]وں نے دیکھا تھا وہ دل پر نقش ہو گیا تھا۔ استغراق کی حالت میں سر بزانو [ہو] کر بیٹھ گئے اور عالم تصور میں محبوب کے جمال کا نظارہ کرنے لگے۔ دین و دنیا [س]ے کھوئے گئے۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ وہ نہ سیر کو گئے۔ نہ باہر نکلے اپنے [کمرے م]یں بیٹھے رہے۔

انہوں نے کئی عمر رسیدہ خادمائیں نوکر رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک ما[ں] کی طرح ان پر شفقت کرتی تھی۔ اس کا نام نو بہار تھا۔ جب نو بہار نے [ان] کی خود فراموشانہ حالت دیکھی تو کھٹکی۔ وہ ان کے پاس گئی۔ پوچھا [کیس]ی طبیعت ہے"۔

شیر افگن خاں چونک پڑے۔ انہوں نے نو بہار کا سوال نہیں سنا تھا

خوبی کہنے لگے "مجھے بھوک ہے" وہ سمجھے نوبہار کھانے کی اطلاع
دینے آئی ہے۔ نوبہار مسکرائی۔ اس نے کہا۔ آج یہ خود فراموشی
کیوں طاری ہے۔

شیر افگن خاں۔ نہیں تو۔

نوبہار۔ آج آپ کہاں گئے تھے۔

شیر افگن خاں۔ مرزا غیاث بیگ کے یہاں گیا تھا

نوبہار۔ ایک بات بتائیے۔

شیر افگن خاں نے نوبہار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا۔

نوبہار نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "کیا آپ
مہرالنساء کو دیکھا ہے۔

مہرالنساء کا نام سنتے ہی شیر افگن خاں کے دل پر چوٹ پڑی۔ بے
منہ سے آہ نکل گئی۔ نوبہار نے کہا۔ "میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی ضرور آپ نے
دیکھا ہے۔ وہ حسینوں کی سرتاج ہے۔ نہایت خوبصورت ہے شیریں اد
جو اسے دیکھ لیتا ہے۔ اس پر مفتوں ہو جاتا ہے۔

شیر افگن نے نوبہار کو پھر دیکھا۔ پوچھا۔ "کیا واقعی وہ بہت
زیادہ حسین ہے"

نوبہار۔ ہاں لاجواب حسینہ ہے۔ آج ہندوستان میں
کا جواب نہیں ہے۔

شیر افگن۔ اور اس کے چاہنے والے بھی بہت سے ہیں۔

نوبہار۔ یہ میں نہیں جانتی۔ لیکن اس کے حسن کی شہرت ہے اور جو
ہے وہی بغیر دیکھے اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ مشہور ہے شاہزادہ سلیم

بھی اس کے خریداروں میں ہیں۔ دیکھئے۔ وہ کس خوش نصیب کی شریک حیات بنتی ہے۔

اس ذکر سے شیر افگن خاں کے دل پر اور چوٹ لگی۔ انھیں خیال ہوا کہ بے شمار ان کے رقیب ہیں۔ حتیٰ کہ شاہزادہ سلیم بھی رقیبوں کے زمرہ میں شامل ہیں۔ وہ پچھتائے کہ دل بھی دیا تو کسے جس کے خریدار شاہزادہ تک ہیں۔ وہ سخت مایوس ہو گئے انہوں نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا ــــ افسوس، مجھے کیا معلوم تھا: ع

دل کا آنا موت کا پیغام تھا

نوبہار۔ تو کیا آپ نے مہر النساء کو دیکھا ہے۔؟

شیر افگن۔ ہاں۔ اگر وہ مہر النساء ہی تھی۔

نوبہار۔ آپ نے اسے کہاں اور کس طرح دیکھا۔

شیر افگن خاں نے تمام واقعہ کہہ سنایا۔ نوبہار نے کہا۔ جب آپ مرزا غیاث بیگ کے یہاں جاتے تھے۔ مجھے اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں آپ کی نظر مہر النساء پر نہ پڑ جائے۔ میں آپ کو متنبہ کرنا چاہتی تھی کہ آپ وہاں کا آنا جانا بند کر دیں۔ لیکن اس خیال سے نہ کہا کہ اس سے آپ کے دل میں مہر النساء کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو جائے گا اور اشتیاق ہی محبت کا پیش خیمہ بن جائے گا۔ کیونکہ کسی نے کہا ہے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت گفتار خیزد

شیر افگن خاں۔ کاش تم مجھے متنبہ کر دیتیں۔ میں وہاں جانا چھوڑ دیتا۔ اب کیا ہو گا۔

نوبہار۔ میرا خیال ہے کہ مرزا غیاث بیگ آپ کو سب پر ترجیح دیں گے

آپ کے ہموطن ہیں۔ وہ آپ سے محبت بھی کرتے ہیں۔

شیر افگن۔ لیکن شاہزادے پر مجھ کو ترجیح نہیں دے سکتے۔

نوبہار۔ شاہزادہ سے اس کا عقد نہیں ہو سکتا۔

شیر افگن نے امید بھری نظروں سے شیر افگن کو دیکھ کر پوچھا "کیوں؟"

نوبہار۔ اس لیئے کہ مریم الزمانی نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے شاہزادہ سلیم کا بیاہ کسی مسلمان لڑکی سے ہو۔ مجھے یہ باتیں اچھی طرح معلوم ہیں۔

شیر افگن خاں۔ جب تو کچھ امید ہے۔

نوبہار۔ کچھ نہیں۔ بہت زیادہ امید ہے۔"

شیر افگن خاں ـــــ لیکن پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جسے میں نے دیکھا۔ وہ مہر النساء ہی تھی۔

نوبہار۔ یہ کیا بات ہے۔ میں ابھی معلوم کیئے آتی ہوں۔

شیر افگن خاں۔ تمہارا بڑا احسان ہے۔

نوبہار۔ اس میں احسان کی کیا بات ہے۔ آپ اٹھیں حسب معمول کاموں میں مشغول ہوں۔ میں جاتی ہوں۔ انشاء اللہ بیگم کو ہموار کر کے آؤں گی۔

شیر افگن خاں۔ جب تو میں تمہیں آج سے مادر مشفقہ سمجھوں گا۔"

نوبہار۔ میں اس عزت کے قابل نہیں ہوں۔ آپ کی لونڈی ہوں۔

نوبہار وہاں سے چلی گئی۔ شیر افگن خاں کے دل میں امید کی شعاع چمکی۔ وہ اٹھے منہ ہاتھ دھویا۔ کاموں میں مصروف ہونے کی کوشش کی۔ لیکن کسی کام میں بھی دل نہ لگا۔

محبت کو کام سے بیر ہے۔ جسے محبت ہو جاتی ہے۔ وہ دنیا بھر کے کاموں سے فارغ ہو جاتا ہے۔ دل کی لگی کوئی کام کرنے ہی نہیں دیتی۔ سچی محبت تن بدن

میں ایسی آگ لگا دیتی ہے کہ انسان اس سوز دروں سے جلنے لگتا ہے۔ جلتا ہے مگر اس آگ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ اسے جلتے رہنے ہی میں لطف آتا ہے

جب کسی کام میں دل نہ لگا تو شیر افگن خاں پھر اپنے کمرہ میں جا بیٹھے اور نوبہار کا انتظار کرنے لگے۔ دن چھپے کے قریب نوبہار بھی آ گئی۔ وہ خوش تھی شیر افگن نے پوچھا۔ بتاؤ کیا میں نے مہرالنساء ہی کو دیکھا ہے۔

نوبہار نے جواب دیا۔ ہاں۔

شیر افگن خاں۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔؟

نوبہار۔ میں نے خود مہرالنساء سے پوچھا تھا۔

شیر افگن خاں۔ اور اس نے بتا دیا۔

نوبہار۔ کیسے نہ بتاتی۔ میں نے اس طریقہ سے پوچھا کہ اسے بتانا ہی پڑا مفصل سناتی ہوں۔

میں جب وہاں گئی تو مہرالنساء تنہا بیٹھی تھی۔ میں نے جاتے ہی اسے باتوں میں پرچا لیا۔ آپ کا ذکر کیا۔ وہ بگڑی نہیں۔ آپ کا حال سنتی رہی۔ میں نے کہا تم نے جھانک کر شیر افگن پر بجلی گرا دی۔ وہ کہنے لگی مجھے کیا خبر تھی وہ بیٹھے ہیں۔ مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں نے جھانکا۔ وہ سامنے ہی بیٹھے تھے۔ جوں ہی میری ان پر نظر پڑی۔ میں بھاگ آئی۔ میں نے کہا۔ تم نے ہی یہ آگ لگائی ہے۔ تم ہی اسے بجھا سکتی ہو۔ اس نے کہا۔ میں شریف زادی ہوں مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔

شیر افگن خاں۔ اتنا ذکر آنے پر بھی وہ کچھ ناراض نہیں ہوئی۔

نوبہار۔ نہیں۔ وہ بڑی سمجھدار اور تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ میں نے زیادہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ چاہا کہ بیگم سے بھی کچھ باتیں کر لوں۔ مگر وہ کام میں ایسی

مصروف تھیں کہ ان سے باتیں کرنے کا موقع نہ ملا۔ انشاءاللہ کل جاکر ان سے گفتگو کروں گی۔"

شیر افگن خاں تمھارا بڑا احسان ہوگا۔ میں عمر بھر ممنون رہوں گا۔

نوبہار — اطمینان رکھیے۔ میں آپ کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگا دوں گی۔ اٹھیے کھانا کھائیے اور کسی پر اپنا راز ظاہر نہ کیجیے — ورنہ بات بگڑ جائے گی۔

شیر افگن خاں۔ میں احتیاط کروں گا۔

نوبہار کھانا لے آئی۔ شیر افگن کھانے لگے۔

تینتیسواں باب (۳۳)

شادی

دوسرے روز نوبہار پھر مرزا غیاث کے گھر پہونچی۔ آج بھی بیگم مصروف تھیں۔ وہ مہرالنساء کے پاس جا بیٹھی۔ اس کی طبیعت کا حال پوچھا۔

مہرالنساء نے شرارت سے مسکرا کر کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ میری طبیعت بہت اچھی ہے۔ تم اپنے آقا کا حال سناؤ۔

نوبہار کو موقع ہاتھ آگیا۔ اس نے کہا "شکر ہے آپ نے ان کا حال پوچھا تو میں نے تو یہ سنا تھا کہ یہ حسین پتھر کے بتوں کی طرح سخت ہوتے ہیں۔ اسی لیے شاعر انھیں عام طور پر صنم کہتے ہیں۔

مہرالنساء۔ شاعروں کی رہنے دو۔ ان بے چاروں کی دنیا ہی نرالی ہے۔ وہ

...م خیال میں رہتے ہیں۔ خیال ہی میں اپنے گریبان پھاڑ ڈالتے ہیں۔ چیختے ...یں چلاتے ہیں۔ اچھلتے ہیں کودتے ہیں۔ طرح طرح کی شکائیتیں کرتے ہیں۔ مجنوں ...ے چچا اور فرہاد کے بھتیجے بن جاتے ہیں۔

نوبہار۔ شاعر وہی کہتے ہیں جو ان پر بیتتی ہے۔ یا وہ دیکھتے ہیں دنیا کا تجربہ ...ی یہی ہے۔ جہاں حسینوں کو اپنے حسن کا احساس ہوا:۔ وہ مغرور ہو گئے۔ پھر ...اے آدمی سے بات تھوڑا ہی کرتے ہیں ـــ"

مہرالنساء۔ ہوگا۔ آج کیسے کرم کیا۔

نوبہار۔ آج ہی رحم کی درخواست کرنے آئی ہوں۔

مہرالنساء ہنس پڑی۔ اس نے کہا۔ "رحم کی درخواست کرو شہنشاہ سے۔"

نوبہار نے سنجیدگی سے کہا۔ "شہنشاہ حسن سے ہی رحم کی درخواست کرنے آئی ...وں۔ تم میرے آقا کا حال معلوم کرنا چاہتی ہو۔ سنو جب سے تمھیں دیکھ کر گئے ...یں۔ کچھ کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں۔ چہرہ سے حسرت ٹپکنے لگی ہے۔ رات ...شکل سے دو چار نوالے کھاتے ہیں۔ اگر چند روز یہی حال رہا تو ان کی زندگی کا ...خدا ہی حافظ ہے۔

مہرالنساء۔ بوا تم خوب اظہار حال کرنا جانتی ہو۔ کہیں کسی شاعر سے تو تمھارا ...سابقہ نہیں پڑ چکا ہے۔"

نوبہار۔ سابقہ تو نہیں پڑا۔ لیکن شاعروں کی باتیں تو سنی ہی ہیں۔

مہرالنساء۔ یہی بات ہے۔

نوبہار۔ اچھا تو کیا حکم ہے۔

مہرالنساء۔ حکم یہ ہے کہ تم انھیں سمجھا دو۔ وہ بیاہی ہیں۔ انھیں سپاہیانہ ...ام کرنا چاہئیں۔

نوبہار کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ بیگم آ گئی۔ نوبہار نے اسے سلام کیا۔ بیگم نے کہا
تم نے تو آنا جانا ہی کم کر دیا ہے نوبہار۔"

نوبہار۔ فرصت ہی نہیں ملتی حضور۔ میرے آقا کے پاس یوں تو کئی کنیزیں
ہیں۔ لیکن انھیں مجھ پر بھروسہ ہے۔ مجھے ان ہی کے سب کاموں کی نگہداشت
کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے ہر وقت مشغول رہتی ہوں۔

بیگم بیٹھ گئی۔ اس نے مہرالنساء کو کسی بہانے سے ٹال دیا اور نوبہار سے کہا
گھر بغیر بیوی کے نہیں ہوتا۔ ان کی شادی کر دو نہ۔"

نوبہار۔ ان کا عرصے سے شادی کرنے کا ارادہ ہے۔ لیکن چاہتے ہیں کہ اپنے ہموطنوں
میں شادی کریں۔

بیگم۔ کیا ایران جا کر شادی کریں گے۔

نوبہار۔ جی نہیں۔ اب وہ ایران کیا جائیں گے۔

بیگم۔ یہاں ہندوستان میں بھی تو بہت سے ایرانی ہیں۔

نوبہار۔ جی ہاں ہندوستان ہی میں کیا خاص آگرہ میں کئی گھرانے ہیں۔

بیگم۔ پھر جہاں چاہیں پیغام دے دیں۔

نوبہار۔ پیغام تو دیدیں۔ لیکن ڈرتے ہیں کہیں انکار نہ ہو جائے۔

بیگم۔ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے ماشاء اللہ وہ جوان ہیں خاندانی منصبدار
ہیں۔ انکار کیوں ہو گا۔

نوبہار۔ تب میں مہرالنساء کے لیے پیغام لائی ہوں۔

بیگم کو خود اس پیغام کے آنے کی تمنا تھی۔ لیکن نوبہار نے اچانک
اس طرح پیغام دیا کہ وہ حیران رہ گئیں۔ انہوں نے کہا مہرالنساء کے
لیے پیغام لائی ہو۔

نوبہار۔ جی ہاں۔ میں کل بھی اسی لیے حاضر ہوئی تھی۔ لیکن کل آپ مصروف تھیں۔ کچھ عرض نہ کرسکی۔ آج پھر آئی ہوں۔ آپ شیر افگن خاں سے واقف ہیں اچھے خاندان سے ہیں۔ نیک ہیں۔ خوبرو ہیں۔ شہنشاہ اور شاہزادہ دونوں ان پر مہربانی کرتے ہیں۔ قوت بازو سے انہوں نے منصب حاصل کیا ہے۔ ترقی کی امید ہے۔

بیگم۔ یہ سچ ہے۔ لیکن . . . .

نوبہار نے قطع کلام کرکے کہا۔ "حضور اقرار یا انکار کرنے سے پہلے مجھے کچھ اور عرض کرنے دیں۔

بیگم۔ کہو۔

نوبہار۔ شیر افگن خاں مرزاجی کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ وہ انھیں بالکل باپ سمجھتے ہیں۔ شرم کی وجہ سے وہ خود پیغام نہیں دے سکے۔ مجھے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ ہاتھ جوڑ کر میری طرف سے عرض کرنا کہ میرا کوئی بزرگ نہیں ہے۔ میرے سر پر دست شفقت رکھیں۔ مجھے اپنے خاندان میں شامل کریں۔

بیگم۔ مہرالنساء کی شادی کا مجھے کوئی اختیار نہیں ہے۔ مرزاجی ہی ہاں یا نہ کرسکتے ہیں۔"

نوبہار۔ میں ان سے بھی عرض کروں گی۔ لیکن آپ بھی مہرالنساء کی والدہ ہیں آپ کو بھی حق ہے۔ آپ منظوری نہ دیں۔ لیکن یہ تو اقرار کرلیں کہ آپ کو اس رشتہ سے کوئی اعتراض نہیں۔"

بیگم۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

نوبہار خوش ہوگئی اس روز مرزا سے ملاقات نہ ہوسکی۔ اس نے واپس جاکر شیر افگن خاں کو یہ خوش خبری سنائی۔ شیر افگن خاں بہت خوش ہوئے

امید کی شعاع جوان کے دل میں چمکی تھی۔ وہ بڑھنے لگی۔ انہوں نے اگلے روز صبح ہی نوبہار کو مرزاجی کے گھر بھیجا۔ اتفاق سے اس روز مرزاجی مل گئے۔ نوبہار نے احسن طریقہ پر انھیں پیغام دیا۔ مرزاجی نے کہا۔" کئی جگہ سے پیغام آیا ہے۔ لیکن ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے"۔

نوبہار۔ پھولوں پر بلبلیں آیا ہی کرتے ہیں۔ لیکن مالی پھولوں کو انھیں کے حوالے کرتے ہیں جو پھولوں کے قدر داں بھی ہوں۔ شیرافگن خاں سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ ان پر دست شفقت رکھیئے۔

مرزا غیاث۔ میں غور کروں گا۔

نوبہار۔ غور ضرور کیجئے گا۔ لیکن خدا کے لیے انھیں ناامید نہ ہونے دیجئے۔

مرزا غیاث۔ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

نوبہار۔ چلی آئی۔ آج وہ کچھ خوش نہ تھی۔ اس نے جب شیرافگن خاں سے مرزاجی کی گفتگو بیان کی تو انھیں مایوسی ہونے لگی۔ نوبہار نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔" آپ مایوس نہ ہوں۔ انشاء اللہ میں مرزاجی کو شیشے میں اتار کر ہی رہوں گی ــــ"

لیکن اس سے شیرافگن خاں کو تسلی نہیں ہوئی۔ انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ مہرالنساء کے ایک دو نہیں سیکڑوں خریدار ہیں۔ پیغام بہتوں نے دیئے ہیں۔ ان میں امرا بھی ہوں گے۔ روسا بھی ہوں گے۔ ممکن ہے وزیر زادے بھی ہوں۔ اتنے اور ایسے آدمیوں میں ان کا کامیاب ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔"

انہوں نے چاہا کہ خود مرزا کے پیر ملی پر پڑ جائیں۔ اور ان سے اپنے دل کا حال بیان کر کے رحم کی درخواست کریں۔ مگر نوبہار نے اس کی سخت مخالفت

ں - اس نے بتایا کہ ممکن ہے اس سے مرزا جی خفا ہو جائیں اور پھر یہ بیل کسی طرح منڈھے نہ چڑھے۔"

شیر افگن خاں خاموش ہو گئے - نوبہار نے مرزا جی کے مکان کی خاک چھان ڈالی - روزانہ دو تین پھیرے کرنے لگی - مرزا جی کو خود ہی مہر النساء کی شیر افگن خاں سے شادی کرنے کی تمنا تھی - یہ پھیرے پھیرے اس لیے کرائے جا رہے تھے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ مرزا جی کتنی جلدی راضی ہو گئے - آخر ایک یا ڈیڑھ مہینے کی راستہ پیمائی کے بعد مرزا جی نے حامی بھر لی - شیر افگن خاں کو اس قدر خوشی ہوئی کہ شادی مرگ ہونے کا احتمال ہو گیا - انہوں نے پانچ سو روپے نوبہار کی نذر کرنے چاہے - لیکن نوبہار نے لینے سے انکار کر دیا شیر افگن خاں کے دل میں اس کی بڑی قدر و منزلت بڑھ گئی

دونوں طرف شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں - چونکہ مہر النساء کے حسن کی شہرت تھی اس لیے تمام آگرہ میں اس شادی کا چرچا ہونے لگا - بات مرزا جی کی بیگم اور مہر النساء کی ہم سن لڑکیاں اسے چھیڑنے کے لیے آنے لگیں۔

عقد کی تاریخ مقرر کر دی گئی - شیر افگن خاں اچھے سے اچھا کپڑا لا رہے تھے اور خوبصورت سے خوبصورت زیور تیار کرا رہے تھے - جوں جوں شادی کی تاریخ قریب آتی جاتی تھی - ان کی خوشی بڑھتی جاتی تھی - آخر عقد کا دن آ گیا - نہایت شان سے برات چلی - مہر النساء نے غسل کیا - شاطہ نے اسے آراستہ کیا - اور جب دلہن بنایا تو وہ رشک حور معلوم ہونے لگی - جس عورت نے اسے دیکھا حیران رہ گئی - گویا ایسی پری رو لڑکی ان میں سے کسی نے کبھی آج تک نہ دیکھی تھی - خود بیگم کو اس لڑکی اور اس کی خوبصورتی

دیکھ کر خوف ہوا کہ کہیں اسے کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ وہ جامہ زیب تھی۔ اس پر لباس اور زیور پھوٹ نکلا ـــــ وہ بالکل ملکہ معلوم ہونے لگی

دن چھپے سے پہلے رخصتی ہو گئی۔ مرزا غیاث بیگ کے یہی ایک لڑکی تھی انہوں نے دل کھول کر جہیز دیا ـــ شیر افگن کا گھر اس جہیز سے بھر گیا۔ جب شیر افگن نے گھر پہنچ کر مہر النسا کا نقاب الٹ کر اس مست شباب کو دیکھا تو ان پر مدہوشی طاری ہو گئی۔ انہوں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

شادی کے چند روز بعد ہی شہنشاہ اکبر نے شیر افگن خاں کو ایک دم ترقی دے کر بنگال کا گورنر بنا دیا۔ مہر النساء اس قدر با اقبال اور خوش نجت تھی کہ پیدا ہوتے ہی اپنا اور اپنے باپ کا رزق ساتھ لائی۔ اور شادی ہوتے ہی اس کے شوہر گورنر ہو گئے۔ بعض عورتیں بڑی ہی صاحب اقبال ہوتی ہیں۔ ان میں مہر النساء بھی تھی۔

چونتیسواں باب (۳۴)

مخالفت

جب مہر النساء کا شاہی محلوں میں آنا بند ہو گیا تو شاہزادہ سلیم کو بڑی بےچینی ہوئی ـــ چند روز تو انہوں نے صبر کیا۔ یہ خیال کرتے رہے کہ دو چار روز میں آنے جانے لگے گی۔ مگر جب دنوں سے ہفتے اور ہفتوں سے مہینے گذر گئے تب انہیں فکر پیدا ہوا۔ خصوصاً اس وقت

اور بھی بڑھ گیا ۔ جب بیگم آنے لگی ۔ مگر وہ تنہا آتی ۔ مہرالنساء ساتھ نہ لاتی ۔ انھیں خیال ہوا کہ خدانخواستہ کہیں مہرالنساء کی طبیعت خراب تو نہیں رہنے لگی۔

وہ پہلے بیگم سے بہت کم باتیں کرتے تھے ۔ مگر اب زیادہ کرنے لگے جب وہ آتی تو اس کے پاس جاتے۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ۔ گھر کی خیریت پوچھتے ۔ بیگم مناسب جواب دے دیتی ۔ لیکن اس کے جواب سے شہزادے کو تسکین نہ ہوتی ۔ وہ درپردہ مہرالنساء کا حال پوچھنا چاہتے تھے لیکن بیگم اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہتی ۔ شاہزادہ کو علانیہ مہرالنساء کا حال پوچھتے لحاظ آتا تھا ۔ لیکن کب تک لحاظ کرتے ۔ آخر ایک دن پوچھا

"بوا! یہ تو بتاؤ مہرالنساء کی کیسی طبیعت ہے ۔"

بیگم نے جواب دیا ۔ "خدا کا شکر ہے ۔ صاحب عالم کے اقبال سے اچھی ہے ۔"

سلیم ۔ اب تم اسے اپنے ساتھ نہیں لاتی ہو ۔

بیگم ۔ صاحب عالم! اب وہ جوان ہو گئی ہے ۔ ہمارے یہاں جوان لڑکیوں کو کہیں آنے جانے نہیں دیتے ۔"

سلیم ۔ کیا مینا بازار میں بھی اسے آنے سے روک دیا ہے ۔

بیگم ۔ جی ہاں

شاہزادہ خاموش ہو گئے ۔ چونکہ وہ اپنی والدہ جودھا بائی اور والد شہنشاہ سے ڈرتے تھے ۔ اس لیے مہرالنساء سے عقد کے متعلق اپنی زبان سے نہ کہہ سکتے تھے ۔ لیکن ان کی زبردست تمنا تھی کہ وہ مہرالنساء سے

اور ایک دن ضرور دینِ آلہی قبول کرے گا۔

ابوالفضل۔ ناممکن ہے۔ جب انھیں دینِ آلہی اختیار کرنے کو کہا جاتا ہے تو وہ بگڑ جاتے ہیں۔ بحث و مباحثہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔"

اکبر۔ ہم خود کسی روز اس کے شکوک رفع کر دیں گے۔

ابوالفضل۔ اگر نیک نیتی ہو تو شکوک رفع ہو سکتے ہیں۔ لیکن جہاں ضد ہو۔ سرکشی ہو۔ وہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔

اکبر۔ پھر کیا کرنا چاہیئے۔

ابوالفضل۔ اگر میری بات مانیے تو شاہزادے کو قید کر دیجئے۔

اکبر کو بھی سلیم سے بڑی محبت تھی۔ انھیں یہ اچھا معلوم ہوا کہ وہ اپنے لختِ جگر کو قید کر دیں۔ انہوں نے کہا۔ ہم اسے ایک موقعہ اور دینا چاہتے ہیں۔ اس وقت راجپوتانہ میں بغاوت پھوٹ پڑی ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ سلیم کو اس بغاوت کے فرو ہونے پر مامور کریں۔"

ابوالفضل کو شاہزادے سے کد تھی۔ انھیں یہ گوارا نہ تھا کہ وہ کوئی نیک نامی کا کام کریں۔ انہوں نے کہا۔ "اگر شاہزادہ وہاں جاکر باغی ہو جائے تب کیا ہوگا۔

اکبر۔ وہ بغاوت نہیں کرے گا۔

چنانچہ اکبر نے اسی وقت ایک فرمان لکھا۔ جس میں شاہزادہ کو راجپوتانہ جاکر بغاوت فرد کرنے کا حکم دیا تھا۔

سلہ از تاریخ ہندوستان۔

ابوالفضل سے صرف شاہزادہ سلیم ہی نہیں بلکہ بہت سے امراء ناخوش تھے۔ ان میں سے بعض تو اس لیے خفا تھے کہ ابوالفضل مصاحبت کے زعم میں آکر بے جا سختی کرتے تھے۔ بعض اس لیے خلاف تھے کہ وہ لامذہب تھے۔ انہوں نے اکبر کو بہکا کر گمراہ کر دیا تھا۔ اور اب اسلام کو تباہ کر رہے تھے۔

چنانچہ ان میں سے کسی نے شاہزادہ کے گوش گذار یہ بات کر دی کہ ابوالفضل ہماری شکائیت کر رہے تھے۔ اور تمہیں قید کرانا چاہتے تھے۔ شاہزادہ کو بڑا ناگوار گذرا۔ انہوں نے فوراً مرزا غیاث بیگ کی زبانی ابوالفضل کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ نہ معلوم آپ میرے خلاف کیوں ہو گئے ہیں۔ میں آپ کا مخالف نہیں ہوں۔ میرے دل میں آپ کی عزت ہے۔ آپ اس عزت کو قائم رکھیے۔

ابوالفضل کو چاہیئے تھا کہ اس پیغام کا لحاظ کرتے۔ شاہزادہ کی مخالفت سے بعض آجاتے۔ لیکن انہوں نے اس پیغام کو ایک قسم کا طنز سمجھا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ ان کی مخالفت میں سرگرم ہو گئے۔ اکبر کے کان بھرنے لگے۔ ادھر انہوں نے یہ نامناسب حرکت کی کہ شاہزادہ کے جو مشیر و ہم نشین تھے ان میں سے کسی ایک کو یہ پٹی پڑھا دی کہ وہ شاہزادہ کو بغاوت کی ترغیب دیتے رہیں۔ اس سے یہ مقصد تھا کہ ادھر تو شہنشاہ اکبر کو یہ یقین ہو جائے جو کچھ میں نے کہا تھا وہ سچ تھا۔ ادھر اکبر بیٹے سے بدظن ہو کر انھیں یا قید کر دیں۔ یا قتل کر ڈالیں۔

جب شاہزادہ میوار جانے کو تیار ہوئے تو اکبر نے راجہ مان سنگھ کو بھی ان کی نیابت سالار مقرر کیا۔ چونکہ راجہ مان سنگھ شاہزادہ سلیم کے سالے تھے۔ اس لیے ابوالفضل

کو خیال ہوا کہ راجہ مان سنگھ شاہزادہ کو باغی نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اکبر سے عرض کی کہ "اس مہم پر شاہزادہ کے ساتھ راجہ مان سنگھ کا جانا ضروری نہیں ہے۔ احتمال ہے کہ کہیں راجہ مان سنگھ کے ورغلانے پر شاہزادہ باغی نہ کر دیں۔"

اکبر نے کہا۔ راجہ مان سنگھ سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ اور ان کا خاندان وفادار ہے۔ اسکے علاوہ مجھے شاہزادے سے خود ایسی امید نہیں ہے۔

ابوالفضل۔ عالم پناہ نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ لیکن میں یہ پیشگوئی کرتا ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ ہو کر رہے گا۔ شاہزادہ یقیناً بغاوت کریں گے۔

اکبر نے ہنس کر کہا۔ "تم دیکھو گے کہ تمھاری یہ پیشین گوئی پوری نہ ہو گی۔

کاش اکبر کو معلوم ہو جاتا کہ جس ابوالفضل پر انھیں کامل اعتماد ہے انہوں نے شاہزادہ کے گرد کیسا جال پورا ہے۔ اگر انھیں اس کا پتہ چل جاتا اور وہ ذرا عقل سے کام لیتے تو وہ واقعات پیش نہ آتے جو ہم آئندہ باب میں بیان کرنے والے ہیں۔

شاہزادہ سلیم گجرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ شہنشاہ اکبر فتحیابی کا اور ابوالفضل کامیابی کا انتظار کرنے لگے۔

حصہ اول ختم شد

نونہال

حصہ دوم مکمل

پہلا باب (۱)

شبخون

شاہزادے سلیم نے گجرات میں پہنچ کر رانا پر فوج کشی کی۔ راجپوتوں نے کئی مقامات پر مقابلہ کیا۔ لیکن ہزیمت اٹھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ شاہی فوجوں نے آگے بڑھ کر رانا کے علاقہ پر قبضہ کرنا شروع کردیا۔

جب رانا نے دیکھا کہ اس میں مقابلہ کی تاب نہیں ہے تو اس نے دوسرے راجاؤں سے مدد طلب کی۔ کئی راجاؤں نے انھیں مدد دی۔ اب ان کے پاس اس قدر لشکر ہو گیا۔ جو اسلامی لشکر سے کہیں زیادہ تھا۔ راجپوت بڑی لڑنے والی قوم ہے۔ بہادر اور نڈر بھی ہے۔ رانا کو اطمینان ہو گیا کہ وہ ان کثیر فوجوں سے مسلمانوں کو شکست دے کر اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لے لیں گے چنانچہ وہ کھلے میدان میں مقابلہ میں آگئے۔

ایک طرف مسلمان اور دوسری طرف راجپوت خیمہ زن ہو گئے۔ چونکہ دونوں فریقوں کو شبخون مارے جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ہر فریق نے کچھ فوجی دستے

اپنے اپنے لشکر کی حفاظت کے لیے مامور کردیے تھے۔ یہ دستے رات بھر گشت کرتے رہتے تھے۔

راجپوتوں نے کئی مرتبہ شبخون مارنے کی کوشش کی۔ لیکن مسلمان ہوشیار تھے۔ ان کا داؤ نہ چلا۔ پھر بھی ایک رات، کو وہ اسلامی لشکر میں گھس ہی گئے۔

شاہزادہ سلیم نے لشکریوں کو اس طرح خیمہ زن کیا تھا کہ اول یعنی شروع میں توپخانہ تھا۔ توپخانہ کی حفاظت پر پانچ ہزار سپاہی تھے۔ اس کے فاصلہ پر پیچھے کی جانب ہراول۔ ہراول کے دونوں بازوں پر دو دو میل دوری پر سوار مقیم تھے۔ ان کے عقب میں خود شاہزادہ کی فوج تھی۔ شاہزادہ کے پیچھے تین میل تک متفرق سردار اپنے اپنے دستوں کے ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس طرح یہ لشکر سولہ میل مربع میں پھیلا ہوا تھا۔ چونکہ ہر دستے کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ اس لیے لشکرگاہ کی وسعت بڑھ گئی تھی۔

صفائی کے لیے خاکروبوں کی پلٹنیں ساتھ آتی تھیں۔ آئین اکبری میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے خاکروبوں کو حلال خوروں کا خطاب دیا تھا۔ یہ حلال خور بڑے نمک حلال تھے۔ صفائی نہایت اچھی کرتے تھے۔ راجپوت تو اکثر جاگ کر لشکر کی حفاظت میں مدد دیتے تھے۔ سپاہیوں کی گری پڑی چیزیں اٹھا کر مالکوں تک پہونچا دیتے تھے۔ انھیں تنخواہوں کے علاوہ مال غنیمت میں سے بھی حصہ دیا جاتا تھا۔ فوجی دستوں کے درمیان جو میدان تھا اس میں ایک طرف حلال خوروں کے لیے داؤٹیاں کھڑی کردی گئی تھیں۔

جب راجپوتوں نے شبخون مارا تو ان کی بھاری تعداد توپخانہ سے بچ کر آگے بڑھی۔ توپخانہ کے پیچھے بھی حلال خور تھے ان میں سے اس وقت کچھ آدمی جاگ رہے تھے۔ انہوں نے راجپوتوں کو دیکھتے ہی شور مچایا۔

راجپوتوں کی خوش نصیبی سے طلایہ گرد دستہ دور تھا۔ اس دستہ نے اس شور کو نہ سنا۔ البتہ توپخانہ کے پیادہ ہیوں نے سن لیا۔ وہ ڈھالیں اور تلواریں لے لے کر دوڑ پڑے۔

اس عرصے میں راجپوتوں نے حلال خوروں پر حملہ کر دیا۔ انھیں شائد یہ بات ناگوار گزری کہ خاک روبوں نے غل کر کے مسلمانوں کو ہوشیار کیوں کر دیا۔ وہ یہ سمجھے تھے کہ بھنگیوں کو فوراً قتل کر ڈالیں گے۔ یہ نہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے بھنگی ہیں۔ خوب لڑنا جانتے ہیں۔ چنانچہ بھنگی بھی تلواریں لے کر راجپوتوں پر ٹوٹ پڑے۔ مگر ان کی تعداد تھوڑی تھی۔ راجپوت ہزاروں تھے۔ وہ دب کر پیچھے ہٹنے لگے۔

ابھی ہنگامہ کارزار اچھی طرح گرم نہ ہوا تھا کہ بہت سے مسلمان دوڑ کر وہاں آ گئے انہوں نے آتے ہی راجپوتوں پر نہایت سختی سے حملہ کر دیا۔ راجپوت حلال خوروں کو چھوڑ کر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

توپخانہ کے کئی مسلمان افسر بھی وہاں آ گئے تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا حلال خور الگ ہو جائیں۔ ہم ان کے مشکور ہیں کہ انہوں نے شور کر کے ہمیں اطلاع دیدی۔ اور ہمارے آنے تک راجپوتوں کو روک لیا۔

لیکن حلال خوروں کو راجپوتوں پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے لڑائی میں شریک رہے۔ راجپوت دو طرف سے گھر گئے۔ ایک طرف مسلمان ان پر حملے کر رہے تھے۔ دوسری طرف خاکروب مار رہے تھے۔ راجپوتوں نے بھی دونوں طرف متوجہ ہو کر نہایت جانبازی سے جنگ شروع کر دی۔

۱؎ از تزک جہانگیری۔

لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی برق وش تلواریں بجلی کی طرح کوندنے لگیں۔ قمری مہینہ کا آخری عشرہ تھا۔ پچھلی رات کو چاند نکلا کرتا تھا۔ راجپوت اندھیری رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر اسلامی لشکر میں گھس آئے تھے۔ لیکن اب چاند طلوع ہونے لگا۔ روشنی پھیلنے لگی تھی۔ اندھیرا گھٹنے لگا تھا۔

لڑائی اور زور سے شروع ہو گئی تھی۔ تلواریں کاٹ کر رہی تھیں۔ سرفروش کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ ابھی تک راجپوتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ اس فکر میں تھے کہ مسلمانوں کو سامنے مار کر یا ہٹا کر نکل جائیں۔ لیکن مسلمان درختوں کی طرح جم کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ہٹنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ بلکہ نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے۔ جب راجپوت ہلہ کر کے نکل جانے کی کوشش کرتے تھے تو مسلمان پرزور حملہ کر کے انہیں پیچھے ڈھکیل دیتے تھے۔ اس جدوجہد میں مسلمان کم اور راجپوت زیادہ تعداد میں قتل ہو رہے تھے۔

راجپوت آئے تھے غفلت کی حالت میں مسلمانوں کو قتل کرنے لیکن ٹھاکروں نے انہیں پھندہ میں پھنسا دیا تھا۔ وہ اس پھندہ سے نکل جانے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر مسلمان اور ٹھاکر دیب انہیں نکلنے ہی نہ دیتے تھے۔ وہ مجبور ہو کر لڑ رہے تھے۔

خلاف معمول اس وقت راجپوت خاموش تھے۔ شاید ڈرتے تھے کہ اگر غل کریں گے تو مسلمان شیر ہو کر اور زور ڈالیں گے پھر ان کا نکل بھاگنا قطعی ناممکن ہو جائے گا۔ مسلمان بھی چپ تھے۔ ان کے مدنظر صرف ایک ہی کام تھا اور وہ راجپوتوں کا قتل تھا۔ وہ نہایت بہادری سے حملے کر کر کے راجپوتوں کو زخمی اور قتل کر رہے تھے۔ راجپوت بھی بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ ایک تو وہ بہادر تھے ہی۔ دوسرے موت

راجپوتوں کی خوش نصیبی سے طلایہ گرد دستہ دور تھا۔ اس دستہ نے اس شور کو نہ سنا۔ البتہ توپخانہ کے سپاہیوں نے سن لیا۔ وہ ڈھالیں اور تلواریں لے لے کر دوڑ پڑے۔

اس عرصے میں راجپوتوں نے حلال خوروں پر حملہ کر دیا۔ انھیں شاید یہ بات ناگوار گزری کہ خاک روبوں نے غل کر کے مسلمانوں کو ہوشیار کیوں کر دیا۔ وہ یہ سمجھے تھے کہ بھنگیوں کو فوراً قتل کر ڈالیں گے۔ یہ نہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے بھنگی ہیں۔ خوب لڑنا جانتے ہیں۔ چنانچہ بھنگی بھی تلواریں لے کر راجپوتوں پر ٹوٹ پڑے۔ مگر ان کی تعداد تھوڑی تھی راجپوت ہزاروں تھے۔ وہ دب کر پیچھے ہٹنے لگے۔

ابھی ہنگامہ کارزار اچھی طرح گرم نہ ہوا تھا کہ بہت سے مسلمان وہاں آگئے انہوں نے آتے ہی راجپوتوں پر نہایت سختی سے حملہ کر دیا۔ راجپوت حلال خوروں کو چھوڑ کر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

توپخانہ کے کئی مسلمان افسر بھی وہاں آگئے تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا حلال خور الگ ہو جائیں۔ ہم ان کے مشکور ہیں کہ انہوں نے شور کر کے ہمیں اطلاع دیدی۔ اور ہمارے آنے تک راجپوتوں کو روک لیا۔

لیکن حلال خوروں کو راجپوتوں پر غصہ آرہا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے لڑائی میں شریک رہے۔ راجپوت دو طرف سے گھر گئے۔ ایک طرف مسلمان ان پر حملے کر رہے تھے۔ دوسری طرف خاکروب مار رہے تھے۔ راجپوتوں نے بھی دونوں طرف متوجہ ہو کر نہایت جانبازی سے جنگ شروع کر دی۔

سلہ از تزک جہانگیری۔

لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی برق وش تلواریں بجلی کی طرح کوندنے لگیں۔ قمری مہینہ کا آخری عشرہ تھا۔ پچھلی رات کو چاند نکلا کرتا تھا۔ راجپوت اندھیری رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر اسلامی لشکر میں گھس آئے تھے۔ لیکن اب چاند طلوع ہونے لگا۔ روشنی پھیلنے لگی تھی۔ اندھیرا گھٹنے لگا تھا۔

لڑائی اور زور سے شروع ہو گئی تھی۔ تلواریں کاٹ کر رہی تھیں۔ سر دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ ابھی تک راجپوتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ اس فکر میں تھے کہ مسلمانوں کو مار کر یا ہٹا کر نکل جائیں۔ لیکن مسلمان درختوں کی طرح جم کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ہٹنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ بلکہ نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے۔ جب راجپوت ہلّہ کر کے نکل جانے کی کوشش کرتے تھے تو مسلمان پر زور حملہ کر کے انہیں پیچھے دھکیل دیتے تھے۔ اس جدوجہد میں مسلمان کم اور راجپوت زیادہ تعداد میں قتل ہو رہے تھے۔

راجپوت آئے تھے غفلت کی حالت میں مسلمانوں کو قتل کرنے لیکن ٹھاکروں نے انہیں پھندہ میں پھنسا دیا تھا۔ وہ اس پھندہ سے نکل جانے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر مسلمان اور ٹھاکر دبا انہیں نکلنے ہی نہ دیتے تھے۔ وہ مجبور ہو کر لڑ رہے تھے۔

خلاف معمول اس وقت راجپوت خاموش تھے۔ شاید ڈرتے تھے کہ اگر غل کریں گے تو مسلمان شور سن کر اور زیادہ ٹوٹ پڑیں گے پھر ان کا نکل بھاگنا قطعی ناممکن ہو جائے گا۔ مسلمان بھی چپ تھے۔ ان کے مدنظر صرف ایک ہی کام تھا اور وہ راجپوتوں کا قتل تھا۔ وہ نہایت بہادری سے حملے کر کر کے راجپوتوں کو زخمی اور قتل کر رہے تھے۔ راجپوت بھی بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ ایک تو وہ بہادر تھے ہی۔ دوسرے موت

کے جنگل میں پھنس گئے تھے اور بھی جی توڑ کر لڑ رہے تھے۔

فریقین ایک دوسرے پر نہایت پرزور حملے کر رہے تھے۔ تلواریں کھچا کھچ کا شور کر رہی تھیں۔ سروں پر سر کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے۔ خون کے فوارے ابل رہے تھے۔ لہو کی بوندیں پڑ رہی تھیں۔ چونکہ اب راجپوت زیادہ تعداد میں زخمی ہونے لگے۔ اس لیے چیخنے چلانے لگے۔ ان کے افسر انھیں واویلا کرنے سے منع کرتے تھے۔ مگر زخموں کی تکلیف انھیں خاموش نہ رہنے دیتی تھی۔

اتفاق سے اس روز شاہزادہ سلیم پانچ سو سپاہیوں کو ساتھ لیے گشت کر رہے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ لشکر کی حفاظت کا جو انتظام انہوں نے کر دیا ہے اس پر عمل کیا جا رہا ہے یا نہیں۔ جب وہ اس میدان میں آئے جہاں جنگ ہو رہی تھی تو انہوں نے شور سنا۔ وہ گھوڑا دوڑا کر چلے۔ ان کا دستہ بھی ان کے جلو میں دوڑا۔ وہ بہت جلد میدان جنگ میں جا پہنچے وہاں پہنچتے ہی انھیں صورت حال معلوم ہو گئی۔ وہ نہایت جوش اور دلیر جنگجو تھے۔ انہوں نے جلدی سے تلوار میان سے کھینچ لی اور بڑھ کر راجپوتوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے دستہ کے سواروں نے بھی بڑی پھرتی سے تلواریں سونتیں اور راجپوتوں پر سختی سے حملے شروع کر دیئے۔

اس تازہ دم دستہ کے آنے سے راجپوتوں کے ہاتھ پیر پھول گئے انہوں نے جانیں بچا کر بھاگ جانا چاہا۔ لیکن بھاگنے کا راستہ نہ ملا مجبور ہو کر پھر جم کر لڑنے لگے۔

مسلمانوں کو ابھی تک یہ اطلاع نہیں ہوئی تھی کہ شاہزادہ سلیم بھی ہمہ تن مشغول جنگ ہو گئے ہیں۔ ایک مسلمان نے جوش میں آ کر یہ اعلان کر دیا

صاحب عالم آ گئے ہیں جلد راجپوتوں کا خاتمہ کر ڈالو۔

اس آواز نے مسلمانوں کے دلوں میں نیا جوش اور نئی امنگ پیدا کر دی۔ ہر مجاہد غضبناک شیر بن کر اور بھی تیزی سے حملہ کرنے لگا۔ راجپوت بھی اپنی جانیں بچانے کے لیے سر بکف اور سینہ سپر ہو گئے۔ پھرتی سے حملے کرنے لگے۔

اگر راجپوت لڑاکا تھے تو مسلمان ان سے زیادہ جنگجو تھے۔ دونوں قومیں سرفروشی سے لڑ رہی تھیں۔ بہادر پینترے بدل بدل کر حملے کر رہے تھے۔ پیچھے ہٹ ہٹ کر اچھل اچھل کر حملے کر رہے تھے۔ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ زخمیوں کے چلانے۔ مرنے والوں کی غرغراہٹ اور تلواروں کی جھنجھناہٹ اور کھٹا کھٹ سے میدان گونج رہا تھا۔

لاشوں پر لاشیں گرتی جاتی تھیں۔ خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ سر اچھل رہے تھے۔ ہاتھ اور پیر کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ بڑی تیزی سے مار دھاڑ ہو رہی تھی۔ راجپوت کثرت سے قتل ہو رہے تھے۔ اگرچہ وہ جوانمردی سے لڑ رہے تھے۔ مگر مسلمانوں کی تلواریں کھیرے اور ککڑی کی طرح سے کاٹ رہی تھیں۔ آخر ان کی زیادہ تعداد ماری گئی۔ بہت تھوڑے باقی رہ گئے۔

شاہزادہ سلیم نے بلند آواز سے کہا۔ "راجپوتو! کیوں فضول اپنی جانیں دیتے ہو۔ ہتھیار ڈال دو۔ تمہارے ساتھ جنگی قیدیوں کا سا سلوک کیا جائے گا۔ راجپوتوں کو موت کا بھیانک چہرہ نظر آ رہا تھا انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔

اس شبخون میں ۲۰۰ (دو سو تعداد) مسلمان شہید ہوئے۔ راجپوت تین ہزار مارے گئے۔ ایک ہزار گرفتار کر لیے گئے۔

جنگ ختم ہونے پر جب شاہزادہ کو معلوم ہوا کہ جلال خورد نے راجپوتوں

کو روک کر ان کا مقابلہ کیا اور اختتام جنگ تک لڑتے رہے تو شاہزادہ نے راجپوتوں کے ہتھیار، لباس اور دوسری تمام چیزیں خاکروبوں ہی کو دیدیں اس کے علاوہ ہر خاکروب کو بیس بیس روپئے انعام کے طور پر دیئے۔ اس کے علاوہ جو حلال خور مارے گئے تھے۔ ان کے پسماندگان کو مرنے والوں کی تنخواہیں بدستور دیئے جانے کا حکم دے دیا۔ اس سے حلال خور بہت خوش ہوئے۔ راجپوتوں کا یہ شبخون ناکام رہا ۔۔۔۔ انھیں سخت نقصان اٹھانا پڑا ۔۔۔۔

دوسرا باب

شکست

شب خون رانا کے حکم سے بہت احتیاط کے ساتھ مارا گیا تھا۔ اس شبخون مارنے کی حرکات اس وجہ سے ہوئی کہ راجپوت اکثر مسلمانوں کو غافل دیکھتے تھے۔ رانا نے خیال کیا تھا کہ اگر شبخون کامیاب ہو گیا تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ ترکیب انہوں نے یہ سوچی تھی کہ جب مسلمان بھاگنے لگیں گے تو ایک دم وہ حملہ کر کے انھیں مار ڈالیں گے۔ اور گرفتار کر لیں گے۔ ایک کو بھی زندہ نہ جانے دیں گے۔ چنانچہ وہ لشکر لے کر اپنے کیمپ سے کچھ آگے بڑھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ لیکن اس کا موقعہ ہی نہ آیا جو راجپوت شبخون مارنے گئے تھے وہ سب کے سب کھیت رہے۔ رانا کو ان کے مارے جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ انہوں نے کئی لنڈر پہلے دمدمے تیار کرا کر ان پر توپیں نصب کرا دیں۔ ان دمدموں

میں راجپوتوں کی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔

شہزادہ سلیم اور راجہ مان سنگھ نے بھی اسلامی لشکر کو نہایت قاعدہ سے آراستہ کر دیا۔ بلند ٹیلوں پر توپیں نصب تھیں۔ ان ٹیلوں کے پیچھے اول پیدل فوجیں ان کے بعد رسالے کھڑے تھے۔

سب سے پہلے راجپوتوں کی توپ نے گولہ اگل کر اعلان جنگ کیا اس کے جواب میں اسلامی توپوں نے دل دہلا دینے والے گرج کے ساتھ گولے پھینکے۔ راجپوتوں نے بھی تیزی سے گولہ باری شروع کر دی فریقین کی توپوں کے گولے بڑے شور کے ساتھ چلتے تھے اور جس جگہ جا کر پڑتے تھے زمین کو پھاڑ ڈالتے تھے۔ تمام زمین میں دھواں پھیل گیا تھا۔ چنگاریاں بکھر رہی تھیں زمین لرز رہی تھی۔

ابتدا میں کسی قدر وقفہ سے گولے چل رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تیزی سے چلنے لگے یہاں تک کہ تمام میدان ہولناک گرج کے شور سیاہ دھوئیں سے اور چھوٹی چھوٹی چنگاریوں سے بھر گیا۔

اگرچہ سورج نکلا ہوا تھا۔ دھوپ پھیل رہی تھی۔ لیکن دھوئیں کی کثرت سے اندھیرا چھا گیا کہ چند قدم کے فاصلے کی چیز بھی صاف نظر نہ آتی تھی۔ آفتاب کی جہاں تاب شعاعیں دھوئیں میں الجھ کر فضا ہی میں گم ہو جاتی تھیں۔

ہر دو توپ خانے گولے چلا رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کسی فریق کا کوئی گولہ کسی چیز کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔ بلکہ گولے فضول ہی ضائع ہو رہے تھے۔

کچھ دیر کے بعد رانا کی توپ کا ایک گولہ مسلمان سپاہیوں کے پاس

آکر پھٹا۔ اس سے کئی سپاہی زخمی ہو گئے۔ اس کی اطلاع فوراً توپچیوں کو دی گئی —— انہوں نے اپنی توپوں کے رخ کسی قدر بدلے اور گولے توپوں میں ڈال کر چلائے۔ اتفاق سے اسی وقت رانا یہ دیکھ کر کہ اسلامی توپوں کے گولے ان کے دمدموں کے قریب مخصوص جگہ پر پڑ رہے ہیں۔ کچھ رسالہ دمدموں کے بیچ میں اس لیے بھیجا کہ وہ موقع دیکھ کر دھوئیں کی تاریکی میں آگے بڑھ کر اچانک مسلمانوں پر جا پڑیں۔"

یہ رسالے ابھی آکر ہی کھڑے ہوئے تھے کہ ان کے سروں پر گولے آکر پھٹے۔ کئی سپاہی ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑ گئے۔ کئی ایسے شدید زخمی ہوئے کہ کسی کام کے ہی نہ رہے۔ کسی کا آدھا سر اڑ گیا۔ کسی کا ہاتھ جاتا رہا۔ کسی کی ٹانگ اڑ گئی۔ کسی کا جبڑا جاتا رہا۔ کئی گھوڑوں کی ہڈیاں چورا ہو گئیں۔ کئی سواروں کی آنکھوں میں جلتی ہوئی بارود جا پڑی اور وہ اندھے ہو گئے۔

ابھی راجپوت اس آفت ناگہانی سے سنبھلے بھی نہ تھے کہ پھر گولوں نے آ کر حشر برپا کر دیا۔ پھر کئی راجپوت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑ گئے کئی بری طرح زخمی ہوئے۔ راجپوت گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ وہ ایسے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے کہ زخمیوں کو بھی اپنے ساتھ نہ لے جا سکے۔ بیچارے زخمی وہیں چیختے چلاتے رہے جن کا [illegible] آنے والے گولوں نے خاتمہ کر دیا۔

جب رانا کو اس حشر خیزی کی خبر ہوئی تو انھیں بڑا رنج ہوا۔ وہ اپنے سپاہیوں کا مسلمانوں سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ لیکن آگ اور لوہے کی بارش ہو رہی تھی۔ وزنی گولے آ آ کر پھٹ رہے تھے۔ دھوئیں کے ساتھ مٹی کے مرغولے اٹھ رہے تھے۔ توپوں کی گرج سے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے ۲۰ ایسے میں وہ نہ اپنی فوجوں کو بڑھا سکتے تھے نہ انتقام لے سکتے تھے کیونکہ

نت پیس رہے تھے۔"

چونکہ رانا کے پاس گولہ بارود کا سامان کم تھا۔ اس لیے ان کے توپچی ٹھہر ٹھہر کر گولے چلا رہے تھے۔ لیکن اسلامی توپیں برابر گولے اگل رہی تھیں۔ جبکہ تمام میدان میں دھواں پھیلا ہوا تھا اور اس کی وجہ سے فضا میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ توپیں چل رہی تھیں ان کے شور سے کانوں پڑی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ گولوں کے پھٹنے سے زمین جھکولے کھا رہی تھی۔ اس وقت دفعۃً ...نے سے شعلے راجپوتوں کی طرف لپکتے ہوئے نظر آئے یہ ان بندوقوں کی گولیاں اور بارود ... جو مسلمانوں نے راجپوتوں پر چلائی تھیں۔ ہوا یہ کہ راجپوت تو دھوئیں کی تاریکی سے ...دہ اٹھانے کا قصد کرتے ہی رہ گئے لیکن مسلمان یہ اندازہ لگا کر راجپوتوں کے گھوڑے ... قدر اونچے اور کس طرف سے آکر چھٹ رہے ہیں بڑھے اور خاموشی سے چل کر دھوئیں قریب پہنچ گئے وہاں پہنچتے ہی انھوں نے بندوقوں کے فیر کیے۔

ان بندوقوں کی گولیوں نے بہت سے راجپوتوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ کئی توپچی ...ھی ہو گئے۔ راجپوتوں کو حیرت ہوئی کہ یہ گولیاں کہاں سے آئیں۔ ابھی ان کی حیرت ...نہ ہوئی تھی کہ پھر گولیوں کی باڑھ آئی۔ اور پھر کئی راجپوت لوٹ گئے اس سے ...جپوتوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔

چونکہ دشمن قریب آگیا تھا اس لیے اب توپوں کا چلانا لاحاصل ہو ... تھا۔ راجپوتوں نے توپیں چھوڑ کر بندوقیں سنبھالیں ان کے سامنے ...نوں کی طرف بڑھے۔ انھوں نے بھی بندوقوں کے فیر کیے۔

اس وقت تک کارتوسی بندوق ایجاد نہ ہوئی تھیں۔ توڑے دار تھیں ... بھی بڑی بھدی قسم کی۔ گولیاں اور بارود ڈال کر لوہے کے گز سے ...ے ٹھونسنا اور پھر چلانا پڑتا تھا۔ اس میں بڑی دیر لگ جاتی تھی۔

اب بندوقوں کی لڑائی شروع ہو گئی تھی ۔ گولیاں تڑ تڑ چل رہی تھیں فریقین کے سپاہی سینوں پر گولیاں کھا رہے تھے ۔ راجپوت مسلمانوں کی اور راجپوتوں کی طرف بڑھ رہے تھے ۔

جب راجپوتوں کی توپوں نے گولے چلانے بند کر دیئے تو مسلمان توپچی سمجھ گ کہ اسلامی رسالوں نے راجپوتوں کے قریب پہنچ کر ان پر حملہ کر دیا ۔ انہو نے بھی توپیں چلانی بند کر دیں ۔ تھوڑی دیر میں ہوا نے دھوئیں کو بکھیر دیا کی شعاعیں میدان تک پہنچنے لگیں ۔ اس سے روشنی بڑھ گئی ۔ اور کچھ عرصے تو بالکل ہی مطلع صاف ہو گیا ۔ تمام میدان میں دھوپ پھیل گئی ۔ اب لشکر نے پیش قدمی شروع کر دی ۔

مسلمانوں کے جو رسالے راجپوتوں کے قریب پہنچ گئے تھے وہ بھی ا تیزی کے ساتھ گولیاں چلا رہے تھے ۔ لیکن راجپوتوں کا دل بندوق فیر کرتا ہوا مسلمانوں کو دباتا چلا آ رہا تھا ۔

گولیاں زور شور سے چل رہی تھیں ۔ فریقین کے جانباز سپاہی قتل ہو رہے تھے ۔ ابھی تک مسلمانوں کا نقصان زیادہ ہو رہا تھا ۔ تھوڑی د مسلمانوں کا سیلاب راجپوتوں سے جا ٹکرایا ۔ اب بندوقیں بھی بیکار سمجھ الگ کر دی گئیں ۔ اور سرفروشوں نے تلواریں نکال لیں ۔

صاف و شفاف تلواریں دھوپ میں جگمگاتی ہوئی اٹھیں ۔ سپاہیو کے سروں پر پڑیں اور ان میں سے بہت سی خون میں سرخ رو ہو کر پھر اٹھ دست بدست جنگ شروع ہو گئی ۔ تلواریں کاٹ کرنے لگیں ۔ انسانی کٹ کٹ کر گرنے لگے ۔ خون کی بارش ہونے لگی ۔ راجپوتوں نے شور کرنا زخمیوں نے چلانا شروع کر دیا ۔ تمام میدان مختلف آوازوں

گونج اٹھا۔

راجپوت مسلمانوں پر اور مسلمان راجپوتوں پر بڑے زور سے حملے کرتے رہے تلواریں نہایت پھرتی سے چل رہی تھیں۔ ہر راجپوت اور مسلمان موت کی لڑائی لڑ رہا تھا۔ اور سب کچھ ایسے لڑائی میں مشغول تھے کہ ایک دوسرے کی کچھ خبر نہ تھی ۔۔۔ ہر شخص اپنے حال میں گرفتار تھا ۔۔۔ نہایت بہادری سے لڑ رہا تھا۔

تلواریں بڑی تیزی سے کاٹ کر رہی تھیں۔ موت سرعت سے اپنی کھیتی کاٹ رہی تھی۔ لاشیں تناور درختوں کی طرح گر رہی تھیں۔ سر کٹے پڑ رہے تھے اور زخموں میں سے خون نکل نکل کر اس طرح بہہ رہا تھا جیسے جھیلوں میں سے پانی نکل کر بہتا ہے۔

جبکہ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ سر دتن کے فیصلے ہو رہے تھے اس وقت ایک طرف سے شاہزادہ سلیم اور دوسری طرف سے راجہ مان سنگھ نے پر زور حملہ کیا۔ راجپوتوں نے ان حملوں کو بڑی جانبازی سے روکا خود رانا مصروف جنگ تھے۔ لیکن مسلمانوں نے انہیں پیچھے ڈھکیل دیا اور پھر اس قوت سے حملہ کیا کہ راجپوتوں کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ بھاگے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا دور تک، راجپوتوں کی لاشیں بچھتی چلی گئیں۔

رانا کو کامل ہزیمت ہوئی۔ وہ بھاگے اور بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر لے چلے گئے۔ شاہزادہ کو فتح ہوئی ۔۔۔ مسلمانوں نے راجپوتوں کے کیمپ پر قبضہ کر کے توپوں۔ بندوقوں۔ گولہ بارود اور دوسری چیزوں کو اپنے تصرف میں لے لیا۔

تیسرا باب (۳)

ترغیب بغاوت

شاہزادہ سلیم نے رانا کو شکست فاش دے کر اس کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ رانا پہاڑوں میں جا گھسے۔ شاہزادہ نے رفتہ رفتہ پہاڑوں میں گھس کر آگے کو پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ چونکہ رانا میں مقابلہ کی قوت نہ رہی۔ اس لیے وہ جنگ چپاول لڑنے لگے۔ جب اسلامی لشکر کو غافل دیکھتے تو رات کو یا دن کے کسی حصے میں حملہ کر دیتے اور جب مسلمان ہشیار ہو کر مقابلے میں آجاتے تو رانا مع اپنے لشکر کے بھاگ جاتے۔

اب میدان کی جنگ نہ تھی۔ بلکہ پہاڑی چھاپے تھے اور یہ چھاپے اس لیے تکلیف دہ بن گئے تھے کہ ایک طرف تو راستے نہایت دشوار گذار تھے۔ تنگ اور پتھریلے راستوں سے توپوں کا لے جانا تو درکنار سواروں کا گزرنا بھی مشکل تھا۔ دوسرے گرمیوں کا موسم تھا۔ خشک پہاڑ تھے۔ گرم ہوا جسموں کو جھلسا دیتی تھی۔ رانا اور تمام راجپوت گرم و خشک ہوا اور ان تکلیفوں کے عادی تھے۔ انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچ رہی تھی۔ لیکن مسلمان نہ اس گرمی کے عادی تھے نہ گرم و خشک ہوا کے خوگر اس لیے انھیں بڑی تکلیف پہنچی تھی پھر بھی وہ اس کوشش میں تھے کہ رانا کا بالکل استیصال کر دیں۔

اسی دوران میں اکبر نے دکن پر لشکر کشی کر دی۔ ابوالفضل وغیرہ کو ساتھ

کے ابراہیم عادل شاہ پر جا چڑھے۔ ابراہیم عادل شاہ مذہباً شیعہ تھے۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ اکبر کی اطاعت نہ کرتے تھے۔

اکبر نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں منقسم کیا۔ ایک حصّہ اپنے چھوٹے بیٹے دانیال کو دے کر مرزا عبدالرحیم خاں خانان کو ان کے ساتھ کر دیا خان خانان نے احمد نگر کا محاصرہ جا کیا اور اکبر نے آسیر کو محصور کر لیا۔

۱۰۰۹ھ ۱۶۰۱ء میں یہ دونوں مشہور قلعے فتح ہو گئے۔ ابراہیم عادل شاہ گھبرا گئے انہوں نے مصالحت کے لیے سفارت بھیجی۔ گراں بہا تحائف بھیجے اور اپنی بیٹی بیگم سلطان کو شاہزادہ دانیال کی ہم نشینی کے لیے قبول کرنے کی استدعا کی۔ اکبر خوش ہو گئے۔ انہوں نے صلح منظور کر لی۔ اور بیگم سلطان کو لینے کے لیے جمال الدین انجو کو روانہ کیا۔

جب یہ خبر شاہزادہ سلیم اور ان کے ساتھ آنے والے امراء کو پہونچی تو ان امیروں نے جنہیں ابوالفضل نے سکھا پڑھا کر شہزادہ سلیم کے ساتھ اس لیے بھیجا تھا کہ وہ شاہزادہ کو بغاوت کی ترغیب دیں۔ اب مکاری کا جال پھیلایا

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ شاہزادہ سلیم کے پاس چند وہی امراء رہ گئے جو ابوالفضل کے چیلے چانٹے تھے۔ یہ لوگ دین الٰہی اختیار کر چکے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کس قدر افسوس ہے کہ شہنشاہ اکبر نے ایک نیا مذہب جاری کیا ہے جو لوگ اس نئے مذہب کو اختیار نہیں کرتے شہنشاہ ان سے ناخوش رہتے ہیں۔

دوسرا بولا۔ " اس وقت ابوالفضل کا طوطی بول رہا ہے۔ جو وہ کہتے ہیں شہنشاہ وہی کرتے ہیں۔ "

چونکہ عام طور پر امیروں اور خاص طور پر تمام مسلمانوں کو یہ بات معلوم تھی

کہ شاہزادہ سلیم نئے مذہب دین الٰہی کو بالکل پسند نہیں کرتے اور ابو الفضل سے سخت ناخوش ہیں۔ اس لیے گفتگو اس پیرایہ سے شروع کی گئی جس سے شاہزادہ خوش ہو کر ان کی باتیں سننے پر متوجہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شاہزادہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

تیسرے مصاحب یا امیر نے کہا۔ مجھے تو یہ اندیشہ ہے کہیں یہ اسلامی سلطنت جاتی نہ رہے۔

چوتھا بولا۔ شہنشاہ نے لامذہب ہو کر مسلمانوں کو ناخوش کر دیا ہے۔ ہندو سلطنت کے ہر شعبے پر چھا گئے ہیں۔ ابوالفضل اور فیضی یہ دونوں شہنشاہ کی ناک کا بال بنے ہوئے ہیں۔ سچ پوچھو تو یہی دونوں حکومت کر رہے ہیں۔

پہلا۔ سنا ہے ابوالفضل اور بعض ہندو امرا صاحب عالم سے سخت ناخوش ہیں۔"

شاہزادہ سلیم کو یہ تو معلوم تھا کہ ابوالفضل کو ان سے خدائی بیر ہے لیکن اس کا علم نہ تھا کہ بعض ہندو امرا بھی ان کی مخالفت میں سرگرم ہیں۔ چنانچہ انھوں نے دریافت کیا۔ ہندو امراء ہم سے کیوں ناراض ہیں۔

دوسرا۔ صاحب عالم کو معلوم نہیں۔ ہم جاں نثار تو یہ سمجھتے تھے کہ ولیعہد بہادر کو سب کچھ معلوم ہے۔

سلیم۔ ہمیں ابو الفضل کی مخالفت کا حال تو معلوم ہے۔ لیکن ہندو امراء کی ناخوشی کے متعلق کچھ علم نہیں۔

تیسرا۔ نہ ہو گا۔ ہندو امراء کو اعلانیہ مخالفت کی جرأت نہیں ہے وہ گہری سازش کر رہے ہیں۔"

سلیم۔ لیکن اس مخالفت کی کچھ وجہ بھی ہے۔

چوتھا۔ چونکہ صاحب عالم مسلمان ہیں۔ اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ہندو نہیں چاہتے کہ شہنشاہ (اکبر) کے جانشین پکے مسلمان ہوں اس لیے وہ مخالفت پر کمربستہ ہوگئے ہیں۔

پانچواں۔ میں نے تو یہ سنا ہے کہ ان ہندو امیروں نے ابوالفضل کے ساتھ اشتراک عمل کر لیا ہے۔ یہ سب مل کر شہنشاہ کو یہ ترغیب دے رہے ہیں کہ صاحب عالم کو ولیعہدی سے معزول کر دیں۔

سلیم کو یہ بات سن کر بڑا جوش آیا۔ انہوں نے کہا۔ ان کی مجال ہوئی تم ان لوگوں کے نام بتاؤ۔ ہم ان کے دماغ درست کر دیں گے۔

پہلا۔ صاحب عالم ہم سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ ایسی رنجدہ بات حضور کے گوش گذار کرے۔ لیکن جب مخالفت زیادہ بڑھتے دیکھی تو ہماری وفاداری نے اور جاں نثاری نے ہمیں اور خاموش نہ رہنے دیا۔ ہم نے یہ راز کی بات عرض کر دی۔ مگر اب ہماری جان اور آبرو حضور کے ہاتھ ہے۔ اگر ابوالفضل یا مخالف ہندو امراء کو اس کا شبہ بھی ہو گیا کہ ہم نے صاحب عالم پر راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ شہنشاہ سے شکایت کر کے ہمیں بے آبرو کرا کر قتل کرا دیں گے۔

سلیم۔ اطمینان رکھو میری موجودگی میں یہ جرأت کسی کی نہیں ہو سکتی کہ میرے ہوا خواہوں میں سے کسی کا بال بھی بیکا کر سکے۔

دوسرا۔ حضور کی اس جرأت و مہربانی کو دیکھ کر ہمیں یہ ہمت ہوئی کہ ہم نے حضور پر اس راز کو ظاہر کر دیا۔

تیسرا۔ صاحب عالم کے ہوا خواہوں کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں دشمن اپنی تجویز میں کامیاب نہ ہو جائیں۔

سلیم یعنی ہمیں ولیعہدی سے علیحدہ نہ کر دیں۔

تیسرا۔ جی ہاں۔

سلیم۔ اگر ایسا ہوا تو خون کے دریا بہہ جائیں گے۔

چوتھا۔ مگر کیا ضرور ہے کہ اس معاملے کو بڑھنے دیا جائے۔

ان مکار شیر دل نے سلسلۂ گفتگو کو ایسا پیچدار کر دیا تھا کہ شاہزادہ سلیم اس کو بھول گئے کہ مخالف مفسد امراء کے نام معلوم کریں) معاملہ کو روکنے کی کیا تدبیر ہونی چاہیئے۔"

پانچواں۔ تدبیر تو آسان ہے۔ لیکن شاید صاحب عالم اسے منظور نہ کریں۔

پانچواں۔ لیکن جو مشورہ ہم سب عرض کرنے والے ہیں۔ چونکہ اس کے انکشاف پر ہماری جانیں جانے کا اندیشہ ہے اس لیے اول اس بات کا یقین دلا دیجئے کہ اگر یہ راز ظاہر ہی ہو جائے تو ہمارا نام ظاہر نہ کیا جائے گا اور اگر ہم پر سختی کی جانے لگے گی تو آپ ہمیں بچانے کی کوشش کریں گے۔

سلیم۔ ہم اطمینان دلا چکے ہیں کہ ہماری موجودگی میں تمھارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اب پھر یقین دلاتے ہیں کہ نہ تمھارا نام ظاہر ہوگا نہ تمھیں کوئی سزا دے سکے گا۔

دوسرا۔ اب کافی ہے ہمارا اطمینان ہو گیا۔ ہم سب نے بڑے غور و خوض کے بعد یہ بات طے کی ہے کہ کل اس سے شہنشاہ حضور کو معزول کر دیں خود حضور شہنشاہ بننے کی کوشش کریں۔ چونکہ مسلمان عام طور پر صاحب عالم سے بہت خوش ہیں۔ اس لئے سب مسلمان حضور کی حمایت کریں گے۔

مسلم امرا بھی حضور کا ساتھ دیں گے۔ شہنشاہ ضعیف ہو گئے ہیں۔ (اس وقت اکبر کی عمر ساٹھ سال کے قریب ہو گئی تھی۔) وہ خود گوشہ نشین ہو جائیں گے۔ صاحب عالم نہایت آسانی سے بادشاہ بن سکیں گے۔

"سلیم۔ نہیں نہیں میں اپنے شفیق باپ سے بغاوت کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔"

ان بد اندیش امراء کا یہ خیال تھا کہ سلیم فوراً ان کے مشورہ کو قبول کر لیں گے۔ لیکن جب انہوں نے اس تجویز کے ماننے سے انکار کر دیا تو انہیں اس ناکامی کا بڑا قلق ہوا۔ انہوں نے اس گفتگو کو اسی وقت ختم کر دیا۔

اگرچہ شاہزادہ نے ان کی تجویز ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن ان کے دل میں یہ زہریلا خیال پیدا ہو گیا کہ اگر ان کے مخالفوں نے شہنشاہ کے خیال زیادہ فاسد کر دیئے تو انھیں ممکن ہے اسی تجویز پر عمل کرنا پڑے۔

مشہور ہے کہ آدمی کا شیطان آدمی ہوتا ہے۔ ابو الفضل کے یہ گرگے بھی شیطان ہی ثابت ہوئے۔ انہوں نے شاہزادہ کے دل میں بغاوت کا خیال پیدا کر دیا۔

کئی روز گذر گئے۔ سلیم رانا کو گرفتار کرنے کی کوشش میں مصروف رہے لیکن رانا پہاڑوں کے خفیہ غاروں میں جا چھپے۔ اسلامی لشکر ان کی جستجو میں پہاڑی چٹانوں اور گھاٹیوں میں ٹکراتے پھر رہے تھے۔ اتفاق سے اسی وقت بنگالہ میں بغاوت پھوٹ نکلی۔ شہنشاہ نے راجہ مان سنگھ کو حکم بھیجا کہ وہ بنگالہ جا کر بغاوت فرد کر دیں۔ — راجہ مان سنگھ کچھ لشکر لے کر بنگالہ روانہ ہو گئے۔

اس وقت شیطان سیرت امراء کو شاہزادہ کو ورغلانے کا موقعہ ملا۔

ایک روز وہ ایسی حالت میں شاہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جیسے وہ بہت خوفزدہ ہوں۔ شاہزادہ نے خوف کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ "ابوالفضل نے شہنشاہ سے یہ اقرار لے لیا ہے کہ جب صاحب عالم آگرہ پہنچیں تو ہمارے منہ میں خاک، حضور کے دشمنوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا جائے۔

شاہزادہ سلیم اس بات کو سن کر بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔

بدطینت اور مکّار امراء نے بڑی دلسوزی سے کہا "اب سوائے اس کے حضور آگرہ پر قبضہ کرلیں اور کوئی تدبیر نہیں ہے۔ خوش قسمتی سے موقعہ مناسب ہے۔ شہنشاہ اس وقت دکن میں ہیں۔ آگرہ پر آسانی سے قبضہ ہو سکتا ہے۔

شہزادہ سلیم کے ذہن میں بھی یہ بات آگئی۔ انہوں نے اگلے ہی روز آگرہ پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے وہاں سے کوچ کر دیا۔

ابوالفضل کے گرگوں کی بن آئی۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے اسی وقت اپنے گر گھنٹال ابوالفضل کے پاس یہ خوشخبری روانہ کر دی کہ شاہزادہ سلیم باغی ہو گئے ہیں۔

چوتھا باب (۴)

خط وکتابت

جوں ہی ابو الفضل کے پاس شہزادہ کے باغی ہونے کی اطلاع پہونچی۔ وہ نہایت مسرور ہوئے۔ اسی وقت شہنشاہ اکبر کی خدمت میں پہونچے۔ اور بڑی دلسوزی کے لہجے میں عرض کیا۔ اعلیٰ حضرت آخر وہی ہوا جس کا اس غلام کو خیال تھا۔"

اکبر نے پوچھا۔ "کیا ہوا۔؟"

ابو الفضل کیسے عرض کروں کیا ہوا۔ کاش اس بدخبر کو کوئی اور حضور کے گوش گذار کرتا۔

اس سے اکبر کا اشتیاق اور بڑھ گیا۔ ابو الفضل کا منشاء بھی یہی تھا۔ شہنشاہ نے کہا۔ "جو کچھ تمھیں معلوم ہوا ہے عرض کرو۔

ابو الفضل۔ شاہزادہ سلیم باغی ہو گئے۔

اکبر۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ نہایت فرمانبردار بیٹا ہے۔

ابو الفضل۔ کاش ایسا ہوتا۔ تخت وتاج کی ہوس نے انھیں گمراہ کر دیا۔ راجپوتانہ سے جو اطلاع آئی ہے وہ یہ ہے حضور ملاحظہ فرمائیں۔

اکبر۔ پڑھو۔

ابو الفضل کے ایک جاسوس نے انھیں یہ اطلاع دی تھی۔ لکھا تھا:۔

"ہم دعا داران ازلی میواڑ کی مہم میں شاہزادہ کے ساتھ

تھے۔ شہنشاہ کے اقبال سے شاہی لشکر کو فتح ہوئی۔ رانا شکست کھا کر پہاڑوں میں جا گھسے۔ شاہزادے کے دل میں بغاوت کا خیال آیا۔ ہم جفاکشوں نے سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھے آخر باغی ہو کر آگرہ پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ ہم اس مجبوری سے ان کے ساتھ ہیں کہ انہوں نے دھمکی دی ہے کہ جو ساتھ نہ چلے گا اسے قتل کر کے اس کی جاگیر اور سامان ضبط کر لیا جائے گا۔ اپنی اس تحریر کی صداقت پر میں نے چند امراء کے دستخط بھی کرا دیئے ہیں۔

اس عریضہ کے آخر میں کئی امیروں کے دستخط بھی تھے اس تحریر کو پڑھ کر اکبر پر سکتہ طاری ہو گیا۔ انھیں یقین ہی نہ آتا تھا کہ شاہزادہ نے بغاوت کی۔ کاش انھیں حقیقت حال کا علم ہو جاتا۔ وہ جان سکتے کہ بغاوت کا چشمہ کہاں سے اور کس طرح جاری ہوا۔ کس نے دوستی کے پردہ میں دشمنی کی کس نے سلاطین مغلیہ میں بغاوت ڈالی۔ کس نے شاہزادہ میں یہ زہریلے جراثیم پیدا کیے۔

اکبر کو یہ ملال تھا ہی کہ ایک فرمانبردار بیٹے نے بغاوت کی۔ دوسرا ملال یہ بھی تھا کہ دکن کے فتح کے دروازے کھلنے لگے تھے۔ شاہان دکن اطاعت کا اظہار کر رہے تھے۔ ایسے موقع پر شاہزادہ کی بغاوت کی خبر اڑنا دکن کی فتح میں زبردست رکاوٹ ڈال سکتا تھا۔ کچھ وقفہ کے بعد شہنشاہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

"ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال۔"

ابوالفضل۔ مجھے پہلے ہی سے شاہزادہ پر شبہ تھا، اسی لیے میں

نے چند بار جہاں پناہ کی توجہ دلائی تھی۔

اکبر۔ ہم نے غلطی کی کہ تمھارے مشورہ پر عمل نہ کیا۔

ابوالفضل۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ عالم پناہ یہاں سے آگرہ تشریف لے جائیں۔ شاہزادہ کے ساتھ جو امرا اور لشکر ہے اعلیٰ حضرت کے وہاں پہنچتے ہی جہاں پناہ کا مطیع ہو جائے گا۔ شاہزادہ گھبرا کر اطاعت قبول کریں گے۔

اکبر۔ شاہزادہ کا اطاعت کر لینا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

ابوالفضل۔ کچھ مشکل نہیں۔ باغی بیٹے کو حکمت عملی سے رام کیجیے اور جب وہ آجائیں تو فوراً قید کر دیجئے۔

ابوالفضل کو معلوم تھا کہ شاہزادہ سلیم کو کس طرح باغی بنایا گیا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ جب اکبر انھیں نصیحت کے پیرایہ میں کچھ لکھیں گے۔ وہ فوراً اطاعت کر لیں گے۔ انھوں نے اسی لیے انھیں قید کر لینے کا مشورہ دیا تاکہ اس کی اطلاع شاہزادہ سلیم کو ہو جائے۔ اور وہ اطاعت قبول نہ کریں۔ بلکہ زیادہ تمردی اور سرکشی اختیار کریں جس سے اکبر کے دل میں بیٹے سے نفرت پیدا ہو جائے اور انھیں گرفتار کر کے قتل کرا دیں۔ ابوالفضل کا دلی منشا یہی تھا کہ اکبر سے سلیم کو قتل کرا دیں۔

اکبر۔ سلیم کی اس حرکت سے ہمیں زبردست صدمہ پہنچا ہمیں اس سے بہت زیادہ محبت تھی لیکن اب ....

اکبر۔ یہ سچ ہے۔ ہماری آنکھوں پر پردے پڑے رہے پدری شفقت و محبت نے ہمیں اندھا بنائے رکھا خیر کچھ پرواہ نہیں۔ اب ہم وہی کریں گے جو ہمیں کرنا چاہیئے تھا۔ کل ہم واپس چلے جائیں گے۔ تم یہاں کی مہم کو سنبھالے

رکھنا۔

ابوالفضل۔ اعلیٰ حضرت اس مہم کی طرف سے بالکل اطمینان رکھیں۔ ہم جانثار اس کے لیئے کافی ہیں۔"

اس خبر سے اکبر کو ایسا رنج ہوا کہ اس روز کھانا بھی کم کھایا۔ اگلے روز کچھ لشکر کے ساتھ وہاں سے آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ ابوالفضل کو اس واقعہ سے بڑی خوشی ہوئی۔ اکبر کی باتوں سے انہوں نے اندازہ کرلیا کہ اب انکا دل شاہزادہ کی طرف سے صاف نہ ہوگا۔ لیکن ابھی ان کی کامیابی میں کچھ کسر تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ شاہزادہ کو اکبر کے خیالات کا علم ہوجائے۔ تاکہ وہ ایسے بدظن ہوجائیں کہ باپ کی اطاعت قبول نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھی امراء میں یہ مشہور شادینی شروع کی شہنشاہ اکبر کے دل سے شاہزادہ سلیم کی محبت بالکل جاتی رہی ہے۔ وہ حکمت عملی سے شاہزادہ کو رام کرکے قتل کرڈالیں گے۔ کیونکہ بغاوت کی سزا قتل ہی ہے۔

اس خبر کے مشتہر کرنے سے ان کا یہ منشاء تھا کہ شاہزادہ سلیم کے ہواخواہ جو وہاں موجود ہیں شہزادہ کو اس کی اطلاع کردیں۔ اور شاہزادہ ہوشیار ہوکر اکبر کی نصیحتوں سے متاثر ہوکر اطاعت قبول نہ کریں۔

انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ ابوالفضل نے یہ نہ سوچا کہ اس طرح وہ شاہزادہ سلیم کی تباہی کا نہیں بلکہ اپنی بربادی کا سامان کررہے ہیں۔ ہوا یہ کہ دکن میں شاہزادہ سلیم کے کئی وفادار امراء تھے۔ انہوں نے شاہزادہ کی خدمت میں ایک ایلچی بھیجا اور زبانی یہ اطلاع دی کہ ابوالفضل نے آپ کی جانب سے شہنشاہ کو بہت کچھ برہم کردیا ہے۔ اور اس بات پر انھیں آمادہ کرلیا ہے کہ وہ حکمت عملی سے آپ کو رام کرکے قید کردیں۔"

جب یہ قاصد شاہزادہ سلیم کے پاس پہنچا تو انہیں ابوالفضل سے اور بھی نفرت ہوگئی۔

شہنشاہ اکبر نے آگرہ پہنچ کر شاہزادہ سلیم کو ایک فرمان[1] نصیحت آمیز لکھا فرمان بہت طویل تھا۔ اس کا اقتباس یہ ہے۔

"فرزند کامگار! یہ تمہارے دل میں کیا آیا کہ تم نے اس شفیق باپ سے بغاوت کا کیوں ارادہ کر لیا ہے۔ جو تمہیں دیکھ کر جیتا ہے۔ جان پدر! ہم ضعیف ہوئے گور کے کنارے بیٹھے ہیں۔ ہمارے بعد سلطنت تمہاری ہے۔ تم تمردی نہ کرو۔ آج تک چغتائیہ خاندان میں کسی باپ کے بیٹے نے سرکشی نہیں کی ہے۔ تم بلا کسی دوسرے ہمارے پاس چلے آؤ ہمیں تمہارے دیدار کا بڑا اشتیاق ہے۔

جب یہ فرمان شہزادہ کے پاس پہنچا تو سلیم کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔ اس بدبخت ابوالفضل کا خدا برا کرے اس نے شہنشاہ کو ہماری طرف سے بدظن کر دیا ہے۔

شہنشاہ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے صداقت کی بو آتی ہے۔ لیکن یہ شفقت اور رحمت اس وقت تک ہے۔ جب تک ابوالفضل دور رہے جہاں وہ آیا اور اس نے باپ کے کان بھرے باپ اس کے کہنے میں آگئے ہیں یا تو قید کر دیں گے یا قتل کرا ڈالیں گے۔ اس لیے پاس جانا ٹھیک نہیں۔

ان مکار مشیروں نے بھی جو ابوالفضل کے آزردہ تھے یہی مشورہ دیا کہ شہنشاہ کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ "شہنشاہ صاحب عالم کو

---

[1] از دربار اکبری

دھوکہ سے بلا کر قید کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

شاہزادہ کا یہ خیال اور بھی پختہ ہو گیا کہ آگرہ نہیں جانا چاہیئے۔ انہوں نے ایک عریضہ لکھا۔ یہ عریضہ بھی بہت طویل تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے ـــ

[1]"پدر بزرگوار! اعلیٰ حضرت ظلِ الٰہی ہیں میرے قبلہ و کعبہ ہیں میرے عقیدہ کے مطابق آپ کی نافرمانی گناہ عظیم ہے۔ میں ہمیشہ عالم پناہ کا وفادار رہا ہوں۔ لیکن بعض لوگوں نے میری طرف سے اعلیٰ حضرت کو بدظن کر دیا ہے۔ خصوصاً ابوالفضل نے ابوالفضل ملحد ہے۔ دنیا جانتی ہے۔ اس نے جہاں پناہ سے نیا مذہب جاری کرا کے اپنے ملحدانہ خیالات کی تبلیغ کی کوشش کی ہے۔ معاملہ یہیں تک رہتا تب بھی کوئی شکایت نہ تھی۔ اس نے میری ذات کو موجب فساد قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ خود مفسد ہے۔ اگر عالم پناہ ابوالفضل کو اپنی قلمرو سے خارج کر دیں تو یہ وفادار ازلی حاضر خدمت ہو کر قدمبوسی کا شرف حاصل کرے ـــ"

شاہزادہ سلیم نے پتہ کی باتیں لکھی تھیں۔ اکبر کو غور کرنا چاہیئے تھا کہ ان کی تحریر کہاں تک درست ہے۔ اور وہ ابوالفضل کے ہاتھوں میں پڑ کر کس قدر گمراہ ہو چکے ہیں۔ اسلام کی تعلیم ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا عین شرک ہے۔ اکبر آفتاب کو پوجتے تھے۔ لوگ انہیں سجدہ کرتے تھے۔ وہ کافر و مشرک ہو چکے تھے۔ اب اپنے ہی گھر کو برباد کر رہے تھے۔ ابوالفضل کی باتوں میں آ کر اپنے

---

[1] از۔ تزک جہانگیری

فرمانبردار بیٹے کو فریب سے اپنے پاس بلایا اور قید کر دینے کی فکر میں تھے۔

یہ ان اکبر کے حالات ہیں جو اکبر اعظم کہلاتے ہیں۔ غیر مسلم جن کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے" بعض ناواقف یا کم سمجھ مسلمان بھی جنھیں سراہتے ہیں۔"

غرض اکبر شاہزادہ کی اس تحریر کو پڑھ کر غور و خوض میں ڈوب گئے۔

پانچواں باب (۵)

ابوالفضل کا قتل

شاہزادہ سلیم نے اب بھی کوئی نامناسب حرکت نہیں کی نہ علانیہ بغاوت کا اعلان کیا۔ نہ سوا دشمنی اور فرمانبرداری سے منحرف ہوئے۔ انھیں خیال تھا کہ اکبر ان کی عرض داشت پر غور کر کے مفاہمت کی کوئی مناسب تدبیر نکالیں گے۔ لیکن اکبر میں عقل کا مادہ ہی نہ تھا۔ وہ ابوالفضل کے کہنے پر چلتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بیٹا ان کے فریب میں نہ آیا تو انہوں نے مشورہ کر کے شہزادہ سلیم کو اپنے قابو میں لانے کی تدبیر معلوم کرنے کے لیے ابوالفضل کو طلب کیا۔"

مولانا شمس العلماء آزاد اکبر اور ابوالفضل دونوں کے بڑے مداح ہیں انہوں نے دربار اکبری میں ان دونوں کی تعریفیں کی ہیں۔ ان کے شرک اور کفر کو سراہا ہے۔ معلوم نہیں مولانا کو دین الٰہی میں کون سی خوبی نظر آتی تھی مسلمان تھے اور مولوی بھی۔ معلوم نہیں آفتاب پرستی کو کس دلیل سے جائز سمجھتے تھے

[illegible]

کیوں تعریفیں کرتے ہیں۔ اگر اکبر جیسا ایک بادشاہ بھی مشرک ہو کا فرسلاطین
مغلیہ میں اور ہو جائیں تو ہندوستان سے اسلام ہی ختم ہو جاتا۔

غرض مولانا آزاد دربار اکبری کے صفحہ ۴۸۳ پر لکھتے ہیں کہ "سنہ ۱۰۱۱
میں سلیم نے سلامت روی کا راستہ چھوڑ دیا اور ایسا بگڑا کہ اکبر گھبرا گیا۔ یہ
خیال تھا کہ وہ نہایت ہونہار شہزادہ کو ولیعہد سلطنت خیال کرکے امراء
سازشیں رکھنے لگے۔

بادشاہ نے ابوالفضل کو لکھا کہ دکن کی مہم کے کاروبار اپنے فرزند عبد
کے سپرد کرکے خود جلد ادھر آؤ۔ ابوالفضل نے اس کے جواب میں نہایت اخلاص
اور شفقت کے مضامین سے عرضی بھیجی۔

خود آزاد کی اس تحریر سے معلوم ہو گیا کہ اکبر میں عقل و تدبیر
ابوالفضل ان کے پیر مغاں تھے اسی لیے سلیم کے بگڑنے سے وہ گھبرا گئے۔ خو
کوئی تدبیر نہ کرسکے بلکہ اپنا استاد ابوالفضل کو دکن سے طلب کیا۔ کیا ایسا
تعریف کا مستحق ہے جو اپنے بیٹے کو قابو میں رکھنے کے لیے غیروں سے مشورہ لے حقیقت
یہی ہے کہ اکبر میں کسی قسم کی بھی کوئی قابلیت نہ تھی۔ سلطنت کی ذمہ داریا
اور سیاست دانی ان کی سمجھ سے باہر تھی۔ وہ ابوالفضل جیسے لوگوں کے بل
پر حکومت کررہے تھے۔ اگر ان میں ذرا بھی عقل ہوتی تو وہ اسلام کو نہ چھوڑ

شاہزادہ سلیم کو خیال تھا کہ شہنشاہ ان کی عرضداشت کا معقول جواب
دیں گے۔ لیکن چند ہی روز بعد انھیں معلوم ہوا کہ باپ نے بیٹے کے دشمن ابوالفضل
کو مشورہ کے لیے طلب کیا ہے۔ یہ بات سلیم کو سخت ناگوار گزری۔ اب انہوں
اعلانیہ بغاوت کا اعلان کردیا۔ وہ سیدھے الہ آباد پہنچے اور اس پر قبضہ کرکے تخت
نشین ہو گئے۔ سلیمان بادشاہوں کی طرح اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا سکوں پر

نام کندہ کرایا۔ اسی عرصہ میں بہار سے خزانہ آرہا تھا۔ سلیم نے اس خزانے پر بھی قبضہ کر لیا۔"

شہنشاہ اکبر کو یہ ساری باتیں معلوم ہو گئیں۔ لیکن ان میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ سلیم کو ان حرکتوں سے روکتے۔ وہ ابوالفضل کے آنے کے انتظار میں بیٹھے رہے

شاہزادہ سلیم نے جب سنا کہ ابوالفضل دکن سے آگرہ کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ انہوں نے راجہ نرسنگھ دیو کو جو اندچھہ کا بندیلہ سردار تھا اور صوبہ اجین کے نواح میں رہتا تھا لکھا کہ "ابوالفضل ہمارا دشمن ہے وہ تمہاری حدود میں سے ہو کر گذرے گا اگر اسے ٹھکانے لگا دو تو ہماری خوشنودئ مزاج کا باعث ہوگا۔ نرسنگھ دیو کو بھی ابوالفضل کے ہاتھوں تکلیف و اہانت پہنچی تھی وہ بڑی خوشی سے اس کام پر تیار ہو گئے تین ہزار سواروں کا دستہ ابوالفضل کی گھات میں لگ گئے۔ ابوالفضل کے ساتھ بہت کم سوار تھے ان کے رفیقوں میں سے بعض کو یہ اطلاع ہو گئی کہ نرسنگھ دیو ابوالفضل کی فکر میں ہے۔ انہوں نے ابوالفضل سے کہا کہ عام طور پر یہ شہرت ہے کہ شاہزادہ سلیم نے راجہ نرسنگھ دیو کو آپ کے قتل پر مامور کیا ہے۔ وہ کہیں کمین گاہ میں بیٹھا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مقابلہ دشوار ہو جائے گا۔

ابوالفضل پر فخر و غرور کا بھوت سوار تھا۔ وہ نہایت مغرور ہو گئے۔ مغرور کیوں ہو گئے اکبر جیسا بدعقل اور کم ہمت بادشاہ ہاتھ آیا تھا۔ اکبر برائے نام حکمران تھے۔۔۔ در اصل عنان حکومت اس وقت خود ان کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے کہا۔ "ایک معمولی بندیلہ سردار کی یہ ہمت نہیں ہو سکتی کہ ہمارے مقابلہ میں آئے۔"

نقاد خاموش ہو گئے۔ قضا ان کے سر پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔ کاش وہ اس وقت بھی تائب ہو کر مسلمان ہو جاتے۔ لیکن ان کی قسمت میں اسلام

جیسی نعمت نہ تھی۔۔۔ وہ برابر کوچ کرتے رہے۔ جب اس مقام پر پہنچے جو قصبۂ آنتری سے تین کوس اور سرائے براسے آدھا کوس کے فاصلے پر ہے گرد و غبار اٹھا ہے۔ رفیقوں نے عرض کی "دیکھئے وہ نرسنگھ دیو عظیم الشان لشکر لیے چلا آرہا ہے۔

ابوالفضل نے غرور کے لہجے میں کہا۔ "آنے دو۔ تم ہمارے اقبال کا تماشہ دیکھنا۔ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جائے گا۔"

بعض جانثاروں نے پھر کہا۔ "اس وقت بھاگ جانے ہی میں عافیت ہے۔

ابوالفضل۔۔ کیوں ڈرے جاتے ہو۔۔۔۔ نرسنگھ دیو ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔

ابوالفضل کے ساتھ گدائی خاں ایک افغان اپنے خود بھائی بندوں کے ہمراہ تھا۔ اس نے کہا۔ "آپ غلطی کر کے اس موقع کو کھو رہے ہیں۔ اگر آپ شہنشاہ کے مصاحب خاص نہ ہوتے تو ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے۔ لیکن اب ایسا نہیں کر سکتے۔ دشمن آپ کی تاک میں ہے۔ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ ٹھہر کر اسے دیکھتا ہوں۔ آپ اتنے میں یہاں سے بھاگ جائیں۔

ابوالفضل۔ تو تم نے بہادر ہو کر بزدلی کا مشورہ دیا۔ شاید تم نے یہ سمجھا ہے کہ میں نے صرف ٹکڑوں پر پرورش پائی ہے۔۔۔ میں بزدل ہوں۔۔۔ اگر میں بزدل ہوتا تو شہنشاہ کے دل پر حکمرانی نہ کر سکتا۔

غرض ابوالفضل نے باتوں میں بھاگ جانے کا سنہری موقع کھو دیا۔ انھیں غرور نے یہ بتایا کہ نرسنگھ دیو آتے ہی ان کے قدموں پر گر پڑے گا۔

تھوڑی ہی دیر میں غبار کا دامن چاک ہوا۔ نرسنگھ دیو اور ان کا رسالہ

...ہن تھا۔ گھوڑے دوڑائے چلا آرہا تھا۔ ان سواروں نے آتے ہی ابوالفضل ...ان کے ساتھیوں کا محاصرہ کرکے جنگ شروع کر دی۔ یہ کیفیت دیکھ کر ابوالفضل ...ت گھبرائے۔ اب بھاگنے کی سوجھی۔ مگر بھاگنے کا موقع جا چکا تھا۔۔۔ مجبوراً ...ئی شروع کی۔

چونکہ نرسنگھ دیو کے ساتھ جمعیت زیادہ تھی۔ اس لیے ان کے ہمراہیوں ابوالفضل کے ساتھیوں کو جلد جلد قتل کرنا شروع کر دیا۔ اگرچہ ابوالفضل کے ...تھا بڑی دلیری اور جوانمردی سے لڑے۔ ایک دو دو کرکے خود بھی شربت مرگ ...گئے۔ ابوالفضل کے سینہ پر کسی نے برچھا مارا جو سینہ کے پار ہو گیا۔ وہ مردہ ...ر گرے۔ ان کے گرتے ہی ان کے باقیماندہ ہمراہیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ ...اگ پڑے۔ چونکہ نرسنگھ دیو کو ان میں سے کسی اور سے کوئی سروکار نہ تھا اس ...انہوں نے بھاگنے والوں کا تعاقب نہیں کیا۔

اسی وقت نرسنگھ دیو نے ابوالفضل کا سر کاٹ کر الہ آباد شاہزادہ ... خدمت میں بھیج دیا۔ جب یہ سر شاہزادہ کے پاس پہونچا تو انہوں نے کہا ...ا کا شکر ہے۔ میں نے اس ملحد مکار سے نجات پائی۔

سچ پوچھو تو ابوالفضل کا مارا جانا بہت سے فتنوں کا سدباب کا باعث ہوا ...کے مرتے ہی مذہب دین الہٰی کی گرم بازاری سرد پڑ گئی۔

شاہزادہ سلیم نے اس واقعہ کو تزک جہاں گیری میں لکھا ہے۔ اخیر دنوں ...میرے والد بزرگوار نے شیخ ابوالفضل کو دکن سے بلایا ...... اس کا دل مجھ ...ے صاف نہ تھا۔ ہمیشہ ظاہر و باطن میری چغلیاں کھاتا رہتا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا ...اگر وہ پدر بزرگوار کے پاس پہنچ گیا تو یقیناً مجھ سے باور بدظن کر دے گا۔ نرسنگھ ...بندیلہ کا ملک شیخ کے سر راہ تھا۔۔۔ میں نے پیغام بھیجا کہ اگر وہ اس

فتنہ انگیز کو روک کر ہستی سے نابود کر دے تو میری خوشنودی مزاج حا
کرے گا۔ وہ شیخ پر آپڑا اور اسے قتل کر کے اس کا سر میرے پاس الہ
میں بھیج دیا۔

جب ابوالفضل کے مرنے کی اطلاع دربار میں پہنچی تو کسی امیر کو یہ جر
نہ ہوئی کہ اس کے مرنے کی خبر شہنشاہ کے گوش گزار کرے۔ آل
میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی شاہزادہ یا وزیر مرتا تو اس کا وکیل سیاہ
سے ہاتھ باندھ کر بادشاہ کے پاس جاتا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا
اس سے سمجھ جاتے کہ اس کے آقا نے انتقال کیا ہے۔"

چنانچہ ایک روز ابوالفضل کا وکیل سیاہ رومال سے ہاتھ باندھ کر اکبر
حضور میں پہنچا۔ اکبر نے متحیر ہو کر پوچھا "خیر باشد کیا ہوا۔"

وکیل نے عرض کی۔ "اعلیٰ حضرت۔ میرے آقا کو قتل کر ڈالا گیا۔"

شہنشاہ اکبر کو سخت صدمہ ہوا۔ انہوں نے دریافت کیا "کس شوریدہ سر نے
کی ہے۔"

وکیل نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "افسوس بیٹے نے اس ساتھی کو مار ڈا
جو میرا مددگار تھا۔"

اکبر نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "افسوس بیٹے نے اس ساتھی کو مار ڈا
مددگار تھا۔ آہ شیخو جی اگر تمہیں سلطنت ہی لینی تھی تو ہمیں مار ڈالتے۔ شیخ
مارا۔ یہ نہ سمجھے کہ شیخ کی موت کا ہمیں کس قدر صدمہ ہوگا۔"

اکبر نے دربار اسی وقت ملتوی کر دیا۔ حکم دیا کہ تمام قلمرو میں ابوالفضل کا
سوگ منایا جائے۔ خود بھی کئی دن تک دربار نہ کیا۔ اندوہناک و غمگین
رہے۔

———

چھٹا باب (۶)

سلیمہ سلطانہ بیگم

ابوالفضل کے مرنے سے ایک اکبر کو تو واقعی رنج ہوا اور کسی کو شمّہ برابر بھی ملال نہ ہوا بلکہ اور خوشی ہوئی ۔۔۔ البتہ اکبر کو دکھانے کے لیے سب افسوس کا اظہار کر رہے تھے ۔

تھوڑے ہی دنوں میں اکبر کا ملال دور ہو گیا ۔ چونکہ اب شاہزادہ سلیم کی شکایت کرنے اور چغلیاں کھانے والا کوئی نہ رہا تھا ۔ اس لیے اکبر کا دل خود بخود صاف ہونے لگا ۔ ادھر سلیم نے بھی نامناسب حرکتیں بند کر دیں ۔ انھیں بھی باپ کی قدمبوسی کا اشتیاق ستانے لگا ۔ جی چاہا کہ آگرہ چل کر باپ کا شرف نیاز حاصل کریں ۔

چنانچہ چالیس ہزار لشکر جرار لے کر چل پڑے ۔ جب اکبر کو ان کے اس کروفر سے آنے کی اطلاع ہوئی تو انھیں اندیشہ ہوا کہ کہیں شاہزادہ آگرہ پر قبضہ کرنے کے ارادے سے نہ آ رہے ہیں ۔ یہ بات انھیں اچھی طرح معلوم تھی کہ ان کے نئے مذہب جاری کرنے کی وجہ سے مسلمان امراء اور علماء ان سے سخت ناخوش ہیں ڈرے کہ کہیں امراء انھیں یعنی خود اکبر کو قید نہ کر لیں ۔ مبارک[1] اور فیضی پہلے مر چکے تھے ۔ اب ابوالفضل مارے گئے تھے انھیں تینوں

---

[1] مبارک، ابوالفضل کے باپ اور فیضی کے بھائی تھے ۔

پر اکبر کو اعتماد تھا۔ انھیں سے صلاح ومشورہ کرتے تھے۔۔ انھیں کے کہنے پر چلتے تھے ۔ وہ بڑے زمانہ ساز تھے ۔ انہوں نے اکبر کو اپنی مٹھی میں کر رکھا تھا۔ سلطان امراء اور عمائدان تینوں سے اس لئے ڈرتے رہتے تھے کہ وہ جس کے خلاف ہو جاتے اس کی اکبر سے شکایت کر کے معزول کرا دیتے چونکہ اب ان میں سے کوئی باقی نہ رہا تھا۔ اس لیئے وہ لوگ جو ڈرتے تھے اب بیدھڑک ہو گئے تھے اور اب اکبر ان سے ڈرنے لگے تھے ۔

اکبر نے مناسب نہیں سمجھا کہ شاہزادہ سلیم اس قدر کثیر لشکر لے کر آگرہ میں آئیں وہ متشوش تھے کہ کیا کریں۔۔۔

اسی سوچ بچار میں سلیم اٹاوہ تک آ گئے۔ اب اکبر بہت گھبرائے۔ انھیں کھٹکا ہوا کہ ان کے آنے سے کہیں انقلاب نہ ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً ایک فرمان لکھا۔۔ جس کا خلاصہ یہ ہے ۔"

"فرزند عزیز۔"

اگرچہ تمھارے دیدار کا اشتیاق حد سے زیادہ ہے بوڑھا باپ تمھاری دید کا پیاسا ہے ۔ لیکن عزیز بیٹے کا باپ سے ملنے کو اس جاہ وجلال اور بے شمار لشکر لے کر آنا دل محبت پرست پر شاق وناگوار گذرتا ہے ۔ اگر اس طرح آنے سے تجمل اور خوشنمائی لشکر کی اور موجودات سپاہ کا ملاحظہ کرانا منظور ہے تو مجرا قبول ہو گیا ۔ جاگیردار جو تمھارے ساتھ ہیں انھیں ان کی جاگیروں پر رخصت کر دو۔ اور معمول کے مطابق تنہا چلے آؤ باپ کی دکھتی آنکھوں کو روشن اور رنجور دل کو خوش کرو اور اگر لوگوں کی یاوہ گوئی سے کچھ وہم و وسواس تمھارے

دل میں ابھی باقی ہیں۔ جس کا ہمیں وہم وگمان بھی نہیں ـــ تو
الہ آباد واپس لوٹ جاؤ۔ جب ہماری شفقتوں اور مہربانیوں
سے وہم کا وہ نقش جو تمہارے دل پر بیٹھ گیا ہے دھل جائے
اس وقت حاضر حضور ہونا۔"

شاہزادہ سلیم اٹاوہ میں مقیم تھے کہ یہ فرمان پہونچا۔ انہوں نے ایک
درخواست لکھی۔ جس کا اقتباس یہ ہے۔

"پدر بزرگوار"

اس غلام خانہ زاد کو سوائے آرزوئے قدمبوسی کے اور کچھ خیال
نہ تھا۔ جن لوگوں نے بلاوجہ میری مخالفت کی اور ذات اقدس
کے دل میں میری طرف سے خصومت وبدظنی کی بنیاد ڈالی اور جھوٹی
شکایتوں اور چغلیوں کی ہوا سے اس آگ کو بھڑکاتے رہے
وہ مرگئے۔ میں پہلے بھی فرمانبردار تھا اور اب بھی اطاعت گذار
ہوں۔ مجھے واپس الہ آباد جانے کا حکم ہوا ہے میں اس فرمان کا
احترام کرتا ہوں۔ مجبوری اپنے خداوند ومرشد وقبلہ کی درگاہ
سے جدا ہوتا ہوں۔ جب قدمبوسی کی اجازت ہو جائے گی۔ حاضر
ہوکر قدمبوسی حاصل کروں گا۔"

چنانچہ شاہزادہ سلیم واپس لوٹ کر الہ آباد جا پہنچے جب اکبر نے شاہزادہ کی
درخواست پڑھوا کر سنی تو محبت نے جوش ملا۔ سمجھے کہ یہ غلطی کی کہ سعادتمند بیٹے
کو آگرہ آنے سے روک دیا۔ ممکن ہے نوجوان بیٹا خفا ہوگیا ہو۔ چنانچہ
شاہزادہ کو خوش کرنے کے لیے بنگالہ اور اڑیسہ ان کی جاگیر میں دے
دیئے۔ سلیم خوش ہوگئے اور شکریہ کی عرضی بھیجی۔

سلیمہ سلطان بیگم ۔۔۔ لیکن اب ابوالفضل نہیں۔ اب تمھیں ک

اندیشہ ہے۔

سلیم۔ کچھ نہیں۔

سلیمہ سلطان بیگم۔ لیکن ابھی تک باپ سے تمھیں مخالفت چلی

ہے۔

سلیم نعوذ باللہ! اب کیا مخالفت رہی۔

سلیمہ سلطان بیگم۔ اگر مخالفت نہیں ہے تو تم اتنے بادشاہ کیوں ب

بیٹھے ہو۔ اپنے نام کا خطبہ کیوں پڑھواتے ہو۔

سلیم۔ میں آج ہی سے بند کرادوں گا۔

سلیمہ سلطان بیگم۔ شاباش! اب معلوم ہو گیا۔ تمہیں شہنشاہ سے

سوئے ظنی باقی نہیں رہی۔

سلیم۔ میں شہنشاہ کا غلام ہوں۔

سلیمہ سلطان بیگم ۔۔۔ سعادت مند بیٹے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تمھارے

کو تمھارے دیدار کا بڑا اشتیاق ہے۔

سلیم۔ مجھے خود قدمبوسی کی آرزو ہے۔

سلیمہ سلطان بیگم۔ اگر تمھارے دل میں شہنشاہ کی طرف سے کوئی

نہ ہو تو ہمارے ساتھ چلو۔

سلیم۔ مجھے کوئی وسوسہ نہیں۔ اگر باپ مجھ سے ناخوش ہوں ا

مجھے قید کرلیں یا کرادیں۔ تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

کی ناخوشی خدا کی ناخوشی ہے

سلیمہ سلطان بیگم۔ اوہ تم اکبر کو نہیں جانتے۔ وہ تم پر جان چھڑکتے ہی

اچھا اب تم چلنے کی تیاری کرو۔ یہ تمھیں اختیار ہے کہ جاہے جس طرح چلو یعنی جس قدر لشکر چاہے لے چلو۔

سلیم میں صرف چند جاں نثاروں کے ساتھ آپ کے ہمراہ چلوں گا۔ غرض سلیم نے تیاری شروع کی اور سلیمہ سلطان بیگم کے ساتھ بہت تھوڑے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

ساتواں باب

ملاپ

شاہزادہ سلیم کے دل میں اب کوئی دغدغہ اور خدشہ باقی نہیں رہا تھا۔ وہ بخوبی سے شکار کھیلتے ہوئے سلیمہ سلطان بیگم کے ساتھ آگرہ کی طرف سفر کر رہے تھے جب چند منزلیں طے کر لیں تو ایک روز انہوں نے سلیمہ سلطان سے عرض کی کہ میری آرزو ہے کہ مریم مکانی (حمیدہ بانو بیگم جو شاہزادہ سلیم کی دادی تھیں) مجھے لینے کے لیے آئیں۔

سلیمہ سلطان بیگم۔ تم جانتے ہو وہ بہت ضعیف ہو گئی ہیں۔ انہیں کیوں تکلیف دے رہے ہو۔

سلیم۔ اس سے میری بڑی عزت افزائی ہو گی۔

سلیمہ سلطان بیگم۔ اگر یہ خیال ہے تو شہنشاہ کو لکھو

چنانچہ شاہزادہ سلیم نے لکھا۔ عالم پناہ

میں آرزو ہے قدم بوسی کے لیے غلاموں کی طرح چلا آ رہا ہوں

میری تمنا یہ ہے کہ حضرت مریم مکانی تکلیف فرما کر مجھے لے جائیں اس سے خانہ زاد کی بڑی عزت افزائی ہوگی۔۔ یقین ہے کہ میری تمنا پوری کی جائے گی۔"

جب شہنشاہ اکبر کے پاس یہ عرضی پہنچی تو انہوں نے جواب میں لکھا۔

"فرزندِ کامگار۔

تمہیں یاد ہوگا حضرت مریم مکانی تمہیں سمجھانے کے لیے تشریف لے گئی تھیں۔ لیکن تم ان کے سامنے سے ٹل گئے تھے۔ انھیں اس بات کا رنج ہے اب ہم کس منہ سے ان سے کہیں کہ وہ تمہیں لینے کے لیے جائیں۔ البتہ تم خود انھیں لکھو۔ شاید ان کی خفگی دور ہو جائے اور وہ تمہیں لینے تشریف لے جائیں۔۔"

تیز رو قاصد آ جا رہے تھے۔ جب یہ فرمان شاہزادہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے دادی کو لکھا۔

"مکرمہ و معظمہ۔"

مجھے حضور کے دیدار کا کمال اشتیاق ہے۔ مجھے اس بات کا رنج اور صدمہ ہے کہ میں جب آگرہ آیا تھا تو آپ میرے پاس تشریف لائیں تھیں۔ میں نے اس وقت نادانی کی تھی۔ میں شرم سے آنکھیں

لہ جب شاہزادہ سلیم گجرات کی مہم چھوڑ کر باغی بن کر آگرہ کی طرف آئے تھے تو مریم مکانی آگرہ میں موجود تھیں۔ وہ شاہزادہ کو سمجھانے کے لیے تشریف لے گئیں شاہزادہ شرما کر ان کے سامنے سے ہٹ گئے اور کشتی میں سوار ہو کر الہ آباد چلے گئے مریم مکانی کی وجہ سے آگرہ پر قبضہ نہ کر سکے تھے۔ از دربار اکبری (صادق، صدیقی سردھنوی)

چارہ نہ کرسکا تھا۔ آپ کے سامنے سے بھاگ نکلا۔ آپ
خفا ہوگئیں۔ آپ کی خفگی حق بجانب ہے۔ اب میں عذر خواہ ہوں
آپ ہمیشہ مجھ پر مہربان رہی ہیں۔ یقین ہے میری اس خطا سے درگزر
فرما کر مجھے نوازیں گی۔ اور مجھے لینے کے لئے تشریف لاکر میری عزت
افزائی فرمائیں گی۔"
میری ہی منزل پر مریم مکانی کا مکتوب آیا۔ لکھا تھا۔
"نادان بیٹے۔
ہم تم سے خفا نہیں ہیں۔ البتہ ہمیں رنج ضرور تھا کہ تم ہماری آمد
کی خبر سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہمارے سامنے تک نہ آئے کہ
لیکن اب جب کہ تم خود آرہے ہو۔ ہم ضرور تمہیں لینے آئیں گے"
اس جواب کے آنے سے شاہزادہ سلیم کو بڑی مسرت ہوئی اب وہ
چاہتے تھے کہ جلد سے جلد آگرہ پہونچ جائیں چنانچہ انھوں نے تیزی سے سفر
کردیا جب وہ ایک منزل آگرہ سے رہ گئے تو مریم مکانی کی آمد کا غلغلہ
شاہزادہ ان کا استقبال کرنے کے لیے تمام حشم و خدم کے ساتھ روانہ
مریم مکانی بھی شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ آرہی تھیں۔ آگے
رسالے بکتے آرہے تھے۔ ان کے پیچھے سواروں کے رسالے تھے جو سفید
پہنے تھے۔ ہاتھوں میں نیزے اٹھائے تھے۔ ان سے ذرا فاصلے پر
مردانہ لباس پہنے تمام ہتھیار لگائے گھوڑوں پر سوار آرہی تھیں
کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خوبرو نوجوان ہوں۔
ہاتھیوں کے پیچھے پالکی تھی جو کشتی نما بنی ہوئی تھی۔ اس پر چاندی سونے
کا کام ہو رہا تھا۔ پالکی کے اندر مریم مکانی تھیں۔ پالکی کہاریاں

اٹھائے ہوئے تھیں۔ پالکی کے دونوں طرف دو ترکنیں سورج مکھی لئے
رہی تھیں۔ ایک ترکن چتر تو غ اٹھائے ہوئے تھی۔

پالکی کے پیچھے بھی قلماقنیاں اور ان کے پیچھے سوار دل کے رسالے
جوان کہاریوں کی پلٹن پالکی کے ساتھ ساتھ تھی۔ جب پالکی اٹھانے وا
کہاریاں تھک جاتی تھیں۔ تو دوسری کہاریاں کندھا بدل لیتی تھیں۔ ایک
میں آٹھ کہاریاں پالکی اٹھاتی تھیں۔ کہاریوں کی پوشاک زرق برق تھی
اس شان سے مریم مکانی کی سواری آرہی تھی۔ جب شاہزادہ سلیم
سواری کے قریب آئے تو تعظیم کے لیے پیادہ ہوگئے۔ مریم مکانی نے انھیں د
ہی سواری رکوائی۔ پالکی سے اتریں۔ شہزادہ نے پاس جا کر قدموں پر
جھکا دیا۔ شفیق دادی نے جلدی سے سر اٹھا کر سینہ سے لگایا۔ از د
سے ان کے آنسو نکل آئے۔ خود شاہزادہ کی آنکھیں بھی پرنم ہوگئیں۔۔۔
نے کہا۔ بیٹے تم نے یہ نہ سمجھا کہ دادی کا تمھاری جدائی میں کیا حال ہو
ہماری آنکھوں کی روشنی ہو۔ جب روشنی ہی نہ رہی تو دکھائی کیا دے
سلیم نے عرض کی۔ میں خطاوار ہوں سزا کا مستحق۔ سزا دے
مریم مکانی۔ ماں باپ بیٹے کو سزا نہیں دیا کرتے۔ تم غلط
ہم معاف کریں گے۔"
سلیم کیا میری خطا معاف ہوگئی۔

سلہ چتر تو غ چھوٹا علم ہوتا تھا جس میں کئی قطاس کے گچھے ہوتے
اس پر طرہ ہوتا تھا۔ قطاس پہاڑی گائے کی دم کو کہتے ہیں
صادق صدیقی۔ سردا

مریم مکانی ۔ ہاں معاف کر دیا ۔

سلیم پھر اظہار شکر گذاری کے لیے جھکے ۔ مریم مکانی نے انھیں پھر سینے سے لگا لیا ۔ اس کے بعد مریم مکانی پالکی میں بیٹھ گئیں ۔ سلیم ۔۔۔ پالکی کے ساتھ ساتھ پیادہ چلنے لگے مریم مکانی نے بہت اصرار کر کے انھیں گھوڑے پر سوار کرایا سواری چلی ۔ شہزادہ کے خیمہ گاہ پہنچی ۔ شاہزادے نے بڑے اہتمام سے اتارا اور بڑی مدارات کی ۔

اگلے روز مریم مکانی شاہزادہ سلیم کو ساتھ لے کر روانہ ہوئیں ۔ شہنشاہ نے بہت سے امراء کو شاہزادہ کے استقبال کے لیے بھیجا انہوں نے شہزادہ کا شاندار استقبال کیا ۔

مریم مکانی شاہزادہ کو اپنے مکان میں لے گئیں دو روز تک ساتھ ہی رکھا جب راہ کا کسل دور ہو گیا تو انہوں نے شہنشاہ اکبر کو وہیں بلوایا ۔ اکبر نہایت خوشی سے چلے آئے ۔

مریم مکانی نے شاہزادہ سے کہا ۔ بیٹا ! جاؤ ۔ باپ کے قدم چومو ۔

شاہزادہ نے کہا ۔ کیسے جاؤں ۔ ہمت نہیں پڑتی ۔

مریم مکانی نے ہنس کر کہا ۔ خوف کیا ہے ۔

سلیم خوف نہیں ۔ شرم دامن گیر ہے ۔

مریم مکانی ۔ اچھا چلو ہم لے چلیں ۔

مریم مکانی سلیم کو لے کر سامنے پہنچیں ۔ سلیم کا ایک ہاتھ مریم مکانی پکڑے اور دوسرا سلیمہ سلطان بیگم نے دونوں شہزادے کو اکبر کے سامنے لے آئیں ۔۔۔ سلیم آگے بڑھ کر قدم بوس ہو گئے ۔ اکبر نے فوراً آناً فاناً اٹھا کر سینے سے لگا لیا ۔ سلیم کے آنسو جاری ہو گئے اکبر بھی رونے لگے ۔

مریم مکانی اور سلیمہ سلطان بیگم بھی اشکبار ہو گئیں
وقت وہاں جس قدر قلماقنیاں اور کنیزیں تھیں سب آنسو
لگیں نہایت دل دوز منظر تھا۔

سلیم نے عرض کی "خطاوار حاضر ہے۔ سزا دیجئے۔"

اکبر نے پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "سعادتمند بیٹے غلطی ہم
ہوئی۔

سلیم۔ نہیں نہیں۔ گنہگار میں ہی ہوں۔ ذات ہمایوں مجھ سے خفا ہو
میرا فرض تھا کہ حاضر ہو کر سر جھکا دیتا۔

اکبر۔ بیٹا۔ ہمیں دونوں کو غلط فہمی ہوئی۔ تم ہماری آنکھوں کا نور ہو
ہوئے تم سلطنت سنبھالو۔

سلیم بخدا مجھے سلطنت کی خواہش نہیں ہے۔ خدا ظل اللہ کا سا
ہمیشہ میرے سر پر رکھے۔ میں تو اعلیٰ حضرت کے زیر عاطفت رہنا چاہتا
سلطنت کی بھاری ذمہ داری کو میں اچھی طرح محسوس کرتا ہوں۔ میں ا
بار اٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔

اکبر۔ تب تم کیا چاہتے ہو۔

سلیم۔ عالم پناہ کی نگاہ لطف

اکبر۔ ہم نے ہمیشہ تم پر لطف و مہربانی کی ہے۔ آئندہ بھی کریں گ

سلیم۔ میری خطائیں بھی معاف فرما دیجئے۔

اکبر۔ ہم نے معاف کیں۔

شاہزادہ سلیم خوش ہو گئے۔ شہنشاہ اکبر نے اسی وقت اپنے سر
دستار اتار کر بیٹے کے سر پر رکھ دی۔ ولیعہدی کا خطاب تازہ

اور حکم دیا کہ شادیانے بجیں۔

فوراً نقاروں پر چوب پڑی۔ کرنا[1] اور سرنا[2] باجے بجنے لگے۔ نفیریاں نغمہ سرائی کرنے لگیں۔"

محفلِ جشن ترتیب دی گئی۔ کئی روز تک جشن ہوتا رہا۔ تمام رعایا نے بھی جشن منایا۔ اس طرح باپ اور بیٹے میں ملاپ ہو گیا۔ ابوالفضل کے مرتے ہی دونوں میں مفاہمت ہو گئی۔ اگر وہ زندہ رہتے تو نہ معلوم کس قدر فتنے اٹھتے رہتے۔

آٹھواں باب

شیر سے مقابلہ

شیر افگن نے چاند سی دلہن پائی تھی۔ مہرالنساء چاند سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اس قدر حسین کہ حسن کو اس پر ناز تھا۔ اس کے چہرہ میں کچھ ایسی جاذبیت تھی کہ ایک دفعہ دیکھنے والا بار بار دیکھنے پر مجبور ہوتا تھا۔ اس کی ہر ادا پیاری معلوم ہوتی تھی۔ کچھ اس انداز سے چلتی تھی کہ دل لوٹے جاتا تھا۔ آواز نہایت شیریں تھی۔ جب باتیں کرتی تو منہ سے پھول سے

---

[1] کرنا سونے چاندی اور پیتل وغیرہ کا ڈھالا جاتا تھا۔ چار ملا کر بجاتے تھے
[2] سرنا ایرانی اور ہندوستانی عجیب قسم کا ہوتا تھا۔ نو کر ملا کر نغمہ سرائی کرتے تھے۔

(صادق۔ صدیقی سردھنوی)

پھرتے تھے۔

شیر افگن کو ناز تھا کہ انہیں ایسی پیاری بیوی ملی وہ ہزار جان سے اس پر شیفتہ تھے۔ اس کی ایک لمحہ کی جدائی بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ جہاں جاتے ساتھ جاتے تھے۔ مہر النساء کو بھی ان سے کچھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ ہر وقت ان کا ہی وظیفہ پڑھتی رہتی تھی۔

غرض دونوں میاں بیوی میں بڑی محبت تھی۔ دونوں جوان تھے۔ خوبرو تھے۔ محبت کی دنیا میں، محبت کے سمندر میں تیر رہے تھے۔ انھیں دنیا اور دنیا والوں سے کچھ بھی غرض نہ تھی۔ انہوں نے اپنا دنیا الگ بنا لی تھی۔ یہ دنیا محدود تھی اور لا محدود بھی وہ چاہتے تھے کہ ان کی دنیا میں کوئی بھی مخل نہ ہو۔

شیر افگن کو بنگالہ کا صوبہ دار بنا کر بھیجا گیا تھا۔ بنگالہ کے نظم و نسق کے ذمہ دار راجہ مان سنگھ تھے۔ بنگالہ ان کی جاگیر میں کہلاتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی بات صرف اتنی ہی تھی کہ وہ بنگالہ کے نظم و نسق کے ذمہ دار تھے۔ اس ملک میں صوبہ دار یعنی گورنر بادشاہ مقرر کرتے تھے۔ شاہی خزانہ سے گورنر کی تنخواہ دی جاتی تھی۔ اس کی صورت بالکل ایسی تھی جیسی گورنمنٹ برطانیہ نے خزانچیوں کی کر رکھی تھی۔ یعنی ہر ضلع میں کسی رئیس کو خزانچی مقرر کر دیا جاتا تھا۔ اس خزانچی کی طرف سے تحصیلدار خزانچی ہوتے ہیں۔ ان تحصیل دار خزانچیوں کو تنخواہ سرکاری خزانہ سے دی جاتی ہے۔ لیکن خزانہ کا اصل ذمہ دار خزانچی صدر ہوتا ہے۔

بنگالہ کے لوگ سرکش واقع ہوئے تھے۔ وہ جب تک دبے رہتے خاموش رہتے اور جب ذرا بھی گرفت ڈھیلی ہو جاتی تو بغاوت کر دیتے۔ چنانچہ جب

شاہزادۂ سلیم اور ان کے ساتھ راجہ مان سنگھ میواڑ کی مہم میں مصروف تھے تو اہل بنگالہ نے بغاوت کردی چونکہ راجہ مان سنگھ وہاں کے ذمہ دار تھے اس لئے وہ میواڑ کی مہم چھوڑ کر بنگالہ گئے تھے۔ انھوں نے اور شیر افگن خاں دونوں نے مل کر بغاوت کو فرو کر دیا تھا۔

جب شاہزادۂ سلیم شہنشاہ اکبر سے بگڑ بیٹھے اور انھوں نے الہ آباد میں جا کر اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا اور ابوالفضل کے مارے جانے پر جب وہ شہنشاہ اکبر سے ملاقات کے لئے چلے تو اکبر نے دو صوبے اڑیسہ اور بنگال[1] ان کی جاگیر میں دے دیے۔ اس طرح صوبہ بنگال شاہزادہ سلیم کے تحت میں آ گیا انھوں نے شیر افگن کو بدستور بنگال میں گورنر رکھا۔ پہلے شیر افگن کا تعلق براہ راست شہنشاہ اکبر سے تھا۔ اب شاہزادہ سلیم سے ہو گیا۔

شیر افگن نہایت سیدھے اور صاف باطن تھے۔ سپاہی آدمی تھے، بہادر تھے، تلوار کے دھنی تھے ایسے لوگ سیاست سے واقف نہیں ہوتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سیاست مکاری کا دوسرا نام ہے جو سب سے بڑا مکار ہو گا وہی سب سے بڑا سیاست داں ہو گا۔ معلوم نہیں ان کا خیال کہاں تک درست ہے لیکن ایک بات ضرور ہے کہ سیاست داں کے لئے غلط بیانی کرنا ضروری ہے وعدے ہزار کرنا لیکن کسی وعدہ کو شرمندۂ وفا ہونے دینا سیاست داں کا طرۂ امتیاز ہے اور جب اس کے وعدوں کو یاد دلایا جائے تو ان کی ایسی توضیحات کر دے کہ وعدے عہدے کی عہدہ سے نکل جائیں۔ موجودہ زمانہ میں سب سے بڑی سیاست دانی یہی سمجھی جاتی ہے۔

---

[1] از سیر المتاخرین جلد اول صفحہ ۲۴۶

غرض شیر افگن سیدھے اور دلیر آدمی تھے۔ سیاست داں نہ تھے۔ بنگالی لوگ ان کی تلوار سے ڈرتے تھے اسی لئے وہ جب موقع پاتے تھے باغی ہو جاتے تھے اگرچہ انجام میں انہیں ہی نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

چونکہ ان کی بغاوت سے شیر افگن خاں کو کوئی نقصان نہ پہنچا تھا اس لئے وہ اس طرف زیادہ توجہ نہ دیتے تھے اگر شیر افگن کو معلوم ہو جاتا کہ ان کی یہ کمزوری کسی وقت ان کے لئے بڑی نقصان رساں ثابت ہوگی تو وہ اس کو جاری ہونے سے پہلے ہی بند کر دیتے۔

ایک بات اس طرف توجہ نہ کرنے کی اور بھی تھی وہ مہرالنساء کی محبت تھی وہ اس کی محبت میں کچھ ایسے ڈوب گئے تھے کہ زیادہ تر اسی بت سیمتن کے پاس بیٹھے اس سے باتیں کرتے رہتے تھے۔

ایک روز وہ سفر میں تھے جنگل کے بیچ میں ان کا قیام تھا شاہی حرم سرا کی طرح شیر افگن نے بھی انتظام کیا تھا ایک شاندار اور اتنا وسیع خیمہ تیار کرایا تھا جس میں دو سو آدمی بافراغت بیٹھ سکیں اس خیمے کے سامنے خوشنما بڑا کمرہ تھا ہر کمرے کے سامنے آفتاب کی تمازت سے بچنے کے لئے ایک مستطیل نہایت عمدہ سائبان تھا۔ سائبان کے آگے بیس گز چوڑا اور تیس گز لمبا صحن تھا اس حرم سرا کے گرد قناتوں کی دیواریں تھیں اور ادھر ادھر کنیزوں کے خیمے ہوتے تھے۔

شیر افگن نے مہرالنساء کے لئے ڈیڑھ سو کے قریب کنیزیں ملازم رکھی تھیں چند قلماقنیاں بھی نوکر رکھ لی گئی تھیں جو حرم سرا کا پہرہ دیتی تھیں۔

خدا کی شان ہے اس مہرالنساء کے لئے جسے پیدا ہوتے ہی اس کے باپ تنہا جنگل میں چھوڑ آئے تھے جس نے بچپن میں گھر کا کام خود کیا تھا جس کے گھر اس وقت ایک کنیز بھی نہ تھی وہ جب کسی سے خوش ہوتی تو اسے اتنا انعام

دیتی کہ اسے ملازمت کی پرواہ نہ رہتی۔

حرم سرا میں شیر افگن اور مہر النساء دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے رات کا وقت تھا چاند نکلا ہوا تھا۔ چاندنی کیفیت کئے ہوئے تھی مہر النساء کی چاندنی کی طرح بیٹھی چاندنی میں بہار رہی تھی۔ شیر افگن کہہ رہے تھے کہ "میں بڑا ہی خوش قسمت ہوں مجھے خدا نے دنیا ہی میں حور عطا کر دی"

مہر النساء نے مسکرا کر کہا ۔۔۔ "اچھا! تمہیں حور مل گئی ہے۔ کہاں ہے وہ حور ۔۔۔"

شیر افگن ۔ "وہ تم ہو۔ بخدا حور بھی اتنی ہی حسین ہو گی جتنی تم ہو"

مہر النساء ۔ توبہ کیجئے توبہ۔ حور، حور ہے۔ میں ہوں ایک انسان ادنیٰ کو حور سے کیا نسبت۔

شیر افگن ۔ ذرا میرے دل سے پوچھو۔

مہر النساء ۔ اچھا آپ کا دل باتیں بھی کرتا ہے۔ سنتی تھی آپ سپاہی زادہ مگر معلوم ہوا شاعر بھی ہیں۔

شیر افگن ۔ میں شاعری سے بالکل بھی واقف نہ تھا مگر تمہاری ہم نشینی سے شعریت آگئی ہے۔

مہر النساء ۔ شاید آپ پر ہم نشینوں کا اثر جلد ہو جاتا ہے"

شیر افگن ۔ مجھ پر کسی کا اثر نہیں ہوتا البتہ تم ساحرہ ہو حسین ساحرہ تم نے ایسا سحر پھونکا ہے کہ میں بے بس ہو کر رہ گیا ہوں۔

مہر النساء نے مسکرا کر کہا ۔ "خدا خیر کرے ۔۔۔۔"

مہر النساء ابھی کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ شیر کے دہاڑنے کی آواز آئی۔

مہر النساء نے کہا ۔ "اف کس زور سے دہاڑ رہا ہے یہ شیر۔"

شیر افگن۔ "کہیں ڈر تو نہیں گئیں تم۔"

مہر النساء۔ "میں کیوں ڈرنے لگی تھی۔"

شیر افگن۔ "تم کیوں ڈرتیں۔ حسینوں کو اپنے حسن پر زعم ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ڈرتے ہی نہیں سمجھتے ہیں ہر چیز ان کی رام ہو جائے گی۔"

مہر النساء۔ "جی ہاں شیر تو آپ ہی مار سکتے ہیں ایک شیر مار کر شیر افگن کا خطاب کیا حاصل کر لیا ہے کہ اترانے لگے۔"

شیر افگن۔ "ایک وقت تھا جب مجھے اپنی قوت پر ناز تھا شیر سے کشتی لڑ پڑتا تھا مگر اب تمہاری محبت نے ـــــ"

ابھی شیر افگن کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ شیر کے پاس ہی سے دہاڑنے کی آواز آئی۔

مہر النساء "اوئی یہ مردار تو سر پہ ہی چڑھا چلا آرہا ہے"

شیر افگن۔ "کہیں یہ میرا رقیب تو نہیں ہے۔ کہیں اس نے تمہیں تو نہیں دیکھ لیا ہے ـــ"

مہر النساء نے ہنس کر کہا ـــ "رقیب ..... ڈر گئے نہ شیر سے لگے باتیں بنانے میرا دوپٹہ اوڑھ کر خیمہ کے اندر جا بیٹھو۔ فکر نہ کرو میں ابھی شیر کو ٹھکانے لگائے دیتی ہوں ـــ"

یہ کہتے ہی مہر النساء نے شیر افگن کی پیٹی میں سے خنجر نکال لیا۔ شیر افگن نے کہا۔ "کیا اس خنجر سے شیر کو قتل کرنے کا ارادہ ہے۔ اس غریب کو تو تمہاری ترچھی نظر ہی کافی ہے۔"

اب شیر حرم سرا کے قریب ہی آ گیا تھا حرم سرا کے محافظ سپاہیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ شیر افگن فوراً تلوار لے کر باہر نکلے انہوں نے دیکھا کہ شیر ایک

سپاہی پر جست کرنے والا ہے۔ وہ لپک کر سپاہی کے آگے جا کھڑے ہوئے۔
شیر جست لگا چکا تھا وہ شیر افگن کے اوپر آیا۔ انھوں نے اس طریقہ سے تلوار
چلائی کہ شیر دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ تمام سپاہیوں نے شیر افگن کی بہادری کی
تعریف کی۔ جب وہ حرم سرا میں داخل ہوئے تو انھوں نے مہر النساء کو قنات
کے پاس کھڑے دیکھا اس نے کہا۔۔۔ "واقعی آپ بہادر ہیں۔۔"
شیر افگن۔ خدا کا شکر ہے تم نے میری بہادری کا اعتراف کیا۔
مہر النساء نے مسکرا کر کہا۔۔۔ "کہیں اترا نہ جانا"
شیر افگن نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔۔۔ "میری یہ مجال ہے۔۔"
شیر افگن نے کچھ ایسی محبت بھری نظروں سے مہر النساء کو دیکھا کہ وہ
شرما کر وہاں سے بھاگ کر خیمہ کے اندر چلی گئی۔

نواں باب (۹)

مریم مکانی کی وفات

شاہزادہ سلیم کو شہنشاہ اکبر نے مہر دانا کی مہم پر نامزد کیا شاہزادہ کو
چونکہ اب کوئی اندیشہ اس امر کا نہ رہا تھا کہ ان کی طرف سے کوئی اکبر کے کان
بھرے گا اس لئے وہ تیار ہو گئے کچھ لشکر لے کر چلے اور فتحپور میں جا کر قیام کیا
اکبر نے سامان حرب و رسد اور خزانے ان کی روانگی کے بعد بھیجنے کا وعدہ
کیا تھا اس لئے وہ فتح پور ٹھہر کر ان سامانوں کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔
اکبر یا تو بھول گئے یا کسی مصلحت سے سامان نہ بھیج سکے۔ بغیر رسد سامان

حرب اور خزانے کے اس مہم پر جانے سے چونکہ کوئی فائدہ نہ تھا اس لئے شاہزادہ سلیم نے شہنشاہ اکبر کی خدمت میں ایک عرضی لکھ کر روانہ کی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"ظل الٰہی"

یہ خاکسار فتحپور میں آکر مقیم ہو گیا تھا اور اعلیٰ حضرت نے جو سامان اور خزانہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا اس کے پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔ عرصہ گزر گیا لیکن نہ سامان آیا نہ خزانہ پہنچا اس سے خیال ہوا کہ شاید عالم پناہ نے اس مہم کو کسی وجہ سے فی الحال ملتوی کر دیا ہے اگر یہ حقیقت ہے تو مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنی جاگیر پر بنگالہ چلا جاؤں اور وہاں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں انہیں دور کردوں ــــ"

شہنشاہ اکبر کے پاس جب یہ عرضی پہنچی تو انھیں خیال ہوا کہ انھوں نے اب یہی مصلحت مناسب سمجھی کہ شاہزادہ کو جاگیر پر جانے کی اجازت دے دیں چنانچہ انھوں نے اجازت دے دی اور سلیم الہ آباد چلے گئے۔

۱۰۱۲ھ میں مریم مکانی کی طبیعت علیل ہو گئی۔ شاہی طبیبوں نے علاج شروع کیا لیکن مرض نے طول پکڑا۔ مریم مکانی نے شہنشاہ اکبر سے خواہش کی کہ شاہزادہ سلیم کو بلوا دیں اکبر نے خود الہ آباد جا کر شاہزادہ کو لانے کا ارادہ کیا چنانچہ ایک روز وہ کشتی میں سوار ہو کر الہ آباد کی طرف چلے۔ شہنشاہ کی سواری تھی۔ ہزاروں سپاہی اور خدام جلو میں تھے دور تک کشتیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

دریائے جمنا چڑھاؤ پر تھا پھاٹ کافی چوڑا ہو گیا تھا برسات کا

موسم تھا جمنا کے کنارے سبزہ سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ان کشتیوں کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جمنا میں شہر آباد ہو گیا ہو۔

چلتے چلتے دفعتہً شاہی کشتی ریت پر چڑھ گئی اسی وقت دریا کا اتار شروع ہو گیا۔ کشتی بہت بڑی تھی اسے ڈھکیل کر پانی میں لانا مشکل ہو گیا اگرچہ ملاحوں نے بڑی جانفشانی اور دوڑ دھوپ کی لیکن کشتی اپنی جگہ سے نہ ہلی فوراً بیلدار طلب کیے گئے انھوں نے ریت ہٹانا شروع کیا۔ صبح سے شام ہو گئی لیکن کشتی نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔

شام کے وقت ابر گھر آیا دن چھپتے ہی بارش شروع ہو گئی۔ تمام کشتیوں میں بارش سے بچنے کا معقول انتظام تھا شہنشاہ اپنی کشتی میں امرا و سپاہی اور خدام اپنی اپنی کشتیوں میں آرام سے بیٹھے رہے۔ رات بھر یہ کیفیت رہی۔ کبھی بارش ہونے لگتی کبھی رک جاتی یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ کچھ دن چڑھے پھر بارش شروع ہو گئی پروا ہوا چل رہی تھی بادلوں کے دل کے دل دوڑے چلے آ رہے تھے افق سے افق تک گھری ہوئی تھی بارش زور و شور سے ہو رہی تھی دریا میں بوندیں بلبلے بنا بنا کر توڑ رہی تھیں بعض بلبلے چند قدم دریا میں تیرتے تھے اور پھر ٹوٹ جاتے تھے ساون کا مہینہ تھا۔ کشتی نشینوں کو بڑی فرحت معلوم ہو رہی تھی۔ شاہی خدام نے ایک اور کشتی شہنشاہ کے لیے مہیا کی۔ اکبر اس کشتی میں آ گئے۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی۔ اب کشتیوں نے الہ آباد کی طرف چلنا شروع کیا ابھی تھوڑی ہی دور چلی تھیں کہ آگرہ سے ایک قاصد آیا اس نے بیان کیا کہ مریم مکانی کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہے اکبر وہیں سے لوٹ پڑے اور چند کشتیوں میں کچھ لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ جلد سے جلد شاہزادہ سلیم کے پاس پہنچ کر مریم مکانی کی علالت

کی خبر دیں۔

جب اکبر آگرہ واپس آ کر مریم مکانی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی حالت خراب ہو چکی تھی۔ طبیب بڑی محنت سے علاج کر رہے تھے لیکن افاقہ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ مریم مکانی نے اکبر سے کہا —— "بیٹا! ہمارا آخری وقت آ پہنچا اب دوا کا نہیں دعا کا وقت ہے۔"

اکبر نے عرض کی —— "آپ ناامید نہ ہوں یقین ہے آپ کو صحت ہو جائے گی۔"

مریم مکانی۔ "نہیں اب صحت نہ ہو گی موت لابدی ہے بیٹا! مجھے تم سے چند باتیں کہنی ہیں سنو۔ تمہارے باپ دادا مسلمان تھے۔ تم گمراہ ہو گئے تم نے نیا مذہب جاری کیا۔ اسلام کو چھوڑ دیا خدا کی نافرمانی کی اپنے عقائد باطلہ سے توبہ کر لینا۔ اگر توبہ نہ کی تو مر کر نہ معلوم کس عذاب میں گرفتار ہو اس حکومت پر غرہ نہ کرنا تمہارے باپ (ہمایوں) سے ایک معمولی صوبہ دار نے سلطنت چھین لی تھی۔ سلطنت اور زندگی دونوں مستعار ہیں۔ شاہزادہ سلیم میں حکومت کی پوری پوری قابلیت ہے وہ اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے گا۔ بد اندیشوں کے کہنے میں آ کر انہیں ولیعہدی سے معزول نہ کر دینا ...... اب مجھ سے بولا نہیں جاتا۔"

مریم مکانی کا دم پھول گیا ان پر غشی طاری ہو گئی اکبر اور وہ بیگمات جو اس وقت وہاں موجود تھیں گھبرا گئیں طبیبوں نے آ کر مقوی و مفرح ادویات حلق میں ٹپکائیں۔ کچھ دیر کے بعد انہیں ہوش آ گیا سب کو خوشی ہوئی شادیانے بجائے گئے۔

مریم مکانی نے نحیف آواز میں کہا —— "شادیانے بند کرا دو

یہ خوشی کا موقع نہیں ہے وہ وقت آگیا ہے جس سے ہر انسان کو دوچار ہوتا ہے۔ سلیم آجاتا تو اسے بھی دیکھ لیتیں۔"

اکبر۔۔۔ سلیم آیا ہی چاہتا ہے تیز رو کشتیاں اسے لینے کے لئے گئی ہوئی ہیں۔"

مریم مکانی کی طبیعت دم بدم خراب ہوتی جارہی تھی جتنا علاج کیا جاتا تھا طبیعت اور بگڑتی تھی آخر دم آخر آپہنچا نزع کی کیفیت طاری ہوگئی طبیبوں نے ہر چند کوشش کی لیکن وہ موت کو نہ ٹال سکے آخر مریم مکانی نے وفات پائی۔

حضرت اکبر ہی کو نہیں بلکہ تمام شاہی خاندان والوں کو ان کے مرنے کا سخت صدمہ ہوا ان شاہی محلات میں جہاں ہر وقت بلبلیں چہکا کرتی تھیں خوشی وخرمی رہتی تھی غم کے بادل چھا گئے تھے۔ ہر مرد و عورت رو رہا تھا خود اکبر کے بھی آنسو نکل رہے تھے۔ طبیب بھی منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔

ہندوؤں میں رسم ہے کہ جب ان کے یہاں کوئی مرتا ہے تو مرنے والے کے قریبی عزیز داڑھی مونچھ سر ابروؤں کا صفایا کراتے ہیں۔ اکبر پر ہندو عنصر غالب تھا انھوں نے بھی بھدرا[۱] کرایا ان کی دیکھا دیکھی تمام ہندو امراء اور بعض جاہل مسلمانوں نے بھی بھدرا کرانا شروع کیا دم کے دم میں چودہ سو آدمیوں نے چار ابرو کا صفایا کرا دیا۔ ان میں مرزا غیاث بھی تھے بیچارے کیا کرتے مریم مکانی کی طبیعت کا حال پوچھنے گئے تھے اسی وقت ان کا انتقال ہوگیا۔ لوگوں نے بھدرا کرانا شروع کیا انھیں بھی مجبور کیا اور وہ بھی مست قلندر بن گئے۔

---

[۱] از دربار اکبری صفحہ ۹۹

تھوڑی دیر میں مریم مکانی کو غسل دیا گیا ان کی لاش کو مصالحہ لگا کر خوشبو سے معطر کر دیا تا کہ کچھ عرصہ تک لاش بگڑنے نہ پائے۔ جنازہ بڑی شان سے اٹھایا گیا چونکہ تمام مسلمان ان سے عقیدت و محبت رکھتے تھے اس لئے آگرہ کے تمام مسلمان آگئے سب جنازہ کے پیچھے چلے تھوڑی دور تک اکبر نے کاندھا دیا پھر جنازہ کو دہلی روانہ کر دیا تاکہ اپنے شوہر شہنشاہ ہمایوں کے پہلو میں دفن کی جائیں۔

جب جنازہ روانہ ہو گیا تو اکبر محل میں اور امرا اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔ مرزا غیاث جب اپنے گھر پہنچے تو ان کی بیوی ان کی صورت دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑیں۔

اس نے کہا۔۔ "واہ! یہ کیا حلیہ بنایا ہے۔۔۔"

مرزا غیاث بڑے شرمندہ ہوئے انھوں نے کہا۔ کیا کہوں آج بد معاشوں اور بے دینوں میں پھنس گیا

بیگم۔ آخر وہ کون بدمعاش اور بے دین تھے۔۔

مرزا غیاث۔ شہنشاہ اکبر کے چیلے تھے۔۔

بیگم۔ "انھوں نے کیوں آپ کے چار ابرو کا صفایا کرایا۔"

مرزا غیاث۔ ہوا یہ کہ اکبر نے مریم مکانی کے انتقال کی وجہ سے بھدرا کرایا ان کے چیلوں نے بھی کرایا مجھے بھی گھیر کر مجبور کیا۔

بیگم۔ "توبہ توبہ۔ شہنشاہ بالکل ہی ہندو بن گئے۔"

مرزا غیاث۔ رانیوں نے انھیں ہندو بنایا مبارک اور اس کے بیٹے فیضی اور ابوالفضل نے بالکل ہی بے دین بنا دیا۔

بیگم۔ "مگر تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے یہ تو بڑے گناہ کی بات ہے۔"

مرزا غیاث۔ کیا کہوں۔ مجھے رہ رہ کر غصہ بھی آرہا ہے اور افسوس

ہو رہا ہے اب، جو ہوگیا سو ہوگیا توبہ کروں گا۔

بیگم۔ اب چندروز گھر سے باہر نہ نکلیے نہیں تو لوگ ہنسیں گے "

مرزا غیاث۔ میں شرم و غیرت سے ڈوبا جارہا ہوں خود ہی باہر نہ نکلوں گا۔"

چنانچہ مرزا غیاث چندروز کے لئے گوشہ نشین ہوگئے کچھ عرصہ کے بعد شاہزادہ سلیم بھی الہ آباد سے آگئے۔ انھیں راستہ ہی میں مریم کے انتقال کی خبر ہوگئی تھی چونکہ انھیں ان سے محبت تھی اس لئے بڑا صدمہ ہوا اکبر کے حضور میں پہنچ کر وہ رو پڑے۔ اکبر کا غم بھی تازہ ہوگیا ان کے بھی آنسو جاری ہوگئے۔ باپ نے بیٹے کو تشفی دی۔ سلیم نے دلی پہنچ کر مرحومہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا اکبر نے کہا۔۔۔۔ "بیٹا مجھے بھی والدہ کے مرنے کا سخت صدمہ ہے تمہارے آنے سے اس صدمے میں کچھ کمی ہو جائے گی ابھی تم کہیں نہ جاؤ۔۔۔"

مجبوراً سلیم رک گئے۔

(۱۰) دسواں باب

اکبر کی ایک اور بدعقلی

شہنشاہ اکبر کی طبیعت کو کسی بات پر بھی استقلال نہ تھا۔ ان کے تین بیٹے سلیم، مراد اور دانیال تھے۔ ان میں سلیم سب سے بڑے تھے انھیں ہی ولیعہد مقرر کیا تھا۔ مراد مریم مکانی سے پہلے ہی فوت ہوگئے تھے۔ دانیال نے ۱۰۱۲ھ میں وفات پائی اب صرف سلیم ہی باقی رہ گئے تھے۔ سلیم کی شادی راجہ

مان سنگھ کی بہن سے ہوئی تھی جسے سلطانہ بیگم کا خطاب ملا تھا اس راجکماری کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام شہزادہ خسرو تھا چونکہ خسرو راجہ مان سنگھ کے بھانجے تھے اس لئے راجہ مان سنگھ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے جودھا بائی اور سلطانہ بیگم دونوں نے بچپن ہی کے زمانہ سے شاہزادہ خسرو کو ہندو مذہب کی تلقین کی تھی ان پر دادا (اکبر) کی طرح ہندو پن غالب تھا۔

چونکہ جہانگیر مسلمان تھے اس لئے راجہ مان سنگھ نہیں چاہتے تھے کہ اکبر کے بعد وہ بادشاہ ہوں بلکہ اس کوشش میں تھے کہ ان کے بھانجے خسرو تخت پر بیٹھیں۔ جب خسرو جوان ہوئے تو ان کی شادی خان اعظم کی بیٹی سے ہوئی جو سلطنت کے رکن اعظم تھے۔

راجہ مان سنگھ نے خان اعظم کو ترغیب دی کہ وہ اپنے داماد کو تخت نشین کرائیں۔ خان سید تھے مسلمان تھے انھوں نے یہ تو سمجھا نہیں کہ اس تہہ میں کیا راز ہے۔ محض یہ سمجھ کر کہ خسرو کے تخت نشین ہونے سے ان کی بیٹی ملکہ ہو جائے گی اور خود ان کا بھی منصب بڑھ جائے گا وہ بڑی خوشی سے اس پر آمادہ ہو گئے دونوں نے سازشیں شروع کیں۔ اکبر سے شاہزادہ سلیم کی شکایتیں شروع کردیں۔ اب ابوالفضل کے بجائے دو اور مخالف شاہزادہ سلیم کے پیدا ہو گئے راجہ مان سنگھ نے شاہزادہ خسرو کی تعریفیں شروع کیں۔ خان اعظم نے ان کی تائید کی۔ دونوں نے اکبر کے ذہن نشین یہ بات کردی کہ شاہزادہ سلیم سے کہیں زیادہ شاہزادہ خسرو میں سلطنت و حکومت کی قابلیت ہے۔

شہنشاہ اکبر پر لوگوں کے کہنے سننے کا بہت جلد اثر ہو جاتا تھا، انھوں نے چند مرتبہ؛ مراد کے سامنے یہ بات کہدی کہ سلیم سے زیادہ ہمارا پوتا خسرو قابل

ہے۔ ہم اسے ہی ولی عہد مقرر کریں گے۔ اس سے خسرو کا دماغ آسمان پر پہنچ گیا وہ اپنے باپ یعنی شاہزادہ سلیم کی مخالفت کرنے لگے بلکہ اپنے ماموں راجہ مان سنگھ کے سکھا پڑھا نے بہکانے سے اکبر سے سلیم کی اکثر شکایتیں کیا کرتے۔

شہزادہ سلیم کو بھی اس بات کا علم ہو گیا وہ سخت پریشان رہنے لگے چونکہ انھیں راجہ مان سنگھ اور خان اعظم کی طرف سے اپنی جان کا کھٹکا پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت انھیں کوئی اپنا حمایتی نظر نہ آتا تھا باپ (اکبر) خلاف ہو گئے تھے۔ سالے (راجہ مان سنگھ) مخالف تھے ان کی وجہ سے قریب قریب تمام اراکین سلطنت مخالفت کرتے رہتے تھے۔

لیکن جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا خدا ہوتا ہے اور جس کا خدا ہو اس کی اگر ساری خدائی بھی مخالف ہو جائے تو کچھ نہیں کر سکتی۔ سلیم پر خدا مہربان تھا۔ خدا نے شیخ فرید کو جو بخشی گری کے جلیل القدر عہدے پر مامور تھے شاہزادہ سلیم کا طرفدار بنا دیا۔

اکبر کی یہ بھی تمنا تھی کہ وہ پھر سے جوان ہو جائیں اس وقت ان کی عمر باسٹھ سال کے قریب ہو چکی تھی جسم کے تمام اعضاء پر ضعیفی کا عالم طاری ہو چکا تھا وہ اس فکر میں تھے کہ سو برس سے زیادہ عمر ہو اور تا زندگی جوان رہیں۔

انھیں یہ بتایا گیا تھا کہ ہندوؤں میں ایسے فقیر ہیں جن کی عمریں کئی کئی سو برس کی ہوتی ہیں اور ہٹے کٹے جوان بنے رہتے ہیں تبت کے لامہ (بودھ مذہب کے پیشوا) سینکڑوں برس کی عمریں حاصل کرتے ہیں بعض ہندو فقیر کایا کلپ یعنی کایا پلٹ سے واقف ہیں وہ بوڑھوں کو جوان کر دیتے ہیں۔ اکبر نے

دربار اکبری صفحہ ۱۰

لامہ کی خدمت میں کایا کلپ کا نسخہ معلوم کرنے کے لئے قاصد بھیجے۔ کایا کلپ جاننے والے فقیروں اور سادھوؤں کی تلاش کی۔ بہت سے سادھو آموجود ہوئے انھوں نے بڑے بڑے دعوے کئے۔ اکبر کو خوب ٹھگا کایا کلپ کی تدبیروں اور نسخوں کا استعمال شروع کیا لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلا۔ اعضا میں ذرا بھی تبدیلی نہ ہوئی ضعیفی گھٹنے کے بجائے اور بڑھ گئی۔

اکبر کی حماقت اور بد عقلی کی ایک یہ بھی دلیل ہے۔ انھوں نے قدرت سے جنگ کرنی چاہی۔ یہ نہ سمجھے کہ قدرت کا قانون اٹل ہے پہلے بچپن آتا ہے پھر جوانی اور آخر میں بڑھاپا۔ بوڑھا کبھی جوان نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کے فلسفی شاعر [illegible] نے اس فلسفہ کو کیا خوب حل کیا ہے۔

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی　　　ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا　　　جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

شہنشاہ اکبر اس شاعر کے برابر بھی سمجھ نہیں رکھتے تھے ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ نظام قدرت ہی یہ ہے کہ بچہ سے جوان اور جوانی سے بوڑھے ہوں بڑھاپے کی آمد موت کا پیش خیمہ ہے کوئی بادشاہ ہو یا فقیر، اولیاء اللہ ہو یا [illegible] اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔

سائنس نے بڑی ترقی کی ہے اس زمانہ میں اس کی ترقی حد انتہا کو پہنچ گئی ہے لیکن سائنس داں بھی بوڑھوں کو جوان بنانے کی دوا یا آلہ ایجاد نہیں کر سکے اور تو اور انھیں یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ روح کیا چیز ہے جسم کے کس حصہ میں رہتی ہے اور کیسے نکل جاتی ہے۔ کیوں روح کے نکلنے سے آدمی مرجاتا ہے۔

کیا قدرت کا راز ہیں۔ خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ ان باتوں کے معلوم نہ ہونے پر انسان کی خود سری کا یہ عالم ہے کہ وہ اکثر خدا کے وجود کا منکر ہو جاتا ہے خود خدا بن جاتا ہے اگر اسے یہ راز بھی معلوم ہو جاتا تو کوئی بھی خدا کو نہ پوچھتا۔ اس سے نہ ڈرتا۔ اس کی عبادت نہ کرتا ہر شخص فرعون اور نعوذ باللہ خدا بن جایا کرتا۔

ابھی کچھ عرصہ کی بات ہے کہ ہندوؤں کے مشہور لیڈر مالوی جی نے جو بنارس کی ہندو یونیورسٹی کے کرتا دھرتا بھی تھے۔ بوڑھے سے جوان بننا چاہا ایک سادھو نے انھیں جوان بنا دینے کا وعدہ کیا دن کچھ کر سادھو سائنس دانوں سے زیادہ جانتے ہیں کایا کلپ کرانے کو تیار ہو گئے۔ غالباً چالیس روز تک کسی دریا کے کنارہ ایک تیرہ و تار کٹی میں بند رہے۔ اخباروں میں خوب چرچا ہوا بعض ہندو اخبارات نے زور دے کر لکھا کہ ہندو سادھو کایا کلپ کو جانتے ہیں ایک سادھو نے مالوی جی پر اس کا عمل شروع کر دیا ہے جب مالوی جی جوان ہو جائیں گے تو دنیا حیران رہ جائے گی۔ غرض چالیس روز تک یہ عمل ہوا بیچارے بوڑھے مالوی جی نے اس عمل کے کرنے میں بہت تکلیفیں برداشت کیں مگر جب عمل ختم ہو گیا تو مالوی جی کی آرزوں پر اوس پڑ گئی وہ جوان تو کیا ہوتے جتنی طاقت پہلے تھی اسے بھی کھو دیا اور پہلے سے بھی زیادہ ضعیف ہو گئے۔ ہندو اپنا سا منھ لے کر رہ گئے۔ جن اخبارونے ڈھنڈورا پیٹا تھا وہ بھی بڑے خفیف ہوئے دنیا مالوی جی کو جوان دیکھکر حیران نہ ہوئی البتہ مالوی جی کی اس حماقت پر ضرور حیران ہوئی کہ وہ اس زمانے کے زمانہ میں اس قدر تعلیم یافتہ ہو کر اس بات کا شکار ہو گئے کہ بوڑھے بھی جوان ہو سکتے ہیں۔

اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ ان سے ساڑھے تین سو برس پہلے اکبر نے کـ
حماقت کی تھی تو وہ جوانوں اور بچوں کے مذاق کا ہدف بنتے۔

اگر بوڑھے سے جوان ہو جایا کرتے تو کوئی بادشاہ بوڑھا نہ ہوتا ہمیـ
جوان بنا رہتا اور ہر بادشاہ سیکڑوں برس زندہ رہا کرتا بلکہ بادشاہ ہی
ہر سرمایہ دار جوان بنا رہتا کیونکہ دولت مند اور بادشاہ جوان بننے کے
لاکھوں نہیں کروڑوں روپئے خرچ کر سکتے ہیں لیکن نہ یہ علم کبھی تھا نہ اب
ہے حماقتیں پہلے بھی ہوتی تھیں اب بھی ہوتی ہیں۔

جو سادھو دنیا سے کنارہ کش ہو کر پہاڑوں یا جنگلوں میں گوشہ نشین
جاتے ہیں وہ عبادت و ریاضت کی وجہ سے سوکھ کر کانٹا ہو جاتے ہیں
ضرور ہے کہ ان کی روحانی قوت بڑھ جاتی ہے لیکن جسمانی قوت کمزور ہو جا
ہے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ بوڑھے ہو جاتے ہیں نہ انھیں جوانی کی خواہش
رہتی ہے نہ جوان بنتے ہیں نہ جوان بن سکتے ہیں۔

البتہ جو سادھو دنیا دار ہوتے ہیں وہ فریب کی دکان کھولتے ہیں احمق
ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ احمقوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں بے فکـ
سے دنیا کی نعمتیں کھاتے ہیں پی کر بھینسے بن جاتے ہیں۔

فقیر ہندو ہوں یا مسلمان عیسائی ہوں یا بودھ پارسی ہوں یا یہودی
دنیا دار ہوتے ہیں وہ قوی الجثہ موٹے تازے ہوں گے اور جو عبادت گذار ہو
وہ کمزور اور اجڑے ہوئے ہوں گے۔

غرض اکبر نے ہر چند جوان بننے اور زیادہ عمر حاصل کرنے کی کوشـ
لیکن بیچارے کو کامیابی نہ ہوئی یہ نہ سمجھے کہ دنیا سرائے فانی ہے عمر رفتہ
نہیں آیا کرتی جو دن پیدا ہوا وہ عمر میں سے کم ہو گیا اس کمی کو کوئی طاقـ

پورا نہیں کر سکتی - شباب کا عالم آندھی کی طرح آتا اور سیلاب کی طرح اتر جاتا ہے جس طرح دریا کے پانی کو بہاؤ سے روک کر الٹا نہیں بہایا جا سکتا اسی طرح بڑھاپے کو جوانی میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ اس کایا کلپ کرنے کے چند ہی روز بعد اکبر علیل ہو گئے اور ایسے علیل ہوئے کہ بستر سے لگ گئے۔ شاہی طبیبوں میں حکیم علی نہایت مشہور حکیم تھے وہ شہنشاہ کے علاج پر مامور ہوئے۔

گیارھواں باب (۱۱)

اکبر کی وفات

اکبر کی علالت بڑھتی جا رہی تھی۔ حکیم علی ارسطوئے دوراں تھے وہ یوں تو دن میں کئی مرتبہ نبض و قارورہ دیکھتے لیکن ابھی نہ نسخہ لکھا تھا نہ دوا تجویز کی تھی بلکہ مرض کو طبیعت پر چھوڑ دیا تھا تا کہ طبیعت کی قوت مرض پر غالب آ جائے اور بغیر ہی دوا کے مرض جاتا رہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر مریض کی قوت طبع بڑھی ہوئی ہے تو مرض پر غلبہ پا لیتی ہے اور یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ جب مرض آتا ہے تو جب تک اس کا زور گھٹ نہیں جاتا اس وقت تک کتنا بھی علاج کرو۔ کیسی ہی دوا دو ہرگز افاقہ نہیں ہوتا بعض امراض میعادی ہوتے ہیں جب تک ان کی میعاد پوری نہیں ہو جاتی علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اسی لئے اکثر اطبائے حاذق چند روز کے لئے مریض کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ طبیب کی سمجھ میں مرض نہیں آتا وہ دو چار روز مرض اور قارورہ دیکھ کر مرض کو

پہچاننے کی کوشش کرتا ہے پھر دوا دیتا ہے اگر دوا مرض کے موافق دی گئی تو شفا یقینی ہے۔ راقم الحروف نے ایک حدیث میں دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ پروردگار عالم نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے اگر طبیب ہوشیار ہو اور مرض کے مطابق دوا دے تو مریض کو آرام ہو جاتا ہے لیکن مرض الموت کی دوا نہ پیدا کی گئی ہے نہ کسی طبیب کو معلوم ہے۔

حکیم علی نے آٹھ روز تک شہنشاہ اکبر کا علاج نہیں کیا نویں روز سے دوا دینی شروع کی لیکن اس عرصہ میں اکبر بہت کمزور ہو گئے تھے چونکہ دوا مرض کے مطابق نہ پہنچی۔ اس لئے تکلیف میں افاقہ ہونے کے بجائے اور بڑھتی رہی چند ہی روز کے بعد دست آنے شروع ہو گئے انھوں نے بالکل ہی طاقت کھینچ لی نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مرض پیدا ہو گئے اور ایسے متضاد مرض پیدا ہوئے کہ اگر ایک کا علاج کیا جاتا تو دوسرا زور پکڑ جاتا اس سے شہنشاہ دن بدن اور بھی کمزور ہوتے چلے گئے اس کمزوری پر انھوں نے یہ غلطی کی کہ برابر دربار کرتے اور گھنٹوں امور سلطنت انجام دینے میں مصروف رہتے اس سے اور بھی طاقت طاق ہوتی چلی گئی اس سے امراء کو شہنشاہ کے صحتیاب ہونے سے نا امیدی ہو گئی سلطان امراء تو خوش تھے کہ ایک متعصب بد نام کنندۂ نکونامے دنیا سے رخصت ہونے والا ہے لیکن اکبر کے چیلوں کو عموماً اور غرض کے بندوں کو خصوصاً فکر تھا۔

جب انھوں نے بھی دیکھا کہ بادشاہ کا اب بچنا محال ہے تو انھوں نے یہ کوشش شروع کی کہ موقع پا کر شاہزادہ سلیم کو گرفتار کر لیں۔ چونکہ شاہزادہ خسرو راجہ مان سنگھ کے زیر تربیت تھے اس لئے وہ ان کے کہنے پر چلتے تھے ان میں ہندو پن زیادہ تھا خود غرض لوگ اکبر کے بعد انھیں ہی

تخت نشین کرنا چاہتے تھے۔ اس سازش کے سرغنہ راجہ مان سنگھ اور خان اعظم تھے چنانچہ ان دونوں نے شاہزادہ سلیم کی کڑی نگرانی شروع کر دی اور انھیں گرفتار کرنے کے لئے خفیہ پہرے بٹھا دیے۔

شاہزادہ سلیم شہنشاہ اکبر کی خدمت و تیمارداری میں مصروف تھے انھیں جب اس سازش کا حال معلوم ہوا تو وہ گھبرا گئے انھوں نے موقع پاکر اس سازش کا حال اکبر سے ظاہر کیا اکبر کو ناگوار تو بہت ہوا لیکن وہ جانتے تھے کہ اب انکے احکام کی تعمیل نہ کی جائے گی انھوں نے شاہزادہ سے کہا "تم اپنی جان بچاؤ"۔

شاہزادہ سلیم کو اس سے اور بھی مایوسی ہوئی وہ ایک روز رات کو شاہی محلوں سے نکل کر شیخ فریدالدین بخاری کے گھر میں چلے گئے۔ شیخ نے ان کی بڑی تکریم و تواضع کی۔ تسلّی دی اور یہ اطمینان دلایا کہ جب تک میری جان میں جان ہے کوئی شخص آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا شاہزادہ کو اس سے تشفی ہوگئی اور وہ اطمینان سے وہاں رہنے لگے شاہزادے نے اپنے چند وفادار عہد شہنشاہ کی خدمت میں چھوڑ دیے یہ لوگ اکبر کی خدمت بھی کرتے اور وہاں کی خبریں بھی شاہزادے کو پہنچاتے۔

جب مان سنگھ اور خان اعظم کو شاہزادے کے یکایک روپوش ہو جانے کی اطلاع ہوئی تو انھیں بڑا فکر ہوا۔ انھوں نے ہر چند ان کا سراغ لگایا لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ مرزا غیاث بیگ شاہزادہ کی سرکار میں ناظم ہو گئے تھے شاہزادہ ان پر اکثر مہربانیاں کرتے رہتے تھے۔ مان سنگھ وغیرہ کو خیال ہوا کہ سلیم انھیں کے گھر میں روپوش ہو گئے ہیں چنانچہ انھوں نے مخبرہ عورتوں کے ذریعہ سے پتہ لگایا۔ معلوم ہوا کہ وہ وہاں نہیں ہیں۔

لیکن پھر بھی ان کے گھر پر بھی پہرہ بٹھا دیا گیا۔

مرزا غیاث بیگ کو شاہزادہ کی پناہ گاہ معلوم تھی وہ موقع دیکھ کر روزانہ شاہزادہ کی خدمت میں جاتے اور جو واقعات دیکھتے یا سنتے وہ سنا آتے۔ اس طرح شاہزادہ سلیم کو سازشوں کی ذرا ذرا سی حرکتیں اور باتیں معلوم ہو جاتی تھیں۔

ایک دن اکبر کی طبیعت ذرا سہولت پر تھی تو شاہزادہ سلیم کی یاد آئی انھوں نے شاہزادے کے معتمدوں میں سے بعض کو بھیج کر سلیم کو بلایا جب وہ آئے تو انھیں گلے سے لگا کر بہت روئے خوب پیار کیا اور کہا "بیٹا میں نہ جانتا تھا کہ جن امراء کو ہم اپنا جاں نثار و وفادار سمجھتے تھے جنھیں ہم نے نوازا۔ جن کے خاندانوں کو ہم نے بنایا وہی ہمارے خاندان کو بگاڑنا چاہیں گے لیکن وہ بگاڑ نہ سکیں گے۔ منہ کی کھائیں گے۔ ہم تمھیں یہ وصیت و نصیحت کرتے ہیں کہ ان بد اندیش امراء کو لطف و کرم سے رام کرنا۔ ان پر سختی اور تعدی نہ کرنا۔ اگر تم ایسا کروگے تو وہ تمہاری اور مخالفت کریں گے۔ سازشوں کے جال بچھائیں گے۔ ہم نے بڑی حکمت عملی سے انھیں قابو میں رکھا ہے آج ہم پچھتا رہے ہیں کہ ہم نے انھیں خوش رکھنے کے لئے اپنا مذہب تک چھوڑ دیا ہے اب ہمارا آخر وقت دیکھ کر یہ مار آستین کھل کھیلنا چاہتے ہیں پرواہ نہ کرو عزم و استقلال سے کام لو۔

اتنا کہہ کر اکبر پھر رو پڑے۔ جہانگیر بھی رونے لگے دیر تک باپ بیٹے روتے رہے جب دونوں کی طبیعتوں کو سکون ہوا تو اکبر نے کہا۔

"بیٹا! تم ہمارے سامنے تلوار کمر سے لگاؤ۔ شاہی لباس پہنو تاج سر پر رکھو بادشاہ بنو۔ اب اگر ہم زندہ رہے تب تم آج سے بادشاہ ہو مر گئے تب

کبھی تم بادشاہ رہو گے:

یہ کہتے ہی انہوں نے خدام کی طرف اشارہ کیا۔ وفادار خدام فوراً لوازمہ شاہی لے آئے۔ سلیم نے باپ کے حکم کے بموجب لباس شاہی پہنا۔ تلوار کمر سے باندھی۔ تاج اوڑھا باپ کو سلام کرکے ان کے ہاتھ چومے۔ اکبر نے خوش ہو کر انھیں دعا دی اور فرمایا۔

"جان پدر خاندان کے مردوں پر عموماً اور عورتوں پر خصوصاً لطف و مہربانی کرنا حرم سرا کی بیبیوں کی غور و پرداخت کرنا۔ قدیمی نمک خواروں اور لیاقتوں کی غور و پرداخت کرنا۔ بس اب جاؤ اور جہاں چھپے ہوئے تھے وہیں چھپے رہو"

اکبر کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ وہ امرائے سلطنت کے روبرو اپنے لخت جگر کو بادشاہ بناتے۔ اکبر کو امراء کی بد نیتی کا حال پہلے سے معلوم تھا۔ لیکن وہ الطاف شاہانہ کرکے انھیں رام کئے ہوئے تھے۔ یہ بھی اکبر کی غلطی تھی حکومت بغیر سیاست کے نہیں ہوتی۔ اکبر نے اپنی کم حوصلگی کی وجہ سے فتنہ پرداز امیر کو سزا دینے کے بجائے اس کی دلجوئی کی اس سے ارذل امراء کا حوصلہ اور بڑھ گیا اور اب وہ سلطنت کو بازیچۂ طفلاں اور بادشاہ کو موم کا کھلونا بنانے کے لئے تیار ہو گئے۔

شاہزادہ سلیم جس خفیہ طریقہ سے گئے تھے اسی طرح باپ سے رخصت ہو کر چلے آئے راجہ مان سنگھ اور خان اعظم کے آدمی ہتھیار بند گھومتے ہی رہ گئے۔ جب ان دونوں کو شاہزادہ کے آنے اور چلے جانے کا حال معلوم ہوا تو بہت حیران ہوئے۔ انھوں نے پہرہ دار اور بڑھا دیئے اکبر کو بھی یہ حال معلوم ہو گیا لیکن وہ کسی امیر کو بھی سرزنش نہ کر سکے ۔۔۔ آج انھیں احساس ہوا کہ انھوں نے اسلام اور مسلمانوں سے غداری کرکے اور

ہندوؤں کو چڑھا کر ایسی سخت غلطی کی ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔ ہندوؤں
ہی کے ہاتھوں خاندانی سلطنت چراغ سحری بن گئی ہے۔ مسلمانوں کو چونکہ
اکبر اور ان کی سلطنت سے کوئی تعلق نہ رہا تھا اس لئے وہ اب بھی
غیر جانبدار تھے۔ خان اعظم دین الٰہی کے پیرو تھے اس لئے وہ مسلمان
نہیں کہے جا سکتے تھے وہ ہندوؤں کے شریک تھے۔

اس سے اگلے روز اکبر کی طبیعت سنبھلی لیکن یہ صحت کا پیش خیمہ نہ تھا
بلکہ طبیعت نے سنبھالا لیا تھا۔ شہنشاہ کی یہ کیفیت دیکھ کر بد اندیشوں کو فکر
ہوا مگر فوراً ہی ان کا فکر دور ہو گیا اکبر کی طبیعت پھر بگڑ گئی اور کچھ ایسی
بگڑی کہ سنبھالے نہ سنبھل سکی۔ طبیبوں کی جمعیت بیٹھی۔ سب نے زور لگایا
دم دم پہ دوائیں بدلیں مگر کوئی فائدہ نہ ہوا مرض اپنا کام کر چکا تھا
مدت نے طاقت سلب کر دی تھی۔ آخر وہ وقت آ پہنچا جس سے مفر نہیں
یعنی اکبر پر نزع کی حالت طاری ہو گئی وہ ہندو امراء جن پر اکبر کو ناز تھا خوش
ہوئے لیکن یہ نہ سمجھے کہ قدرت ان کی خوشی پہ ہنس رہی ہے جنہوں نے ان
پہ احسانات کئے آج وہ انہیں مرتے دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں لیکن جب
حکومت کا انقلاب ہو گا تو رو دیں گے۔

بالآخر اکبر نے ۱۲؍ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ کو بدھ کے دن انتقال کیا۔ تمام
محلسرا پہ ہجوم غم و آلام چھا گیا ایک دن اکبر نے اپنی والدہ کے انتقال پر
اپنا بھدرا کرایا تھا ان کی خوشنودی مزاج کے لئے چودہ سو لوگوں نے
بھدرا کرا کر اپنی نمک حلالی کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن آج کسی نے بھدرا
نہ کرایا اکبر کے ساتھ ہی ان کا مذہب دین الٰہی بھی ختم ہو گیا اکبر کو آگرہ
سے ایک کوس کے فاصلے پر سکندرہ کے باغ میں دفن کیا گیا۔

اس باب میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ سب مختلف تاریخوں میں
اس طرح لکھے ہیں۔ خصوصاً دربار اکبری میں بمفصل تحریر ہیں۔

بارھواں باب (۱۲)

جہانگیر کی تخت نشینی

اکبر کے مرتے ہی راجہ مان سنگھ اور دوسرے ہندو امرا نے یہ کوشش شروع کردی کہ شاہزادہ سلیم کے بیٹے شاہزادہ خسرو کو جو راجہ مان سنگھ کے بھانجہ تھے تخت نشین کریں۔ چنانچہ انھوں نے تمام قلعہ اور سارے شہر میں فوجی پہرہ اس لئے قائم کردیا تاکہ کوئی مسلمان امیر یا غریب ان کے اس ارادہ اور رائے کی مخالفت نہ کرے اگر کوئی ذرا بھی مخالفت کرے تو اسے فوراً گرفتار کرلیا جائے۔"

یہ وقت بڑا نازک تھا۔ فوجیں راجہ مان سنگھ یا ان لوگوں کے زیر تحت تھیں جو اس سازش میں شریک تھے۔ شاہزادہ سلیم کے تخت نشین ہونے پر خون ریزی کا اندیشہ تھا۔

جب شاہزادہ سلیم کو شہنشاہ اکبر کے انتقال کی خبر ہوئی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے خسرو کو تخت نشین کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تو وہ سمجھ گئے کہ اعدائے اسلام باپ بیٹے میں پھوٹ ڈلوا کر انھیں بیٹے کے ہاتھوں سے قتل کرانا چاہتے ہیں کیونکہ خسرو کے تخت نشین ہوتے ہی سلیم کی گرفتاری اور قتل یقینی بات تھی۔

ان باتوں کو سوچ کر شاہزادہ نے جرأت و ہمت سے کام لینے کا ارادہ کیا انھوں نے اسی روز محمد شریف ولد خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کو طلب کیا۔ کچھ فوجیں

ان کے تحت تھیں۔

مرزا غیاث بیگ، مرزا خان بیگ اور شیخ فرید الدین بخشی بخاری کو بھی مشورہ کے لئے بلایا۔ جب یہ سب لوگ آ گئے تو شاہزادہ سلیم نے ان سے کہا۔

"تم سب ہمارے قدیمی نمک خوار اور سلطنت اور شاہی خاندان کے وفادار ہو۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بعض فتنہ پرداز ہمارے بجائے ہمارے بیٹے خسرو کو تخت نشین کرنے کی سازش کر رہے ہیں حالانکہ ہمارے مقابلے میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہم ولی عہد ہیں اور شہنشاہ نے ہمیں اپنی حیات میں تاج عطا کر کے بادشاہ بنا دیا تھا۔ اب تم لوگ مشورہ دو ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔"

محمد شریف نے کہا۔۔۔ "صاحب عالم یہ سچ ہے کہ آپ ولی عہد ہیں سلطنت کے حقدار ہیں۔ لیکن آج قوت ان لوگوں کے ساتھ ہے جو شاہزادہ خسرو کو تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ حضور اس وقت کابل یا کہیں اور تشریف لے جائیں نمک خواران ازلی اس کوشش میں مصروف رہیں گے کہ دشمنوں میں پھوٹ ڈلوا کر ان کی قوت کو توڑ دیں پھر حضور کو اطلاع دیں اور اس وقت آپ آ کر تخت پر قبضہ کر لیں۔"

شاہزادہ سلیم نے اور لوگوں کی طرف دیکھا۔ مرزا خان بیگ نے کہا۔۔۔

"میری یہ رائے نہیں ہے اگر صاحب عالم اس وقت کہیں تشریف لے گئے تو دشمنوں کے قدم اور جم جائیں گے جو کچھ کرنا ہے اسی وقت کرنا چاہیئے۔"

مرزا غیاث بیگ نے کہا۔۔۔ "یہ درست ہے سلطنت حاصل کرنے کا یہی وقت ہے۔ دشمنوں کو اسی وقت سرنگوں کیا جا سکتا ہے اگر انھیں ذرا بھی مہلت مل گئی تو پھر وہ قابو میں نہ آئیں گے۔"

سلیم۔۔۔ "خود ہمارا یہی خیال ہے۔ ہمارا اس وقت ٹل جانا ان کے

ارادوں کی تکمیل کا سبب بن جائے گا۔

محمد شریف۔ ”اگر صاحب عالم کا یہی قصد ہے تو ہم جاں نثار ہمرکابی کے لئے تیار ہیں۔ پھر بسم اللہ کیجئے۔ بخلسرا کی طرف تشریف لے چلئے“

سلیم۔ ”اور آپ کی فوج“

محمد شریف۔ ”فوج کا ایک ایک سپاہی جان دینے کے لئے موجود ہے۔“

سلیم۔ ”اچھا تو سنو۔ ہم نے یہ قصد کر لیا ہے کہ جو کچھ بھی ہو ہم قسمت آزمائی ضرور کریں گے۔ خواہ فوج کا کچھ حصہ ساتھ دے یا نہ دے جن لوگوں کو اپنی جان عزیز ہے وہ الگ ہو جائیں۔“

محمد شریف۔ ”میں اور میری ماتحت سپاہ حضور کے دم کے ساتھ ہیں“

مرزا غیاث بیگ۔ ”شیخ فریدالدین بخاری اور مرزا خان بیگ نے بھی یہی کہا۔ شاہزادہ سلیم نے انھیں مرحبا کہی اور انھیں سب کو تیار ہو جانے کا حکم دیا۔

محمد شریف نے یہ دانائی کی کہ اپنے آدمیوں کے ذریعہ سے سارے آگرہ میں یہ خبر مشہور کرا دی کہ شاہزادہ سلیم کی سواری نکل کر بخلسرا کی طرف جائے گی۔ عوام الناس کو شاہزادہ سلیم سے بڑی محبت تھی وہ استقبال کی تیاریاں کرنے لگے۔ ظہر کے بعد شاہزادہ سلیم تیار ہوئے۔ مرزا غیاث بیگ۔ مرزا خان بیگ شیخ فریدالدین اور محمد شریف سب مسلح ہو کر جس کے تحت میں جس قدر سپاہی تھے لے کر آ گئے چونکہ یہ اندیشہ تھا کہ راجہ مان سنگھ وغیرہ مخالفت و مقابلہ نہ کریں اس لئے یہ سب سر ہتھیلیوں پر رکھ کر آئے تھے۔ مسلم سواروں نے یہ طے کر لیا تھا کہ جو کوئی ذرا بھی مزاحمت کرے گا اس کا سر اڑا دیں گے گویا وہ جنگ کے لئے مستعد ہو کر آئے تھے۔ خود شاہزادہ سلیم نے بھی جنگی اسلحہ اپنے بدن پر لگا رکھے تھے وہ ہاتھی پر سوار ہوئے محمد شریف فوج کے ساتھ آ گئے

مرزا غیاث بیگ اور مرزا افغان بیگ ہمرکاب ہوئے۔ شیخ فرید الدین سپاہی
کا ایک دستہ لے کر پیچھے ہو گئے۔ اس شان سے سواری چلی۔

جوں ہی شاہزادہ کی سواری بازار میں پہنچی مسلمانوں کا جم غفیر سواری کے
ساتھ ہو گیا تمام مسلمان نعرے لگا رہے تھے۔ "شاہزادہ سلیم زندہ باد۔ سلطنت
مغلیہ زندہ باد۔ اسلام زندہ باد۔"

ساتھ ہی مسلمانوں نے اس زور سے اللہ اکبر کے نعرے لگائے کہ تمام شہر
گونج اٹھا۔ جب ان نعروں کی آواز راجہ مان سنگھ وغیرہ نے سنی اور انھیں معلوم ہوا
شاہزادہ سلیم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ مسلمانوں کی
بھاری جمعیت ان کے ساتھ ہے تو ان پر ہیبت طاری ہو گئی ان کے خام ارادوں
کا قصر یک لخت متزلزل ہو کر گر پڑا انہوں نے شاہزادہ کی اطاعت ہی میں
عافیت سمجھی۔ قلعہ کے گرد اور قلعہ کے اندر جو پہرہ انہوں نے مقرر کر رکھا تھا
ایک دم اٹھا لیا۔ اسی وقت اپنے دوستوں کو بلا کر انھیں شاہزادہ کی اطاعت
کر لینے کی ترغیب دی۔

شاہزادہ کی سواری نہایت شان و حشمت کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔ جب
قلعہ کے قریب آئی تو راجہ مان سنگھ اور ان کے ہم نشین استقبال کے لئے آگے
بڑھے محمد شریف نے انہیں روک کر کہا۔۔۔ "اگر اطاعت کے خیال سے آئے
ہو تو تمہارا آنا مبارک ہو۔ اور اگر فتنہ اٹھانے آئے ہو تو آگے قدم نہ بڑھاؤ۔ پہلے
ہم سے نمٹ لو۔"

راجہ مان سنگھ نے کہا۔۔۔ "ہم سلطنت مغلیہ کے نمک خواران قدیمی ہیں اطاعت
کے لئے آئے ہیں۔"

فوراً شاہزادے کو ان کے آنے کی اطلاع کی گئی۔ شاہزادہ نے حکم دیا۔

"انھیں آنے دو۔"

چنانچہ راجہ مان سنگھ نے مع اپنے ساتھیوں کے شاہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوکر نہایت ادب سے کورنش کی اپنی خطاؤں کی معافی چاہی۔ شاہزادہ نے فراخدلی کے ساتھ انہیں معاف کر دیا۔ راجہ مان سنگھ وغیرہ بھی جلو میں چلنے لگے شاہزادہ کا اقبال تھا کہ دشمنوں نے اطاعت کرلی۔

نہایت شان کے ساتھ شاہزادہ کی سواری قلعہ میں داخل ہوئی سارے قلعہ والوں نے دل سے نہایت خوشی کے ساتھ شاہزادہ کا استقبال کیا جب شاہزادہ قلعہ میں داخل ہوئے تو انھیں دیکھکر شاہی ہر فرد خوش ہوگیا۔ شہزادے کے ہوا خواہوں نے اعلان کردیا کہ دوسرے ہی دن دربار تاجپوشی ہوگا۔ اہل جلوس منتشر ہوکر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

اگلے دن یعنی ۱۲ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ جمعرات کے روز دربار تاجپوشی منعقد ہوا۔ سلطنت مغلیہ کا دربار تھا شان وشوکت کا پورے طور پر اظہار کیا گیا تھا تمام دربار درباریوں اور عام مسلمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر شخص سفید لباس میں ملبوس تھا۔ تمام دربار جگمگا رہا تھا جب سلیم شاہی لباس پہن کر آئے تو تمام درباریوں نے انہیں سلامی دی ایک قاری نے کھڑے ہوکر ایک رکوع کی تلاوت کی۔ ایک عرصہ کے بعد اکبر کے انتقال کر جانے پر دربار میں قرآن شریف پڑھا گیا۔

جب شاہزادے نے تخت پر قدم رکھا تو شادیانے بجائے گئے اور جب شاہزادہ کے سر پر تاج رکھا گیا تو سب نے مبارکباد عرض کی نذریں پیش کیں۔ شاہزادہ نے اپنا نام ابوالمظفر نورالدین محمد جہانگیر رکھا تاریخوں میں وہ جہانگیر کے نام سے مشہور ہیں ہم بھی آئندہ انہیں جہانگیر ہی لکھیں گے۔

جہانگیر نے محمد شریف کو وکالت کا منصب عطا کر کے امیر الامرا کا خطاب
دیا اور مہر خاص جو جواہرات سے مزین تھی اپنے ہاتھ سے ان کی گردن میں
پہنائی - یہ بڑے اعزاز کا عہدہ تھا - محمد شریف نے جھک کر سات بار کورنش
کی - مرزا غیاث بیگ کو اعتماد الدولہ کا خطاب عطا ہوا - مرزا خان بیگ کو
وزیر الممالک کا لقب ملا - شیخ فرید بخاری کو پنج ہزاری منصب عطا ہوا امیر خان
لودی کو صلابت خاں کا خطاب ملا - راجہ مان سنگھ کو خلعت، شمشیر مرصع
اسپ، خاصہ مرحمت ہوا - بنگالہ کی صوبیداری اس شرط پر عطا ہوئی کہ
شیر افگن وہاں کے مہتمم رہیں -

ابو الفضل کے بعد راجہ مان سنگھ نے شہزادہ سلیم کی سب سے زیادہ مخالفت
کی تھی لیکن شاہزادہ نے فراخدلی سے ان کی ساری خطائیں معاف کر دیا -

خان اعظم، مرزا عزیز کوکلتاش اور آصف خاں جعفر کے منصبوں میں بھی
ترقی دی گئی بہت سے امراء کو جاگیریں عطا ہوئیں بہت سے لوگوں کو انعامات
ملے - اس قدر داد و دہش اور خیرات کی گئی کہ سیکڑوں مفلس امیر ہو گئے جہانگیر
نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ شرع اسلام پر عملدرآمد ہوگا -

مذہب[1] اسلام کے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے گا اس سے مسلمانوں کو بڑی
خوشی ہوئی اور غیر مسلمانوں پر اداسی پڑ گئی -

اسی بات کا انہیں اندیشہ تھا وہ خوب جانتے تھے کہ شاہزادہ مسلمان ہیں
اسلام کو رونق دیں گے - نیر اسلام ہندوستان میں پھر جلوہ گر ہو جائے گا - دیکھ
ہوا -----

---

[1] از تاریخ ہندوستان صفحہ ۲۶۸

تیرھواں باب (۱۳)

فکر و پریشانی

بنگال کی صوبیداری میں ردو بدل ہوتے رہے۔ کبھی راجہ مان سنگھ صوبیدار ہوئے اور کبھی شاہزادہ سلیم لیکن وہاں کا نظم شیر افگن کے ہاتھ ہی میں رہا۔ شیر افگن مالگذاری وصول کر کے صوبیدار کے خزانہ میں داخل کر دیتے تھے اور صوبیدار شاہی خزانہ میں پہنچا دیتا تھا۔

شیر افگن کی جب سے مہرالنسا کے ساتھ شادی ہوئی تھی۔ اس وقت سے گرچہ ان کی آمدنی اور منصب میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا لیکن پھر بھی ان کا خرچ آمدنی سے زیادہ رہتا تھا۔ کچھ خرچ تو انہوں نے خود اپنی ذات کے لئے بڑھا لیا تھا لیکن زیادہ خرچ مہرالنسا کی وجہ سے بڑھ گیا تھا ایک تو اس کے لئے کنیزوں اور خادماؤں کی پلٹن کی پلٹن رکھی گئی تھی اس پلٹن پر کافی خرچ ہو جاتا تھا۔ دوسرے مہرالنسا کے لئے اچھے سے اچھے کپڑے اور مرصع بجواہر زیورات خریدے جاتے تھے شاہزادیوں کی شان کے ساتھ وہ رہتی تھی ——

پھر یہ کیفیت تھی کہ اگر خدانخواستہ ذرا بھی اس کا کان گرم ہو جاتا تھا تو علاج میں روپیہ کنکروں کی طرح لٹایا جاتا تھا اور اس کے اچھا ہونے پر بھی جشن منایا جاتا تھا۔

غرض شیر افگن نے اخراجات بہت بڑھا لئے تھے جب تک سرکاری روپیہ وصول ہوتا رہتا اس وقت تو بڑی فراغدلی سے اخراجات ہوتے جاتے لیکن جب مالگذاری وصول ہو چکتی اور اس کے بھیجنے کا وقت آتا تو بڑی دقت

ہوتی۔ جو روپیہ خرچ کر لیا جاتا اس کا پورا کرنا دشوار ہو جاتا ہر سال قرضہ لے کر سرکاری روپیہ پورا کیا جاتا اور چونکہ قرضہ ادا کرنے کی نوبت نہ آتی اس لیئے وہ بڑھتا ہی رہتا تھا۔

شیر افگن کو اس قرضہ کی ادائگی کی اس لئے فکر نہ ہوتی کہ وہ سمجھتے تھے کہ جب کوئی مہم پیش آئے گی مال غنیمت اور انعامات کی رقم سے قرضہ ادا کر دیا جائے گا اس زمانہ میں ایسا ہی ہوتا بھی تھا۔ اکثر جاگیرداروں پہ قرضہ ہو جاتا تھا مہاجن آسانی سے انہیں قرض دے دیتے تھے اور جب کسی مہم سے جاگیردار کامیاب ہو کر آتے تو لوٹ کے مال سے قرضہ ادا کر دیتے تھے مہاجنوں کو اصل کے علاوہ سود کی خاطر خواہ رقم مل جاتی تھی۔

لیکن جب شیر افگن بنگال کے حاکم مقرر ہو کر آئے اس وقت سے کوئی جنگ ہی پیش نہ آئی تھی پھر بھی انھیں امید تھی اور اس امید پہ قرضہ لئے چلے جا رہے تھے۔

مہرالنساء کو اس بات کی خبر نہ تھی ورنہ وہ بڑی منتظم اور انجام بین خاتون تھی وہ شیر افگن کو قرضہ لینے سے روک دیتی اور سابقہ کو بھی ادا کرنے کی کوشش کرتی مگر شیر افگن نے اسے اس کی اطلاع ہی نہ دی اور چونکہ اخراجات میں کوئی کمی نہ تھی۔ اللّے تللّے خرچ اٹھ رہا تھا اس لئے مہرالنساء کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ اخراجات قرضہ سے پورے کئے جا رہے ہیں —

شیر افگن کو مہرالنساء سے اور مہرالنساء کو شیر افگن سے بڑی محبت ہو گئی تھی دونوں محبت کی دنیا میں بڑے عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ کب دن چھپا اور کب سورج نکلا جس گھر

میاں بیوی میں محبت ہوتی ہے وہ گھر جنت کہلاتا ہے۔ جنت میں بھی آرام
ون ہی ہوتا ہے۔

مہرالنساء کو پھولوں سے بڑی رغبت تھی۔ بالیس اس کے لئے دن میں
مرتبہ صبح و شام کو پھول لاتی تھیں کچھ پھولوں کے گلدستے بنائے جاتے تھے
کے گجرے اور کچھ چنگیر دانوں میں رکھے جاتے۔

شیر افگن جس محل میں رہتے تھے اس میں نہایت دلکش پائیں باغ تھا کئی
در بالیش اس کی رکھ رکھاؤ پر مقرر تھیں جو روشیں ہر وقت صاف رہتی
طرح طرح کے پھولوں کے تختے تھے خوش رنگ اور خوشبودار پھول تھے
باغیچہ ہر وقت معطر رہتا تھا۔

ایک روز ابر چھایا ہوا تھا۔ ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے چل رہے تھے شام کا وقت
مہرالنساء خوشنما لباس زیب تن کر کے چند کنیزوں کے ساتھ باغیچہ میں آ گئی۔
وقت تھا۔ پر فضا منظر۔ مہرالنساء نوجوان تھی اس کے دل میں کچھ عجیب قسم
ولولہ پیدا ہوئی وہ روشوں پر دوڑنے اور گھاس کے لانوں پر بھاگنے لگی۔

سی ہی دیر میں اس کا سانس چڑھ گیا اس کا چہرہ بالکل گلابی ہو گیا رخسار
کی طرح جگمگانے لگے۔ آنکھوں میں بجلیاں کوندنے لگیں وہ تھک کر آہستہ
گلاب کے پھولوں کے کنج کی طرف بڑھی کنیزیں جو اس کے ساتھ دوڑتی
سے ہنساتی رہی تھیں وہیں رہ گئیں مہرالنساء بڑھی چلی جا رہی تھی
وقت جہاں وہ تھی وہاں چھوٹے بڑے درختوں کے جھنڈ تھے جو اتنے
تھے کہ معمولی قد کا انسان ان میں چھپ سکتا تھا۔

مہرالنساء بڑی لا پرواہی کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ دفعتہً کسی نے پیچھے
اس طرح اسے پکڑ لیا کہ وہ مڑ کر پکڑنے والے کو نہ دیکھ سکی۔

مہرالنساء کوئی بزدل عورت نہ تھی۔ ایرانی النسل تھی۔ بہادر تھی۔ اسے غصہ آ گیا اس نے غضبناک لہجے میں کہا۔ "کون اجل گرفتہ ہے۔"

پکڑنے والے نے جلدی سے اسے چھوڑ دیا اور سامنے آ کر دست بستہ ہو بولا۔ "خطاوار حاضر ہے۔"

یہ شیر افگن تھے۔ اگرچہ انہیں دیکھ کر مہرالنساء کے چہرے پر تبسم کھیلنے لگا لیکن ابھی تک غصہ دور نہیں ہوا تھا۔ مہرالنساء نے کہا۔ "جائیے آپ بچ گئے"

شیر افگن۔ "ورنہ کیا ہوتا۔"

مہرالنساء۔ "غضب آ جاتا۔"

شیر افگن۔ "غضب کیسے آتا۔ تم تو میری گود میں آ کر بے بس ہو گئی تھیں۔"

مہرالنساء۔ "جی بے بس ہو گئی تھی۔ مجھے غصہ آنے لگا تھا جس وقت جو میں آ کر بیٹھتی آپ زمین پر لوٹتے نظر آتے۔"

شیر افگن۔ "کیا بجلی بن جاتیں۔"

مہرالنساء۔ "ہاں قہر و غضب کی بجلی۔"

شیر افگن۔ "یا حسن کا شعلہ۔"

مہرالنساء۔ "نہیں شعلۂ قہر۔"

شیر افگن۔ "تم تو اس وقت بھی بھبوکا بنی ہوئی ہو۔"

مہرالنساء۔ "جاؤ خیریت ہو گئی۔"

شیر افگن۔ "خدا کی قسم جوش اور غصے نے تمہیں رشک حور بنا دیا ہے اب تک رخساروں میں بجلیاں سی کوند رہی ہیں۔ تم حسن کا آفتاب

مہرالنساء۔ ــــ "

مہرالنساء۔ "بس لگے خوشامد کرنے۔"

شیر افگن۔ "تمہاری تو خوشامد ہی ثواب ہے۔"

مہرالنساء۔ "توبہ کرو۔ توبہ"

شیر افگن۔ "اس میں توبہ کی کیا بات ہے۔"

مہرالنساء۔ "ثواب نیک کاموں کے کرنے سے ملتا ہے۔"

شیر افگن۔ "کسی حسین کی تعریف کرنا خدائے حسن کی توصیف ہے پھر خدا کی تعریف سے ثواب کیوں نہ ہوگا۔"

مہرالنساء۔ "اب لگے توضیحات کرنے۔"

شیر افگن۔ "توضیحات نہیں ہیں۔ یہ حقیقت ہے تم پیکر حسن ہو شعلۂ نور ہو تمہیں دیکھ کر شان خدا یاد آتی ہے جس نے ایسے حسینوں کو پیدا کیا وہ خود کیسا ہوگا۔"

مہرالنساء۔ "کیا آپ اتنا بھی نہیں جانتے خدا نور مجسم ہے۔ ستر حجابوں میں مستور رہتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی استدعا پر ان حجابوں میں سے ایک حجاب اٹھایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا تھا کہ برق تجلی سے کوہ طور جل کر سرمہ ہو گیا تھا اور موسیٰؑ غش کھا کر گر گئے تھے۔"

شیر افگن۔ "یہ سچ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی نور مجسم بنایا ہے تمہیں دیکھنے والے بھی بیہوش ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

مہرالنساء نے مسکرا کر کہا۔ "شاید آپ بھی ہو جاتے ہیں۔"

شیر افگن۔ "میں اکثر بیہوش ہو چکا ہوں لیکن رفتہ رفتہ تجلی حسن کا عادی ہو گیا ہوں اس لئے مجھ پر کم اثر ہوتا ہے۔"

مہرالنساء۔ "یہ آپ اس وقت یہاں کیسے چلے آئے۔"

شیر افگن۔ "چاند کی تلاش میں چکور۔ گل کی تلاش میں بلبل رہتے ہی ہیں

مہرالنساء۔ "اچھا ایک بات تو بتایئے۔"

شیر افگن۔ "کیا؟"

مہرالنساء۔ "یہ آپ متفکر کیوں رہتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی شیر افگن کے چہرہ کا رنگ کچھ متغیر ہو گیا لیکن انہوں نے فوراً بشاش چہرہ بنا کر کہا۔ "نہیں میں متفکر نہیں رہتا ہوں۔"

مہرالنساء نے ان کے چہرہ کے تغیرات کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے کہا "یا تو آپ مجھے بتانا نہیں چاہتے یا بیوقوف بنانا چاہتے ہیں۔"

شیر افگن۔ "دونوں باتیں نہیں ہیں۔ نہ میں چھپانا چاہتا ہوں نہ بیوقوف بنا سکتا ہوں۔"

مہرالنساء۔ "لیکن مجھے آپ کے چہرہ سے اکثر فکر و پریشانی کے آثار نظر آتے ہیں ضرور کوئی بات ہے۔"

شیر افگن۔ "میں اطمینان دلاتا ہوں کوئی خاص بات نہیں ہے البتہ کبھی کبھی فرائض منصبی پریشان کر دیتے ہیں۔"

مہرالنساء۔ "سنا ہے شاہزادہ سلیم تخت نشین ہو گئے ہیں۔"

شیر افگن۔ "ہاں انھوں نے اپنا لقب جہانگیر رکھا ہے۔"

مہرالنساء۔ "کیا وہ بھی دین الٰہی کے پابند ہیں۔"

شیر افگن۔ "نہیں دین الٰہی مذہب تو اکبر کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ جہانگیر مسلمان ہیں انہوں نے اعلان کر دیا کہ اسلامی دستور پر عملدرآمد ہو گا۔"

مہرالنساء۔ "خدا کا شکر ہے کہیں جہانگیر نے تو آپ سے کوئی بازپرس نہیں کی ہے۔"

شیر افگن — "نہیں۔ انہوں نے راجہ مان سنگھ کو اس صوبے کا صوبیدار مقرر کیا ہے۔ راجہ مان سنگھ نے مالگزاری کا حساب طلب کیا ہے۔"

مہر النساء — "پھر کیا بات ہے مالگزاری تو آپ ہر سال داخل کرتے رہتے ہیں —"

ابھی شیر افگن نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ ایک کنیز نے حاضر ہو کر کہا۔

"مداخلت کی معافی چاہتی ہوں —"

شیر افگن نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

کنیز۔ "راجہ مان سنگھ کا سفیر آیا ہے —"

شیر افگن کے چہرے سے پھر تکدر کے آثار ظاہر ہوئے لیکن انہوں نے جلدی سے انہیں ضبط کر ڈالا۔ اور مہر النساء سے مخاطب ہو کر کہا — "دیکھوں کیا کہتا ہے —"

مہر النساء "ضرور دیکھیے"

شیر افگن چلے گئے۔ مہر النساء کو فکر ہو گیا کہ آخر کیا بات ہے جو اس سفیر کے آنے کی خبر سن کر شیر افگن کا چہرہ مکدر ہو گیا۔

چودھواں باب (۱۴)

بادشاہ کی ترغیب

شیر افگن جوں ہی مہر النساء کے سامنے سے ہٹے ان کے چہرہ سے فکر و پریشانی برسنے لگی۔ قدم بھاری ہو گئے کچھ سوچتے ہوئے چلے اور نشست گاہ تک پہنچے۔ ایک راجپوت ہتھیار لگائے بیٹھا تھا انہیں دیکھتے ہی اس نے

اٹھ کر فوجی قاعدہ سے سلام کیا۔

شیر افگن نے سلام لے کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ خود بھی بیٹھ گئے راجپوت بھی بیٹھ گیا۔

شیر افگن نے خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد پوچھا۔ "کیا آگرہ سے آ رہے ہو۔۔۔؟"

سفیر نے جواب دیا۔۔۔ "جی نہیں۔ میں مہاراجہ مان سنگھ کے پاس سے آیا ہوں۔۔۔"

شیر افگن۔۔۔ "مہاراجہ صاحب بخیریت ہیں؟"

سفیر۔ "ہاں ایشور کی کرپا سے خیریت سے ہیں۔"

شیر افگن۔ "کیا ان کا ارادہ اس طرف آنے کا ہے"

سفیر۔ "ابھی نہیں"

شیر افگن۔ "کیا پیغام لائے ہو۔۔۔"

سفیر نے ایک لپٹی ہوئی تھیلی کھڑے ہو کر پیش کی۔ شیر افگن نے کھول کر کاغذ نکالا جو گول لپٹا ہوا تھا اسے کھول کر پڑھنا شروع کیا جوں جوں وہ پڑھتے جاتے تھے ان کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹتی جاتی تھیں۔ جب انہوں نے اس تحریر کا مضمون ختم کیا تو ان پر فکر و پریشانی نے غلبہ کر لیا اتفاق سے اسی وقت عنایت بیگ آ گئے۔

عنایت بیگ شریف خاندان سے تھے ان کے پاس تھوڑی سی اراضی تھی۔ وہ کفایت شعار تھے اس اراضی کی آمدنی میں گذر کر رہے تھے آدمی ہوشیار اور سمجھدار تھے۔ شیر افگن کے مصاحبوں میں داخل ہو گئے تھے شیر افگن بھی ان کی تھوڑی بہت مدد کرتے رہتے تھے۔

عنایت بیگ نے شیر افگن کی پریشانی دیکھ لی۔ انھوں نے پوچھا۔

"یہ راجپوت بھائی کہاں سے آئے ہیں؟"

شیر افگن نے جواب دیا۔ "یہ مہاراجہ مان سنگھ کے سفیر ہیں۔"

عنایت بیگ۔ "خوب۔ مہاراجہ ہیں تو اچھی طرح۔

سفیر نے کہا۔ "ہاں اچھی طرح ہیں۔"

شیر افگن نے سفیر سے کہا۔ "آپ آرام کریں میں اس حکم کا جواب کل تک دے سکوں گا۔

سفیر۔ "بہتر ہے۔"

شیر افگن نے اپنے ایک خادم کو اشارہ کیا وہ سفیر کو ساتھ لے کر چلا گیا جب شیر افگن اور عنایت بیگ دونوں تنہا رہ گئے تو عنایت بیگ نے پوچھا

"خیریت تو ہے راجہ مان سنگھ نے کیا حکم بھیجا ہے۔"

شیر افگن۔ کیا کہوں دوست اس وقت میں سخت پریشانی میں ہوں۔"

عنایت بیگ۔ "پریشان نہ ہوجیے۔ مجھے بتاؤ کیا پریشانی ہے۔"

شیر افگن۔ "میں تم سے کوئی بات چھپاتا نہیں ہوں۔ مالگزاری نہ پچھلی فصل کی داخل خزانہ ہوئی ہے نہ اس فصل کی۔

عنایت بیگ۔ "اگر مالیانہ داخل نہیں ہوا تو کیا ہے، ہو جائے گا۔"

شیر افگن۔ "راجہ مان سنگھ نے تقاضا کیا ہے۔"

عنایت بیگ۔ تقاضا کیا ہے کرنے دو۔ جب روپیہ ہوگا بھیج دیا جائے گا۔"

شیر افگن۔ "راجہ مان سنگھ نے دھمکی دی ہے کہ یا تو مالیانہ ادا کرو ورنہ ......"

عنایت بیگ۔ "ورنہ کوئی سزا دی جائے گی۔"

شیر افگن۔ "سزا یہ دی جائے گی کہ مجھے اس عہدہ سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔"

عنایت بیگ کو ہنسی آ گئی۔ شیر افگن نے تعجب سے انہیں دیکھ کر کہا۔ "آپ ہنس رہے ہیں۔"

عنایت بیگ۔ "ہنسی کی بات ہی ہے۔ راجہ مان سنگھ کو معلوم نہیں ہے کہ اس صوبہ میں آپ کس قدر ہر دلعزیز ہو گئے ہیں۔"

شیر افگن۔ "یہ بات انہیں معلوم بھی ہو تو مجھے کیا فائدہ ہے۔"

عنایت بیگ۔ "بڑا فائدہ ہے۔ اگر یہ بات راجہ کو معلوم ہوتی تو وہ دھمکی نہ دیتے۔"

شیر افگن۔ "آخر کیوں؟"

عنایت بیگ۔ "تمہیں معلوم ہے کہ شیر خاں[ف] نے صوبہ بہار میں ہر دلعزیزی حاصل کی

ف شیر خاں کا اصلی نام فرید خاں تھا۔ وہ ۱۵۲۶ء میں بابر بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا۔ بابر نے اسے ہونہار اور زیرک پا کر صوبہ بہار میں ایک عہدہ پر مامور کر دیا۔ شیر خاں نے تلوار سے ایک شیر مارا تھا اسے شیر خاں کا خطاب ملا تھا۔ اس نے بہار میں ہر دلعزیزی حاصل کر لی۔ فوج بھرتی کی رفتہ رفتہ جب اس کی قوت بڑھ گئی تو اس نے صوبہ بہار پر قبضہ کر لیا۔ ہمایوں اسے مطیع کرنے کے لئے اس پر حملہ آور ہوا۔ شیر خاں نے اپنے اہل و عیال کو قلعہ ... میں بھیجا اور چوسا نامی مقام پر دریائے گنگا کے کنارے ۱۵۳۹ء میں ہمایوں کی فوج سے لڑ کر شاہی لشکر کو شکست دی۔ ہمایوں جان بچانے کے لئے دریائے گنگا میں کود پڑے۔ نظام الدین سقہ نے انہیں پار اتارا۔ ہمایوں نے پھر فوج جمع کی قنوج کے مقام پر شیر خاں سے اُن کی جنگ ہوئی۔ اس میں بھی ہمایوں کو شکست ہوئی۔ ہمایوں تخت و تاج چھوڑ کر بھاگ گئے۔ شیر خاں نے دہلی پر قبضہ کیا اور شیر خاں کے لقب سے تخت نشین ہوئے۔ صادق صدیقی سردھنوی

کر کے فوج بھرتی کی اور موجودہ شہنشاہ جہانگیر کے دادا ہمایوں کو شکست دے کر دلّی پر قبضہ کر کے ہندوستان کے بادشاہ ہو گئے تھے۔

شیر افگن۔ "مجھے معلوم ہے۔"

عنایت بیگ۔ "ہمایوں نے غلطی کر کے اپنی سلطنت کھو دی تھی اگر جہانگیر غلطی کر بیٹھے تو کہیں انھیں بھی خمیازہ نہ بھگتنا پڑے۔"

شیر افگن۔ "لیکن آپ نے یہ خیال نہیں کیا کہ میں سلطنت مغلیہ کا وفادار اور نمک خوار ہوں۔"

عنایت بیگ۔ "شیر خاں بھی وفادار و نمک خوار تھے مگر جب ان پر بھی ضرورت سے زیادہ سختی ہو گئی تو وہ بھی مقابلہ میں آ گئے تھے اب تم پر سختی کی ابتدا ہوئی ہے آخر کب تک سختی برداشت کرو گے۔"

شیر افگن۔ "پھر ابا جان کیا کروں۔"

عنایت بیگ۔ "تم بہادر بھی ہو اور مدبر بھی اپنے وقار کو خطرہ میں دیکھ کر تمہیں بھی کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔"

شیر افگن۔ "کیا کروں سخت پریشان ہوں۔"

عنایت بیگ۔ "پریشانی انسان کے حوصلے پست کر دیتی ہے۔ استقلال ہمت کو بڑھاتا ہے۔ ع ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔"

شیر افگن۔ "اب اس فکر میں ہوں کہ راجہ کے سفیر کو کیا جواب دوں۔"

عنایت بیگ۔ "کچھ روپیہ ہو تو دے کر ٹال دو۔"

شیر افگن۔ "روپیہ کہاں ہے ایک کوڑی بھی نہیں۔"

عنایت بیگ۔ "تمہارے اخراجات شاہانہ ہیں تم میں کفایت شعاری نام کو بھی نہیں۔"

شیر افگن ۔ "میں تو بڑی کفایت شعاری سے کام لیتا ہوں مگر......

عنایت بیگ :"تمہاری پریزاد جورو کفایت شعار نہیں ہے ۔"

شیر افگن ۔ "نہیں وہ بڑی منتظم عورت ہے ۔"

عنایت بیگ ۔ "پھر کیا بات ہے ۔"

شیر افگن ۔ "در اصل میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے اس کی شان کے مطابق رکھوں ۔"

عنایت بیگ ۔ "جن عورتوں نے اسے دیکھا ہے اس کی بڑی تعریفیں کرتی ہیں کہ وہ ملکہ بننے کے لائق ہے ۔"

شیر افگن ۔ "بات یہی ہے ۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ وہ میری شریک حیات بن گئی ۔"

عنایت بیگ ۔ "ہو سکتا ہے کہ تم بادشاہ اور وہ ملکہ بن جائیں"

شیر افگن ۔ "ایسی قسمت کہاں :"

عنایت بیگ ۔ "انسان اپنی قسمت آپ بنا سکتا ہے ۔"

شیر افگن ۔ "خیر قسمت تو جب بنے گی جب سوچا تو موجودہ معاملے کے متعلق ہے ۔"

عنایت بیگ ۔ "ابھی سوچا ہی کیا ہے روپیہ تو ہے ہی نہیں جو دیا جائے اس وقت تو ٹالنا چاہیئے ۔"

شیر افگن ۔ "ایک مدت تو ٹالتے ہوئے ہو گئی ۔ اسی لیے یہ سخت حکم آیا ہے ۔"

عنایت بیگ ۔ "سخت سے سخت احکام کرتے ہیں تم مہاجنوں کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے ۔"

شیر افگن۔ کئی مہاجنوں کا بھی قرضہ ہے چونکہ ان کا پچھلا ہی نہیں دیا اس لئے کوئی مہاجن بھی ایک پیسہ دینے کو تیار نہیں ہے۔

عنایت بیگ۔ "مہاجن مکھی چوس ہوتے ہیں۔ وہ روپیہ خوشی سے کبھی نہیں دیا کرتے ان سے زبردستی وصول کیا جایا کرتا ہے۔"

شیر افگن۔ "لیکن زبردستی کرنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔"

عنایت بیگ۔ "تم بھی بڑے ہی سیدھے ہو کیا یہ وجہ کچھ کم ہے کہ مالگزاری کم وصول کی جا رہی ہے۔ تمہارے پاس روپیہ نہیں ہے مہاجنوں کے پاس ہے وہ خوشی سے نہ دیں گے تو زبردستی ان سے لیا جائے۔"

شیر افگن۔ "اگر زبردستی کی گئی تو مہاجن حکومت سے شکایت کریں گے"

عنایت بیگ۔ "پھر کیا پرواہ ہے جب حکومت کے خزانہ میں روپیہ پہنچ جائے گا۔ مہاجنوں کی شکایت پر کوئی بھی توجہ نہ ہوگی۔"

شیر افگن۔ "ایسے معاملہ سے میرا دل ہٹ رہا ہے۔"

عنایت بیگ۔ "دل کو مضبوط بناؤ اپنا وقار اور ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے فوج میں اضافہ کرنا ضروری ہے اس کے لئے بھی اخراجات کی ضرورت ہے۔ مہاجنوں سے جس طرح بھی ہو روپیہ وصول کرو۔

عنایت بیگ کچھ دیر اور بیٹھے رہے ادھر ادھر کی باتیں کر کے شیر افگن کو ورغلاتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھ کر چلے گئے شیر افگن غور وخوض کرنے لگے۔

پندرھواں باب (۱۵)

آرزوئے سلطنت

عنایت بیگ نے بغاوت و سرکشی کے جراثیم شیر افگن کے دل و د
میں بھر دیئے۔ شیر افگن خاں سیدھے سادے آدمی تھے مکر و فریب اور ظ
تدبیری سے بالکل نا آشنا تھے بہادر تھے جنگجو تھے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے
اکثر ایسے لوگ بڑے ہی سادہ لوح ہوتے ہیں۔

لیکن عنایت بیگ نے آج جو تلقین کی تھی۔ اس نے ان کے دل میں بغا
بیج اگنے شروع کر دیئے تھے۔ وہ سوچنے لگے تمام صوبہ میں وہ ہر دلعزیز
ہر طبقہ کے لوگ ان کی عزت و عظمت کرتے ہیں۔ ان سے محبت رکھتے ہیں۔
ان کے کہنے پر جان تک دینے کو تیار ہیں۔ پھر وہ راجہ مان سنگھ سے کیوں ڈ
شہنشاہ جہانگیر کی اطاعت کیوں کریں۔

شیر خاں کا تمام واقعہ انہیں یاد تھا۔ تھوڑے ہی دنوں کی بات تھی شیر
نے معمولی عہدے سے ترقی کی تھی وہ بھی اسی صوبے بہار میں ویسے ہی ہر دلعزیز
تھے جیسے اس وقت وہ خود (شیر افگن) تھے۔

شیر خاں نے ہمایوں سے بغاوت کر کے انہیں شکست دے کر تخت
پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرصہ تک اس نے اور اس کی اولاد نے حکومت کی۔
شیر افگن خاں کو مہرالنساء سے بڑی محبت تھی۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چا
لیکن مہرالنساء کے لئے یہ چاہتے تھے کہ دنیا بھر کی دولت و عزت ا
مل جائے۔ ان کے دل میں یہ خیال پختہ ہونے لگا کہ مہرالنساء کو ملکہ بنا

مہرالنساء اسی وقت ملکہ بن سکتی تھی جب وہ خود بادشاہ بن جائیں۔

لیکن بادشاہ بننے کے لئے لڑائیوں کے میدان سے گزرنا لازمی تھا لڑائیوں کے لئے فوج کی ضرورت تھی اور فوج کے لئے روپیہ درکار تھا ان کے پاس روپیہ تھا نہیں۔ روپیہ مہاجنوں کے پاس تھا مگر مہاجنوں سے وہ پہلے ہی بہت کچھ قرض لے چکے تھے چونکہ مہاجنوں کے پاس اصل تو اصل سود بھی نہ پہنچا تھا۔ اس لئے انھوں نے ہاتھ کھینچ لئے تھے۔ بہانہ کیا تھا کہ اب ان کے پاس روپیہ باقی نہیں رہا ہے۔

شیر افگن کو معلوم تھا کہ اب بھی مہاجنوں کے پاس کافی روپیہ ہے لیکن وہ دیتے نہیں۔ پہلے تو انہیں مزید روپیہ ان سے مانگتے شرم آتی تھی خیال کیا کرتے تھے کہ جب پچھلے میں سے ان کے پاس کچھ پہنچا ہی نہیں تو وہ اور قرضہ کیوں دیں لیکن آج انہیں مہاجنوں پر غصہ آنے لگا کہ ان کے پاس روپیہ ہے وہ دولت پر سانپ بنے بیٹھے ہیں۔ اور اپنے حاکم (شیر افگن) کی مدد نہیں کرتے۔ اگر وہ روپیہ دے دیں تو ان کی اپنی تمام مشکلیں حل ہو جائیں۔

شیر افگن نے دل میں کہا ــــ "عایشہ بیگم کا مشورہ نہایت مناسب ہے مجھے مہاجنوں سے زبردستی روپیہ وصول کرنا چاہئے۔ میں فضول پریشان ہوں میری پریشانی کا علاج خود میرے ہاتھ میں ہے"۔

وہ یہی سوچتے ہوئے اٹھے اور محل کے اندر داخل ہوئے انہیں یہ خیال ہو گیا تھا کہ وہ یقیناً ایک روز بادشاہ بن جائیں گے۔ انھوں نے مناسب سمجھا کہ یہ خوش خبری مہرالنساء کو بھی سنا دیں چنانچہ وہ مہرالنساء کے پاس پہنچے ــــ

اس وقت مہرالنساء صحن میں بیٹھی ہوئی تھی اس کے آتشناک رخسار

دیکھ رہے تھے۔ شرمیلی نگاہوں سے بجلیاں خارج ہو رہی تھیں اس کے نرم نرم گال اور چاند سا چہرہ دعوت نظارہ دے رہا تھا۔

مہرالنساء شیر افگن کو دیکھتے ہی تبسم کے پھول برساتی ہوئی ان کی طرف مخاطب ہوئی۔ شیر افگن اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ مہرالنساء نے کہا ـــ "اس وقت تو آپ بہت خوش معلوم ہوتے ہیں۔

شیر افگن۔ "ہاں میں خوش ہوں۔ اچھا بتاؤ کس لئے خوش ہوں۔

مہرالنساء۔ "میں کیا جانوں"

شیر افگن۔ "میں اس لئے خوش ہوں کہ تمہیں ملکہ بنانا چاہتا ہوں"

دفعتہً مہرالنساء کی نگاہوں کے سامنے اب سے چند سال پہلے کا واقعہ وہ یاد آگیا۔ جب وہ مینا بازار دیکھنے گئی تھی۔ شاہزادہ سلیم کبوتر لئے آگئے تھے۔ انھوں نے دونوں کبوتر اسے پکڑا دئے تھے ان میں سے ایک کبوتر اڑ گیا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی کہ شاہزادہ آکر خفا ہوں گے شاہزادہ نے آکر جب پوچھا کہ دوسرا کبوتر کہاں گیا تو اس نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا تھا کہ "صاحب عالم اڑ گیا"

شہزادہ نے دریافت کیا۔ "کس طرح۔"

اس نے دوسرا کبوتر بھی چھوڑ کر کہا تھا۔ "اس طرح۔"

شاہزادے اس کی اس حرکت پر ناخوش نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی آنکھوں میں محبت کا نور جھلکنے لگا تھا۔ وہ اس واقعہ کو بھولی گئی تھی لیکن یہ واقعہ اسے اس وقت اس لئے یاد آگیا تھا۔ اب شاہزادہ سلیم جہانگیر کے لقب سے بادشاہ بن گئے تھے۔

اسے خیال ہوا کہ اگر اس کی شادی شاہزادہ سے ہو جاتی تو آج وہ ملکہ

تی مگر یہ خیال بجلی کی طرح آیا اور ہوا کے جھونکے کی طرح نکل گیا۔ کیونکہ اسے
شوہر شیر افگن سے بڑی محبت تھی لیکن فوراً ہی اسے تعجب ہوا کہ شیر افگن
ملکہ کیسے بنانا چاہتے ہیں کیا وہ اسے علیحدہ کرکے جہانگیر کو دے دینا چاہتے
اسے فکر ہوا اس نے پوچھا۔ "ملکہ بنانا چاہتے ہو۔ کیسے؟"

شیر افگن۔ "پہلے یہ بتاؤ کیا تم ملکہ بننا پسند کرتی ہو۔"

مہرالنساء۔ "کون مرد بادشاہ بننا اور کون عورت ملکہ بننا پسند نہ کرے گی۔"

شیر افگن۔ "میں تمہیں ملکہ بنانا چاہتا ہوں۔"

مہرالنساء۔ "پہلے آپ بادشاہ تو بن جائیں"

شیر افگن۔ اگر قسمت نے یاوری کی تو میں بادشاہ بن جاؤں گا۔"

مہرالنساء۔ "کس طرح؟"

شیر افگن۔ "قوت بازو کے زور سے۔"

مہرالنساء۔ "ہر شخص قوت بازو کے زور سے بادشاہ نہیں بن سکتا۔"

شیر افگن۔ "اگر قسمت یاوری کرے تو بن سکتا ہے"

مہرالنساء۔ "یہ سچ ہے لیکن کس ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے"

شیر افگن۔ "ملک تو یہی ہندوستان ہی ہے"

مہرالنساء۔ "ہندوستان کے کس حصہ پر۔"

شیر افگن۔ "سارے ہندوستان پر۔"

مہرالنساء۔ "خوب۔ شاید آپ بھول گئے کہ ہندوستان کے زیادہ سلطنت مغلیہ کا قبضہ ہے۔"

شیر افگن۔ "مجھے یاد ہے میں سلطنت مغلیہ ہی کو ڈھکیل کر ہٹانا چاہتا ہوں

یہ سن کر مہر النساء دھک سے رہ گئی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ سلطنت مغلیہ کی بڑی قوت و عظمت ہے اس کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ شیر افگن نے مسکرا کر کہا۔ "تم تو کچھ پریشان ہوگئیں"۔

مہر النساء۔ "آپ نے بات ہی ایسی کہی۔ کیا سلطنت مغلیہ کا مقابلہ آسان ہے۔

شیر افگن۔ "جانتا ہوں مشکل ہے لیکن ہمت اور استقلال ہر مشکل پر غالب آجاتے ہیں۔"

مہر النساء۔ "مگر پہاڑ کو اٹھانا۔ پتھر کو مکہ کے زور سے توڑنا عقلمندی نہیں ہے۔"

شیر افگن۔ "اگر پتھر پر مسلسل پانی گرتا رہے تو ضرور گھس جائے گا۔"

مہر النساء۔ "لیکن ٹوٹے گا نہیں"

شیر افگن۔ "گھستے گھستے ایک دن ٹوٹ بھی جائے گا"

مہر النساء۔ "اس بات کا خیال رکھیے کہ ملک بغیر فوجوں کے نہیں جیتے جا سکتے۔

شیر افگن۔ "فوجیں فراہم کی جائیں گی"

مہر النساء۔ "فوجیں فراہم کرنے کے لئے بڑی دولت کی ضرورت ہے"

شیر افگن۔ "دولت کا انتظام ہو گیا تجھو۔"

مہر النساء۔ "کہاں سے؟"

شیر افگن۔ "مہاجنوں سے"

مہر النساء۔ "مہاجنوں نے کیسے روپیہ دے دیا۔ آپ تو کہتے تھے وہ حبہ بھی دینے کو تیار نہیں۔"

شیر افگن۔ "وہ رضامندی سے کب دیتے ہیں زبردستی وصول کیا جائیگا۔"

مہرالنساء۔ "ایسا نہ کیجئے اگر آپ نے مہاجنوں پر سختی کی تو مخالفت و عداوت کا سیلاب پھر نکلے گا۔"

شیر افگن۔ "مہاجنوں کی عداوت و مخالفت سے کیا ہو سکتا ہے۔"

مہرالنساء۔ "ملک میں بدنظمی پھیل جائیگی۔ اب آپ ہر دلعزیز ہیں پھر ہر دلعزیزی نہ باقی رہے گی۔"

شیر افگن۔ "جب سلطنت مل جائے گی تو پھر انہیں راضی کر لیا جائے گا۔"

مہرالنساء۔ "میری بابت مانیئے آپ سلطنت مغلیہ سے بغاوت نہ کیجئے۔"

شیر افگن۔ "میں تمہیں ملکہ بنانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔"

مہرالنساء۔ "میں ملکہ بننے سے باز آئی خدا آپ کی جان سلامت رکھے آپ خطرہ میں نہ پڑئیے۔"

شیر افگن۔ "تم فکر نہ کرو۔"

مہرالنساء۔ "کیا آپ یہ پختہ ارادہ کر چکے ہیں۔"

شیر افگن۔ "ہاں۔"

مہرالنساء۔ "آپ کو یہ ترغیب کس نے دی۔"

شیر افگن۔ "ترغیب کون دیتا خود میرے ذہن میں یہ خیال آیا۔ البتہ ثابتہ بیگم نے اس خیال کی تائید کی۔"

ثابتہ بیگم کا نام سن کر مہرالنساء کا چہرہ فق پڑ گیا۔ شیر افگن نے ہنس کر کہا۔ "تم بھی کیوں جل رہی ہو۔"

مہرالنساء۔ "خدا کے لئے آپ اس ارادہ سے باز آجائیے عنایت بیگ اور ثابتہ دشمنی کر رہے ہیں۔"

شیر افگن نے ہنس کر کہا۔ "تم فضول پریشان ہوتی ہو فکر نہ کرو عنایت بیگ مخلص دوست ہے۔"

مہرالنساء۔ "وہ دوست نہیں ہے۔"

شیر افگن۔ "تم کیسے کہہ سکتی ہو۔"

مہرالنساء۔ "میں ...... میرا دل کہتا ہے"

شیر افگن۔ "نہیں وہ دوست ہے تم دیکھ لوگی"

شیر افگن وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ مہرالنساء غم و فکر کے بحر میں غوطے کھانے لگی۔

سولھواں باب (۱۶)

شکار

شیر افگن کو عنایت بیگ نے جو دکھلایا تھا انھیں شیطانی وسوسہ نے آ کر ان کے دل میں یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ اگر وہ کوشش کریں تو شیر خاں کی طرح بادشاہ بن سکتے ہیں۔ انھیں مہرالنساء سے محبت نہیں عشق تھا اور جسے جس سے محبت ہوتی ہے وہ اس کے لئے دنیا بھر کی اچھی چیزیں مہیا کرنے کی فکر میں ہے۔ دولت، ثروت، حشمت، شہرت حتیٰ کہ سلطنت محبوب کے لئے چاہتا ہے یہی حال شیر افگن کا بھی تھا وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا دن آ جائے جب مہر ملکہ بنے اور وہ اس کے سامنے دست بستہ ہو کر کہیں "ملکۂ عالم! کیا حکم ہے" انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ مہاجنوں سے دولت چھین کر فوج بھرتی کریں اور اس فوج سے جہانگیر بادشاہ پر چڑھائی کر کے ان سے تخت و سلطنت چھین

ہیں ۔ چنانچہ انھوں نے دوسرے ہی روز چند مہاجنوں کو بلا کر ان سے سختی کے ساتھ روپیہ طلب کیا ۔ مہاجن ان کے تیور دیکھ کر ڈر گئے ۔ انہوں نے تھوڑا تھوڑا روپیہ دے دیا ۔ یہ روپیہ اس سے بہت زیادہ تھا جس قدر انہیں سرکاری خزانہ میں داخل کرنا تھا چنانچہ انہوں نے بقدر مالیانہ کے راجہ مان سنگھ کے سفر کے ساتھ اپنے معتمدوں کی معیت میں روانہ کر دیا ۔ اور جو روپیہ فاضل رہا ۔ اس سے کچھ نئی فوج بھرتی کر لی ۔

اب انہوں نے یہی وطیرہ اختیار کر لیا جب انہیں روپیہ کی ضرورت ہوتی تو مہاجنوں کو بلا کر دھمکاتے اور ان سے روپیہ وصول کر کے اپنے کام میں لاتے رفتہ رفتہ انہوں نے فوج دوگنی کر لی ۔

جس وقت کا حال ہم قلمبند کر رہے ہیں اس وقت دنیا بھر کے حکمرانوں میں یہ قاعدہ تھا کہ وہ جاگیر دار مقرر کر دیتے تھے ان جاگیر داروں سے کچھ روپیہ تو خراج کے طور پر ٹھہرا لیتے تھے کہ اگر لڑائی ہوئی تو وہ فوجیں بھی دیں گے ۔ بادشاہ یا حکمران کے پاس صرف اس قدر فوجیں ہوتی تھیں جو ملک میں امن و امان قائم رکھیں یہی قاعدہ سلطنت مغلیہ میں بھی تھا ۔

اس طرز حکمرانی میں یہ نقص تھا کہ جاگیر داروں کی فوجیں ان کے قبضے میں رہتی اور ان کے حکم پر چلتی تھیں اسی وجہ سے اکثر جاگیر دار بغاوت کر بیٹھتے تھے جن سے حکمرانوں کو پریشانی اٹھانی پڑتی تھی ۔

مہر النساء دیکھ رہی تھی کہ شیر افگن فوج کو بڑھا رہے ہیں قرض پر قرض لے رہے ہیں وہ بڑی منتظم اور مدبرہ تھی اس نے از خود ہی ملک کے انتظام میں دخل دینا شروع کر دیا ۔ شیر افگن کو یہ بات ناگوار نہیں ہوئی بلکہ بھلی معلوم ہوئی انہوں نے رفتہ رفتہ اپنے تمام اختیارات مہر النساء کے سپرد کر دیے ۔

چونکہ شیر افگن مہرالنساء پر زیادہ سے زیادہ روپیہ خرچ کر دیتے تھے اس لئے ہر وقت زر کی ضرورت رہتی۔ جب مہرالنساء نے اپنے ہاتھ میں انتظام لیا تو اس نے فضول اخراجات بند کر دیئے سب سے پہلے وہ سرکاری مطالبہ ادا کرتی پھر فوجوں کی تنخواہیں دیتی اس کے بعد جو باقی رہتا اس میں سے کچھ مہاجنوں کو دیتی۔ کچھ میں گھر کے اخراجات چلاتی اس سے مہاجنوں کو یہ اطمینان ہوا کہ ان کا روپیہ واپس آجائے گا وہ آئندہ دینے کے لئے بھی تیار ہو گئے ادھر تمام اخراجات نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ چلنے لگے شیر افگن کو کوئی فکر ہی نہ رہا۔

مہرالنساء نے صرف یہی نہیں کیا کہ اخراجات کی طرف سے شیر افگن کو بے فکر کر دیا بلکہ ان کے دل سے بادشاہ بننے کا خیال بھی نکال دیا حقیقت یہ ہے کہ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ شیر افگن بغاوت کریں کیونکہ وہ خوب جانتی تھی کہ سلطنت مغلیہ کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔

لیکن عنایت بیگ شیر افگن کو جب موقع پاتے ورغلاتے اور انہیں بغاوت کرنے کی ترغیب دیتے مگر چونکہ مہرالنساء اس امر کے خلاف تھی اس لئے شیر افگن عنایت بیگ سے تو بہت کچھ وعدے کر لیتے تھے لیکن ان پر عمل نہیں کرتے تھے البتہ وہ عنایت بیگ کو اپنا مخلص دوست سمجھنے لگے تھے انھوں نے عنایت بیگ کو جاگیر دیئے جانے کی سفارش کی شہنشاہ جہانگیر نے ان کی سفارش منظور کر کے کچھ اراضی بطور جاگیر کے انہیں عطا کر دی اب وہ امرا کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔

مہرالنساء نے عنایت بیگ کو جاگیر دلائے جانے کی مخالفت بھی کی تھی لیکن شیر افگن نے خفیہ طور پر دلا کر ہی چھوڑی اس سے مہرالنساء شیر افگن

سے کچھ خفا ہو گئی۔ لیکن شیر افگن نے خوشامد کر کے اسے راضی کر لیا۔ شیر افگن کو تعجب تھا کہ مہر النساء عنایت بیگ کی مخالفت کیوں کرتی ہے لیکن انہیں اس سے دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

مہر النساء گھوڑے پر سوار ہونا خوب جانتی تھی اکثر ایسا ہوتا تھا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر شیر افگن کے ساتھ جاتی اور ان کے گھوڑے کے ساتھ اپنا گھوڑا دوڑاتی۔ کبھی کبھی مہر النساء دوڑ میں جیت جاتی اب اس نے تیر اندازی بھی شروع کر دی تھی۔ چند ہی روز کی مشق میں ایسی قادر انداز ہو گئی تھی کہ بہت کم اس کا نشانہ خطا کرتا تھا۔

ایک روز شیر افگن شکار کے لئے چلے۔ مہر النساء کو بھی ساتھ لیا عنایت بیگ بھی ہمراہ ہوئے۔ بنگال کے حاکم کی سواری تھی کچھ فوج بھی ساتھ تھی۔ شان و شوکت ہمرکاب ہوئی۔ شام کو ایک پر فضا جنگل میں قیام کیا دور تک لاؤ لشکر پھیل گیا۔ صبح ہوتے ہی سب نے ناشتہ کیا اور شکار کے لئے چلے۔ کئی پارٹیاں بن گئیں۔ ایک پارٹی میں شیر افگن اور مہر النساء۔ ایک میں عنایت بیگ اور دو ایک اور امراء ایک میں اور کئی امراء شامل ہو گئے۔

یہ پارٹیاں جب قیام گاہ سے چلیں تو سب ساتھ تھیں ان میں سے ہر ایک گھوڑے پر سوار تھا مہر النساء بھی گھوڑے پر سوار تھی اس وقت اس نے نہایت ہی دل فریب چست لباس پہن رکھا تھا جس سے اس کے خوبصورت اور سڈول اعضاء کی بناوٹ صاف ظاہر ہو رہی تھی چہرہ پر سیاہ جالی دار نقاب اس طرح ڈال رکھا تھا کہ ناک کا کچھ حصہ آنکھیں اور پیشانی کھلی ہوئی تھیں اور جو حصہ زیر نقاب تھا اس میں سے بھی حسن کی شعاعیں چھن چھن کر نکل رہی تھیں۔ جو لوگ اس کے ساتھ تھے کشش حسن سے اسے دیکھنے پر مجبور تھے لیکن

کچھ تو رعب حسن اور کچھ رعب مرتبہ دل کھول کر اس کی طرف نظر نہیں کرنے دیتے تھے۔

کچھ دور چل کر تمام پارٹیاں الگ الگ ہو گئیں۔ شیر افگن اور مہر النساء گھوڑے دوڑا کر ایک طرف نکل گئے ان کے ساتھ جو اور شکاری آئے تھے وہ پیچھے رہ گئے۔ یہ دونوں چلے جا رہے تھے کہ ہرنوں کی ڈار سامنے آگئی شیر افگن اور مہر النساء دونوں نے ایک ساتھ تیر رکھ کر چلے کھینچے اور تیر چھوڑے دونوں تیر سنسناتے ہوئے چلے اور دو ہرنوں کی ٹانگوں میں ترازو ہو گئے ہرن قلندری کھا کر گرے۔ شکار اٹھانے والے جھپٹ کر ان پر جا پڑے۔ انہوں نے دونوں ہرنوں کو ذبح کر لیا۔

شیر افگن اور مہر النساء آگے بڑھ گئے۔ کچھ دور چل کر شیر افگن نے کہا "مہر النساء! تم حسن کا مہر منور ہو۔ تمہاری آنکھیں ہرنیوں کی آنکھوں سے زیادہ خوشنما اور دلفریب ہیں۔"

مہر النساء نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ "اچھا۔ یہ بات آپ کو اب معلوم ہوئی"

شیر افگن۔ نہیں معلوم تو پہلے سے تھی لیکن اظہار کا موقعہ اب ملا ہے۔

مہر النساء۔ "وہ بھی ہرنیوں کی آنکھیں دیکھ کر۔"

شیر افگن۔ ہاں۔ ہرنیوں کو دیکھ کر خیال ہوا کہ ان کی آنکھوں کو تمہاری آنکھوں سے کچھ مناسبت ہوگی۔ مگر توبہ کرو بالکل بھی مناسبت نہیں ہے تمہاری آنکھیں بے پناہ ہیں انھیں دیکھنے والا مدہوش ہو جاتا ہے۔

مہر النساء۔ "آپ نہ دیکھیں۔ کہیں مدہوش نہ ہو جائیں۔"

شیر افگن۔ "میں تو ہر وقت ہی مدہوش رہتا ہوں میں خدا کا بیحد شکر گذار ہوں اس نے مجھے بے مثل حسینہ عطا کی ہے جو حور سے بڑھ کر حسین ہے۔

مہرالنساء۔ "توبہ کیجئے۔ انسان کو حور سے کیا نسبت"

شیر افگن۔ "باری تعالیٰ نے قرآن شریف میں حوروں کی جو تعریف کی ہے وہ سب باتیں تم میں موجود ہیں۔"

مہرالنساء۔ "آج کچھ طبیعت زوروں پر ہے۔"

شیر افگن۔ "تم بت سیمیں ہو پہلے زمانہ میں لوگ ایسی عورتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔

مہرالنسا۔ "اچھا ہوا آپ اس زمانہ میں موجود نہ تھے۔

شیر افگن۔ "حقیقت یہ ہے کہ میں تو اب بھی پرستش کرنے لگوں مگر ڈرتا ہوں مسلمان مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دیں گے۔"

اس وقت ہرنوں کی ڈار کسی قدر فاصلہ پر نظر آئی۔ مہرالنساء نے کہا "ان باتوں کو چھوڑیے دیکھئے وہ سامنے ہرنوں کی ڈار جارہی ہے۔

شیر افگن۔ "اوہ کس قدر شکار ہے۔ چلو دوڑو۔"

دونوں نے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی کر دیں۔ گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے ہوئے دوڑنے لگے۔ ہرنوں نے غالباً انہیں دیکھ لیا وہ متفرق ہو کر بھاگنے لگے اتفاق سے شیر افگن اور مہرالنساء دونوں الگ الگ ہو کر دوڑنے لگے کچھ ایسے شکار کو دیکھ کر مدہوش ہوئے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی۔

مہرالنساء کا گھوڑا شکار پر لگا ہوا تھا۔ وہ چند ہرنوں کا پیچھا بائے اڑا چلا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ سامنے ایسا جنگل آگیا جس میں درخت کثرت سے کھڑے ہوئے تھے ہرن اس جنگل میں گھس گئے۔ مہرالنساء بھی جنگل کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے گھوڑے کو اس خوف سے روکا کہ کہیں کسی درخت سے ٹکرا نہ جائے۔ گھوڑا رک کر آہستہ آہستہ چلنے لگا اس وقت اس نے دور سے ایک

سوار کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے خیال نہیں کیا وہ کون ہے وہ جنگل کے اندر گھس گئی۔

سترھواں باب (۱۷)

درپردہ دھمکی

مہرالنساء خوبصورت بھی تھی اور دلیر بھی وہ گھرے اور تاریک جنگل میں گھستے ہوئے مطلق بھی نہ گھبرائی نہایت بے خوفی سے آگے بڑھتی چلی گئی چونکہ اب وہاں کوئی غیر مرد آس پاس نہ رہا تھا اور مہرالنساء کو شکار کے پیچھے دوڑ دھوپ کرنے کی وجہ سے پسینہ آنے لگا تھا اس لئے اس نے اپنے چہرہ سے نقاب اتار لیا گرمی کی وجہ سے اس کے عارض تمتما اور پسیج رہے تھے۔

چونکہ جنگل میں سایہ تھا اور خفیف ہوا بھی چل رہی تھی اس لئے اسے بڑی فرحت معلوم ہوئی تھوڑی دیر کے لئے وہ شکار کا خیال بھول گئی۔ اس کے گھونگھریالے سر کے بالوں کو چند چھوٹی چھوٹی لٹیں گوری پیشانی پر جھک کر علقے بنانے لگی تھیں جو نہایت ہی پیاری معلوم ہو رہی تھیں۔

اس نے گھوڑے کی باگ ڈھیلی کر دی سوہاں راستہ تو تھا نہیں گھوڑا اپنی فراست سے درختوں اور جھاڑیوں سے بچتا ہوا چلنے لگا تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک مختصر سا میدان آ گیا۔ جس میں گہرے سبز رنگ کی ملائم چھوٹی چھوٹی گھاس لہلہا رہی تھی۔

مہرالنساء کو قدرتی مناظر سے بڑی دلچسپی تھی وہ اس میدان کو جس کے چاروں طرف درختوں اور جھاڑیوں کی حد بندی ہو رہی تھی اور جس میں خوبصورت

گھاس ہلکے جھونکوں سے لہلہا رہی تھی۔ شوق بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ اسے دیکھنے میں کچھ ایسی محو ہوئی کہ اس نے اس سوار کو آتے ہوئے نہیں دیکھا جسے جنگل میں گھستے وقت دور دیکھا تھا۔ اور وہ اس وقت اس کے قریب آ گیا تھا۔

یہ سوار عنایت بیگ تھے وہ اپنے گھوڑے کو آہستہ آہستہ اس طرح لا رہے تھے کہ اس کے سموں کی آواز بلند نہ ہو ان کی نگاہیں مہرالنساء کے بے نقاب حسین چہرہ پر جمی ہوئی تھیں وہ بے تحاشا اس رشک حور کو دیکھتے چلے آ رہے تھے جب وہ چند ہی قدم کے فاصلہ پر رہ گئے تو مہرالنساء نے انھیں دیکھا وہ جھجکی اس پر حیا طاری ہو گئی۔ شرم نے اس کے چہرے کو اور بھی دلفریب بنا دیا۔

عنایت بیگ اسے عجیب محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگے۔ مہرالنساء نے جلدی سے نقاب اپنے چہرہ پر ڈال لیا ایک تو نقاب ہلکی سیاہ جالی کا تھا دوسرے پیشانی آنکھیں اور ناک کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا اس لئے اب بھی اس کی حسین صورت صاف نظر آ رہی تھی۔

عنایت بیگ نے ذرا اور قریب آ کر کہا۔ "آپ تنہا یہاں چلی آئیں۔"

مہرالنساء نے سریلی آواز میں کہا۔ "کیا حرج تھا۔"

عنایت بیگ۔ "آپ شاید واقف نہیں یہ جنگل بڑا خطرناک ہے اس میں درندے کثرت سے رہتے ہیں۔"

مہرالنساء۔ "رہتے ہوں گے۔ میں نے کوئی درندہ نہیں دیکھا۔"

عنایت بیگ۔ "خدا نے بڑی خیریت کی۔ میں نے دور سے آپ کو اس طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا مجھے خوف ہوا کہیں کوئی درندہ آپ کے سامنے نہ آ جائے اس لئے میں اس طرف چلا آیا۔"

مہرالنساء۔ "بڑی مہربانی کی۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔"

عنایت بیگ۔ "شیر افگن خاں کو کہاں چھوڑا۔"

مہر النساء۔ "وہ ہرنوں کے پیچھے دوسری طرف نکل گئے۔"

عنایت بیگ۔ "انہوں نے بڑی غلطی کی۔ انہیں آپ کو تنہا ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے تھا۔"

مہر النساء۔ "انہوں نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ میرا گھوڑا ہی ان کا ساتھ چھوڑ کر ادھر چلا آیا۔"

عنایت بیگ۔ "اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہے۔"

مہر النساء۔ "یہی کہا جا سکتا ہے۔"

عنایت بیگ۔ "یا کسی کے جذبۂ دل کا اثر"

مہر النساء نے چونک کر کہا۔ "کیا اثر"

عنایت بیگ۔ "اثر......"

فرطِ رعب سے عنایت بیگ کی زبان بند ہو گئی جسم کانپنے اور دل دھڑکنے لگا وہ اس بتِ طناز کو دیکھتے رہ گئے۔

مہر النساء بھی ہوشربا نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی جب اس نے دیکھا کہ عنایت بیگ چپ ہو گئے تو اس نے کہا۔ "آپ خاموش کیوں ہو گئے" عنایت بیگ نے خشک لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "کہنے کی ہمت نہیں پڑتی۔"

مہر النساء "یاد رکھو جس انسان کے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا ہے وہ بات کہتے ہوئے ہچکچایا کرتا ہے۔"

عنایت بیگ۔ "میں یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔"

مہر النسار۔ "تب کوئی اور بات ہوگی۔ خیر جانے دو۔"

عنایت بیگ۔ "میں کہنا تو بہت کچھ چاہتا ہوں لیکن زبان نہیں کھلتی
چتا ہوں کیسے کہوں"

مہر النساء۔ "کیا بات مانع ہے۔"

عنایت بیگ۔ "آپ کا رعب و خوف"

مہر النسار "مگر آپ کو مجھ سے بات کرنا ہی نہیں چاہئیے۔"

عنایت بیگ۔ "یہی سوچتا ہوں۔"

مہر النسار۔ "آپ جائیے"

عنایت بیگ۔ "کیا آپ کو تنہا چھوڑ کر؟"

مہر النساء۔ "میرے لئے کیا خطرہ ہے؟"

عنایت بیگ۔ "میں نے عرض کیا نہ کہ اس جنگل میں درندے بہت ہیں"

مہر النسار۔ "ہوں۔ میں ان سے نہیں ڈرتی۔"

عنایت بیگ۔ "لیکن مجھے تو اندیشہ ہے۔"

مہر النساء۔ "تم بھی اندیشہ نہ کرو۔"

عنایت بیگ۔ "کیسے نہ کروں۔ کاش میں اپنا دل آپ کے سامنے
کر رکھ سکتا۔"

مہر النساء نے گھور کر عنایت بیگ کو دیکھا وہ پھر مرعوب ہو گئے۔ ان
پھر زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مہر النساء نے کہا "غالباً آپ مجھے اپنے
ت کی شریک حیات سمجھ کر مجھ سے ہمدردی رکھتے ہیں اور اس لئے اندیشہ
ہیں۔"

عنایت بیگ۔ "جی ہاں ... مگر نہیں شیر افگن خاں میرے دوست کیسے

ہٹ سکتے نہیں۔

مہرالنساء۔ "اور کیا ہیں۔"

عنایت بیگ۔ "وہ حاکم ہیں۔ آج کل تو وہ بادشاہ بننے کی ف

میں ہیں۔"

مہرالنساء۔ "یہ خیال بھی ان کے دل میں ان کے نادان دوستوں نے

پیدا کیا ہے۔"

عنایت بیگ۔ "ایسا خیال جس سے بغاوت کی بو آئے کیسے ان کے

میں پیدا ہو سکتا تھا۔"

مہرالنساء۔ "یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ کیا آپ نے انہیں یہ ترغیب

نہیں دی۔"

عنایت بیگ۔ "حاشا نہیں۔ میں ایسی ترغیب جس سے بغاوت کی

کا شبہ ہو کیسے دے سکتا تھا۔

مہرالنساء۔ "پھر کس نے یہ ترغیب دی"

عنایت بیگ۔ "میں نے عرض کیا۔ انہیں کسی نے ترغیب نہیں د

خود ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ میں اسی وجہ سے آپ سے تنہائی

ملنا چاہتا تھا۔ اس بات کا عام طور پر چرچا ہو رہا ہے کہ شیر افگن خاں بغا

پر آمادہ ہیں اگر خدا نخواستہ یہ خبر شہنشاہ جہانگیر کے کانوں تک پہنچ گئی

مہرالنساء۔ "لیکن اس کی شہرت دینے والے کون لوگ ہیں۔"

عنایت بیگ۔ "وہی جو اس سازش میں شریک ہیں۔"

مہرالنساء۔ "لیکن آپ مجھ سے تنہائی میں کیوں ملنا چاہتے ہیں"

عنایت بیگ۔ "اس لئے کہ آپ کو اس بات سے آگاہ کر دوں

شیر افگن اور آپ دونوں کے لئے زبردست خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ یہ بات دربار مغلیہ تک نہ پہنچ جائے۔"

مہر النساء۔ "میری آگاہی سے کیا ہوگا۔"

عنایت بیگ۔ "میں آپ کا خادم ہوں اگر کوئی خطرہ ہو تو مجھے اطلاع کیجئے گا میں خدمت کو حاضر ہو جاؤں گا۔"

مہر النساء۔ "آپ کا شکریہ۔ اطمینان رکھیئے ایسا وقت نہیں آئے گا۔"

عنایت بیگ۔ "مجھے یقین ہے یہ وقت آنے والا ہے آپ کو یاد ہوگا میں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا تھا۔"

مہر النساء۔ "ہاں ایک عورت آپ کا ایک پیغام لے کر میرے پاس آئی تھی۔ مگر آپ کو میرے پاس پیغام بھیجنے کا کیا حق تھا۔"

عنایت بیگ۔ "میں پہلے سے واقف تھا کہ شیر افگن خاں کے کیا خیالات ہیں اسی لئے میں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا تھا۔ اگر آپ ناخوش ہوئی ہوں تو معاف کیجئے۔"

مہر النساء۔ "آپ کو میرے پاس کوئی پیغام نہیں بھیجنا چاہیئے۔"

عنایت بیگ۔ "آئندہ نہ بھیجوں گا لیکن اب جب کہ خوش قسمتی سے رو در رو گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے تو ایک بات عرض کروں۔"

مہر النساء۔ "کہو۔"

"عنایت بیگ۔ پہلے یہ اقرار کر لیجئے کہ آپ خفا نہ ہوں گی۔"

مہر النساء۔ "میں خفا کیوں ہوں گی۔"

عنایت بیگ۔ "تو سنیئے شیر افگن خاں آپ کے قابل نہیں ہیں۔"

مہر النساء کو غصہ آگیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ آنکھوں سے بجلیاں

نکلنے لگیں۔ اس نے کہا۔ "خبردار جو ایسی بات زبان سے نکالی۔"

غنایت بیگ ڈر گئے۔ انہوں نے کہا۔ "آپ خفا ہوگئیں میں نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کو بغاوت کی سازش کی اطلاع ہوگئی ہے وہاں سے کوئی نہ کوئی کارروائی عنقریب ہونے والی ہے۔ خدانخواستہ اس خبر میں کوئی صداقت ہے تو شیر افگن کی خیر نہیں۔"

مہرالنساء نے انتہائی غصہ سے کہا۔ "زبان روکو۔"

غنایت بیگ۔ "بہت اچھا صرف ایک بات اور سن لیجئے پھر شاید آپ سے کچھ نہ کہہ سکوں۔"

مہرالنساء۔ "کہو۔"

غنایت بیگ۔ "اگر ایسا وقت آجائے کہ آپ کو میری مدد کی ضرورت ہو تو مجھے یاد کیجئے گا۔"

مہرالنساء۔ "خدا نہ کرے کہ مجھے تمہاری امداد کی ضرورت ہو۔ مہربانی کرکے آپ تشریف لے جائیں۔"

غنایت بیگ۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کو غصہ آگیا اگر آپ کو شیر افگن کی بھلائی مقصود ہے تو میں نے جو باتیں اس وقت آپ سے کہی ہیں آپ ان کا ذکر ان سے نہ کرنا۔"

یہ کہکر غنایت بیگ چلے گئے ان کے چلے جانے کے بعد مہرالنساء کا غصہ کچھ وقفہ کے بعد ٹھنڈا ہوا وہ سوچنے لگی کہ غنایت بیگ درپردہ دھمکی دے گیا۔ وہ وہاں سے چلی۔ جنگل سے باہر نکلی۔ شیر افگن بھی آگئے وہ ان کے ساتھ واپس لوٹ آئی۔

اٹھارھواں باب (۱۸)

زنجیر عدل

جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی نہایت عدل و انصاف سے حکومت
وع کی۔ انہوں نے عنان سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی یہ اعلان کر دیا تھا
ع اسلام پر عمل درآمد ہوگا چنانچہ احکام اسلام پر ہی عمل کیا جاتا تھا
سلموں کے ساتھ نہایت روا داری برتی جاتی اور بڑے انصاف سے
یا جاتا۔ ان کے طرز حکومت سے ہندو اور مسلمان۔ عیسائی اور پارسی سب
خوش تھے وہ رعایا میں ہر دلعزیزی حاصل کرتے جاتے تھے۔

شہنشاہ اکبر نے صرف ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کی اور مسلمانوں کو ناخوش
جب سے انہوں نے دین الٰہی اکبر شاہی جاری کیا اسی وقت سے اس اسلامی
طنت پر جہل و گمراہی کے بادل چھا گئے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کو رام کرنے
یئے اسلام چھوڑا۔ ایک نیا مذہب جاری کیا لیکن تمام راجپوتوں نے ان
طاعت نہ کی اور ان کی حکومت کا زیادہ تر زمانہ راجپوتوں سے لڑتے
ئے ہی گزرا۔ انہوں نے دنیا کے لئے دین کھویا۔ دنیا بھی نہ ملی امن و اطمینان
سلطنت کرنی نصیب نہ ہوئی۔

شہنشاہ جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ "میں مسلمان ہوں
ع اسلام پر عمل درآمد ہوگا۔ اس سے جہل و گمراہی کی جو گھٹا سلطنت
ا گئی تھی وہ دور ہوگئی۔ نیر اسلام تابندہ ہو کر جگمگانے لگا۔

شہنشاہ جہانگیر نہایت عادل و منصف تھے۔ انہوں نے بہت سے ایسے

محصول جنہیں اکبر نے رعایا کا خون چوسنے کے لئے جاری کیا تھا موقوف کر دیئے اس وقت زمینداروں پر مال گذاری باقی تھی معاف کر دی جو قیدی معمولی خطاؤں کے اوپر قید کر دیئے گئے تھے انھیں رہا کر دیا اکبر نے حکم دیا تھا کہ سوداگروں سے محصول وصول کرنے کے لئے ان کے تمام سامان کی جبراً تلاشی لی جائے۔ جہانگیر نے اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا حکم دے دیا کہ سوداگروں کی بغیر رضامندی کے تلاشی نہ لی جائے اس سے سوداگروں کو بڑی خوشی ہوئی۔ انہوں نے شہنشاہ کا شکریہ ادا کیا۔

شہنشاہ جہانگیر نے ایک فرمان جاری کیا جس میں مجسٹریٹوں، منصفوں اور دوسرے حاکموں کو ہدایت کی تھی کہ وہ ہر معاملہ کی خوب جانچ کر کے از روئے انصاف فیصلہ دیں کسی کی رعایت نہ کریں اگر عدالت اپیل میں کسی حاکم کا فیصلہ منسوخ ہو جائے گا تو اس حاکم کو سزا دی جائے گی۔

اس موجودہ زمانہ میں گورنمنٹ برطانیہ نے جو قوانین مقرر کر رکھے ہیں کچھ وہ ایسے مبہم اور گول مول ہیں کہ وکیل اور حاکم انھیں سمجھتے ہی نہیں نہ سمجھنے اور تشریح کرنے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اندھا دھند جو دل میں آتا ہے کر دیتے ہیں اور رعایتاً سے فیصلے کرتے ہیں۔ غرض اکثر حکام نے قانون کو کھلونا بنا رکھا ہے اکثر ہوتا ہے کہ ابتدائی عدالت کچھ فیصلہ دیتی ہے اور عدالت اپیل میں کچھ فریقین مقدمہ پریشان ہوتے ہیں اور ان کا صرفہ بھی زیادہ ہو جاتا ہے اگر گورنمنٹ حکام کو یہ تنبیہ کر دے کہ وہ قانون اور انصاف کے مطابق فیصلے دیں اور جو حاکم ایسا نہ کریں انھیں سزا دے کم سے کم سزا یہ ہو کہ وہ برخاست کر دئے جائیں تو حکام کے دماغ ٹھیک ہو جائیں اور گورنمنٹ بدنامی سے بچ جائے نا اہل اور رشوت خوار حکام نے رعایا کو پریشان اور گورنمنٹ کو بدنام کر

...دے رکھا ہے۔

کچھ لوگوں کو یہ خیال ہوگیا ہے کہ انگریز تاجر ہیں۔ تاجروں کی حکومت ہے۔
...لتوں میں بھی تاجرانہ اصول مدنظر رکھے جاتے ہیں۔ ایک عدالت مدعی کے
...میں فیصلہ دیتی ہے تو دوسری مدعا علیہ کے حق میں اور چونکہ گورنمنٹ یہ نہیں
...یکھتی کہ صحیح فیصلہ پہلی عدالت کا ہے یا عدالت اپیل کا قصور قانون کا ہے یا
...نون سمجھنے والوں کا۔ پھر نہ قانون میں ترمیم کی جاتی ہے نہ عدالتوں سے
...رس ہوتی ہے اس لئے یہ خیال عام ہوجاتا ہے۔

لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ حکام کی نااہلیت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے بہت
ایسے لوگ حاکم بنا دیے جاتے ہیں جنہیں نہ قانون پر عبور ہوتا ہے نہ ان میں قانون
...کی صلاحیت ہوتی ہے گورنمنٹ کو چاہیئے کہ ایسے نااہلوں کو ملازم ہی نہ رکھے
...ر جو لوگ قانون سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں یا کسی اور رعایت سے
...صلہ دیں ایسے حاکموں کو یک لخت برخاست کردے اگر دوچار حاکم بھی ایسے
...یے جائیں تو اوروں پر اثر ہوجائے اور پھر کسی حاکم کو قانون کی بے حرمتی اور
...صاف کی توہین کرنے کا حوصلہ نہ ہو۔ حکام کے ہاتھ میں گورنمنٹ نے جہاں انتظام
...ت قانون کی باگ دے دی ہے وہاں اپنی رعایا کے جان مال اور آبرو کا بھی
...یں محافظ بنا دیا ہے۔ انہیں عدل وانصاف سے کام کرنا چاہیئے عدالتیں
...صاف کے لئے ہیں اور انہیں انصاف ہی کرنا چاہیئے یقین ہے گورنمنٹ
...طرف توجہ کرے گی نااہل اور غیر منصف حاکموں کو برطرف کردے گی اور ناانصافیوں
...رادے کر رعایا کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔

شہنشاہ جہانگیر کو عدل وانصاف کا بہت خیال تھا کہ اکثر اپیلوں کی
...ست وہ خود کرتے تھے چونکہ حکام کو خوف رہتا تھا کہ شہنشاہ کو ان کے

فیصلوں میں ذرا بھی شک ہوتا تو ان کی خبر نہیں اس لئے وہ بڑے غور و خوض
سے قانون اور انصاف کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

دنیائے تاریخ میں عدل جہانگیری مشہور ہے۔ شہنشاہ جہانگیر نے فریادیوں
کی فریاد سننے کے لیے محل کے باہر ایک زنجیر لٹکوادی تھی۔ اس زنجیر میں محل
کے اندر بہت سی گھنٹیاں لگادی تھیں یہ زنجیر شہنشاہ کی خوابگاہ میں جاتی
ہوتی تھی۔ ایک چاندی کی بڑی گھنٹی خوابگاہ میں لگائی تھی جب کوئی فریادی
زنجیر کو کھینچتا تھا تو محل کے اندر کی تمام گھنٹیاں سریلے انداز میں بجنے لگتی تھیں
اور خوابگاہ کی گھنٹی بھی ہلکی آواز دینے لگتی تھی۔

شہنشاہ کا یہ حکم تھا کہ دن ہو یا رات شہنشاہ جاگتے ہوں یا سوتے
جس وقت فریادی آئے اور گھنٹیاں بجیں انہیں فوراً اطلاع کی جائے چنانچہ
اکثر ہوتا تھا کہ شہنشاہ آرام گاہ میں ہوتے یا استراحت فرمارہے ہوتے
فریادی آکر زنجیر کھینچتا۔ گھنٹیاں بجنے لگتیں فوراً کنیزیں آپ کو جگا کر
اطلاع کر دیتیں آپ اسی وقت اٹھ کر قلعہ کے جھروکہ میں نمودار ہوتے
فریادی کی فریاد سنتے اور اس کی دادرسی کرتے۔

یہ زنجیر ان فریادیوں کے لیے لٹکائی گئی تھیں، جنھیں دربار تک رسائی
حاصل کرنے میں دقتیں ہوتی تھیں اس زنجیر کے لٹکانے اور شہنشاہ کے
فریادیوں کی فریاد سننے کا یہ اثر ہوا تھا کہ لوگوں نے غریبوں اور بیکسوں
کا ستانا چھوڑ دیا تھا۔ امیروں کو یہ جرأت نہ رہی تھی کہ وہ غریبوں پر ظلم کرسکیں
امیر۔ غریب۔ مسلم۔ غیر مسلم سب آرام اور اطمینان سے مل جل کر رہتے تھے
گویا شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔

ایک روز دوپہر کا وقت تھا دفعتہً زنجیر کھینچی اور گھنٹیاں بجنے لگیں

اس وقت شہنشاہ جہانگیر استراحت فرما رہے تھے۔ باادب کنیزوں نے شہنشاہ کو جگایا۔ آپ اسی وقت اٹھے خوابگاہ سے نکلے خواجہ سراؤں کی پلٹن ساتھ ہوئی۔ آپ قلعہ کے جھروکے کی طرف بڑھے۔ خواجہ سراؤں کے افسر نے آواز دی۔ "باادب ہوشیار! شہنشاہ ہند فریادی کی فریاد سننے تشریف لے جاتے ہیں۔"

اس صدا کو سنتے ہی تمام کنیزیں، قلماقنیاں، اردہ بیگنیاں ہوشیار ہو ہو کر آرام گاہوں سے نکل آئیں۔ سب اپنی اپنی جگہ صف در صف کھڑی ہو گئیں۔ تمام محل میں ہلچل شروع ہو گئی۔

شہنشاہ قلعہ کے جھروکے میں پہنچے۔ جھروکہ میں ادھر ادھر جو برج تھے ان میں خواجہ سرا پہنچ کر جھانکنے لگے۔ شہنشاہ جہانگیر نے بھی جھانکتے ہوئے کہا۔ "کون فریادی ہے کیا فریاد لایا ہے۔"

جب جھانک کر دیکھا تو ایک گدھا دیکھا جو زنجیر سے لگا کھڑا تھا۔ خواجہ سرا حیران رہ گئے خواجہ سراؤں کا افسر اس وقت بھی شہنشاہ کے ساتھ جھروکہ میں کھڑا تھا اس نے عرض کی۔ عالم پناہ! معلوم ہوتا ہے اس گدھے نے زنجیر سے کھجایا ہے۔ گدھا ہی جو بھٹکا نہ معلوم کہاں سے آ گیا۔"

شہنشاہ نے فرمایا۔ "تم سمجھتے ہو گدھے نے زنجیر سے کھجایا ہے۔ ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ زنجیر عدل ہے! اس گدھے کے مالک نے کوئی سختی کی ہے یہ فریاد لے کر آیا ہے ہم اس کی دادرسی کریں گے تم اس گدھے کو لے کر جاؤ۔ اور اس کے مالک کو تلاش کر کے لاؤ۔"

خواجہ سرا گئے نہ چارہ ہی کیا تھا۔ روانہ ہوا شہنشاہ دربار خاص میں رونق افروز ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں خواجہ سرا نے گدھے اور اس کے

مالک کو پیش کیا۔ تحقیقات کرنے پر یہ بات معلوم ہوئی کہ گدھے کا مالک گدھے سے پچھلی رات سے کر اس وقت تک کام لیتا رہا ہے گدھے کے مالک کو شہنشاہ نے سخت تنبیہ کی۔ حکم دیا کہ گدھے سے زیادہ کام نہ لیا جائے اسے کھانے کو اچھی طرح دیا جائے اسی روز سے بیرحمی جانوران کا قانون نافذ کر کے ایک محکمہ بنا دیا اب انسانوں کے علاوہ جانوران کے ساتھ بھی انصاف ہونے لگا۔

اس زنجیر کے متعلق بعض عیسائی مورخوں نے لکھا ہے کہ "اس زنجیر سے بادشاہ کی منصف مزاجی کا ثبوت ملتا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ڈر کے مارے اس زنجیر کو بہت ہی کم لوگ کھینچتے ہوں گے۔"

اس خرافات سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ متعصب عیسائی کس قسم کی خیال آرائی کرتے ہیں اور مسلمانوں کی تاریخ میں کس قدر شکوک پیدا کر دیتے ہیں یہ لوگ قیاسی غلطے لگاتے ہیں جب اس زنجیر عدل کے متعلق انہیں اور کوئی بات نہ سوجھی تو یہی لکھ دیا کہ "اس زنجیر کو ڈر کے مارے بہت کم لوگ کھینچتے ہوں گے۔" اس سے وہ شہنشاہ جہانگیر کی منصف مزاجی کو ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں یہ گوارا نہیں کہ کسی مسلمان بادشاہ کی واقعی خوبیاں بے کم و کاست بیان کر دیں لیکن وہ نہیں جانتے کہ چاند پر خاک ڈالنے سے چاند پر نہیں پڑتی بلکہ خاک ڈالنے والے پر الٹی آ کر پڑا کرتی ہے۔

انیسواں باب (۱۹)

مارِ آستین

عدل جہانگیر مشہور ہو گیا تھا۔ جب کسی پر کوئی شخص ذرا بھی ظلم کرتا وہ ہی آ کر زنجیرِ عدل کھینچ لیتا۔ شہنشاہ اس کی فریاد رسی کرتے جو جبر کرنے والے کو خواہ وہ کوئی بھی ہوتا سخت سزا دیتے اس سے ظالم امیروں کے حوصلے پست ہو گئے تھے انھیں بیکس غریبوں پر ستم کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

جس حکومت کی بنیاد عدل و انصاف پہ ہو اس کی ہر دلعزیزی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سلطنت مغلیہ نے ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔ تمام رعایا محبت کرنے لگی تھی۔

شہنشاہ اکبر نے مغلیہ اسلامی سلطنت کو برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی انھوں نے رانا پرتاب پر لشکر کشی کر کے راجپوتوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ شہنشاہ جہانگیر نے قصرِ حکومت کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالا ہی نہیں بلکہ اسے ایسا مضبوط کر دیا کہ صدیوں کے لئے محفوظ ہو گئی۔

شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد جو مرتد اور مشرک اکبر کے بڑے ثنا خواں ہیں لکھتے ہیں ـــــ "اکبر نے اولاد لائق نہ پائی" اس سے شاید ان کا یہ منشا ہو کہ اکبر کی طرح ان کی اولاد بھی لامذہب ہوتی تو لائق ہوتی۔

مولانا نے دربار اکبری میں اکبر کی بڑی تعریف کی ہے ان کی لامذہبیت کو بھی سراہا ہے اور اکبر کے مرتد ہو جانے کا الزام اس وقت کے علماء پر رکھا ہے ان کے نئے مذہب (دینِ الٰہی اکبر شاہی) کی بھی دبے لفظوں میں تعریف

کی ہے ۔"

حقیقت یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی کسی کا مداح ہوتا ہے تو اندھا ہو کر اس کی تعریفیں کرتا ہے یہی حال مولانا کا ہے وہ اکبر کی تعریف میں حد سے گزر گئے ہیں انہوں نے ان کی برائیوں اور بد اعمالیوں کو بھی خوبیوں میں تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے ۔

تعجب ہے وہ مسلمان تھے اور مولوی بھی ۔ انہوں نے ایک مرتد شخص کی تعریف کیسے کی اس کے علاوہ اکبر کے زمانہ کی تاریخ پڑھی جائے تو کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جو ان کے چھچھورا پن اور بد عقلی کو ظاہر نہ کرتا ہو۔ جشن نوروز، تلادان، ہندو تہواروں کا منانا ۔ نیا سنہ اور نیا مذہب جاری کرنا ان کی کم فہمی اور کوتاہ اندیشی ظاہر کرتا ہے ۔

جہانگیر نے ایک طرف تو عدل و انصاف شروع کیا دوسری طرف ایسی بیدار مغزی سے حکومت شروع کی کہ ہر شخص اپنی جگہ پہ حیران رہ گیا انہوں نے سلطنت کے ہر شعبے کی خود نگرانی شروع کر دی ۔ ہر گورنر اور ہر حاکم کے افعال پر نظر رکھنے لگے ۔ ہر جگہ جاسوس مقرر کر دیے یہ جاسوس ہر حاکم سے متعلق اطلاعات بھیجتے رہتے تھے ۔ شروع شروع میں تو یہ جاسوس صرف اس لئے رکھے گئے تھے کہ وہ اطلاع دیں کہ حاکم عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں یا نہیں رفتہ رفتہ یہ جاسوس خود ہی ہر حاکم کے متعلق دوسرے حالات بھی لکھ لکھ کر بھیجنے لگے ۔

ایک روز جہانگیر کو اطلاع ہوئی کہ بنگال کے حاکم شیر افگن نے لشکر میں اضافہ کر لیا ہے وہاں عوام سے جبراً روپیہ وصول کرتے رہتے ہیں وہ اپنی قوت بڑھا رہے ہیں ان کا ارادہ بنگال میں خود مختار ہو جانے کا ہے ۔

اس اطلاع کو دیکھ کر جہانگیر کو تشویش ہوئی لیکن انہوں نے نہایت تدبر سے کام لیا۔ فوراً ہی ناخوش ہو کر کوئی ایسی کارروائی نہیں کی جس سے شیر افگن کو علانیہ بغاوت کا موقع ملتا۔ انہوں نے جاسوس کو لکھا کہ وہ شوہد پیش کرے اور اگر یہ بات غلط ہو یا کسی عام آدمی نے اسے یہ اطلاع دی ہو تو وہ اس شخص کا نام لکھے اور آئندہ ایسی خبر بھیجنے میں احتیاط رکھے۔

شہنشاہ جہانگیر نے صرف جاسوس پر ہی یہ بات نہ اٹھا رکھی۔ بلکہ راجہ مان سنگھ کو بھی لکھا کہ وہ شیر افگن کے حالات سے مفصل اطلاع دیں۔ راجہ مان سنگھ کو شیر افگن کے خیالات کا کچھ بھی علم نہ تھا اور چونکہ اب شیر افگن باقاعدہ مالیانہ ادا کرتے رہتے تھے اس لئے انھیں ان سے کوئی شکایت بھی نہ تھی چنانچہ انھوں نے جواب میں لکھا کہ شیر افگن پہلے تو مطالبہ سرکار ادا کرنے میں تساہل کرتے تھے لیکن اب باقاعدہ وقت پر ادا کر دیتے ہیں اب ان کی کوئی شکایت نہیں ہے۔

جہانگیر کو خیال ہوا کہ جاسوس کی اطلاع غلط تھی۔ ایک مدت تک جاسوس نے بھی کوئی اطلاع نہ دی اس سے انھیں اور بھی اطمینان ہو گیا مگر یہ اطمینان جلد ہی جاتا رہا۔ جاسوس نے کچھ عرصہ بعد اطلاع دی کہ شیر افگن خروج کی پوری پوری تیاری کر رہے ہیں۔

مرزا عنایت بیگ نے جو شہنشاہ کے وفادار ہیں شیر افگن کے دوست بن کر تمام حالات معلوم کئے ہیں وہ اعلیٰ حضرت کے حضور میں بار یاب ہو کر خود تمام حالات بیان کرنے کے لئے آ رہے ہیں۔

جہانگیر کو نہایت تعجب ہوا انھوں نے پھر راجہ مان سنگھ کو لکھا کہ وہ شیر افگن کے حالات تحقیق کر کے لکھیں اس زمانہ میں شیر افگن کو بردوان کی جاگیر عطا

کی گئی تھی۔

چند ہی روز کے بعد عنایت بیگ آگرہ میں وارد ہوئے۔ ایک روز وہ جہانگیر کے حضور میں پیش ہوئے۔ جہانگیر نے ان سے دریافت کیا۔ "کیا واقعی شیر افگن خروج کا ارادہ رکھتا ہے؟"

عنایت بیگ نے عرض کی۔ "جی ہاں۔"

جہانگیر۔ کیا الطاف خسروانہ کو اس نے پس پشت ڈال دیا ہے۔"

عنایت بیگ۔ "مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ احسان فراموشی پر آمادہ ہے۔"

جہانگیر۔ "لیکن سبب کیا ہے کیا اس کے ساتھ کوئی نا انصافی کی گئی ہے"

عنایت بیگ۔ "یہ بات نہیں۔ بلکہ ان کے گھر میں جو عورت ہے وہ نہایت حسین ہے۔ ایسی خوبرو کہ شاید چشم فلک نے بھی نہ دیکھی ہے۔"

عنایت بیگ نے مہر النساء کے حسن کی تعریف اس طرح شروع کی تھی تاکہ جہانگیر کے دل میں ایسا اشتیاق پیدا کر دیں کہ وہ اس خورشید کو دیکھنے کی آرزو کریں لیکن جہانگیر پر ان کا یہ افسوں نہ چلا۔ انہوں نے کہا۔ "اس کی عورت کے حسن کو بغاوت سے کیا تعلق ہے؟"

عنایت بیگ۔ "میں عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ شیر افگن اپنی بیوی کو اس شان سے رکھتے ہیں جیسے کسی ملک کی ملکہ چونکہ آمدنی کم ہے اخراجات زیادہ ہو جاتے ہیں اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ ان اخراجات کو کسی نہ کسی طرح سے پورا کیا جائے۔"

جہانگیر۔ "ان کی جاگیر کافی زرخیز ہے کیوں نہیں وہ اس کی آمدنی بڑھانے کی کوشش کرتے۔

عنایت بیگ۔ جتنی جاگیر کی آمدنی بڑھے گی اتنے اخراجات حد سے تجاوز کر جائیں گے چنانچہ انہوں نے ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے مہاجنوں سے جبراً روپیہ وصول کرنا شروع کر دیا ہے۔

جہانگیر۔ یہ اس نے سخت غلطی کی ہے ہم اس بات کو کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ہماری رعیت کے کسی فرد پر کوئی ظلم کرے۔"

عنایت بیگ۔ حضور کا عدل مشہور ہو رہا ہے لوگ اعلیٰ حضرت سے شکایت کرتے اس لئے ڈرتے ہیں کہ کہیں شیر افگن کو معلوم نہ ہو جائے اور وہ ان کے مال و اسباب کو ضبط نہ کرے۔

جہانگیر۔ تمہاری ان باتوں سے پتہ چلا کہ شیر افگن نے دست ظلم دراز کیا ہے۔"

عنایت بیگ۔ کاش صرف اتنا ہی ہوتا۔ میں یہ عرض کر دوں کہ شیر افگن میرے دوست ہیں۔ ایک روز میں نے انھیں سمجھایا کہ وہ مہاجنوں کو نہ لوٹیں یہ زمانہ شہنشاہ عادل کا ہے جس وقت بھی شہنشاہ کو ان واقعات کی خبر ہوگی ان سے سخت باز پرس کی جائے گی۔ انہوں نے سرگوشی کے لہجے میں مجھ سے کہا میں روپیہ اس لئے بڑھا رہا ہوں کہ اس تمام صوبے پر اپنا تصرف کر لوں۔ مجھے حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی ہوا میں نے کہا "کیا تم شہنشاہ سے بغاوت کا ارادہ رکھتے ہو" انہوں نے کہا "مجبوری ہے" میں نے کہا "ہوش کے ناخن لو تم پہاڑ سے ٹکرانا چاہتے ہو" انہوں نے جواب دیا "کیا شیر خاں نے شہنشاہ ہمایوں کو شکست نہیں دی تھی۔ میں بھی قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہوں۔"

جہانگیر کو یہ سنتے ہی بڑا غصہ آیا۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے لیکن انہوں نے ضبط کیا مگر چونکہ طبیعت میں اشتعال زیادہ پیدا ہو گیا تھا اس لیے کچھ عرصے تک وہ اپنی طبیعت کو قابو میں لانے کی کوشش کرتے رہے جب کچھ سکون ہوا تو انہوں نے کہا — "معلوم ہوتا ہے اس نے بغاوت کی پوری پوری تیاری کر لی ہے ——"

عنایت بیگ — "ابھی تک ان کے پاس اس قدر فوجیں جمع نہیں ہوئی ہیں جس قدر وہ چاہتے ہیں۔ البتہ وہ فوجوں کی فراہمی اور سامان حرب کی تیاری میں مصروف ہیں۔ میں نے کئی مرتبہ انھیں نشیب و فراز دکھا کے سمجھایا لیکن ان کے دل میں یہ بات کچھ ایسی بیٹھ گئی ہے کہ نکلتی ہی نہیں بلکہ میرے بار بار سمجھانے سے وہ مجھ سے بھی کچھ بدظن ہو گئے ہیں۔

جہانگیر۔ اچھا تم واپس جاؤ اور اس کے حالات کی اطلاع دیتے رہو۔

عنایت بیگ سلام کر کے اٹھے اور رخصت ہو کر قصر کے دروازہ پہ آئے وہاں انھیں ایک خلعت اور ایک گھوڑا ملا جو شہنشاہ جہانگیر نے عطا کیا تھا وہ اس عطیہ شاہی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے حسب آداب سلطنت مغلیہ انہوں نے یہ عطیہ لیا۔ وہاں سے اپنے قیام گاہ پر آئے اور دو روز اور ٹھہر کر بنگالہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

بیسواں باب (۲۰)

شکوک

شہنشاہ جہانگیر شیر افگن کی طرف سے کھٹک گئے تھے سب سے پہلے انھیں

جاسوس نے اطلاع دی تھی۔ پھر عنایت بیگ نے حاضر ہو کر تمام حالات سنا دیئے
اس پہ بھی جہانگیر نے غضب میں آ کر فوراً ہی کوئی کارروائی شروع نہیں کی بلکہ مزید
تحقیقات جاری رکھی چند روز کے بعد انہیں بہت سے آدمیوں سے یہ بات معلوم
ہوئی کہ شیر افگن کے خیالات خراب ہو چکے ہیں وہ خروج پہ آمادہ ہیں اس سے
عنایت بیگ کے کلام کی لفظ بہ لفظ تائید ہو گئی۔

لیکن راجہ مان سنگھ بنگالہ کے حاکم اعلیٰ تھے۔ انہوں نے ابتک بھی شیر افگن
کے متعلق ان کی شرکشی اور تمردی کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی وہ سوچتے کہ کیا
شیر افگن کے متعلق جو خبریں آ رہی ہیں وہ غلط ہیں یا راجہ مان سنگھ کسی مصلحت
سے ان خبروں کی تصدیق نہیں کرتے۔

شہنشاہ جہانگیر نہایت بیدار مغز بادشاہ تھے وہ اتنے حلیم المزاج بھی تھے
کہ جوش و غضب میں آ کر کسی کو ذرا ہی سزا دینے پہ آمادہ نہیں ہو جاتے تھے
بلکہ ہر معاملہ کی بخوبی تحقیقات کرتے تھے اور جب الزام درست ثابت ہوتا تب
ملزم کو سزا دیتے تھے۔

انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس کی شکایت ہو اس کے متعلق اچھی طرح
تحقیقات کر لی جائے۔ ایک بادشاہ کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے نہ محض
جاسوسوں کی اطلاعات کو صحیح باور نہیں کرنا چاہیئے۔

شہنشاہ جہانگیر کو تمام مورخ آج بھی اس لئے عادل لکھتے ہیں کہ وہ
جب تک معاملات کی تحقیقات اچھی طرح نہ کر لیتے تھے اس وقت تک کسی
کو سزا نہ دیتے تھے عدل و انصاف کی مشین اسی وقت حرکت میں آتی
تھی جب مجرم پہ جرم ثابت ہو جاتا تھا۔ کسی کو محض سوئے ظنی کی وجہ سے
سزا نہ دی جاتی تھی ان کی اسی بات نے انہیں عادل مشہور کر دیا تھا۔

شیر افگن کے معاملے میں جہانگیر ابھی تک متذبذب ہی تھے یہ تذبذب اس لئے تھا کہ راجہ مان سنگھ نے باوجود چند مرتبہ تاکید کرنے کے بھی شکایتوں کی تائید نہیں کی تھی لیکن بنگالہ سے متواتر یہ خبریں آ رہی تھیں کہ شیر افگن خروج کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان بہم خبروں کے آنے سے جہانگیر کی طبیعت پر اثر پڑا۔ انھوں نے اپنے مشیرانِ خاص سے اس کا تذکرہ کیا۔

جب یہ فتنہ اٹھا اس وقت مرزا غیاث بیگ پنجاب میں تھے اور ان کی بیوی یعنی مہرالنساء کی والدہ آگرہ سے اپنی بیٹی مہرالنساء کے پاس چلی گئی تھی۔ اگر مرزا غیاث بیگ یا ان کی بیوی آگرہ میں موجود ہوتے تو جہانگیر انھیں سمجھانے کے لئے شیر افگن کے پاس بھیج مگر وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔

جہانگیر کے مشیرانِ خاص محمد شریف امیر الامرا، مرزا خان بیگ، وزیر الممالک اور قطب الدین کوکلتاش خاں تھے۔

قطب الدین شیخ سلیم چشتی کے پوتے تھے اور شیخ سلیم چشتی وہ تھے جن کی دعا کی برکت سے شاہزادہ سلیم یعنی شہنشاہ جہانگیر پیدا ہوئے تھے۔ جہانگیر کو قطب الدین سے بڑی محبت تھی۔ قطب الدین تھے بھی نہایت نیک اور صلح کن ویسے بھی ہوشیار بہادر اور مدبر تھے۔

ایک روز یہ تینوں مشیر جہانگیر کی خدمت میں حاضر تھے جہانگیر نے ان سے شیر افگن خاں کے متعلق جو شکایتیں آئی تھیں ان کا تذکرہ کیا۔ محمد شریف نے کہا۔۔۔ "شیر افگن کو میں جانتا ہوں وہ سیدھے آدمی ہیں اعلیٰ حضرت سے محبت بھی رکھتے ہیں لیکن انسان کے خیالات بدلتے دیر نہیں لگتی ممکن ہے ان کی نیت خراب ہو گئی ہو۔"

قطب الدین۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیر افگن کے دشمن پیدا ہو گئے ہوں

اور ان دشمنوں نے شکایتیں کرانی شروع کر دی ہوں۔

مرزا خاں بیگ۔ کیا آپ نے یہ نہیں سنا کہ عنایت بیگ نے حاضر ہو کر اصل واقعات عرض کئے ہیں۔

قطب الدین۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ عنایت بیگ کو شیر افگن سے کوئی ذاتی پرخاش ہو۔

محمد شریف۔ یہ ہو سکتا ہے لیکن شاہی جاسوس کو کیا پرخاش ہو سکتی تھی۔

قطب الدین۔ مرزا عنایت بیگ یا ان کے دوستوں نے شاہی جاسوس کو غلط اطلاعات دی ہوں اور ان اطلاعات سے متاثر ہو کر شاہی جاسوس نے بھی اطلاعیں دی ہوں۔

مرزا خاں بیگ۔ لیکن اور لوگوں نے بھی یہ اطلاع دی ہے۔

قطب الدین۔ میں تو عرض کر رہا ہوں کہ جب کسی کی کوئی شخص مخالفت کرنے لگتا ہے تو وہ اسی قسم کے ذریعہ اختیار کرتا ہے۔

مرزا خاں بیگ۔ گویا آپ کے خیال میں یہ محض افترا ہے۔

قطب الدین۔ میں اسے محض افترا بھی نہیں کہتا یہ بھی ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن بات کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ راجہ مان سنگھ کیوں خاموش ہیں انھوں نے اطلاع کیوں نہیں دی۔

مرزا خاں بیگ۔ میں کچھ عرض کر سکتا ہوں؟

جہانگیر۔ اجازت ہے۔ عرض کرو۔

مرزا خاں بیگ۔ پہلے میں عرض کر دوں کہ مجھے کسی سے کوئی پرخاش ہے نہ کسی کی مخالفت مدنظر ہے بلکہ میرے دل میں جو خیال پیدا ہو رہے ہیں نیک نیتی کے ساتھ ازراہ خیر خواہی عرض کرتا ہوں۔

جہانگیر۔ ہمیں تمہاری نیت پہ شک نہیں ہے۔

مرزا خان بیگ۔ یہ بات اعلیٰ حضرت کو اور سب کو معلوم ہے کہ راجہ مان سنگھ نے یہ کوشش کی تھی کہ اپنے بھانجے شاہزادہ خسرو کو تخت نشین کرائیں لیکن وہ اس کوشش میں ناکامیاب رہے اعلیٰ حضرت نے انہیں معاف کر دیا۔ انھیں بنگالہ جیسے عظیم الشان صوبہ کا حکمران بنا دیا فوجی اختیارات بھی انھیں دیئے بہت ممکن ہے اب بھی راجہ مان سنگھ خسرو کے مددگار رہوں۔ وہ چاہتے ہوں کہ شیر افگن بغاوت کر کے نظام حکومت کو درہم برہم کر دے اور اس شہزادہ خسرو کی کامیابی کی صورت نکل آئے گی۔

شہنشاہ جہانگیر نہایت توجہ سے اس گفتگو کو سن رہے تھے۔ ان کے دل میں بجلی کی طرح سے یہ خیال کوند گیا کہ کہیں راجہ مان سنگھ ہی نے شیر افگن کو بغاوت کی شہ نہ دی ہو اور اسی لئے وہ کوئی اطلاع نہ دیتے ہوں اس خیال سے انہیں سخت تکلیف پہنچی۔ انہوں نے راجہ مان سنگھ کو اس لئے معافی دی تھی کہ وہ ان کی بیوی کے بھائی تھے ان کے باپ اکبر نے انہیں ہفت ہزاری کا منصب دیا تھا۔ ہفت ہزاری کا عہدہ بڑا جلیل القدر تھا یہ عہدہ ان لوگوں کو ملتا تھا جو حکومت کے وفادار و جاں نثار ہوتے تھے لیکن آج انہیں راجہ مان سنگھ کی وفاداری پر شک پڑ گیا تھا وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ راجپوت دوستی کے پردے میں دشمنی کر رہے ہیں انھیں سخت افسوس ہوا لیکن انہوں نے اپنے افسوس کا اظہار نہیں کیا۔

محمد شریف نے کہا۔ "جس خیال کا اظہار اس وقت تم نے کیا ہے یہی مجھے بھی خیال ہوا ہے مجھے یہی ہے کہ راجہ مان سنگھ کی نیت صاف نہیں ہے۔

... شک ہی ہے اور شک کی بنا پر ہم کو ...

کارروائی کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

مرزا خاں بیگ۔ اعلیٰ حضرت اس کی تصدیق فرمالیں۔

جہانگیر۔ ہم تحقیقات کریں گے۔

جہانگیر نے اس وقت مجلس شوریٰ موقوف کر دی۔ لوگ اٹھ اٹھ کر چلے گئے جہانگیر نے تنہائی میں اس بات پر غور شروع کیا جوں جوں وہ غور کرتے تھے راجہ مان سنگھ کی طرف سے شک بڑھتا جاتا تھا کئی روز کے سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ راجہ مان سنگھ کو بنگالہ کے صوبہ سے ہٹا دیا جائے اور شیر افگن خاں کے حالات کی تصدیق کے لئے اپنے کسی خاص شیر کو بھیجیں۔ اب انہوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ کس شیر کو اس مہم پر نامزد کریں۔ ان کی نظر انتخاب قطب الدین پر گئی۔ انھوں نے تخلیہ میں قطب الدین کو بلا کر کہا۔

"ہم نے بنگالہ کی سپہ سالاری تمہیں تفویض کی تم وہاں جا کر راجہ مان سنگھ سے سپہ سالاری کا چارج لے لو۔ انھیں آگرہ بھیجدو۔ اور بردوان جا کر شیر افگن کے متعلق تحقیقات کرو۔ اگر معلوم ہو کہ واقعی اس کا ارادہ بغاوت کرنے کا ہے تو اسے پابہ زنجیر کر کے ہمارے پاس بھیجدو اور اگر اس بات کی تصدیق نہ ہو تو اسے خلعت دے کر واپس چلے آؤ۔

قطب الدین۔ اعلیٰ حضرت کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ میں بردوان پہنچ کر شیر افگن کو حراست میں لینے کی کوشش کروں گا اگر وہ وفادار رہے ہے تو اسے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اس سے اس کی وفاداری کا امتحان ہو جائے گا اور اگر وفاداری سے ہٹ چکا ہے تو مزاحمت کرے گا اور پھر خادم اسے پابہ زنجیر کر کے عالم پناہ کے حضور میں پیش کر دے گا۔

جہانگیر۔ وہاں پہنچ کر جو مناسب ہو وہ کرنا لیکن کوئی ایسی بات نہ کرنا

جس سے اس کے دل میں اشتعال پیدا ہو۔

قطب الدین۔ نہیں۔ ایسی بات نہ کی جائے گی لیکن اگر معلوم ہو کہ راجہ مان سنگھ بھی اس سازش میں شریک ہیں تب ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے

جہانگیر۔ وہی جو ہم نے حکم دیا ہے۔

قطب الدین۔ یعنی ان سے سپہ سالاری کا چارج لے کر انہیں آگرہ بھیج دیا جائے۔

جہانگیر۔ ہاں۔

قطب الدین۔ لیکن اگر وہ آگرہ آنے پر تیار نہ ہوں۔

جہانگیر۔ تب انہیں نظر بند کر کے ہمیں اطلاع دی جائے۔

قطب الدین۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔

قطب الدین وہاں سے چلے آئے اور دو تین روز میں تیاری کر کے کچھ لشکر ساتھ لے کر بنگالہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۲۱)
اکیسواں باب

ولالہ

عنایت بیگ شیر افگن سے اجازت لے کر آگرہ آئے تھے انھوں نے شیر افگن سے یہ کہا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کو ان کی یعنی شیر افگن کی طرف سے بدظن کیا جا رہا ہے میں دربار میں پہنچ کر شہنشاہ کے خیالات کی اصلاح کر دوں گا۔ بدقسمتی سے شیر افگن کو عنایت بیگ پر اعتماد تھا وہ انہیں اپنا ہمدرد اور خیرخواہ سمجھتے تھے انھیں معلوم نہیں تھا کہ عنایت بیگ کے خیالات کیا

ذرکیوں ہیں۔

شیر افگن کو مہر النساء سے والہانہ محبت تھی اور یہ قاعدہ ہے کہ جس جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اسی قدر اس میں رشک بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ شیر افگن کو یہ گوارا نہیں تھا کہ مہر النساء مرد تو مرد کسی عورت سے بھی بات کرے۔ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ امیروں کی بیگمیں مہر النساء سے ملنے آئیں گی اور وہ بھی مہر النسا کو بلائیں گی۔ بہت ممکن ہے کوئی امیر مہر النساء پر فریفتہ ہو اور وہ اسے اپنی بیوی کے ذریعہ سے بلوا کر بات کرنے کی کوشش کرے۔

مہر النساء کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ شیر افگن میں شک کا مادہ زیادہ ہے وہ بھی کسی بیگم سے اس لئے نہ ملتی تھی کہ کہیں شیر افگن کے دل میں کوئی شک پیدا نہ ہو جائے۔

عنایت بیگ نے عرصہ ہوا جب ایک دلالہ کو مہر النساء کے پاس بھیجا تھا اس دلالہ نے جہاں اور باتیں کہی تھیں وہاں یہ بھی کہا تھا کہ عنایت بیگ کو تم سے یعنی مہر النساء سے بڑی محبت اور ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔ اس دلالہ کے آنے اور باتیں کرنے کی اطلاع مہر النساء نے شیر افگن کو نہیں دی تھی ڈری کہ کہیں وہ بدظن نہ ہو جائیں البتہ خود عنایت بیگ کی طرف سے ڈرنے لگی تھی۔ چنانچہ جب عنایت بیگ نے شیر افگن کو بغاوت کرنے کی ترغیب دی اور جنوں سے بہ جبر روپیہ وصول کرنے اور فوج کو بڑھانے کی تحریک کی تو شیر افگن نے مہر النساء سے یہ ذکر کر دیا تھا۔ مہر النساء کا چہرہ عنایت بیگ کا نام سن کر فق پڑ گیا تھا وہ ہوشیار عورت تھی سمجھ گئی کہ عنایت بیگ نے خباثت باطنی سے شیر افگن کو غلط ترغیب دینی شروع کر دی ہے وہ اب شیر افگن کی بدظنی کے خیال سے عنایت بیگ کی کمینہ حرکت کو ظاہر نہ کر سکی۔

شکار میں عنایت بیگ موقعہ ڈھونڈ کر مہر النساء سے ملے ان کی باتو
سے مہر النساء کو یقین ہو گیا کہ وہ تخریب کے درپے ہیں لیکن اس نے اس ملا
کا بھی شیر افگن سے ذکر نہیں کیا اسے خوف ہوا کہ اگر اس نے اس اتفاقیہ ملاقا
کا ذکر کیا تو شیر افگن بہت زیادہ بدظن ہو جائیں گے۔

عورت اور پھر حسین عورت کے لئے صدہا خطرات ہوتے ہیں سب
سے زیادہ اندیشہ شوہر کی بدظنی کا ہوتا ہے۔ مرد اپنی خوبرو بیوی سے بہت
جلد مشکوک و بدظن ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اکثر عورتیں دل ہی دل میں گھٹا کر
ہیں بعض اوباش لوگ ان پر ڈورے ڈالتے ہیں انھیں پھسلانے کی کوشش
کرتے ہیں۔ نیک عورتیں ایک طرف تو ان اوباشوں کا مقابلہ کرتی ہیں او
دوسری طرف اپنے شوہروں سے ڈرتی رہتی ہیں کہ انھیں معلوم نہ ہو جائے جس
سے وہ بدظن ہو کر ان بیچاریوں پر سختی نہ کرنے لگیں ان فکروں میں وہ گھل گھ
کر بیمار پڑ جاتی ہیں اور یا تو قبل از وقت بوڑھی ہو جاتی ہیں یا مر جاتی ہیں
اگر مرد شک و بدظنی نہ کریں اور عورتیں ہمت کر کے اصل حال سے اپنے شو
کو مطلع کر دیا کریں تو اوباشوں کی گوشمالی ہو جایا کرے اور عورتوں کو کو
اندیشہ نہ رہے۔

غرض مہر النساء شیر افگن سے یہ نہ کہہ سکی کہ عنایت بیگ کیوں دگ
بنے ہوئے ہیں ان کے خیالات کیا ہیں شیر افگن کو چونکہ کچھ معلوم نہ تھا وہ صا
باطن اور سیدھے سادھے آدمی تھے اس لئے عنایت بیگ کو اپنا
خیر خواہ اور دوست سمجھتے تھے ــــ چنانچہ انھوں نے عنایت
کو آگرہ جانے کی اجازت دے دی۔

جب وہ آگرہ سے واپس گئے تو انہوں نے کہا کہ۔ شہنشاہ کے خیا

ب کی طرف سے بہت خراب کر دیے گئے تھے مگر میں نے شہنشاہ کو اطمینان
دلا دیا ہے اور اب وہ آپ سے خوش ہو گئے ہیں۔ یہ خلعت اور گھوڑا آپ
کے لئے بھیجا ہے۔"

حالانکہ جہانگیر نے خلعت اور گھوڑا خود اسے دیا تھا۔ اس سے شیر افگن مطمئن
ہو گئے۔ انہوں نے عنایت بیگ کا شکریہ ادا کیا۔ مہر النساء کے سامنے ان کی
تعریف کی۔ مہر النساء کو عنایت بیگ کے آگرہ جانے کا حال معلوم نہ تھا اسے
سن کر بڑا فکر ہوا اسے یہ یقین تھا کہ عنایت بیگ نے شیر افگن کی بھلائی نہیں
چاہی ہوگی۔ اس نے خدا سے دعا مانگی کہ وہ بہتر کرے۔ وہ اب بھی شیر افگن
سے یہ نہ کہہ سکی کہ وہ عنایت بیگ کی طرف سے ہوشیار رہیں وہ دوست نہیں
دشمن ہیں۔

ایک روز مہر النساء باغیچہ میں مصروف گل گشت تھی۔ شام کا وقت تھا
سردی کا موسم۔ وہ سیاہ سمور کی قبا پہنے تھی۔ کیلئی رنگ کا دوپٹہ اوڑھے تھی
چونکہ اسے پھولوں سے بہت زیادہ رغبت تھی اور وہ زمانہ پھولوں کا نہ تھا
اس لئے اس نے سفید موتیا کے اور گلابی گلاب کے مصنوعی پھول ریشم کے بنا
رکھے تھے۔ ان پھولوں کے گجرے اپنی سیاہ زلفوں میں اس طرح لپیٹ رکھے
تھے کہ دیکھنے والے کو بہت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے۔

اس وقت وہ تنہا تھی۔ کنیزیں اور خواصیں دوسری طرف مصروف
عمل تھیں۔ ایک ادھیڑ عمر کی عورت وہاں آئی اس نے بڑے ادب سے
مہر النساء کو سلام کیا۔ مہر النساء نے کہا تم پھر آئیں؟"

عورت نے کہا ـــ "آپ خفا ہوتی ہیں۔ میں آپ کے لئے خوشخبری
لائی ہوں۔"

مہرالنساء۔ میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔"

عورت۔ آپ کے فائدے کی بات ہے۔

مہرالنساء۔ خاموش رہو۔

عورت نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ آپ اس وقت کس قدر خوبصورت معلوم ہو رہی ہیں۔ سیاہ قبا کیسی زیب دے رہی ہے۔ گجرے کیسے اچھے معلوم ہو رہے ہیں لیکن بالوں میں گجروں کے بجائے اگر سچے موتی پرو دیے جائیں تو تم بالکل حور معلوم ہو۔

مہرالنساء۔ مجھے موتی نہیں چاہیئں۔

عورت۔ آپ کو تو نہیں چاہیئں۔ آپ کچھ بھی نہ پہنیں تب بھی خوبصورت معلوم ہوں گی آپ کو خدا نے حسن ہی ایسا دیا ہے۔

مہرالنساء۔ میں کہتی ہوں تم ایسی باتیں نہ کرو۔

عورت۔ نہ کروں گی دل میں جو بات آئی وہ کہہ دی۔ ایک حسینہ کو حسینہ کہنا گناہ نہیں ہے۔

مہرالنساء۔ اچھا کہہ لیا۔ خوش ہو گئیں۔

عورت۔ مجھ سے پوچھتی ہو۔ اس وقت خوش ہوں جب تم ملکہ بن جاؤ بال بال موتی پرو کر بنی رہو۔

مہرالنساء۔ تم کس قسم کی عورت ہو سمجھانے سے مانتی ہو۔ نہ دھمکانے سے ڈرتی ہو۔

عورت۔ کیا ڈروں جانتی ہوں حسینوں کا غصہ مصنوعی ہوتا ہے۔

مہرالنساء۔ تمہاری شامت آئی ہے میں ابھی کنیزوں کو بلا کر تمہیں دھکے دے کر نکلواتی ہوں۔

عورت - تم ایسا نہیں کر سکتیں -

مہر النساء - کیوں ؟

عورت - اس لئے کہ جو پیغام تم نے بھیجا تھا میں اس کا جواب لائی ہوں۔

مہر النساء کا دل دھک سے ہو گیا اسے خوف ہوا کہ اگر کوئی سن لے تو کیا ہو۔ اس نے بگڑ کر کہا - "کیا پیغام"

عورت نے دیدہ دلیری سے کہا — "کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں سب کے سامنے وہ پیغام اور اس کا جواب عرض کر دوں۔

مہر النساء اور بھی بگڑی لیکن دل کا خدا ہی حافظ تھا اس قدر زور سے دھڑک رہا تھا کہ آواز کانوں میں آ رہی تھی - اس نے کہا — "نہیں جانتی ستمگارہ —"

عورت - جو چاہے کہہ لیجئے -

مہر النساء - کس قدر بے حیا ہو تم -

عورت - اگر آپ جواب سن لیتیں تو میں اب تک کبھی کی چلی جاتی -

مہر النساء نے اس خیال سے کہ اس بے حیا عورت سے پیچھا چھوٹے کہا "اچھا کہہ - کیا کہتی ہے -

عورت - اب راہ پر آئیں پہلے یہ بتا دوں میں آپ کی گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنے والی نہیں -

مہر النساء - اب کچھ کہتی بھی ہے یا نہیں -

عورت - عنایت بیگ نے کہا ہے کہ خطرہ عین دروازے پر آ گیا ہے دانائی یہ ہے کہ اس سے بچنے کی کوشش کرو -

مہر النساء - میں نہیں سمجھتی کیا خطرہ ہے -

عورت۔ مجھ سے سنیئے۔ شہنشاہ آپ کے شوہر سے سخت ناخوش ہیں وہ عنقریب معزول کر دیئے جائیں گے یا گرفتار کر لئے جائیں گے۔

مہرالنساء کو یہ اندیشہ پہلے ہی تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ عنایت بیگ نے لگائی بجھائی میں کسر نہ چھوڑی ہوگی۔ اس نے کہا۔ "وہ کیوں معزول و گرفتار ہونے لگے۔"

عورت۔ ان کی غداری کی خبریں دربار تک پہنچ گئی ہیں۔ میرے آقا۔ عنایت بیگ کو آپ سے بڑی ہمدردی ہے وہ آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں"

یہ وہ دلالہ تھی جو پہلے بھی عنایت بیگ کا پیغام لے کر آئی تھی۔ مہرالنساء کو اس پر غصہ تو بہت آ رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ اسے ہٹوا کر نکلوا دے مگر ڈرتی تھی کہ وہ کہیں فضیحتہ نہ کر دے اس نے دل پر جبر کر کے کہا۔ "مجھے ان کی ہمدردی اور مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

عورت۔ ابھی نہیں معلوم ہوتی لیکن عنقریب معلوم ہوگی سنیئے جب بھی آپ کو مدد کی ضرورت ہو میرے آقا کو یاد کیجئے گا وہ ضرور مدد کریں گے۔

عین اس وقت ایک کنیز نے آ کر اطلاع دی کہ شیر افگن آ رہے ہیں دلالہ گھبرا گئی۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "میں اب جا رہی ہوں۔ پھر کسی روز آؤنگی"

مہرالنساء اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی اس نے کہا۔ خیریت چاہتی ہو تو چلی جاؤ۔

دلالہ نے سلام کیا اور وہاں سے چلی گئی۔ مہرالنساء نے اپنی طبیعت کو سنبھالا اور شیر افگن کا استقبال کرنے کے لئے بڑھی شیر افگن قریب ہی آ گئے تھے وہ بڑھ کر ان کے پاس پہنچ گئی۔

بائیسواں باب (۲۲)

مان سنگھ کی معزولی

قطب الدین آگرہ سے چلے ان کے لشکریوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کس مہم پر اور کہاں جا رہے ہیں وہ آگرہ سے الٰہ آباد آئے اور جب الٰہ آباد سے بنگالہ کی طرف چلے تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ بنگال جا رہے ہیں چونکہ بنگالہ سے شیر افگن کی تمردی کی خبریں متواتر آ رہی تھیں اس لئے فوجیوں کو یہ بات معلوم تھی کہ وہ بغاوت خروج پر آمادہ ہیں چنانچہ اب انہوں نے اس بات کو سمجھ لیا کہ یہ لشکر شیر افگن کی سرکوبی کے لئے جا رہا ہے۔

شیر افگن عرصہ تک آگرہ میں رہ چکے تھے رانا پرتاپ سنگھ کی مہم میں شریک ہو چکے تھے اس لئے تمام افسر اور سارے سپاہی انھیں بخوبی جانتے تھے اہل لشکر والوں کو افسوس تھا کہ شیر افگن نے سرکشی کیوں شروع کر دی یہ تعجب تھا کہ ان کی وفاداری کیا ہوئی۔ کس بات نے انھیں بغاوت پر آمادہ کیا۔

چونکہ قطب الدین کے ساتھ جو لشکر تھا اس میں زیادہ تر مسلمان تھے ــ اور شیر افگن بھی مسلمان تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو یہ افسوس تھا کہ وہ ایک مسلمان سے لڑنے کے لئے جا رہے ہیں۔

قطع منازل کے بعد قطب الدین راجہ مان سنگھ کے پاس پہنچے۔ مان سنگھ نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور ان کی خوب مدارات کی۔ انھوں نے قطب الدین سے کئی مرتبہ ان کے آنے کی وجہ پوچھی لیکن انہوں نے باتوں میں ٹال دیا بتایا نہیں راجہ مان سنگھ کو بڑا فکر ہوا انہوں نے اپنے مشیروں سے اس بات کا ذکر کیا۔

راجہ مان سنگھ کا منصب ہفت ہزاری تھا۔ شاہزادہ اور ہر اعلےٰ منصب دار کی سرکار ہوتی تھی۔ راجہ مان سنگھ کی بھی سرکار تھی۔ یعنی دیوان تنصدی اور مصاحب سب ہی تھے ان کے مصاحبوں میں زیادہ تر ہندو راجپوت تھے ان مصاحبوں کو یہ بات معلوم تھی کہ مان سنگھ اب بھی اپنے بھانجہ شاہزادہ خسرو کو جہانگیر کے بجائے تخت نشین کرنا چاہتے ہیں۔

شاہزادہ خسرو جہانگیر کے بیٹے تھے جو راجہ مان سنگھ کی حقیقی بہن سلطانہ بیگم کے بطن سے تھے چونکہ شاہزادہ نے اپنی ماں کی آغوش میں پرورش پائی تھی اور ان کی والدہ ہندو تھیں اس لئے ان میں بھی ہندو پن زیادہ تھا سلطانہ بیگم اور راجہ مان سنگھ دونوں ان کے سر پر تاج رکھنے کی فکر میں تھے۔

قطب الدین کے آنے سے مان سنگھ اور ان کے مصاحبوں کو یہ کھٹکا ہو گیا کہ کہیں راجہ معزول تو نہیں کر دیئے گئے مگر چونکہ ابھی تک قطب الدین نے کوئی بات نہ کی تھی اس لئے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ وہ کیوں آئے ہیں اور کیا ہونے والا ہے۔

قطب الدین خفیہ خفیہ تحقیقات کر رہے تھے کہ راجہ مان سنگھ کے خیالات کیا ہیں وہ شیر افگن کے ساتھ کہاں تک شریک ہیں۔ ان کی فوج کہاں تک ان کا ساتھ دینے کو تیار ہے۔

اگرچہ راجہ مان سنگھ کھٹک رہے تھے لیکن وہ برابر قطب الدین کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اس وقت انھیں یہ احساس ہو رہا تھا کہ انھوں نے جہانگیر کی مخالفت کر کے سخت غلطی کی ہے اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا ضروری ہے وہ پچھتا رہے کہ انھوں نے کیوں ایسی غلطی کی۔ کاش غلطی نہ کرتے۔

انسان کا ضمیر برے کام پر انسان کو ملامت کیا کرتا ہے لیکن اکثر انسان

ضمیر کی آواز کی پرواہ نہ کرکے بدافعالی کر گذرتا ہے۔ حاکم یا آقا کی حکم عدولی کرتا ہے۔ جب آقا اسے سزا دیتا ہے تو پچھتاتا ہے کہ اس نے کیوں ایسا کیا۔

اسی طرح بندہ عیش وعشرت میں غرق ہو کر خدا کی نافرمانیاں کرتا رہتا ہے۔ گناہ پر گناہ کرتا ہے۔ سمجھتا ہے یہی لیل ونہار رہیں گے۔ یہی زندگی رہے گی بھولے سے بھی خدا کو یاد نہیں کرتا نماز پڑھنے میں تکلیف اور تحقیر محسوس کرتا ہے مگر جب خدا کی گرفت سخت ہو جاتی ہے۔ بیماری گھیر لیتی ہے آخری وقت آ جاتا ہے تو روح کو اس عذاب کا احساس ہونے لگتا ہے جو مرنے کے بعد ہونے والا ہے۔ اس وقت مغرور انسان گھبرا جاتا ہے سوچتا ہے اس نے لہو لعب اور عیش وعشرت میں رہ کر زندگی برباد کی۔ اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت نہ کی۔ سوچتا ہے اگر اسے مہلت مل جائے تو وہ اب خدا کی یاد کرے۔ خود بھی نماز پڑھے اور اپنے اقربا کو بھی نماز پڑھنے کی تلقین کرے۔ لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی۔ موت آ گلا دباتی ہے۔ روح تکلیف کے ساتھ کھنچنے لگتی ہے جو انسان جس قدر گنہگار ہوتا ہے اس کی روح اتنی ہی تکلیف سے نکلتی ہے۔

مسلمانو! زندگی کو غنیمت سمجھو۔ موت لابدی ہے۔ خدا کی عبادت کرو۔ عبادت کرکے خدا پر احسان نہ رکھو اس سے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ بلکہ اس بات کا شکر کرو کہ اس نے اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائی اس کی ذات بے نیاز ہے اسے تمہاری عبادت وریاضت کی ضرورت نہیں تم اگر دوزخ کی شعلہ بار آگ سے بچنا چاہتے ہو تو اس کی عبادت کرو وہ ایسا مہربان ہے کہ کسی کی عبادت ضائع نہیں کرتا۔ قیامت کے روز عبادت گذاروں کو جنت میں داخل کرے گا۔ جنت میں خوش سواد سبزہ زار نظر فریب باغیچے مصفا ایوانات ہیں جن میں سفید اور شیریں پانی کے چشمے بہہ رہے ہیں صاف

کے لئے غلمان اور حوریں ملیں گی۔

پروردگار عالم نے جگہ جگہ نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ نماز کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہے اگر کسی وجہ سے کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکتے ہو بیٹھ کر پڑھو تو بیٹھا نہ جائے تو لیٹے لیٹے اشاروں سے پڑھو وضو کرنے کی طاقت نہ ہو تو تیمم کر کے پڑھو غرض جس طرح بھی ہو نماز پڑھو یہ سہولیت اس وجہ سے ہے کہ حشر کے روز کوئی بندہ یہ نہ کہہ سکے کہ میں کمزور ہو گیا تھا اس وجہ سے نماز نہ پڑھ سکا

یوں تو روزہ بھی فرض ہے لیکن روزہ کے لئے جسمانی طاقت کا خیال رکھا گیا ہے اگر کوئی شخص ایسا کمزور ہے کہ روزہ نہیں رکھ سکتا یا روزہ رکھنے سے اسے کوئی تکلیف یا بیماری پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے تو اس کے لئے حکم ہے کہ وہ روزہ کی قضا اس وقت رکھے جب اس میں طاقت آجائے لیکن اگر طاقت آنے کی توقع نہ ہو تو روزہ کا کفارہ ادا کر دے۔ اور یہ کفارہ اتنا ہے کہ صرف ایک بھوکے کو کھانا کھلا دیا کرے (اہل ثروت زیادہ بھوکوں کو کھانا کھلائیں تو اچھا ہے) لیکن نماز کا کفارہ نہیں ہے۔

اگرچہ جہاد بہترین عبادت ہے۔ عبادت کرنے سے افضل جہاد کرنا ہے لیکن نماز جہاد کے وقت بھی معاف نہیں ہے جہاد میں نماز پڑھنے کا یہ حکم ہے کہ نصف لشکر لڑتا رہے اور نصف علیحدہ ہو کر امام کے ساتھ ایک رکعت ادا کرے اور رکعت ادا کرتے ہی میدان جنگ میں پہنچ جائے اب بقیہ آدھا لشکر الگ ہو کر آئے اور امام کے پیچھے کھڑا ہو کر دوسری رکعت ادا کرے اس طرح نماز پڑھنے سے سارے لشکر کو پوری نماز کا ثواب مل جاتا ہے۔

جب کہ نماز پڑھنے کی یہاں تک تاکید ہے تو سوچیں وہ مسلمان جو نماز نہیں پڑھتے کہ وہ کس عقوبت میں گرفتار ہوں گے مسلمانو ڈرو دوزخ کی اس

آگ سے جس کا ایندھن جن اور انسان ہیں۔ نماز پڑھو اور دل سے خدا کی عبادت کرو وہ احکم الحاکمین اور آقائے حقیقی ہے۔

راجہ مان سنگھ کو بڑا تردد تھا اس قدر فکر تھا کہ انھیں رات کو نیند نہ آتی تھی بار بار کہتے تھے ع قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو۔

قطب الدین کو تحقیقات کرنے سے یہ پتہ چلا کہ شیر افگن کے خیالات اچھے نہیں ہیں۔ راجہ مان سنگھ نے اگرچہ ان سے کوئی اعانت کا وعدہ نہیں کیا ہے لیکن انہوں نے شیر افگن کو تنبیہ بھی نہیں کی ہے اگر وہ تنبیہ کر دیتے تو شیر افگن کا حوصلہ نہ بڑھتا چنانچہ ایک روز جب مان سنگھ آئے تو قطب الدین نے ان سے پوچھا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ شیر افگن کے کیا خیالات ہیں"؟

مان سنگھ نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم نہیں"

قطب الدین۔ دربار تک یہ اطلاعات پہنچ گئیں اور آپ تک نہیں پہنچیں۔

مان سنگھ۔ میرے ذرائع معلومات محدود ہیں۔

قطب الدین۔ حالانکہ آپ صوبیدار ہیں، صوبہ کے حالات کی آپ کو خبر رکھنی چاہیئے۔

مان سنگھ۔ میں آئندہ خبر رکھا کروں گا لیکن میرا خیال ہے شیر افگن کے خیالات خراب نہیں ہیں نہ ان کا بد ارادہ ہے۔

قطب الدین۔ کیا انہوں نے اپنی فوج دگنی نہیں کر لی ہے۔

مان سنگھ۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ انہوں نے کچھ فوج بڑھائی ہے۔

قطب الدین۔ انہوں نے بغیر آپ سے یا دربار سے اجازت لئے فوج میں اضافہ کیوں کیا۔

مان سنگھ۔ ممکن ہے انہیں کسی دشمن کا خطرہ ہوا ہو۔

قطب الدین۔ تب انہیں آپ سے مدد طلب کرنی چاہئے تھی۔ کیا انہوں نے آپ سے مدد طلب کی تھی۔

مان سنگھ۔ نہیں

قطب الدین۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کی پرواہ نہیں اچھا آپ شہنشاہ کے حکم سے معزول کئے جاتے ہیں۔

یہ سنتے ہی مان سنگھ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ انہیں خوف ہوا وہ گرفتار کر جائیں گے انھوں نے دریافت کیا۔ میں چارج کسے دوں۔

قطب الدین۔ آپ چارج مجھے دیں۔

مان سنگھ نے اسی وقت چارج قطب الدین کے حوالہ کر دیا قطب الدین نے کہا۔ اب آپ آگرہ جا کر شہنشاہ سے معافی کی درخواست کریں۔

راجہ مان سنگھ نے اس بات کو غنیمت سمجھا کہ وہ گرفتار یا قید نہیں کئے وہ اگلے ہی روز وہاں سے آگرہ روانہ ہو گئے انہوں نے جہانگیر سے معافی درخواست کی جہانگیر نے انھیں معاف تو کر دیا مگر ان کے منصب پر بحال نہ کیا اس سے راجہ مان سنگھ کی زندگی کے آخری ایام نہایت پریشانی گذرے۔

تیئسواں باب (۲۳)

ہدایت

راجہ مان سنگھ کی معزولی کی اطلاع شیر افگن کو بھی ہو گئی۔ یہ معلوم ہوا کہ وہ معزول کیوں کئے گئے چونکہ یہ بات مشہور تھی کہ وہ اپنے بھانجہ

خسرو کے مددگار ہیں اس لئے یہی خیال کر لیا گیا کہ ان کی معزولی اسی سلسلے میں عمل میں آئی ہے اگر اب بھی شیر افگن کو اصلیت معلوم ہو جاتی تو شاید وہ سنبھل جاتے شہنشاہ جہانگیر انصاف پسند اور رحمدل تھے وہ یقیناً معاف کر دیتے۔

مہرالنساء کو بھی اگرچہ دربار کی کارروائی کا کچھ بھی علم نہیں تھا لیکن وہ ہوشیار اور قابل عورت تھی اسے شک ہو گیا تھا کہ عجب نہیں راجہ مان سنگھ کی معزولی اس کے شوہر شیر افگن کی وجہ سے عمل میں آئی ہو اسے اندیشہ ہو گیا تھا کہیں شہنشاہ کے قہر و غضب کی بجلی یہاں بھی نہ گرے۔

ایک روز اس نے شیر افگن سے کہا۔ "آپ نے سنا راجہ مان سنگھ معزول کر دیئے گئے۔

شیر افگن۔ ہاں میں نے سنا ہے اور سنا ہی کیا ہے میرے پاس احکام بھی آگئے ہیں کہ راجہ مان سنگھ معزول کر دیئے گئے اور ان کے بجائے قطب الدین مقرر ہوئے ہیں۔

مہرالنساء۔ کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ راجہ مان سنگھ کیوں معزول کر دیئے گئے۔

شیر افگن۔ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے راجہ مان سنگھ اپنے بھانجے شاہزادہ خسرو کے مددگار ہیں۔ ممکن ہے ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئی ہو جس سے شہنشاہ اور بھی مشکوک ہو گئے ہوں۔

مہرالنساء۔ آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ راجہ مان سنگھ کی معزولی عنایت بیگ کے دربار سے واپس آنے کے بعد عمل میں آئی ہے۔

شیر افگن نے مہرالنساء کے چاند سے چہرہ پر نظر ڈال کر کہا "ہاں ان کی معزولی ان کے واپس آنے کے بعد ہی عمل میں آئی ہے لیکن ان کی واپسی

کو اس معزولی سے کیا واسطہ۔

شیر افگن۔ عنایت بیگ کو راجہ مان سنگھ سے کوئی مخاصمت نہ تھی وہ شکایت کیوں کرتے۔

مہرالنساء۔ میرے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ عنایت بیگ نے راجہ کی نہیں بلکہ آپ کی شکایت کی ہے شہنشاہ جہانگیر بیدار مغز بادشاہ وہ شہنشاہ اکبر کی طرح نہیں ہیں انھیں شبہ ہوا ہوگا کہ آپ کے راجہ مان سنگھ بھی شریک ہیں اس لئے اول انہیں معزول کیا گیا ہے

شیر افگن بے ساختہ ہنس پڑے انہوں نے کہا۔ " تم نے کر دیا ملائی ہے لیکن تمہیں شاید یہ علم نہیں کہ عنایت بیگ میرے خیرخواہ ہمدرد ہیں وہ مجھ سے اجازت لے کر میری طرف سے شہنشاہ کے صفائی پیش کرنے کے لئے گئے تھے انھوں نے سفر کی صعوبت میری د سے برداشت کی تھی ان سے یہ امید نہیں ہو سکتی۔

مہرالنساء۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ انھوں نے شہنشاہ سے آپ کی کی ہے۔

شیر افگن۔ تمہیں یقین ہے کس طرح یقین ہے۔

اب موقع تھا کہ مہرالنساء عنایت بیگ کی تمام باتیں شیر افگن سے کر دیتی۔ پہلی مرتبہ دلالہ کو بھیجا۔ لیکن وہ اس لئے جھجک گئی کہ کہیں شیر مشکوک نہ ہو جائیں اس نے کہا۔ میرا دل کہتا ہے۔

شیر افگن پھر ہنسے۔ انہوں نے کہا۔ " شاید تمہیں الہام ہوتا

مہرالنساء۔ الہام تو نہیں ہوتا لیکن بات یہی ہے۔

شیر افگن دفعتہً سنجیدہ بن گئے انہوں نے مہرالنسا کی آنکھوں

نیں ڈال کر کہا۔ "شاید تمہیں وہ باتیں معلوم ہیں جو مجھے معلوم نہیں بتاؤ کیا معلوم ہے۔"

مہرالنساء گھبرا گئی۔ سب سے زیادہ اسے یہ خوف ہوا کہ اگر وہ اصل ت نہ بیان کرتی ہے تو شیر افگن کہیں گے کہ اس نے پہلے ہی یہ خیالات بیان نہیں کر دیئے تھے مگر جواب بھی فوراً ہی دینا تھا ورنہ شک ہو جانے کا احتمال تھا۔ اس لئے اس نے کہا۔ اگر انسان کا ضمیر ہے تو اکثر وہ واقعات کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ پہلے مجھے شبہہ لیکن اب ضمیر کے بار بار کہنے پر یقین ہو گیا ہے۔

شیر افگن۔ تمہاری گوری رنگت کی طرح تمہارا دل اور ضمیر بھی گورے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تم عنایت بیگ کی طرف سے کچھ مشکوک ہو اور دہ ہے کہ جس طرف سے شک پیدا ہو جاتا ہے ضمیر اس کے خلاف تنگر بنا کر کھڑا کر دیا کرتا ہے تم عنقریب ہی روز میں دیکھ لوگی کہ تمہارے صحیح رائے قائم نہ کی تھی۔

مہرالنساء۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

شیر افگن۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا عنایت بیگ مخلص دوست ہے سے یہ امید نہیں کہ وہ میری شکایت کریں۔

مہرالنساء۔ اچھا اب قطب الدین کیا کر رہے ہیں۔

شیر افگن۔ چونکہ انھوں نے صوبہ بنگالہ کا نیا چارج لیا ہے اس کام میں مشغول ہیں۔

مہرالنساء۔ کچھ بھی ہو لیکن آپ عنایت بیگ سے محتاط رہیں۔

شیر افگن۔ اللہ رے شک حسینوں میں یہی بات تو بڑھی ہوئی ہوتی ہے

جس کی طرف سے شک پڑ گیا۔ پڑ گیا پھر مشکل ہی سے جاتا ہے۔ خدا کے لیے تم مجھ سے مشکوک نہ ہو جانا نہیں تو میری زندگی اجیرن ہو جائے گی

مہرالنساء نے ہوش ربا حسین نگاہوں سے شیر افگن کو دیکھا اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا چہرہ پر نور کی لہر دوڑ گئی۔ شیر افگن نے شرارت کے لہجے میں کہا۔ "او، حسین ساحرہ، خدا کے لیے مجھ پر سحر نہ کر۔

مہرالنساء نے کہا۔ "اچھا شرارت کرنے لگے تم۔

شیر افگن۔ ظالم! شرارت تو بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں لیکن حو
نہیں ہوتا۔

مہرالنساء۔ خیر آج آپ نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ آپ شریر ہیں۔

شیر افگن۔ میں شریر کبھی بھی نہیں تھا اجڈ سپاہی تھا مگر تمہاری ہم نشینی نے میری دنیا ہی بدل دی۔ میں بدل گیا۔ دل بدل گیا اجڈ سپاہی کے بجائے شریر سپاہی ہو گیا۔

مہرالنساء۔ شرارت نہ معلوم کہاں اور کس سے سیکھی ہے الزام مجھے دیتے ہو۔

شیر افگن۔ ٹھیک ہے۔ تم کوئی بات تسلیم تھوڑے ہی کرو گی
تسلیم کرانا بھی نہیں چاہتا۔ حسن کی سرکار بڑی سرکار ہوتی ہے کہیں خفا ہو گئی تو ......

مہرالنساء۔ کس قدر شاعرانہ غلو آ گیا ہے۔

شیر افگن۔ خوش قسمت ہیں وہ جو شاعر ہیں۔ وہ اشعار میں ا
جذبات کا اظہار تو کر لیتے ہیں مجھ بیچارے کو تو شعر کہنا ہی نہیں آتا۔ اس
اپنے جذبات کا اظہار بھی نہیں کر سکتا۔

مہر النساء۔ شاعر نہ ہونے پر تو یہ حال ہے اگر شاعر ہوتے تو خدا نے کیا ہوتا۔

شیر افگن۔ تمہارا سراپا لکھتا۔ دنیا میں تمہیں مشہور کر دیتا خدا کی قسم چاہتا ہے کہ تمہارے ایک ایک عضو کی دل کھول کر تعریف کردں۔

مہر النساء کو ہنسی آ گئی ہنسنے سے سفید آبدار موتیوں جیسے ہموار دانت آکر بجلیاں گرانے لگے چہرہ اور روشن ہو گیا آنکھوں میں دلوں کو موہ لینے والی چمک پیدا ہو گئی اس نے شرارت کے لہجہ میں کہا۔ نہ نہ دل کھول کر تعریف نہ کرنے لگنا نہیں تو ۔ ۔ ۔ ۔

شیر افگن۔ دنیا میں تمہاری شہرت ہو جائے گی۔

مہر النساء۔ معاف کیجئے کوئی دیوانہ خیال کرے گا۔

شیر افگن۔ دیوانہ تو میں ہوں ہی۔ شاعر بھی تو دیوانے ہوتے ہیں۔

مہر النساء۔ خدا کا شکر ہے آپ شاعر نہیں ہیں۔

شیر افگن۔ مگر دیوانہ تو ہوں۔

مہر النساء۔ اس کی مجھے خبر نہیں۔

شیر افگن۔ اسی کا نام تغافل ہے۔ پہلے مجھے دیوانہ بنایا۔ اب کہتی ہے خبر نہیں ستم شعار ع بنا کر اپنا دیوانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مہر النساء۔ دیوانہ ہوں آپ کے دشمن۔

اس وقت ایک انّا ایک چھوٹی سی بچی کو ریشمیں غالیچہ پر لے کر آئی مہر النساء کی بیٹی تھی اسے دیکھتے ہی مامتا نے جوش مارا مہر النساء نے جلدی سے ہاتھ پھیلا کر اس ننھی منی گڑیا کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

بچی بھی ماں کی طرح نہایت خوبصورت تھی تندرست اور موٹی تازی

تھی ناک اور آنکھیں ماں کی سی تھیں اور خدوخال میں کچھ فرق تھا۔ لیکن جسامت ماں کی سی ہی تھی۔

جوں ہی مہر النساء نے اس ننھی بچی کو گود میں لے لیا وہ راحت محسوس کر کے ماں کے چہرے کو دیکھنے لگی مہر النساء نے کہا "میری چینی کی گڑیا میری پارۂ جگر۔۔

بچی ہنسنے لگی۔ ابھی وہ چھوٹی تھی بہت چھوٹی شاید سال بھر کی ہو وہ ماں کے حسین چہرہ کو دیکھ دیکھ کر تلقاریاں لگا رہی تھی شیر افگن نے بھی اسے کھلانا شروع کیا اپنی انگلی اس کی مٹھی میں دے دی اپنی طرف سے مخاطب کرنا شروع کیا بچی کبھی کبھی ان کی طرف بھی دیکھ لیتی لیکن زیادہ تر اپنی ماں کی طرف متوجہ تھی ماں کا اس وقت رواں رواں خوش تھا شیر افگن نے کہا "میری طرف تو یہ ذرا سی بچی بھی مخاطب نہیں ہوتی حسن کی طرف مائل ہے۔

مہر النساء۔ آپ کو تو ایک ہی بات رہ گئی ہے۔ حسن یہ بچی کیا جانے چونکہ وہ ماں کی آغوش میں آ کر راحت محسوس کرتی ہے اس لیے میری طرف متوجہ ہے۔

شیر افگن خاموش ہو گئے وہ اور مہر النساء دیر تک بچی کو کھلاتے رہے کچھ دیر کے بعد انہوں نے اس معصوم کو انا کے سپرد کیا اور دونوں وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

دن گذرتے رہے بے فکری اور فارغ البالی کے ساتھ آرام اور راحت کے ساتھ۔ یہاں تک کہ ایک روز مہر النساء نے سنا کہ قطب الدین بردوان کی طرف آ رہے ہیں یا سے فکر ہوا اس نے سوچا کہ شیر افگن سے دریافت

رہے کہ قطب الدین کیوں آ رہے ہیں لیکن کئی روز تک اس کا موقع نہ مل سکا چونکہ اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے اس لئے وہ موقعہ کی تلاش میں رہی۔

چوبیسواں باب (۲۴)

غلطی

قطب الدین بردوان میں آ گئے۔ شیر افگن کا ارادہ تھا کہ ان کا استقبال کریں لیکن عنایت بیگ نے منع کر دیا۔ کہہ دیا کہ شہنشاہ خود تشریف لاتے یا دربار عالیہ سے ان کی آمد کی کوئی اطلاع آتی تب تو استقبال کرنا مناسب بھی تھا لیکن اب جب کہ وہ خود آئے ہیں سرکاری طور پر نہیں آئے ان کے استقبال کی ضرورت نہیں ہے شیر افگن ان کے کہنے میں آ گئے یہ انہوں نے بڑی غلطی کی قطب الدین ان کے استقبال نہ کرنے اور پاس نہ آنے سے کھٹک گئے۔

ادھر مہر النساء کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی کہ شیر افگن نے قطب الدین کا استقبال نہیں کیا اسے بڑا فکر ہوا اس کے دل میں طرح طرح کے واہمے آنے لگے۔ ایک روز جب شیر افگن زنانخانے میں آئے تو مہر النساء نے ان سے پوچھا۔ یہ قطب الدین کیوں آئے ہیں۔

شیر افگن نے جواب دیا۔ معلوم نہیں:

مہر النساء۔ آپ نے ان کا استقبال نہیں کیا۔

شیر افگن۔ نہیں۔

مہر النساء۔ کیوں۔

شیر افگن - اس لئے کہ دربار سے کوئی اطلاع ان کے آنے کی میرے پاس نہیں آئی -

مہرالنساء - کیا قطب الدین راجہ مان سنگھ کے قائم مقام نہیں ہیں ؟

شیر افگن - ہیں -

مہرالنساء - کیا وہ بنگالہ کے صوبیدار نہیں ہو گئے ؟

شیر افگن - وہ راجہ مان سنگھ کے قائم مقام بھی ہیں - صوبہ کے گورنر بھی ہیں - سب کچھ ہیں لیکن نہ تو وہ بتقریب دورہ آئے ہیں - نہ دربار مغلیہ نے ان کے دورہ کی اطلاع دی ہے اس لئے ان کے استقبال کی کوئی ضرورت نہیں تھی -

مہرالنساء - یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا وہ حاکم ہیں ابھی انہوں نے چارج لیا ہے پہلی مرتبہ یہاں آئے ہیں آپ کو ان کا استقبال کرنا چاہئیے تھا

شیر افگن - اب تو جو ہونا تھا سو ہو گیا -

مہرالنساء - آپ ان سے ملنے بھی نہیں گئے -

شیر افگن - جب استقبال ہی نہیں کیا تو ملنے کیسے جاتا -

مہرالنساء - کس نادان مشیر نے یہ مشورہ آپ کو دیا -

شیر افگن - مشورہ کون دیتا -

مہرالنساء - آپ چھپاتے ہیں مرزا عنایت بیگ ہی نے یہ مشورہ بھی آپ کو دیا ہوگا -

شیر افگن - نہ معلوم تم کیوں عنایت بیگ کی مخالفت کرتی رہتی ہو اب بھی وقت تھا کہ مہرالنساء تمام باتیں کہہ دیتی لیکن اب بھی وہ جرات نہ کر سکی اس نے صرف اتنا کہا عنایت بیگ نادان دوست ہیں -

شیر افگن ۔ یہ تمہارا خیال ہے وہ نادان نہیں دانا ہیں ۔

مہرالنساء ۔ اگر دانا ہیں تو دانا دشمن ہیں ۔

شیر افگن ۔ دشمن نہیں دوست ہیں ۔ ہمدرد ہیں ۔

مہرالنساء ۔ کاش ایسا ہی ہوتا ۔

شیر افگن ایسا ہی ہے وہ وفادار بھی ہیں اور جاں نثار بھی ۔

مہرالنساء ۔ اچھا یہ بتایئے کیا وہ بھی قطب الدین سے ملنے گئے تھے ۔

شیر افگن ۔ گئے تھے ۔

مہرالنساء ۔ سوچیئے آپ کو تو ان کے پاس جانے تک سے روک دیا اور خود گئے اس میں کیا مصلحت تھی ۔

شیر افگن ۔ وہ اس لئے گئے تھے کہ ان کے خیالات معلوم کریں ۔

مہرالنساء ۔ پھر کیا معلوم کر کے آئے

شیر افگن ۔ وہ میری طرف سے بدظن نہیں رہے ۔

مہرالنساء ۔ جب یہ بات ہے تو اب آپ کو ان کے پاس جانا چاہیے تھا

شیر افگن ۔ اب جاتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے ۔

مہرالنساء ۔ شرم ...... عورت ہو ۔

شیر افگن ۔ شرم عورتوں ہی کو ہوتی ہے ۔

مہرالنساء نے مسکرا کر کہا ۔ نہیں ۔ اب معلوم ہوا تم جیسے مردوں کو بھی ہوتی ہے اچھا تو لو اوڑھو میرا دوپٹہ اور بیٹھو گھر میں ۔

شیر افگن ۔ تم شاید میرا لباس پہننا چاہتی ہو ۔

مہرالنساء ۔ اور کیا کروں ؟

مرد اب عورت بنیں گے اور شوہر بیبیاں

شیر افگن۔ خدا کی قسم خوب کہا تم پہ مردانہ لباس زیب بھی خوب دیگا۔

مہرالنساء۔ بس لگے باتیں بنانے۔

شیر افگن۔ باتیں بنانے کی کوئی بات نہیں۔ ذرا پہنو تو تم میرا لباس۔

مہرالنساء۔ بس معاف کیجئے۔

شیر افگن۔ معاف بھی کردوں گا۔

مہرالنساء۔ میں نے قصور ہی کیا کیا ہے؟

شیر افگن۔ تم ہی تو معافی مانگ رہی ہو۔

مہرالنساء۔ بس مذاق ہی کرنا آتا ہے۔

شیر افگن۔ مذاق کی کوئی بات نہیں میری خاطر سے مردانہ لباس پہن لو خوب پھبے گا میں تو یہ سوچتا ہوں کہ آج تک یہ خیال میرے دل میں کیوں نہ آیا۔

مہرالنساء۔۔۔۔ اس بات کو یاد رکھو عورت اپنے ہی لباس میں اچھی معلوم ہوتی ہے۔

شیر افگن۔ اس کا آج امتحان ہو جائے گا۔

شیر افگن نے خادماؤں کو آواز دی۔ کئی کنیزیں دوڑتی ہوئی آئیں،

شیر افگن نے کہا۔۔ ہمارے کئی لباس لے آؤ۔

مہرالنساء نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "ٹھہرو"

شیر افگن نے محبت پاش نظروں سے مہرالنساء کو دیکھ کر عاجزی کے لہجے میں کہا۔ "منگا لیجے؟"

مہرالنساء۔ لیکن پہنے گا کون؟

شیر افگن۔ تم پہنا یہ میری آرزو ہے۔

مہرالنساء۔ اچھا میں خود لباس انتخاب کر کے پہن آتی ہوں۔

شیر افگن۔ شکریہ۔

مہرالنساء وہاں سے چلی گئی شیر افگن بیٹھے رہ گئے تھوڑی ہی دیر میں مہرالنساء آئی۔ اس نے اس طرح لباس پہنا تھا اور گیسوؤں کا جوڑا باندھ کر اس پر اس طرح صافہ باندھا تھا کہ ایک بال بھی نظر نہ آتا تھا وہ نہایت کمسن جوان معلوم ہو رہی تھی۔ یہ لباس بھی اس پر پھوٹ نکلا۔ شیر افگن دیکھ کر دنگ رہ گئے انہوں نے کہا۔۔۔ "خدا کی قسم یہ لباس کیسا زیب دے رہا ہے کیسی اعلیٰ مردانہ شان ہے اگر اس لباس میں تمہیں عورتیں دیکھ لیں تو مر مٹیں۔

مہرالنساء اس وقت بالکل سنجیدہ بنی ہوئی تھی۔ اس کے نازک لبوں پر نام کو بھی تبسم نہ تھا۔ جن کنیزوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ مہرالنساء نے مردانہ لباس پہنا ہے وہ دور سے ایک مرد کو شیر افگن کے پاس کھڑے دیکھ کر حیران ہوئیں۔ ایک ایک دو کر کے سب قریب آ گئیں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مہرالنساء کو دیکھنے لگیں۔ شیر افگن نے کہا۔ کیا دیکھتی ہو یہ تمہاری بیگم کے بھائی ہیں۔

مہرالنساء کے ایک بھائی مرزا ابوالحسن تھے جو ایران میں رہ گئے تھے ان کے آنے کی کئی روز سے خبر گرم ہو رہی تھی۔ کنیزوں کو یقین آ گیا وہ سمجھیں مہرالنساء کے بھائی آ گئے حالانکہ انہوں نے یہ بھی سنا تھا کہ مرزا ابوالحسن مہرالنساء سے بڑے ہیں لیکن اس وقت وہ اس بات کو بھول گئیں نہایت سیدھے پن سے جھک جھک کر تسلیمیں کرنے لگیں شیر افگن نے مسکرا کر مہرالنساء سے مخاطب ہو کر کہا۔ یہ سب عورتیں آپ کی بہن مہرالنساء کی کنیزیں ہیں۔

اب تک تو مہر النساء سنجیدہ رہی لیکن کنیزوں کو تسلیمیں کرتے دیکھ کر اس کی سنجیدگی دفو چکر ہو گئی۔ ہنسی آ گئی۔ ہنسی کیا آئی ہنسی کا دورہ پڑ گیا اس قدر ہنسی کہ چہرہ سرخ ہو گیا آنکھوں میں پانی چھلک آیا شیر افگن بھی ہنسنے لگے۔ کنیزوں بیچاریوں کو تعجب ہوا کہ یہ ہنسی کیسی وہ حیران رہ گئیں مہر النساء نے ان کی حیرت دیکھ کر سر سے عمامہ اتار لیا۔ سر کے سیاہ اور لمبے بال بکھر گئے اب جو کنیزوں نے دیکھا تو وہ مہر النساء تھی۔ بیچاریاں بڑی نادم ہوئیں۔

ٹھیک اس وقت ایک خواجہ سرا نے آ کر عرض کی "حضور کو مرزا غیاث بیگ بلا رہے ہیں"

شیر افگن اسی وقت باہر چلے گئے۔ مہر النساء نے کنیزوں سے پوچھا "تم نے ہمیں پہچانا نہیں۔"

کنیزوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔ "حضور بالکل بھی نہیں پہچانا ہم یہ سمجھیں کہ حضور کے بھائی آ گئے۔ خیال یہ ہوا کہ آپ کی اور ان کی صورت بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔"

مہر النساء۔ یہ نہ سمجھیں کہ وہ تو مجھ سے بڑے ہیں ان کے چہرہ پر تو داڑھی ہے۔

کنیزیں یہ بالکل خیال نہ رہا ادھر آقا نے یہ کہہ کر کہ یہ بیگم کے بھائی ہیں اور بھی مغالطے میں ڈال دیا۔

کچھ دیر تک اس بات پر ہنسی ہوتی رہی آخر مہر النساء اپنے کمرے میں گئی وہاں اس نے لباس تبدیل کیا وہ روزانہ لباس بدلا کرتی تھی۔ کبھی کبھی ایک دن میں دو مرتبہ بھی بدل لیتی تھی جب وہ لباس بدل کر آئی تو مصلحتاً شیر افگن کو آتے ہوئے دیکھا شیر افگن سیدھے اپنے کمرے میں گئے اور وہاں سے

درباری لباس پہن کر باہر آگئے۔ مہرالنساء نے ان کے پاس جاکر دریافت کیا۔ "کہاں کا قصد ہے؟"

شیر افگن۔ قطب الدین نے بلایا ہے۔

مہرالنساء کا چہرہ فق پڑ گیا اس نے کہا۔ "بلانے مرزا عنایت بیگ آئے ہیں۔؟"

شیر افگن۔ ہاں۔

مہرالنساء۔ "نہ جایئے، میرا کہا مانئے۔ ضرور اس میں کچھ فتنہ ہے"

شیر افگن نے مسکرا کر کہا۔ "میری شریک حیات فکر نہ کرو کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ مرزا عنایت بیگ چند روز سے یہ کوشش کر رہے تھے کہ مجھے قطب الدین کے پاس لے چلیں۔ آج قطب الدین نے خود بلایا ہے میں اپنی خوشی سے جا رہا ہوں۔"

مہرالنساء۔ لیکن میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔

شیر افگن۔ یہ اوہام ہیں۔ میں ابھی واپس آجاؤں گا۔

یہ کہتے ہی شیر افگن چلے گئے، مہرالنساء کا دل چاہتا تھا کہ انہیں روک لے لیکن نہ معلوم کیوں وہ انہیں روک نہ سکی۔

پچیسواں باب (۲۵)

غلط فہمی کے شکار

شیر افگن جب اپنے محل کے باہر آئے تو انھوں نے مرزا عنایت بیگ کو چلنے پر تیار پایا۔ شیر افگن نے عنایت بیگ سے کہا۔ "ہم تم قطب الدین

کے پاس چلتے تو ہیں لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بات غیر متوقع پیش آ جائے۔"

عنایت بیگ نے کہا۔ "یہ محض وہم ہے۔ میں نے قطب الدین کے پاس جا کر سب کچھ معلوم کر لیا ہے انھیں آپ سے کوئی پرخاش نہیں ہے

شیر افگن۔ مہر النساء کو کھٹکا ہے اور یہ بات میں نے آزمائی ہے کہ جو کھٹک اسے پیدا ہو جاتی ہے وہ ضرور ہو کر رہتی ہے۔

عنایت بیگ کے چہرے کا رنگ مہر النساء کا نام سن کر کچھ پھیکا پڑ گیا انھوں نے بہ جبر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "آپ نے بھی کیا بات کہی۔ عورتیں کمزور طبیعت کی ہوتی ہیں۔ ہر معاملے کے تاریک پہلو کو دیکھتی ہیں روشن کو نہیں اس لئے ان کے دل میں وہم کا مادہ زیادہ بڑھ جاتا ہے آپ فکر نہ کریں۔"

شیر افگن۔ میں نے فکر کیا ہی نہیں۔ فکر انسان کا گوشت کھا جاتا ہے لیکن کہتا ہوں کہ مہر النساء کچھ کھٹک گئی ہے اس نے مجھے وہاں جانے کو زبانی تو منع کیا ہی لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ مجھے روک لینا چاہتی تھی مگر میں چلا ہی آیا۔

عنایت بیگ۔ آپ کو مہر النساء سے اور مہر النساء کو آپ سے بہت زیادہ محبت ہے اور از دیاد محبت میں ایسی ہی باتیں ہوا کرتی ہیں اپنے ملازموں سے احتیاطاً کسی کو ساتھ لے چلیئے۔

شیر افگن۔ میں نے سرفراز خاں کو کہہ دیا ہے وہ ساتھ چلے گا۔

عنایت بیگ۔ بس تو چلیئے۔ یا اگر مہر النساء کے کہنے سے آپ کو بھی کوئی شک ہو گیا تو نہ جایئے۔

شیر افگن۔ مجھے کیا شک ہوتا چلو۔

دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ سرفراز خاں بھی گھوڑے پر سوار ہو کر آ گئے۔ تینوں چلے۔ چلتے چلتے راستہ میں شیر افگن نے کہا "میں نے ایک غلطی بڑی زبردست کی۔"

عنایت بیگ نے پوچھا "کیا؟"

شیر افگن۔ "استخارہ نہ کر لیا۔"

عنایت بیگ۔ "ہاں استخارہ کر لیتے تو اچھا تھا۔ آپ کو اطمینان ہو جاتا۔ اب کر لیجئے۔"

شیر افگن۔ بس اب کیا کرنے۔ چلئے چلو۔

قطب الدین شہر سے باہر ایک پر فضا میدان میں مقیم تھے ان کے ساتھ کافی فوج تھی دور تک، خیمے نصب تھے گویا خیموں کا شہر آباد ہو گیا تھا۔

شیر افگن اور عنایت بیگ مع سرفراز خاں کے بردوان سے نکلے اور قطب الدین کے کیمپ کی طرف بڑھے کیمپ کے چاروں طرف فوجیوں کا پہرہ تھا۔ قطب الدین کا خیمہ لشکر کے بیچ میں تھا جب یہ لوگ پہرے داروں کے قریب پہنچے تو انہوں نے فوجی قاعدے سے انہیں سلام کیا۔

شیر افگن کو اکثر سپاہی جانتے تھے انہوں نے انہیں پہچان لیا۔ انہیں لشکر گاہ میں داخل ہونے کے لئے راستہ دے دیا۔ یہ فوجی قانون تھا کہ بغیر سپہ سالار کی اجازت کے کوئی شخص لشکر گاہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن شیر افگن جاگیر دار تھے بنگالہ کے حاکم اعلیٰ تھے اس لئے ان کے لئے اجازت کی ضرورت نہ تھی۔

شیر افگن لشکر میں داخل ہو کر جب قطب الدین کے خیمہ کے قریب پہنچے

ملاقات بھی نہ کریں گے حالانکہ ہمیں آپ سے ملنا ضرور تھا۔

شیر افگن - میں ٹل نہ جاتا تو آپ سے ضرور ملاقات کرتا۔

قطب الدین - اور شاید وہ ملاقات دوستانہ نہ ہوتی -

شیر افگن نے حیرت سے قطب الدین کی طرف دیکھا اور کہا، دوستانہ کیوں نہ ہوتی - "

قطب الدین۔ تب شاید آپ اور فوجیں جمع کر کے ہمارا استقبال کرتے

شیر افگن - اس کی کیا ضرورت تھی -

قطب الدین - آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے متعلق دربار میں کیا اطلاعیں پہنچ رہی ہیں -

شیر افگن - نہیں -

قطب الدین - آپ کی یہ شکایت ہو گئی ہے کہ آپ بغاوت پر آمادہ ہیں

شیر افگن، ہر انسان کے دوست بھی ہوتے ہیں اور دشمن بھی۔ میرے بھی دشمن ہیں - ان دشمنوں نے یہ بات مشہور کی ہے -

قطب الدین - یہ ہو سکتا ہے لیکن یہ بتایئے کہ آپ نے اپنی فوج میں اضافہ نہیں کیا ہے ؟

شیر افگن - ہاں میں نے کچھ فوج بڑھالی ہے -

قطب الدین - کیا آپ نے صوبیدار سے یا دربار سے فوج بڑھانے کی اجازت حاصل کی تھی -

شیر افگن - نہیں - میں نے اجازت حاصل نہیں کی البتہ سوچ رہا تھا کہ اب اجازت منگا لوں -

قطب الدین - حالانکہ تمہیں قانون کے مطابق پہلے ہی اجازت

انی چاہیئے تھی۔

شیر افگن۔ یہ ٹھیک ہے یہ مجھ سے غلطی ہوئی۔

قطب الدین۔ دیکھئے آپ سے یہ دو غلطیاں ہوئیں ایک ہمارے پاس
نے کی دوسری بلا اجازت فوج میں اضافہ کرنے کی۔ اچھا اب یہ
یئے آپ نے فوج میں اضافہ کیوں کیا۔

شیر افگن۔ اس لئے کہ شہنشاہ کو جب فوج کی ضرورت ہو تو زیادہ
زیادہ پیش کر سکوں۔

قطب الدین۔ اور مہاجنوں سے یہ جبر روپیہ کیوں وصول کیا۔

شیر افگن۔ فوج کے لئے روپے کی ضرورت تھی روپیہ مہاجنوں
پاس تھا اس لئے ان سے ہی لینا پڑا۔

قطب الدین۔ کیا آپ تاج مغلیہ کے وفادار ہیں۔

شیر افگن۔ بالکل۔

قطب الدین۔ اور شہنشاہ جہانگیر کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔

شیر افگن۔ یقیناً۔

قطب الدین۔ لیکن ثبوت

شیر افگن۔ میرا امتحان لے لیجئے۔

قطب الدین۔ ٹھیک ہے۔

قطب الدین نے ان سپاہیوں کو جو خیمے کے اندر تھے اشارہ کیا وہ بڑھے
افگن سمجھ گئے کہ انھیں گرفتار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے انہیں غصہ
وہ تلوار سونت کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کرخت لہجہ میں کہا۔
ا باز۔۔۔"

قطب الدین نہتے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"دوست غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو یہ تمہاری صداقت کا امتحان ہے"

لیکن شیر افگن کو غصہ آچکا تھا۔ طیش و غضب نے ان کی عقل پہ پردہ ڈال دیا تھا۔ ان کے دل و دماغ میں یہ بات بس گئی تھی کہ قطب الدین نے دھوکہ سے انہیں اس لیئے بلایا تاکہ گرفتار کریں۔ انہوں نے قطب الدین کی بات نہ سنی۔ فوراً آگے بڑھ کر تلوار کی نوک قطب الدین کے پیٹ میں گھونپ دی۔ ان کی انتڑیاں باہر نکل آئیں وہ گر پڑے۔

یہ کیفیت دیکھ کر شاہی سپاہیوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ایک کشمیری سپاہی نے آگے بڑھ کر شیر افگن پہ تلوار کا وار کیا وہ بھی مجروح ہو کر گرے اور سپاہیوں نے تلواروں سے شیر افگن کا قیمہ کر ڈالا۔ قطب الدین اور شیر افگن دونوں حالتِ بے ہوشی میں فوت ہو گئے۔

افسوس ہے دونوں غلط فہمی کا شکار ہو گئے[1]

چھبیسواں باب (۲۶)

اصل واقعہ

قطب الدین اور شیر افگن دونوں سے غلطی اور غلط فہمی ہوئی ——

قطب الدین شہنشاہ جہانگیر سے یہی یہ کہہ کر آئے تھے کہ وہ شیر افگن کو حراست میں لینے کی کوشش کریں گے اگر وہ وفادار ہیں تو انہیں اس میں

[1] از تاریخ جہانگیر۔ مصنفہ ڈاکٹر بینی پرشاد صاحب صفحہ ۱۸۶

اعتراض نہ ہوگا اور اس طرح ان کا امتحان ہو جائے گا۔

قطب الدین کا خیال تھا کہ شیر افگن ان سے واقف ہیں وہ جب بنگالہ پہنچیں گے تو انہیں خوشی ہوگی لیکن وہ بنگالہ پہنچ گیا بردوان میں بھی پہنچ گیا اور اس وقت بھی شیر افگن ان سے ملنے نہ آئے تب انھیں شک ہوا وہ تمردی اور سرکشی پر آمادہ ہیں پھر بھی انہوں نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے شیر افگن کو مشتعل ہو کر بغاوت کرنے کا بہانہ مل جاتا۔ دراصل قطب الدین نیک آدمی تھے انہوں نے یہی چاہا کہ شیر افگن کو تنبیہ و تادیب کر کے سرکشی سے باز رکھیں گے۔

شیر افگن کچھ تو اپنے مشیروں کے بہکانے سے کچھ اپنی کاہلی کے سبب موقع کو چوک گئے وہ نہ تو قطب الدین کا استقبال کر سکے نہ ان سے ملنے گئے انہوں نے اپنے طرز عمل سے قطب الدین کے شک و شبہہ کو بڑھا دیا اور جب قطب الدین نے ان کی وفاداری کا امتحان لینے کے لئے انھیں حراست میں لینے کی کوشش کی تو شیر افگن بھڑک اٹھے انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ تلوار نکالی ایک نہتے شخص کے پیٹ میں گھونپ دی۔ شاہی سپاہیوں نے مشتعل ہو کر شیر افگن کا خاتمہ کر دیا اگر شیر افگن بیجا غصہ میں آ کر پہلے خود حملہ نہ کرتے خاموش بیٹھے رہتے تو ان کی وفاداری کا امتحان ہو جاتا اور وہ خلعت دے کر رخصت کر دیئے جاتے۔ قطب الدین اور شیر افگن کے مارے جانے کا یہ واقعہ وجہ یہ ہے کہ دونوں غلط فہمی کا شکار ہو گئے یہ واقعہ متعدد تاریخوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے جس طرح ہم نے بیان کیا۔ ان تاریخوں کے مصنفوں نے بھی لکھا ہے کہ دونوں غلط فہمی کے باعث مارے گئے لیکن ایک تاریخ مآثر المتاخرین ہے اس کا مصنف نہایت متعصب اور غیر محتاط شخص ہے

اس نے اکثر واقعات یا تو غلط لکھے ہیں یا ان میں رنگ آمیزی کر کے انہیں مسخ کر دیا ہے اسی واقعہ کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ — "شیر افگن خاں بردوان کا جاگیردار تھا وہ قطب الدین کے استقبال کو آیا۔ قطب الدین نے اول کنایتاً اور پھر صراحتاً یہ کہا کہ وہ مہر النساء کو طلاق دے دے کیونکہ جہانگیر اس سے عقد کرنا چاہتے تھے۔ شیر افگن کو غیرت آئی انہوں نے تلوار نکال کر قطب الدین کا کام تمام کر دیا مگر وہاں قطب الدین کے آدمی ان پر ہجوم کر گیا انہوں نے شجاعت ذاتی سے دو چار کو تہ تیغ کیا خود بھی مجروح ہوئے اور گھر کی راہ لی تاکہ مکان پر پہنچ کر مہر النساء کو قتل کر ڈالیں۔ مہر النساء بڑی علامہ تھی جان گئی دروازہ بند کرا دیا ادھر سے قطب الدین کے آدمیوں نے آکر شیر افگن کو عدم کی راہ دکھائی۔"

یہ تمام باتیں سر تا پا جھوٹ ہیں اس کے متعلق کہ جہانگیر نے قطب الدین کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ شیر افگن سے مہر النساء کو طلاق دلائیں انشاء اللہ ہم آئندہ مفصل تبصرہ کریں گے یہاں ہمیں صرف اس بات پر بحث کرنا ہے کہ شیر افگن کا قطب الدین کو قتل کر کے مہر النساء کو قتل کرنے کے لئے اپنے گھر تک آنے کا واقعہ کہاں تک صحیح یا غلط ہے۔

ہر واقعہ روایت یا درایت کی بنا پر صحیح مانا جاتا ہے روایت کے متعلق تو یہ بات ہے کہ کسی معتبر تاریخ میں یہ نہیں لکھا کہ شیر افگن قطب الدین کو قتل کر کے گھر تک پہنچ گئے مسلموں اور غیر مسلموں دونوں کی تاریخیں موجود ہیں ان میں سے ایک میں بھی یہ بات نہیں لکھی ہے۔ ڈاکٹر بینی پرشاد نے تاریخ جہانگیر میں صرف اسی قدر لکھا ہے کہ — "شیر افگن نے قطب الدین کے اس بات پر شرم غیرت دلانے پر کہ جس جہانگیر نے انھیں جاگیر عطا کی تھیں

خلاف وہ علم بغاوت بلند کرنا چاہتے ہیں غصہ میں آکر قطب الدین کو تلوار
ے قتل کردیا۔ قطب الدین کے آدمیوں نے شیر افگن کو مار ڈالا۔

ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے اپنی تاریخ "تاریخ ہندوستان کے صفحہ
۲ پر لکھا ہے کہ "جب جہانگیر بادشاہ ہوا تو اس نے شیر افگن پر سلطنت
ے خلاف سازش کرنے کا الزام لگایا قطب الدین کو اسے گرفتار کرنے
لئے بھیجا۔ قطب الدین کو شیر افگن سے لڑنا پڑا۔ دونوں لڑائی میں
ے گئے۔

مسلمان مورخوں نے عام طور پر صرف اس قدر لکھا ہے کہ "جب شیر افگن
علم بغاوت بلند کرنے کی خبریں پیہم دربار میں پہنچیں تب جہانگیر نے قطب الدین
مامور کرکے حکم دیا کہ اگر یہ بات غلط ہو تو شیر افگن کو خلعت دے کر واپس
ے آنا۔ صحیح ہو تو اسے گرفتار کر لانا۔ قطب الدین کو بنگالہ پہنچ کر معلوم ہوا
واقعہ صحیح ہے شیر افگن بغاوت پر آمادہ ہے انہوں نے شیر افگن کو سمجھایا
وران گفتگو میں باتیں تیز تیز ہونے لگیں۔ شیر افگن نے مشتعل ہو کر قطب الدین
ملہ کرکے انہیں قتل کر ڈالا۔ قطب الدین کے آدمیوں نے شیر افگن کے
ٹے ٹکڑے اڑا دیئے۔

یہ تو ہیں روائتیں یعنی تاریخی بیانات اب درآیت کی کسوٹی پہ
ے واقعہ کو پرکھیئے۔ سیر المتاخرین کے مصنف نے بھی اس بات کو تسلیم
ہے کہ شیر افگن قطب الدین کی ملاقات کو گیا۔ یہ ملاقات قطب الدین کی
شکرگاہ میں ہوئی یہ ظاہر ہے کہ قطب الدین کے ساتھ کافی لشکر تھا۔
افگن نے یہ خیال کرکے وہ حراست میں لئے جارہے ہیں دفعتاً قطب الدین
ملہ کر دیا۔ یہ حملہ ایسا اچانک ہوا کہ اتنے لوگ اس کی نوعیت کو سمجھیں

اتنے میں شیر افگن نے قطب الدین کے پیٹ میں تلوار گھونپ بھی دی۔ فور
ہی قطب الدین کے آدمی شیر افگن پر پل پڑے۔ اور انہیں اسی جگہ ٹکڑے
ٹکڑے کر ڈالا۔

شیر افگن اس وقت تنہا تھے کیونکہ سیر المتاخرین میں یہ نہیں لکھا
وہ اپنے ساتھ کچھ آدمی لے کر گئے تھے اگر آدمی لے کر جاتے تو ضرور جنگ
ہوتی مگر تاریخ مذکور میں جنگ کا ذکر نہیں ہے اب جب کہ قطب الدین کے
لشکریوں کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ شیر افگن نے انہیں یعنی قطب الدین
کو قتل کر دیا ہے تو دو ہی باتیں ممکن تھیں یا تو وہ ڈر کر بھاگ جاتے یا
شیر افگن کو قتل کر ڈالتے۔ سیر المتاخرین میں یہ نہیں لکھا کہ وہ بھاگ گئے
اس سے معلوم ہوا کہ وہ ڈٹے رہے اب یہ کیسے ممکن ہے کہ ہزاروں
آدمیوں کی موجودگی میں ایسی حالت میں جب کہ قطب الدین احما
کے قتل ہونے کی وجہ سے سپاہیوں کو اشتعال پیدا ہو گیا تھا شیر افگن
وہاں سے بچ کر نکل جاتے اور گھر تک چلے جاتے پھر یہ کہ قطب الدین کے
سپاہیوں کو اس وقت جوش آتا جب شیر افگن اپنے گھر پہنچ جاتے
اس وقت وہ غضبناک ہو کر شیر افگن کے تعاقب میں جاتے اور ان کے
گھر پہنچ کر انہیں قتل کرتے کیا وہاں شیر افگن کے آدمی نہ تھے کیا وہ
شاہی سپاہیوں کا مقابلہ نہ کرتے۔ کیا عظیم خون ریزی نہ ہوتی۔ یقیناً
طرفین کے بہت سے آدمی مارے جاتے لیکن سیر المتاخرین میں کسی ایک
آدمی کے بھی نکسیر تک پھوٹنے کا ذکر نہیں اس سے ثابت ہوا کہ شیر افگن
کا اتنے بڑے لشکر میں سے سپہ سالار کو قتل کر کے دن میں سارے لشکر
کے سامنے مجروح ہو کر بھاگ نکلنا ناممکن تھا۔ یہ روایت قطعی غلط اور

من گھڑت ہے۔ اس روایت کو افسانہ بنانے کے لئے دماغی اختراع سے کام لیا گیا ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر یہ واقعہ بالکل ہی غلط ثابت ہو جاتا ہے یعنی شیر افگن کا مکان پر پہنچنا اور مہر النساء کا دروازہ بند کرا دینا۔ مہر النساء کو بالکل بھی معلوم نہ تھا کہ قطب الدین اور شیر افگن میں کیا باتیں ہوئیں وہاں کیا واقعہ ہوا یہ بھی حقیقت ہے کہ شیر افگن کو مہر النساء سے اور مہر النساء کو شیر افگن سے بڑی محبت تھی دونوں کی محبتوں کا تذکرہ تاریخوں میں عام طور پر لکھا ہوا ہے۔ بیشتر تاریخوں میں بھی یہ نہیں لکھا کہ ان دونوں میں محبت نہ تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس تاریخ کے مصنف کو بھی یہ اعتراف ہے کہ ان دونوں میں محبت تھی اگر یہ بھی تسلیم کر لو کہ ان دونوں میں محبت بھی نہ تھی پھر بھی وہ میاں بیوی تو تھے۔ بیوی کو معلوم ہوا کہ میاں زخمی ہیں اس نے جھٹ دروازہ بند کرا دیا یہ بھی نہ پوچھا آپ کیسے زخمی ہوئے، کیا واقعہ ہوا۔ کیا عام طور پر ایسا ہوتا ہے۔ عورت کو اپنے خاوند سے خواہ کتنی بھی شکایتیں ہوں، کتنی بھی خفا ہو۔ مرد کتنی بھی اس پر سختیاں کرتا ہو مگر جب وہ سنتی ہے کہ اس کے شوہر کو کسی نے زخمی کر دیا تو وہ بےچین ہو جاتی ہے۔ شوہر کی طرف دوڑتی ہے اس وقت اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔ وہ زندگی کو موت پر ترجیح دیتی ہے میاں کے پاس پہنچنے کی کوشش کرتی ہے چاہے اسے کتنا بھی اپنی جان کا خطرہ ہو۔

پھر مہر النساء کو تو کوئی خطرہ بھی نہ تھا نہ اسے یہ الہام ہوا تھا کہ شیر افگن اسے قتل کرنے کے لئے آ رہے ہیں نہ کسی اور کو یہ بات معلوم تھی نہ قطب الدین اور شیر افگن کے واقعہ کو چند گھنٹے ہوئے تھے جس بات کو شہرت ہو جاتی اور مہر النساء کو ہوشیار ہو جاتی اور دروازہ بند کرا لیتی۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ شیر افگن مجروح ہو کر گھر تک گئے اور مہر النساء نے گھر کا دروازہ بند کرا لیا اور پیچھے سے قطب الدین کے آدمیوں نے آ کر شیر افگن کو مار ڈالا۔

سیر المتاخرین کے مصنف نے یہ واقعہ بالکل غلط لکھا ہے اب رہی یہ بات کہ اس نے غلط کیوں لکھا اس کا جواب آئندہ ابواب میں مل جائے گا جب اس تمام واقعہ پر تمام تبصرہ ہو گا۔

تعجب یہ ہے کہ یہی مصنف مہر النساء کا مداح بھی ہے لیکن اس نے مہر النساء پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ اس نے اپنے شوہر کی پرواہ نہیں کی۔ کیا ایسی عورت تعریف کے قابل ہو سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ الزام ہی غلط ہے صحیح یہی ہے کہ شیر افگن نہ قطب الدین کے لشکر گاہ سے بھاگ سکے نہ گھر تک آئے انہیں موقع ہی نہ ملا جو نہی انہوں نے قطب الدین کو قتل کیا۔ قطب الدین کے آدمیوں نے غضبناک ہو کر انہیں اسی جگہ مار ڈالا۔ واقعہ صرف اتنا ہی ہے۔

ستائیسواں باب (۲۷)

نشترِ غم

مہر النساء ہولیں کھا رہی تھی۔ اس سے پہلے بھی اکثر شیر افگن راجہ مان سنگھ کے پاس دربار میں اور دوسری جگہ جایا کرتے تھے لیکن مہر النساء کو کبھی اتنا فکر نہیں ہوتا تھا جتنا آج ہو رہا تھا اس کا دل رہ رہ کر بیٹھا جاتا تھا وہ اپنا دل بہلانے کی کوشش کر رہی تھی کبھی باغیچہ میں چلی

جاتی - روشوں پر پھرتی - پھولوں کے کنجوں میں گھس جاتی پھولوں کو توڑ کر سونگھتی - کبھی کمرہ میں چلی آتی لیکن نہ اس کا دل کمرہ میں لگتا نہ باغیچہ میں.

اب اس کے وہ دن تو رہے نہیں تھے جب اچھلتی کودتی جھپٹتی دوڑتی پھرا کرتی تھی - اس کے ایک لڑکی پیدا ہو چکی تھی جب سے لڑکی پیدا ہوئی تھی اس وقت سے اس کی اچھل کود اور بھاگ دوڑ بند ہو گئی تھی اس طرح کہ دیکھنے والوں کے دل مسل جاتے تھے -

اسے اپنی بچی سے بڑی محبت تھی اس نے چاہا تھا کہ وہ اپنی بچی کو اپنا دودھ پلائے لیکن یہ بات معیوب سمجھی جاتی تھی کہ کوئی امیرزادی خود دودھ پلائے - دودھ پلانے والی ملازم رکھی جاتی تھی اس لئے وہ دودھ نہ پلا سکی دودھ پلانے والی نوکر رکھی - اب بھی یہ دستور ہے کہ امیروں اور رئیسوں کے بچوں کو دوسری عورتیں ہی دودھ پلاتی ہیں لیکن اب وہ عورتیں دودھ پلانے کے لئے نوکر رکھی جاتی ہیں جو پست طبقہ سے ادنیٰ خیالات رکھنے والی ہوتی ہیں - چونکہ دودھ کا اثر بچہ پر پڑتا ہے اس لئے امیروں کے اکثر بچے پست خیال ، کم ہمت - بزدل اور کم عقل ہوتے ہیں - پہلے اچھے طبقے کی بلند خیال عورتوں کو ملازم رکھا جاتا تھا - اس لئے امیروں کے بچے بلند حوصلہ ، باہمت بہادر اور عقلمند ہوتے تھے - آپ امتحان کر لیجئے دودھ کا اثر ضرور ہوتا ہے ایک بچہ کو آپ بھینس کا دودھ پلائیے اور ایک کو گائے کا - جب بچہ کچھ بڑا ہو چلے گا تو وہ بیمار ہو جائے گا ، بیمار نہ ہوگا تو بیماروں کا جیسا بن جائے گا اس لئے جو لوگ اپنے بچوں کو دوسری عورتوں کا دودھ پلواتے ہیں انہیں چاہیئے کہ نیک ، تندرست ، باحوصلہ ذہین اور اچھے خاندان کی عورتوں کا دودھ پلوائیں تاکہ بچے بڑے ہو کر اولوالعزم اور بہادر ہوں -

مہرالنساء نے اپنی بچی کو طلب کیا۔ انّا نے لاکر اس کی گود میں دے دیا۔ اس نے اسے سینہ سے لگایا۔ خوب بھینچا۔ اچھی طرح پیار کیا۔ بچی ہنسنے لگی۔ مہرالنساء بچی کو ہنستے ہوئے دیکھ کر خوش ہو جایا کرتی تھی اس کا رواں رواں کھل جاتا تھا لیکن اس وقت اس کا دل خوش نہ ہوا بلکہ خلاف معمول وہ کچھ رنجیدہ ہو گئی تھوڑی دیر اس نے اسے کھلایا لیکن جب اس کی طبیعت اس سے بھی نہ بہلی تو اس نے اسے انّا کو دے دیا۔ انّا بچی کو لے کر چلی گئی۔

مہرالنساء کا دل ایسا بےچین تھا کہ کسی پہلو قرار ہی نہ آتا تھا۔ وہ اٹھی اور اٹھ کر ملبوسات خانہ میں گھسی برابر برابر کئی کمرے تھے جس میں پوشاکیں رکھی رہتی تھیں ان میں سے چار کمرے تو مہرالنساء کے کپڑوں کے لیے مخصوص تھے۔ کچھ کپڑے تو آئینہ کی قد آدم الماریوں میں ترتیب سے تہے ہوئے تھے باقی بڑے بڑے صندوقوں میں تہہ کیے ہوئے رکھے تھے اس کا ہر لباس بیش قیمت اور عمدہ تھا۔

دو کمروں میں شیر افگن کی پوشاکیں رکھی رہتی تھیں بڑے بڑے صندوقوں میں تو وہ خلعت رکھے تھے جو شہنشاہ اکبر اور جہانگیر نے انھیں دیئے تھے اور آئینہ کی الماریوں میں روزمرہ کے پہننے ہوئے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے الماریوں کے اِدھر اُدھر جنگی ہتھیار سجے ہوئے تھے۔ کہیں ڈھالیں لٹک رہی تھیں تو کہیں تلواریں کہیں خنجر تھے تو کہیں کمانیں۔ کہیں کھانڈے تھے تو کہیں تیر کہیں پیش قبض تھے تو کہیں قرولیاں کہیں گرز تھے تو کہیں ترکش غرض ہر چیز اپنی اپنی جگہ قرینہ سے تھی۔

نہ معلوم مہرالنساء کو کیا خیال ہوا کہ اس نے ایک الماری کو کھولا اس میں سے ایک جوڑا شیر افگن کا نکالا اسے سونگھا۔ آنکھوں سے لگایا سینہ

ے ملایا۔ آنکھیں بند کر کے کہا۔ "پروردگار عالم! جس سے مجھے محبت ہے
سے زندہ اور خوش و خرم رکھ مجھے رنجیدہ نہ کیجو میرے دل میں غم برداشت
کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔

اس نے جوڑا اسی جگہ رکھ دیا جہاں سے اٹھایا تھا ان کمروں کے قریب
سنگھار خانہ تھا وہ سنگھار خانہ میں آئی یہاں چاروں طرف چار قد آدم
لمبی آئینے لگے ہوئے تھے کئی صوفے اور آرام دہ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں ادھر
قالینوں کا فرش تھا جو اس قدر دبیز اور ملائم تھے کہ پیر دھنس جاتے تھے
سنگھار خانہ مختلف چیزوں سے سجا ہوا تھا مہرالنساء یہیں پوشاک بدلا
کرتی تھی۔ سنگھار کیا کرتی تھی۔ جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی چاروں طرف
آئینوں میں اس کا عکس پڑا۔ ایک کی پانچ مہرالنساء بن گئیں ایک وہ خود
تھی چار چار وں آئینوں میں اس کے عکس تھے۔

وہ نہایت شکیل اور بڑی خوبصورت تھی اس کے رخسار گلاب کے
پھول کی طرح گلابی تھے۔ بڑی بڑی رسیلی آنکھوں میں تیز چمک رہتی
تھی دونوں آنکھیں عشق کی دو کھڑکیاں معلوم ہوتی تھیں اس کے جلوۂ حسن
سے سنگھار خانہ منور ہو گیا پہلے جب وہ اس کمرے میں آتی تھی تو دیر تک
رہتی تھی لیکن اس وقت زیادہ نہ ٹھہر سکی الٹے پیروں ہی نکل آئی۔

وہ نشست گاہ کے کمرے میں آ کر صوفہ پر بیٹھ گئی۔ شیر افگن کی واپسی
کا انتظار کرنے لگی دفعتہً اس نے کسی کے رونے کی آواز سنی اس کا کلیجہ ہل
گیا اس کے قصر میں جب سے وہ آئی تھی آج تک بھی کوئی نہ رویا تھا اس
کی خادماؤں اور کنیزوں میں کوئی بھی ایسی نہ تھی جسے ذرا بھی رنج و ملال ہوتا
اس کا قصر عشرت خانہ تھا وہاں ہر وقت چہل۔ ہنسی اور مذاق ہوتا رہتا

تھا۔ کنیزیں آپس میں ایک دوسرے کو چھیڑتیں، ہنستیں سریلے قہقہے لگاتیں خود بھی ہنستیں اور دوسروں کو بھی ہنساتی رہتی تھیں۔

خلاف معمول آج کوئی رونے لگی تھی وہ روتی ہوئی آ رہی تھی مہرالنساء کا دل سہما جا رہا تھا۔ اسے رہ رہ کر حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کون ہے کیوں رو رہی ہے ابھی وہ اس معمہ کو حل کرنے ہی کی کوشش کر رہی تھی کہ دفعتہً شور فریاد کی آوازیں بلند ہوئیں تمام قصر نالہ و شیون کی دردناک آواز ول سے گونج اٹھا۔

مہرالنساء کے کلیجے میں پنکھے لگ گئے دل بلیوں اچھلنے لگا چہرہ شہابی رنگ اڑ کر سفیدی غالب آگئی ہوش ربا آنکھوں سے حسرت ٹپکنے لگی اس وقت نہ معلوم کیوں اس کا جی چاہنے لگا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے۔ ایسی جگہ جہاں ماتم و فریاد کی آوازیں اس کے کانوں میں نہ پہنچیں۔

لیکن رونے کی آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے رونے والیاں قریب آتی جا رہی ہیں۔ مہرالنساء نے اپنے دل کو مضبوط کیا وہ غمناک خبر سننے کو تیار ہو گئی۔ اٹھی۔ اٹھتے ہوئے اس کا دماغ گھومنے لگا آج یہ پہلا موقع تھا کہ اس کی ایسی حالت ہوئی اسے تعجب ہوا اس نے اپنی طبیعت کو سنبھالا اور کمرے سے باہر نکلی دیکھا تو چند کنیزیں کمرے سے ذرا فاصلہ پہ کھڑی رو رہی ہیں خود بخود اس کا دل بھی ان کے ساتھ مل کر رونے کو چاہا لیکن اس نے اپنی امنڈتی ہوئی طبیعت کو روکا اور بھرائی ہوئی آواز سے پوچھا۔۔۔ "کیا ہوا۔۔ تم کیوں رو رہی ہو؟"

کنیزوں نے اسے دیکھ لیا وہ صرف اس کی فرماں بردار ہی نہ تھیں بلکہ اس سے محبت بھی کرتی تھیں، اس کا بڑا ادب و احترام کرتی تھیں اس کی آواز پر دوڑتی لیکن خلاف معمول اس وقت کنیزوں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ روتی رہیں۔ ہچکیاں لے لے کر زار و قطار کچھ کنیزیں دھاڑیں مار کر رو رہی تھیں۔ انا بچی کو سینے سے چمٹائے آنسو بہا رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ بچی کو چوم لیتی تھی۔ مہر النساء کو غم و فکر تو ہو ہی گئے تھے اب حیران ہوئی۔

اس نے پھر پوچھا۔ "کیا ہوا۔ آخر تم کیوں رو رہی ہو۔"

ایک کنیز نے کہا۔ "آہ ہم برباد ہو گئیں۔ ہمارے سینوں پر نشتر غم چل گیا۔"

مہر النساء کو اب بھی کچھ معلوم نہ ہوا لیکن انھیں روتے ہوئے دیکھ کر اس کا دل بیٹھا جاتا تھا۔ اس نے انا کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا۔ "یہ تم سب کیوں رو رہی ہو۔؟"

یہ سنتے ہی انا کی ہچکی بندھ گئی اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن نہ کہہ سکی۔ آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ اس نے بچی کو سینہ سے چمٹا لیا اور ایسے درد سے روئی کہ مہر النساء کا کلیجہ کھڑا ہو گیا۔

مہر النساء چاہتی تھی کہ ان کے رونے کا سبب معلوم ہو جائے لیکن کسی کی زبان سے کچھ نکلتا ہی نہ تھا مہر النساء کی پریشانی اور غم بڑھتا جاتا تھا آنکھوں سے بڑھ کر اس کے سارے چہرہ پر حسرت برسنے لگی تھی اس نے کنیزوں سے کہا۔ "کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میری پریشانی بڑھتی جائے خدا کے لئے بتاؤ تم کیوں رو رہی ہو۔"

ایک کنیز نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "حضور کس زبان سے بتائیں

بتانا چاہتے ہیں لیکن زبان نہیں کھلتی۔

مہرالنساء۔ لیکن میرا غم بڑھتا جاتا ہے"

انا نے کہا۔ "حضور یہ گھر برباد ہو گیا۔

مہرالنساء کے کلیجہ پر گھونسا سا لگا۔ اس نے کہا۔ "کیا برق غم ہمارے

قصر پر گری ہے۔

انا۔ ہاں۔

مہرالنساء۔ خدا کے لئے کہو کیا ہوا۔

انا۔ سنا ہے ہمارے آقا قتل کر دیئے گئے۔

یہ سنتے ہی مہرالنساء کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ سکتہ سا ہو گیا ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اس کے جسم کا تمام خون سونت لیا گیا ہو اس نے ایک دلدوز آہ کی اور بیہوش ہو کر گری کنیزوں نے جلدی سے دوڑ کر اٹھایا اور مسہری پر لے جا کر لٹا دیا اس کی بیہوشی سے کنیزوں کا غم اور بڑھ گیا وہ اور بھی بلک بلک کر رونے لگیں کچھ وقفہ کے بعد انہوں نے مہرالنساء کو ہوش میں لانے کی کوشش شروع کی۔

اٹھائیسواں باب

غمزدہ حسینہ

مہرالنساء پر کچھ ایسا بیہوشی کا غلبہ ہوا تھا کہ باوجود کنیزوں کی کوشش کے اسے ہوش نہ آتا تھا اس کی سفید رنگت میں کچھ زردی جھلکنے لگی تھی

سانس کی آمد و رفت اس قدر خفیف تھی کہ محسوس نہ ہوتی خواصوں کو خوف ہوا کہ کہیں وہ مر نہ گئی ہو یا مری نہ ہو اب نہ مر جائے انھوں نے کئی طبیبوں کو جو ہوشیار تھے بلوایا۔ طبیبوں نے علاج شروع کیا۔ آدھی رات کے بعد اسے ہوش ہوا۔ اس طویل عرصہ کی بیہوشی نے اسے بہت کمزور اور مضمحل کر دیا تھا اس نے بولنا چاہا لیکن ضعف کی وجہ سے بول نہ سکی طبیبوں نے کنیزوں کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ ہوش آنے پر نہ اس سے باتیں کی جائیں نہ اسے بولنے دیا جائے چنانچہ کنیزوں نے بھی اسے خاموش پڑے رہنے دیا تھا وہ چپ پڑی ہوئی چھت کی طرف دیکھتی رہی اگرچہ اسے ہوش آ گیا تھا لیکن اس کے حواس بجا نہیں ہوئے تھے۔

صبح ہوتے اس کے جسم میں کچھ قوت آئی حواس ٹھیک ہوئے اور اسے اپنی حالت کا احساس ہوا۔ مگر اب بھی اسے یہ بات یاد نہیں آئی کہ اس پر یہ کیفیت کس صدمہ کی وجہ سے ہوئی تھی چنانچہ اس نے ان کنیزوں سے جو اس وقت اس کی تیمارداری کر رہی تھیں پوچھا "مجھے کیا ہو گیا تھا"

کنیزیں جانتی تھیں کہ اگر اس بات کا صحیح جواب دیا تو مہرالنساء پر پھر بیہوشی کا غلبہ ہو جائے گا۔ انھوں نے کہا۔ "تم بیٹھے بیٹھے بیہوش ہو گئی تھیں۔ شاید گرمی کی وجہ سے ہو۔"

مہرالنساء کی یادداشت خراب ہو گئی تھی۔ صدمہ کا اثر دماغ تک پہنچا تھا وہ یاد کرتی تھی کہ کس وقت اور کس طرح وہ بیہوش ہوئی تھی لیکن اسے یاد نہ آتا تھا۔ یہ اچھا ہی تھا کہ اس کا حافظہ معطل ہو گیا تھا مگر وہ اپنے دماغ پر زور دے رہی تھی اپنے حافظہ کو تازہ کرنا چاہتی تھی۔

اس وقت سورج نکل آیا تھا اور اس کی سنہری کرنیں درختوں کی

چوٹیوں اور عمارتوں کی بلندیوں پر پھیلنے لگی تھیں لوگ اپنے کاروبار میں مشغو ہونے لگے تھے۔ شیر افگن مارے گئے تھے۔ لیکن ان کی کمی کی وجہ سے بردوان بازاروں کی رونق اور گھروں کی چہل پہل میں کوئی فرق نہ آیا تھا البتہ شیر اف کے گھر کی رونق اداسی سے بدل گئی تھی وہاں موت کا سا سکوت اور خموشاں کی سی ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ صرف ایک شخص کے نہ ہونے کی سے عشرت خانہ غم خانہ بن گیا تھا۔

طبیبوں کے مشورہ سے مہر النساء کو کچھ مفرحات دیئے گئے تھے ا چوزہ کی یخنی دی گئی تھی اس سے اس کی طبیعت بحال ہوگئی بدن میں طاقت آگئی۔ اس وقت انّا اس کی بچی کو لے کر اس کے پاس آگئی خدا کیا بات تھی بچی کو دیکھتے ہی اسے اپنی بیہوشی کا واقعہ یاد آگیا اس دماغ کی کھڑکیاں کھل گئیں حافظہ تازہ ہو گیا اس نے گہرا ٹھنڈا سانس ل اور کنیزوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے یاد آگیا۔ انا نے کہا تھا خدا نخو "وہ (شیر افگن) قتل کر دیئے گئے یہی بات تھی نہ۔"

طبیبوں نے کنیزوں کو ہدایت کر دی تھی کہ اس کے شوہر کے م خبر اس کے گوش گزار نہ کی جائے انا نے کہا "بات غلط نکلی"

مہر النساء کے چہرے پر رونق آگئی اس نے جلدی سے کہا۔ "خدا شکر ہے" اب اس نے اٹھنا چاہا لیکن کمزوری اتنی بڑھ گئی تھی کہ نہ سکی۔ انا نے کہا۔ "ابھی آپ آرام کریں۔"

مہر النساء نے دریافت کیا۔ "مگر وہ چلے کہاں گئے۔"

ایک کنیز نے جلدی سے کہا۔ "انہوں نے قطب الدین کی دعوت دعوت کے انتظام میں لگے ہوئے ہیں۔"

ہر النساء نے بہ جبر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے دھوکا
رہی ہو۔ میری حالت ایسا ہوا اور وہ مجھ سے الگ کام میں مصروف
یہ ناممکن ہے۔ صحیح بات بتادو اب میں سخت سے سخت غم برداشت
کو تیار ہوں۔"

سن کر کنیزیں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔ مہر النساء کو شک پیدا ہو گیا
پھر کہا "کہہ دو وہ قتل کر دیے گئے۔"

ک کنیز کی زبان سے بیساختہ نکل گیا "ہاں وہ قتل کر دیے گئے۔"

ہر النساء کے دل پر کوہ غم گر پڑا اس کے چہرے پر غم کے سیاہ بادل
لیکن یہ خیریت ہوئی کہ اب وہ بیہوش نہیں ہوئی۔ اس نے کہا۔ "خدایا
میل عطا فرما"

کہتے ہی اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ طبیعت نے اپنا علاج خود ہی
وہ رونے لگی۔ یہاں تک کہ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ کنیزوں
ڈر کر کہیں ہچکیاں آتے آتے ہی اس کا دم نہ نکل جائے اس لیے
اسے تسلی دینی شروع کی ایک نے کہا آپ شہید کربلا کا واقعہ یاد
حضرت شہربانو کے سامنے وہ شہید ہوئے اور انھوں نے دم نہ مارا
رضا رہیں۔

النساء۔ میں بھی راضی بہ رضا رہوں گی اگرچہ غم نے میرے دل و جگر
کر دیے ہیں لیکن سوائے صبر کے چارہ ہی کیا ہے کاش وہ میرا

شہید کربلا حضرت امام حسینؓ کا مفصل حال دیکھنا ہو تو ہمارا
معرکۂ کربلا دیکھیے۔

صادق صدیقی سردھنوی

کہا مان لیتے اور وہاں نہ جاتے۔

انا۔ کیسے نہ جاتے خدا کو تو یہی منظور تھا۔

اس وقت وہ دلالہ آ گئی جو عنایت بیگم کی طرف سے پہلے بھی دو دفعہ آچکی تھی اسے دیکھتے ہی مہرالنساء کو جوش اور غصہ آ گیا اس غصہ نے تھوڑی دیر کے لئے اس کے رنج کو بھلا دیا وہ دلالہ پر برسنے کو تیار ہو گئی۔

لیکن دلالہ بڑی ہوشیار عورت تھی اس نے آتے ہی نہایت ادب سے سلام کیا اور اپنے چہرے کو ایسا بنا لیا جیسے اسے بڑا ہی صدمہ پہنچا ہے اس نے بسورتے ہوئے کہا —— وہ ہائے کیا ہو گیا۔ تمام شہر میں کہرام مچا ہوا ہے مجھے تو سنتے ہی سکتہ سا ہو گیا تھا۔

مہرالنساء کا غصہ جاتا رہا بیچاری عورت جب دشمن سے بھی اظہار ہمدردی کی باتیں سنتی ہے تو پسیج جاتی ہے عورت بڑی ہی رحمدل ہوتی مہرالنساء سب باتوں کو بھول گئی اس کے آنسو جاری ہو گئے دلالہ نے مصنوعی ہمدردی کا اظہار کر کے مہرالنساء کا غصہ فرو کر دیا۔

تھوڑی دیر میں جب مہرالنساء کے آنسو رکے تو دلالہ تسلی دے کے چلی گئی۔ مہرالنساء کئی روز تک صاحب فراش رہی لیکن آخر زمانے اس کے غم کے بوجھ کو ہلکا کرنا شروع کر دیا وہ اٹھنے بیٹھنے اور پھر پھرنے لگی لیکن غم نے اس کا خون چوس لیا تھا وہ نوجوان تھی گردش تھی شباب و تندرستی نے اس پر گلابی رنگ کا غازہ پھیر رکھا تھا لیکن اس کی رنگت زردی مائل سفید ہو گئی تھی مگر یہ عجیب بات ہے کہ اس میں وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین دلربا معلوم ہونے لگی تھی اس کے پر چہرے پر رنگ غالب آ گیا تھا اور وہ شہابی رنگ سے بھی زیادہ پیارا

ہورہا تھا۔

اب اس کا صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا اور وہ تھا اپنی بچی کو ہر وقت گود میں لئے کھلاتے رہنا۔ اسے یوں بھی اس بچی سے زیادہ محبت تھی اور اب تو وہ اسے مرنے والے (شیر افگن) کی نشانی اور ان کی محبت کی یادگار سمجھ کر اسے اپنی چھاتی سے لگائے ہوئے تھی۔

مہرالنسا نے اپنا تمام زیور اتار کر رکھدیا تھا ہاتھوں کی چوڑیاں بھی بڑھادی تھیں اب کانوں اور ہاتھوں میں سیاہ ریشم کے لچھے ڈال لئے تھے ریشم کے یہ لچھے زیورات سے کہیں اچھے معلوم ہوتے تھے بات یہ تھی کہ وہ زیادہ حسین تھی اس کا حسن بناؤ سنگھار سے بالاتر تھا جس حالت میں بھی رہتی تھی۔ حسین معلوم ہوتی تھی۔

دن گذر رہے تھے شیر افگن کی یاد اسے ایک دم کو نہ بھولتی تھی حتی الامکان وہ ضبط و صبر کرتی۔ جب بےچینی زیادہ بڑھ جاتی تو چپکے چپکے رو لیتی۔ مگر جب بچی اس کے پاس ہوتی تو نہ روتی کیونکہ اسے روتے دیکھ کر بچی بھی رونے لگتی تھی۔

دلاله کبھی کبھی آکر اسے تسلی دے جاتی تھی ایک روز اس نے آکر کہا کہ مرزا عنایت بیگ کو بھی شیر افگن کے مارے جانے کا ایسا صدمہ ہوا ہے کہ وہ بھی اسی روز سے صاحب فراش ہو گئے ہیں۔

اگرچہ مہرالنساء کو معلوم تھا کہ یہ ساری آفت اسی بد طینت کی لائی ہوئی ہے لیکن یہ سن کر کہ اسے بھی اس کے شوہر کے قتل کا بہت زیادہ ملال ہوا ہے اسے اس سے ہمدردی پیدا ہو گئی۔

اس نے دلالہ سے اس کی کیفیت دریافت کرنی شروع کی۔ دلالہ

خوش ہو گئی۔ اس نے ایسے پیرایہ میں ان کا حال بیان کیا کہ مہر النساء بڑی متاثر ہوئی۔

کئی روز کے بعد پھر دلالہ آئی اس نے بتایا کہ "تمہارے غم کا عنایت بیگ پر یہ اثر ہوا ہے کہ وہ بیمار رہنے لگے ہیں۔

حقیقت یہ تھی کہ عنایت بیگ کچھ دنوں سے علیل ہو گئے تھے ان کی بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ مہر النساء نے کہا۔ انہیں اپنا علاج کرانا چاہیئے۔

دلالہ۔ علاج کرا رہے ہیں لیکن فائدہ نہیں ہوتا۔

مہر النساء خاموش ہو گئی دلالہ چلی گئی۔ اب دلالہ کبھی کبھی آنے اور عنایت بیگ کا حال بیان کرنے لگی۔ مہر النساء کو ہمدردی پیدا ہو ہی گئی تھی وہ زیادہ سے زیادہ ان کا حال پوچھنے لگی۔

اسی طرح دن گذر رہے تھے کہ شہرت ہوئی کہ دربار سے شیر افگن کی بیوی (مہر النساء) کی اور جاگیر و اسباب کے لئے کچھ احکام صادر ہوئے ہیں یہ شہرت مہر النساء نے بھی سنی اسے فکر ہوا کہ خدا جانے کیا احکام صادر ہوئے ہیں۔ اسی اثناء میں معلوم ہوا کہ ایک افسر شاہی حکم کی تعمیل کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ مہر النساء نے اپنے آپ کو آیندہ پیش آنے والے واقعات کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔

انتیسواں باب (۲۹)

شاہی فرمان

قطب الدین کے قتل ہونے پر بردوان والوں کو فکر ہوا تھا کہ کہیں شاہی فوجیں ان کے قتل کا بہانہ کر کے عوام الناس کو قتل کرنے اور لوٹنے نہ لگیں۔ لیکن فوج نے ایسا نہیں کیا بلکہ فوجی افسروں نے اس خوف سے کہ کہیں اجڈ سپاہی اپنے سپہ سالار کے قتل ہو جانے پر غم و غصہ سے مشتعل ہو کر اہل بردوان پر حملہ نہ کر دیں وہاں سے لشکر کو ہٹا لیا ان واقعات کی دربار میں اطلاع کی اور وہاں سے احکام آنے کا انتظار کرنے لگے۔

اس موجودہ دور میں جو تہذیب و شائستگی کا زمانہ کہلاتا ہے یہ دیکھا جاتا ہے کہ حکومت اور افسروں کو رعایا سے بالکل ہمدردی نہیں ہوتی کوئی اعلیٰ افسر تو درکنار اگر معمولی حاکم بھی کہیں قتل کر دیا جاتا ہے تو حکومت کی مشین حرکت میں آجاتی ہے۔ بندوقوں اور مشین گنوں سے نہتی رعایا کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ سپاہیوں کو کھلے بندوں قتل لوٹ اور آبروریزی کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ یہ جور و جبر اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ حکومت کا وقار قائم رہے۔ گویا تلوار کے زور سے حکومت کی جاتی ہے لیکن جس حکومت کو رعایا سے ہمدردی نہ ہو رعایا کو بھی اس سے محبت نہیں ہوتی وہ اسی وقت تک محکوم رہتی ہے جب تک تلوار کا خوف اور موت کا ڈر رہتا ہے جہاں تلوار اور موت کا خوف لوگوں کے دلوں سے نکلا اور حکومت کا قصر دھڑام سے

زمین پر آرہا۔

سلاطین مغلیہ نے ہندوستان میں تلوار کے زور سے حکومت نہیں کی انہوں نے رعایا کے دلوں کو محبت و ہمدردی سے تسخیر کیا۔ عدل و انصاف سے حکومت کی رعایا بھی ان سے محبت کرتی رہی۔

مغل بادشاہوں نے ہندوستانیوں کے ہتھیار ضبط نہیں کئے۔ انہوں نے رعایا کے ہتھیار ضبط کر کے اسے نامرد اور بزدل نہیں بنایا نہ ہتھیاروں پر لائسنس مقرر کئے۔ یہی وجہ ہے مغلوں نے ہندوستان میں ساڑھے تین سو سال تک نہایت اطمینان، امن اور آرام کے ساتھ حکومت کی۔ پھر ہندوستان کے باشندوں نے مغل حکومت کا خاتمہ نہیں کیا بلکہ انگریزی حکومت اس کا باعث ہوئی۔ ہندوستانی آج تک اسلامی حکومت کو یاد کرتے اور روتے ہیں۔

مغلوں کا عہد مبارک تھا یہ ہم اس لئے نہیں لکھ رہے کہ ہم مسلمان ہیں اور سلطنت مغلیہ اسلامی سلطنت تھی بلکہ تاریخوں کو اٹھا کر دیکھئے جب تک یہ اسلامی سلطنت رہی ہندوستان میں فارغ البالی کا دور رہا۔ ہندوستان سونے کی چڑیا کہلاتا رہا دنیا بھر میں اس کے تمول کی شہرت رہی۔

لیکن جب سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی تو فارغ البالی دور ہونے لگی اناج جو منوں کے حساب سے فروخت ہوتا تھا سیروں پر آگیا اور اب تو یہ کیفیت ہے کہ ایک روپیہ کا تین سیر گندم آتا ہے اور وہ بھی مشکل سے رعایا سخت پریشان ہے اس وقت فارغ البالی تو کیا پیٹ بھرنے کے لالے پڑے ہوئے ہیں قحط سالی

بڑھتا جاتا ہے حکومت ہمدردی کرتی تو ہندوستان جیسا برِاعظم افلاس اور بھوک کا شکار نہ ہوتا۔

غرض کہ قطب الدین کے قتل ہونے پر جو بنگالہ کے گورنر تھے نہ کسی پر سازش کا شبہہ کیا گیا نہ کسی کو گرفتار۔ قید یا قتل کیا گیا۔

البتہ تمام بردوان میں یہ شہرت ہو گئی تھی کہ شہنشاہ جہانگیر نے شیر افگن کی جاگیر اور ان کی بیوی اور بچی کے لئے کچھ احکام صادر کئے ہیں۔ مہر النساء نے بھی اس شہرت کو سن لیا تھا وہ منتظر تھی کہ دیکھئے کیا احکام آتے ہیں۔

آخر وہ افسر آ ہی گیا جو شاہی احکام لے کر آیا تھا اس نے بردوان کے امیر اور ذی حیثیت لوگوں کو طلب کر کے کہا۔ آپ کو معلوم ہے کہ شیر افگن نے قطب الدین کو جو بنگالہ کے گورنر تھے بلاوجہ قتل کر ڈالا۔ شہنشاہ جہانگیر کو قطب الدین کے قتل ہونے کا نہایت رنج ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کو قطب الدین کے قتل ہونے کا سخت صدمہ ہوا تھا[1] دربار میں کئی روز تک افسردگی چھائی رہی افسر نے پھر کہنا شروع کیا ۔۔۔ شہنشاہ نے شیر افگن کی جاگیر۔ سامان بیوی اور بچی کے متعلق فرمان صادر کر کے مجھے مامور کیا ہے میں اس فرمان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنا دوں اور اس کی تعمیل کر دوں۔"

اس مجمع میں ہندو اور مسلمان سب ہی امراء موجود تھے۔ ان میں مہاجن بھی تھے۔ مہاجنوں کو شیر افگن کے مارے جانے سے اس لئے خوشی تھی کہ وہ ان سے زبردستی روپیہ وصول کر لیتے تھے اب انہیں اس کا خوف نہیں رہا

---

[1] از ہند کے جاں نثار صفحہ ۱۶۴

تھا اور یہ امید ہو گئی تھی کہ مہرالنساء ان کا قرضہ ادا کرنے کی کوشش کرے گی لیکن فرمان کا ذکر سن کر ان کے دلوں میں کچھ بے چینی ہونے لگی۔

افسر نے فرمان پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا۔

"ما بدولت کے گوش گذار یہ بات ہوئی تھی کہ شیر افگن جاگیردار بردوان جو بنگالہ کا حاکم تھا سرکشی پر آمادہ ہے اس نے راجہ مان سنگھ سپہ سالار لشکر شاہی سے جو ہفت ہزاری کے منصب پر تھا سازش کی تھی۔ ہم نے راجہ مان سنگھ کو معزول کر کے قطب الدین کو اس کی جگہ مقرر کر کے حکم دیا کہ وہ بردوان جا کر شیر افگن کے متعلق تحقیقات کرے۔ قطب الدین بردوان پہنچا۔ شیر افگن نے اسے قتل کر ڈالا۔ شاہی سپاہیوں نے اپنا فرض ادا کیا باغی شیر افگن کو مار ڈالا۔ چونکہ شیر افگن کی طرف سے بغاوت کا اظہار ہوا اس لئے حکم صادر کیا جاتا ہے کہ شیر افگن کی جاگیر ضبط کر لی جائے۔ اس کا نقد روپیہ جس قدر بھی ہو ضبط کیا جاتا ہے وہ افسر جو اس فرمان کی تعمیل کرنے پر مامور کیا گیا ہے شیر افگن کے گھر کی تلاشی لے کر تمام روپیہ کو اپنے قبضے میں لے لے گا۔ لیکن زیور یا دوسرے اسباب کی ضبطی کا حکم صادر نہیں کیا گیا ہے یہ تمام سامان شیر افگن کی بیوی اور اس کی لڑکی کا ہے ان کے قبضہ میں چھوڑ دیا جائے گا۔ چونکہ شیر افگن کے گھر میں اس کی بیوی رہتی ہے اس لئے گھر بھی ضبط نہیں کیا گیا ہے اہل بردوان کا یہ فرض ہے کہ اس فرمان کی حرف بہ حرف تعمیل کرائیں۔ جو لوگ مزاحمت یا مخالفت کریں گے ان کے متعلق جیسی صورت

ہوگی۔ آئندہ حکم صادر کیا جائے گا۔

اس فرمان میں کوئی بات خلاف عدل انصاف کے نہ تھی لوگوں کو اس کی تعمیل میں کوئی اعتراض نہ ہوا۔ عنایت بیگ اگرچہ بیمار تھے لیکن اس جلسہ میں اس خوف سے آئے تھے کہ کہیں ان کے متعلق بھی کوئی حکم نہ ہوا ہو۔ انہیں اس سازش میں شریک قرار نہ دیا گیا ہو۔ لیکن جب انہوں نے تمام فرمان سن لیا اور اس میں اپنا ذکر نہ سنا تو اطمینان کا سانس لیا۔

افسر نے پوچھا۔ "کسی کو اس فرمان کی تعمیل میں کوئی اعتراض تو نہیں ہے —"

سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔ "کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے —"

افسر۔ اچھا اب میرے ساتھ شیر افگن کے مکان پر چلو۔

سب لوگ اس کے ساتھ چل پڑے۔ شیر افگن کے مکان پر پہنچے۔ مہر النساء کو اطلاع دی گئی۔ وہ چلمن کے پیچھے بیٹھ گئی۔ کئی کنیزیں اس کے پاس رہ گئیں باقی ادھر ادھر ہو گئیں۔ افسر اور دوسرے لوگوں کے لئے صحن کے ایک گوشہ میں چلمن کے قریب کرسیاں بچھا دی گئیں افسر نے کہا — "کیا اس وقت مجھے شیر افگن کی بیوہ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہونے والا ہے؟"

مہر النساء کو اس وقت شیر افگن کی یاد آ گئی کس کی مجال تھی کہ کوئی ان کی موجودگی میں گھر کے اندر آ سکتا اسے بڑا صدمہ ہوا لیکن اس نے طبیعت پر جبر کیا اور کہا — "ہاں میں ہی بدنصیب مرحوم کی بیوہ ہوں۔"

افسر۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ایک ناگوار فرض ادا کرنے آیا ہوں۔

مہر النساء۔ آپ شوق سے اپنا فرض ادا کیجئے۔

افسر۔ میں سمجھتا ہوں اس سے آپ کے دل کو ٹھیس لگے گی لیکن کیا کروں مجبور ہوں۔ حکم حاکم۔ مرگ مفاجات۔ مجھے فرمان کی تعمیل کرنی ہوگی۔ لیجئے یہ فرمان آپ خود بھی پڑھ لیں۔

افسر نے فرمان بڑھایا ایک کنیز نے فرمان لے کر مہرالنساء کو دیا۔ مہرالنساء نے خود پڑھا۔ وہ جانتی تھی کہ جاگیر ضبط ہوگی اسے خوف تھا کہ گھر کا اثاثہ بھی ضبط نہ ہو جائے لیکن فرمان میں صرف جاگیر اور نقد روپیہ کی ضبطی کا حکم تھا اس سے اس کے دل کو کوئی خاص تکلیف نہیں پہنچی کیونکہ اس ضبطی کے بعد بھی اس کے پاس اتنا بچ رہا تھا کہ وہ فارغ البالی کے ایام گذاری کرسکے

اس نے فرمان پڑھ کر کہا ـــــ "یہ اتہام ہے کہ مرحوم باغی تھے۔

افسر۔ افسوس اب اس کا وقت نکل گیا۔ شیرافگن اگر دانشمندی سے کام لیتے تو اپنی بیگناہی ثابت کرسکتے تھے۔

مہرالنساء۔ یہ سچ ہے۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں۔

افسر۔ میں اس فرمان کی تعمیل میں زرنقد پر قبضہ کرنے کے لئے مکان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔

مہرالنساء۔ مجھے کوئی عذر نہیں۔ آپ شوق سے تلاشی لے لیں لیکن میں اطمینان دلاتی ہوں کہ تمام روپیہ خزانہ میں موجود ہے۔

افسر۔ اور خزانہ کہاں ہے۔؟

مہرالنساء۔ اسی مکان کے ایک گوشے میں۔ میں خزانہ کی چابیاں کنیز کے ہاتھ بھیجتی ہوں۔ وہی آپ کو خزانہ بتادے گی آپ اس پر قبضہ کرلیں۔

افسر۔ بہتر ہے۔

مہرالنساء نے ایک کنیز کو چابیاں دیں کنیز نے افسر اور چند معززین

کو لیجا کر خزانہ بتایا۔ افسر نے کھول کر تمام روپیہ اپنے قبضہ میں لے لیا اس کے بعد یہ لوگ وہاں سے چلے آئے۔

تیسواں باب (۳۰)

اظہار ہمدردی

مہرالنساء کو افسوس تھا کہ ان کے شوہر کے دامن پر بغاوت کا بدنما دھبہ لگا ہوا ہے۔ وہ خزانہ جو شیر افگن نے نہ معلوم کس کس جتن سے جمع کیا تھا اور جو اگر باقی رہتا تو شاید مہرالنساء کی تمام عمر کے لئے کافی ہوتا، ضبط ہو کر سرکاری خزانہ میں پہنچ گیا تھا۔ جاگیر جس سے اس قدر آمدنی تھی کہ اس کے زیورات جن کی قیمت ایک لاکھ روپے کے لگ بھگ تھی اور دوسری چیزیں بس سامان چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ سامان بھی ہزاروں روپیہ کی قیمت کا تھا مہرالنساء نے جاگیر و دولت چلے جانے کا افسوس نہیں کیا اور ان کا افسوس وہ کیا کرتی جب کہ اس کا سہاگ لٹ چکا تھا۔ اس کا سرتاج مارا گیا تھا اس کے عیش کے گلشن میں خزاں آ گئی تھی۔ رنج و غم نے اس پر زغم کر لیا تھا۔ وہ نہایت مستقل مزاج عورت تھی بڑے حوصلہ کے ساتھ اپنی بربادی کے صدمہ کو برداشت کر رہی تھی۔

اس نے یہ محسوس کیا کہ سیکڑوں نوکر اور نوکرانیاں موجود ہیں اب ان کے اخراجات برداشت نہیں کئے جا سکتے چنانچہ اس نے بہت سے ملازموں اور سوائے پانچ سات کے باقی سب کنیزوں کو علیحدہ کر دیا اگرچہ انہیں علیحدہ کرنے سے اسے روحی اذیت پہنچی لیکن مجبور تھی۔

وہ شاہانہ ٹھاٹ جو شیر افگن کے سامنے موجود تھے اب نہیں رہ سکتے تھے
اس نے اس صدمہ کو بھی ہنسی خوشی سے برداشت کر لیا۔

اب اس کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ وہ چار چار روز کپڑے نہیں بدلتی تھی اور اگر بدلتی بھی تھی تو انا کنیزوں کے اصرار کرنے پر سر کے بالوں میں ایک ہفتہ کنگھی نہ ہوتی تھی۔ سیاہ گیسو پریشان رہتے تھے پیشانی اور رخساروں پر آ پڑتے تھے۔ گورے چہرے کے گرد سیاہ گیسوؤں کا ہالہ سا قائم ہو جاتا تھا لیکن اس اجڑی حالت میں بھی اس کی صورت نہایت ہی پیاری معلوم ہوتی تھی۔

اسے قلبی صدمہ تھا شوہر کی موت سے اس کے کلیجہ میں ناسور پڑ گیا تھا وہ ضبط کر رہی تھی ـــــ لیکن پھر بھی کبھی کبھی اس کے دل سے آہ نکل جاتی تھی۔

عورت کے لئے شوہر ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ عورت کی خوشی عورت کا وقار۔ عورت کی شان۔ عورت کی حشمت۔ عورت کی قوت شوہر سے ہے عورت کی دنیا شوہر ہی کے دم سے روشن رہتی ہے عورت مرد ہی کے دم سے دنیا کو جنت سمجھتی ہے جب شوہر مر جاتا ہے تو عورت کی خوشی بھی مر جاتی ہے امنگیں مر جاتی ہیں۔ تمنائیں دفن ہو جاتی ہیں دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہو جاتی ہے نہ کھانے کو جی چاہتا ہے نہ پہننے کو۔ کنگھی چوٹی اور سنگھار کا تو ذکر ہی کیا۔

یہ شکر کی بات ہے کہ مسلمانوں میں بیوہ کو منحوس نہیں سمجھا جاتا وہ سہاگنوں میں بیٹھ سکتی ہے شادی بیاہ میں شریک ہو سکتی ہے کیونکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جو کچھ کیا خدا نے کیا۔ بیوہ کے شوہر کی عمر جتنی تھی پوری کر گیا

س میں بیوہ کا کچھ قصور نہیں مشیت ہی یہ تھی کہ وہ بیوہ ہو جائے۔ برخلاف س کے ہندوؤں میں بیوہ کو منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ اسے تہواروں میں، شادی بیاہ میں، بچے کے پیدا ہونے میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی سہاگنوں ساتھ نہیں بیٹھ سکتی۔ نہایت حقیر نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے اس کی وجہ ہے کہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بیوہ کے پچھلے کرموں کی وجہ سے اس کا شوہر ت ہوا۔

کس قدر بودا عقیدہ ہے۔ پہلے جنم میں برے اعمال تو کئے عورت نے اور زا بھگتی اس کے شوہر نے کیونکہ اسے مرنا پڑا۔ مرد تو مر کر دنیا کے بکھیڑوں ے چھوٹ گیا اور عورت حقیر و ذلیل ہونے اور رنج و غم برداشت کرنے کے لئے زندہ رہ گئی۔

ہندوؤں میں عورتوں کو نہایت ہی حقیر سمجھا جاتا ہے اس کی حیثیت محض چوپایہ کی سی ہے۔ عورتوں کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا باپ بیٹی کو ی جائداد میں سے حصہ نہیں دے سکتا۔ جہاں اس کی شادی ہوئی اور اس علق باپ کے گھر سے منقطع ہوا یوں آتی جاتی رہے لیکن اسے باپ کے ترکے سے نہیں مل سکتا جس طرح چوپایہ کو جب فروخت کر دیا جاتا ہے تو اس کا پہلے ک کے گھر سے کوئی تعلق نہیں رہتا اسی طرح عورت کی شادی کے بعد اس کا میکہ سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

ہندوؤں میں قانون مردوں نے بنائے ہیں انہوں نے ہر موقع کے لئے وں کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ عورتوں کو حقیر و ذلیل سمجھ کر ان کے کسی بھی کی حفاظت نہیں کی۔ مثلاً وراثت میں مرد کو حصہ پہنچتا ہے عورت کو ۔ مرد رنڈوا ہو جائے تو اسے فوراً شادی کر لینی چاہئے عورت بیوہ

ہو جائے تو اسے عقد ثانی کی اجازت نہیں ۔ مرد چاہے جس قدر سختی کرے
عورت کو اف کرنے کا بھی حق نہیں مرد کتنا بھی بدچلن آوارہ اور اوباش
ہو جو عورت اس کے پلے بندھ جائے وہ ہر حالت میں اس کے ساتھ رہے
اور اس کی اطاعت کرتی رہے وہ علیحدگی اختیار نہیں کر سکتی اسلام کا
قانون ہے کہ اگر مرد عورت کو ستاتا ہے تو عورت خلع کرائے جس طرح سے مرد عورت
کو طلاق دے سکتا ہے اسی طرح عورت خلع کرا سکتی ہے۔ جس طرح مرد کے حقوق
عورت کے ذمہ ہیں اسی طرح عورت کے حقوق مرد کے ذمہ ہیں اگر مرد ان حقوق
ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو عورت اس سے علیحدگی کر سکتی ہے یہ مذہبی قانون
ہے اور اب تو برٹش گورنمنٹ نے بھی اس قانون کو تسلیم کر کے اس کے تحت
میں ایک قانون نافذ کر دیا ہے ۔ وہ قانون خلع کے متعلق ہے اس کا مفہوم
ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر بیجا سختی کرتا ہو عورت کے حقوق کو روا نہ رکھ
ہو بھاگ گیا ہو ۔ نامرد ہو تو عورت عدالت میں خلع کی درخواست دے کر ایسے
سے خلاصی حاصل کر سکتی ہے ۔

غرض اسلام نے عورت اور مرد کے درجہ مقرر کئے ہیں اسلام نے عورت
کے مرتبہ کو بڑھایا ہے اب ہر قوم کی آنکھیں کھلی ہیں وہ بھی عورتوں کے ر
بڑھانا چاہتے ہیں۔ لیکن خدائی احکام اور انسانی قوانین میں بڑا فرق
عورت اور مرد خدا کے بندے ہیں ۔ خدا کو دونوں محبوب ہیں اسی لئے خ
نے قرآن شریف میں عورتوں کے حقوق بیان کر کے انہیں عزت کے درجہ پر ر
ہے انسان جو قانون بناتے ہیں ان میں خامیاں رہ جاتی ہیں ۔ عیسائیوں نے
عورتوں کے متعلق قانون بنائے ہیں لیکن وہ اس قدر ناکارہ ہیں تمام یو
اس قانون سے تنگ آ گیا ہے اور منصف مزاج عیسائی کہنے لگے ہیں

ہم نے جو آزادی عورتوں کو دی ہے وہ انہیں بو الہوسی اور گمراہی کی طرف
لے جارہی ہے تو عیسائیوں نے آزادی دے کر خودسر بنا ڈالا ہے۔ مسلمانوں
نے عورت کو جو رتبہ دیا ہے وہ افراط و تفریط سے مبرّا ہے۔ اسلام میں بھی یہی
خوبی ہے کہ اس کے قانون قابل عمل ہیں۔ غیر مسلم مدبروں کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا
ہے کہ دنیا میں امن قائم رکھنے کے لیے شریعت اسلامیہ ہی کے احکام بہترین
ہیں۔

غرض مہرالنساء کا جی نہ کپڑے بدلنے کو چاہتا تھا نہ کسی کام کرنے کو۔
وہ ہر وقت مغموم اور پریشان رہتی تھی اس وقت اسے ایسے ہمدردوں کی
ضرورت تھی جو اس کی غمگساری کرسکیں۔ اس کی کنیزیں اس کی غمگسار تھیں
کنیزوں کو اس سے سچی محبت تھی وہ اس کے غم کو بٹاتی رہتی تھیں۔

ایک روز پھر دلالہ آئی اس نے بتایا کہ عنایت بیگ بدستور علیل ہیں
انہیں آپ سے بڑی ہمدردی ہے اگر ان کی مدد کی ضرورت ہو تو وہ حاضر ہوں۔
مہرالنساء کے دل میں یہ خیال تھا کہ وہ شہنشاہ جہانگیر کے گوش گذار
اپنے مرحوم شوہر کی بیگناہی کرا دے وہ اس فکر میں تھی کہ کسی کو اپنا وکیل
مقرر کر کے دربار میں پہنچے اس نے سوچا کہ وہ عنایت بیگ ہی کو اپنا وکیل بنائے
لیکن عنایت بیگ کی طرف سے اس کا دل صاف نہ تھا اس نے اس کو
جواب دیا۔ "ان کا شکریہ مجھے ان کی مدد کی ضرورت نہیں۔"

دلالہ اس روز تو چلی گئی۔ لیکن اب اس نے ہر ہفتے آنا شروع کر دیا
ایک روز اس نے آکر کہا۔ "آج شام کو عنایت بیگ آپ کی مزاج پرسی
کے لئے تشریف لا دیں گے۔

مہرالنساء نے کوئی جواب نہیں دیا اسی روز شام کو عنایت بیگ آئے

جب مہر النساء کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو اس نے پردہ کا انتظام کرالیا اس وقت وہ دالان میں بیٹھی تھی اس کے دروں پر چلمنیں کھینچ دی گئیں۔ چلمن کے پیچھے مہر النساء بیٹھ گئی اس کے قریب دو کنیزیں کھڑی ہوگئیں باہر کرسی بچھادی گئی عنایت بیگ کو طلب کیا وہ آکر کرسی پر بیٹھ گئے۔ عنایت بیگ نے پوچھا۔ "آپ کی طبیعت کیسی رہتی ہے۔"

مہر النساء نے ایسی آہستگی سے جسے عنایت بیگ بخوبی سن سکتے تھے کنیز سے کہا۔ "کہدو خدا کا شکر ہے اب ہم کیا اور ہماری طبیعت کیا ہے۔"

کنیز نے ان کو بلند آواز سے دہرایا۔ اب اس طرح گفتگو شروع ہوئی کہ عنایت بیگ جو کہتے مہر النساء اس کا جواب آہستگی سے دیتی اور کنیز بلند آواز سے کہہ دیتی۔

عنایت بیگ۔ زمانہ نے آپ کے ساتھ بڑا ستم کیا۔

مہر النساء۔ زمانہ کو فضول بدنام کیا جاتا ہے اسے ظلم و مہربانی کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

عنایت بیگ۔ مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں ـــ"

مہر النساء۔ آپ کا شکریہ۔ ہم نے پہلے بھی کہا تھا اب بھی کہتے ہیں، ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔

عنایت بیگ۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ آپ کی طبیعت میری طرف سے صاف نہیں ہے لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ میں پہلے بھی آپ کا ہوا خواہ تھا اور اب بھی ہوں۔

مہر النساء۔ اس بات کو مستقبل ثابت کرسکے گا۔

عنایت بیگ ۔ بیشک اور میں اس وقت کا انتظار کروں گا۔

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے عنایت بیگ چلے گئے کئی روز کے بعد پھر آئے ۔ تھوڑی دیر گفتگو کر کے پھر چلے گئے ۔ اب انہوں نے دوسرے تیسرے روز آنا شروع کر دیا ۔ مہر النساء ان کی آمد سے تنگ آگئی ۔ دھر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آگرہ جا کر کسی ذریعہ سے شہنشاہ تک اپنی زبوں حالی کی داستان سنائے اور شیر افگن کے امن سے بغاوت کے دھبّہ کو مٹائے ۔ چنانچہ اس نے تیاری شروع کی ند ایک روز معہ تمام کنیزوں اور آنا کے بردوان سے آگرہ روانہ ہو گئی ۔

اکتیسواں باب (۳۱)

وکیل

مہر النساء ایک سال سے زیادہ بردوان ہی میں رہی اس کے بعد یہ آگرہ کی طرف چلی اگرچہ فاصلہ کچھ زیادہ نہ تھا لیکن وہ قصبوں اور شہروں میں دس دس پندرہ پندرہ روز ٹھہرتی ہوئی آگرہ پہنچی اس طرح دو چھ مہینے سفر میں رہی آگرہ میں پہنچ کر اس نے اسی مکان میں قیام کیا جس میں اس نے اپنا بچپن گذارا تھا یعنی اسی گھر میں جس میں اس کے باپ رہتے تھے ۔

وہاں آتے ہی اسے اپنے لڑکپن کے واقعات یاد آ گئے ساتھ ہی شادی کا واقعہ بھی تازہ ہو گیا ۔ اسے سخت رنج ہوا ۔ ایسا رنج کہ اس کا اس کی صحت پر برا اثر پڑا ۔ اسے بخار آنے لگا ۔ اس کی والدہ (بیگم) اس کے ساتھ

تھی۔ ماں نے کہا۔ "مہرالنساء تو عقلمند ہو کر ناسمجھی کی باتیں کرتی ہے خدا کی مرضی پوری ہو کر رہی۔ رنج نہ کر۔ رنج وغم انسان کو کھا جاتے ہیں انسان پر اللہ ہی کی طرف سے غموں اور تکلیفوں کا نزول ہوتا ہے اللہ ہی انھیں دور کرتا ہے۔

اب تک مہرالنساء ضبط کرتی رہی تھی لیکن اب نہ ہو سکا دامن صبر ہاتھوں سے چھوٹ گیا بے اختیار اس کے آنسو جاری ہو گئے اس کی ماں بھی رونے لگی دونوں ماں بیٹیاں دیر تک روتی رہیں جب دونوں کے دلوں کی بھڑاس کچھ نکل گئی تو بیگم نے کہا۔" مہر تو رونے لگی۔ مجھے بھی رونا آگیا۔ تجھے بھی پچھلی باتیں یاد آگئیں مجھے بھی۔ یہی وہ گھر ہے جہاں تو اتنی ذرا سی تھی (ہاتھ سے اشارہ کرکے بتایا) یہیں پڑھی۔ جوان ہوئی پروان چڑھی بیاہ ہوا اسی گھر میں آکر ہمارے دن پھرے تھے ہمارے افلاس اور ہماری تکلیفوں کا خاتمہ ہوا تھا انشاء اللہ اسی گھر سے پھر تیرے دن پھریں گے۔

مہرالنساء نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ " وہ بھی کیا دن تھے امی جب میں بچی تھی۔ کاش میں ہمیشہ بچی رہتی۔"

بیگم۔ انسان دنیا میں ہمیشہ خوش وخرم نہیں رہتا دنیا رہنے کی جگہ ہی نہیں ہے ہمیشہ ضبط وصبر کرنا چاہیئے۔

مہرالنساء۔ میں ضبط کر رہی تھی مگر آج سیلاب غم نے ضبط کا بند توڑ دیا میری روح کچلی جا رہی ہے امی جان!

بیگم۔ میں جانتی ہوں لیکن صبر کر میری بچی۔

مہرالنساء۔ صبر کروں گی۔

مہرالنساء چپ ہو گئی رفتہ رفتہ اس کی طبیعت سنبھلی اس نے کنیزوں اور ملازموں کو ہدایت کردی کہ وہ کسی کو یہ نہ بتائیں کہ وہ شیر افگن کی بیوہ ہے

ـسے خوف تھا کہ نہ معلوم شہنشاہ کس قدر ناخوش ہوں۔ وہ دارالسلطنت میں
ں کے یعنی شیر افگن کی بیوہ کے آنے کا حال سن کر کوئی حکم اور صادر نہ کر دیں۔
چاہتی تھی کہ پہلے وہ کسی ہوشیار وکیل کے ذریعہ اول دربار میں اپنی صفائی
یش کر دے۔

اب وہ ایسے آدمی کی تلاش میں ہوئی جو اس کی طرف سے وکالت کر سکے
لیم بھی اس جستجو میں لگ گئی۔

ایک روز بیٹھے بیٹھے مہرالنساء کو کبوتروں والا واقعہ یاد آ گیا یعنی جب
ہ مینا بازار میں گئی تھی۔ اتفاق سے شاہزادہ سلیم دو کبوتر دونوں ہاتھوں
ں لے کر وہاں آ نکلے تھے انھوں نے اسے کبوتر دے کر پھول توڑے تھے۔

شاہزادہ سلیم کو دیکھنے اور ان سے باتیں کرنے کا وہ پہلا موقع تھا
س واقعہ کی یاد نے اس کے دل پر چرکہ لگایا اگرچہ اس بات کو دس گیارہ
ں کا طویل عرصہ گذر چکا تھا لیکن اسے کل کی بات معلوم ہوتی تھی اس
قعہ کے یاد آنے سے وہ کئی روز تک بےچین سی رہی مگر رفتہ رفتہ اسے
ی بھولنے کی کوشش کرنے لگی۔

ابھی وہ اس واقعہ کو اچھی طرح بھولی بھی نہ تھی کہ ایک روز بیٹھے بیٹھے
سے خیال ہوا کہ جب اس نے شہنشاہ جہانگیر کو اس وقت دیکھا تھا جب کہ وہ
اہزدہ سلیم تھے تو بہت ہی نیک دل اور بھولے معلوم ہوتے تھے۔ اب بھی
یسے ہی ہوں گے کیوں نہ وہ خود ہی ان کے پاس جا کر اپنے مرحوم شوہر کی صفائی
یش کرے کئی روز تک وہ اس خیال میں غلطاں و پیچاں رہی مگر جب کوئی فیصلہ
کر سکی تو اس نے ایک دن اپنی والدہ سے مشورہ لیا۔ اس نے کہا۔ امی
ن! آپ نے شہنشاہ کو شاہزادگی کے زمانہ میں دیکھا تھا وہ بھولے اور نیک

معلوم ہوتے تھے۔

بیگم۔ ہاں وہ بہت نیک تھے۔

مہرالنساء۔ اور اب بھی ان کے عدل و انصاف کی شہرت ہے۔

بیگم۔ ہاں عدل جہانگیری مشہور ہے لیکن اس سے تیرا کیا مطلب ہے

مہرالنساء۔ وہ اس وقت مجھ پر مہربان تھے اگر میں خود جاکر ان سے عرض معروض کروں تو کیسا ہے۔

بیگم۔ میری بچی تو نہیں جانتی بادشاہوں کا مزاج گھڑی میں کچھ ہوتا ہے اور گھڑی میں کچھ۔ اگر تیرے کہنے سے ان کے دل کی صفائی نہ ہوئی تو خدا جانے وہ کیا حکم صادر کر دیں۔ ابھی ہم مصیبتوں میں ہیں ہمیں خود شہنشاہ کے حضور میں نہیں جانا چاہیئے۔

مہرالنساء۔ لیکن کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جو ہماری وکالت کرے

بیگم۔ انتظار کرو۔ خدا بہتر کرے گا۔

مہرالنساء خاموش ہو گئی۔ اس طرح عرصہ گذر گیا اور کوئی سبیل ایسی نہ ہو سکی کہ مہرالنساء کا حال شہنشاہ کے گوش گذار ہو جاتا۔

اب بیگم نے شناسا بیگموں کے پاس آنا جانا شروع کیا ایک روز فرید بخش بخاری کی بیگم کے پاس گئیں یہ وہی فرید بخش تھے جن کی کوشش سے جہانگیر تخت نشین ہوئے تھے۔ بیگم نے فرید بخش کی بیوی سے اعانت کی درخواست کی اس نے وعدہ کر لیا اور ایک روز اپنے شوہر فرید سے مہرالنساء کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ "آپ شیر افگن سے واقف تھے اور غیاث بیگ کو بھی جانتے تھے۔

فرید۔ ہاں ہم دونوں سے واقف تھے۔ غیاث بیگ شہنشاہ کے وفادار

ہیں لیکن شیر افگن نے بغاوت کا ارادہ کیا اور اس کی سزا پائی

بیوی۔ مگر یہ بات نہیں ہے شیر افگن بے قصور تھے۔

فرید۔ تم کیسے کہتی ہو۔

بیوی۔ میرے پاس غیاث بیگ کی بیوی آئی تھی وہ کہتی تھی۔

فرید۔ ممکن ہے ایسا ہو۔ لیکن وہ یہاں آئی کیوں شیر افگن کے متعلقین ابھی تک شاہی معتوبوں میں ہیں۔

بیوی۔ مہرالنساء بھی تو آئی ہوئی ہے۔

فرید۔ ارے یہ اس نے کیا غضب کیا۔ اگر شہنشاہ کو معلوم ہو گیا تو اس کے لئے برا ہوگا۔

بیوی۔ وہ اس وقت سخت پریشانی اور غم میں مبتلا ہیں ان کی مدد کرنی چاہیئے۔

فرید۔ کچھ پاگل ہو۔ ان کی مدد کرنا اپنے پیروں میں کلہاڑی مارنا ہے۔ شہنشاہ کو خبر ہو گئی تو وہ ہم سے بھی بدظن ہو جائیں گے۔

بیوی۔ مگر میں ان سے وعدہ کر چکی ہوں۔

فرید۔ یہ تم نے عقلمندی نہیں کی۔

بیوی۔ اچھا تم مہرالنساء کی داستان تو سن لو۔

غرض بیوی کے بہت کچھ کہنے سننے پر فرید مہرالنساء کی داستان سننے پر آمادہ ہو گئے۔ بیوی نے مہرالنساء کی والدہ یعنی بیگم کے پاس خبر بھیجی کہ وہ معہ اپنی لڑکی کے کسی روز آکر فرید کو اپنا حال سنا دیں۔

مہرالنساء اور بیگم دونوں فوراً فرید بخاری کے یہاں آ گئیں شیخ فرید بہت نیک اور مشفق آدمی تھے۔ مہرالنساء ان کے سامنے آ گئیں فرید نے

جب اس غارت گر دین و ایمان کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ انہوں نے کہا۔

"بیٹی! تم شیر افگن کا سب حال بیان کرو۔"

مہر النساء نے کہا۔ "ان کے متعلق جتنی خبریں بھی دربار میں آئیں سب غلط تھیں۔ وہ شہنشاہ کے وفادار تھے۔ دشمنوں نے لگائی بجھائی کر کے شہنشاہ کو ان کے خلاف کر دیا۔"

فرید۔ یوں نہیں ان لوگوں کے نام بتاؤ جنہوں نے مخالفت کی۔

مہر النساء۔ ان کے مخالفوں میں ان کے خاص دوست عنایت بیگ تھے

فرید نے متعجب ہو کر پوچھا۔ عنایت بیگ، ان کے مخالف تھے

مہر النساء۔ جی ہاں۔

فرید۔ مخالفت کی وجہ کیا تھی۔

مہر النساء نے شرما کر سر جھکا لیا۔ شیخ فرید نے اس کے چہرہ پر شرم کے آثار دیکھ کر کہا۔ "اوہ میں سمجھ گیا۔ بڑا غدار نکلا۔ مجھ سے کہتا تھا میں شیر افگن کا دوست ہوں مگر ایک بات بتاؤ۔ شیر افگن نے قطب الدین کو کیوں مارا

مہر النساء۔ غلط فہمی سے ایسا ہوا قطب الدین نے انہیں بلایا وہ چلے گئے۔ قطب الدین نے انہیں گرفتار کرنا چاہا انہیں غصہ آ گیا۔ انہوں نے جوش میں آ کر حملہ کر دیا۔

فرید۔ بس یہی بات ہوئی تھی

مہر النساء۔ خدا کی قسم یہی بات ہوئی تھی۔

فرید۔ ہمیں یقین آ گیا۔ شہنشاہ کو یہ باور کرایا گیا تھا کہ شیر افگن قطب الدین سے لڑے اور دونوں لڑائی میں مارے گئے۔

مہر النساء۔ جو لشکر قطب الدین کے ساتھ گیا تھا اس کے افسروں سے

پوچھیے کیا واقعہ ہوا۔

فرید۔ اچھا بیٹی تم بے فکر رہو۔ ہم تمہاری وکالت کریں گے۔

مہرالنساء۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے گا۔

مہرالنساء نے اسی وقت آنا چاہا۔ فرید نے اسے روک لیا اور کہا جب تک میں تمہاری وکالت کروں تم اور تمہاری والدہ دونوں یہیں رہیں۔

مہرالنساء اور اس کی ماں دونوں وہیں ٹھہر گئیں۔

۳۳ تینتیسواں باب

انصاف

شہنشاہ جہانگیر کو عدل و انصاف کا بڑا خیال تھا۔ حکام کو بار بار ہدایتیں کی جاتی تھیں کہ انصاف کریں۔ رعایا کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ جس حاکم سے کوئی شکایت ہو فوراً حضور میں پیش کریں۔ جہانگیر خوب جانتے تھے کہ غریب، بے یار و مددگار لوگوں کی رسائی دربار تک نہیں ہونے پاتی۔ مقربانِ خاص محافظینِ قصر اور دربار کے پہرہ والے انہیں روک دیتے ہیں اس لئے حکم دے دیا تھا کہ کسی شخص کو دربار میں آنے سے نہ روکا جائے۔ دربار کے اوقات کے علاوہ اگر کوئی فریاد لے کر آئے تو بیرونِ قصر تک اسے پہنچا دیا جائے۔ بیرونِ قصر کے محافظوں کو ہدایت کر دی تھی کہ اگر کوئی فریادی آئے تو اس کی اطلاع شہنشاہ کو فوراً دی جائے۔ پھر بھی یہ سوچ کر کہ شاید کوئی فریادی ایسا ہو جو دربار تک نہ آ سکے یا امراء اور حکام اسے وہاں تک نہ آنے دیں زنجیرِ عدل لٹکا دی گئی تھی اس کا ایک سرا قلعہ کی دیوار سے باہر تھا اور دوسرا شہنشاہ کی خوابگاہ میں تھا۔ اس میں

بہت سی گھنٹیاں لگا دی گئی تھیں۔ جب کوئی زنجیر کھینچتا تھا تو گھنٹیوں کے شور سے سارا محل گونج اٹھتا تھا۔ قلعہ کے باہر جہاں زنجیر لٹک رہی تھی پہرہ نہ تھا تاکہ فریادی کو کوئی رکاوٹ نہ ہو اور وہ جب وقت چاہے آکر زنجیر کھینچ لے۔

ان انتظامات کا یہ نتیجہ ہوا کہ جہانگیر کے حدود سلطنت سے ظلم و جبر کی بنیادیں اکھڑ گئیں۔ عدل و انصاف کا چشمہ بہہ نکلا۔ رشوت ستانی جاتی رہی امیر اور غریب۔ حاکم اور محکوم سب امن اور اطمینان سے رہنے لگے۔ دنیا بھر میں عدل جہانگیری کی دھوم ہو گئی۔

جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ شریعت اسلامیہ پر عمل ہوگا۔ چنانچہ اسلامی شریعت پر عمل کیا جانے لگا تھا۔ اور چونکہ اسلامی حکومت میں مسلم اور غیر مسلم سب کے حقوق کی حفاظت و نگہداشت کے قوانین ہیں اس لئے کسی کو کوئی شکایت نہ تھی اگر مسلمان خوش تھے اور وہ جہانگیر کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار تھے تو غیر مسلم بھی خوش تھے اور وہ بھی جاں نثاری کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

جہانگیر کو جو ہر دل عزیزی حاصل ہوئی وہ شہنشاہ اکبر کو حاصل نہ ہو سکی اور جو اطمینان جہانگیر کو تھا وہ اکبر کو میسر نہ آسکا چونکہ جہانگیر درخواستوں کی سماعت خود کرتے تھے اس لئے روزانہ دربار خاص کرتے تھے دربار خاص میں مقربان خاص ہی شریک ہوتے تھے۔

ایک روز جہانگیر دربار خاص کر رہے تھے لوگوں کی درخواستیں پیش ہو چکی تھیں۔ شہنشاہ انہیں پڑھوا کر سن رہے تھے۔

شہنشاہ جہانگیر شاہانہ لباس پہنے اور تاج زریں اوڑھے تخت پر متمکن تھے درباری کرسیوں پر حسب مراتب بیٹھے ہوئے تھے درخواست دہندہ ایک

طرف بیٹھے تھے جس کی عرضی حضور میں پیش ہوتی تھی اسے آواز دی جاتی تھی اس کے سامنے اس کی عرضی پڑھی جاتی تھی درخواست دہندہ کو اجازت تھی کہ جب اس کی عرضی پڑھی جا چکے تو زبانی بھی اسے جو کچھ عرض کرنا ہو کرے۔

شہنشاہ جہانگیر نہایت غور و توجہ سے درخواست سن کر مناسب حکم صادر کر رہے تھے اس وقت درباریوں کے علاوہ بہت سے امراء بھی موجود تھے ان میں شیخ فرید بخاری بھی تھے۔

اتفاق سے ایک شخص نے ایک درخواست پیش کی۔ اس درخواست میں ایک امیر کی شکایت تھی۔ شکایت یہ تھی کہ امیر کے مکان کے قریب سائل کا مکان ہے امیر نے اپنے مکان کا کچھ حصہ بڑھا کر بنانا شروع کیا ہے اس میں سائل کے مکان کی چار گز زمین لے لی ہے۔

جس امیر کی شکایت کی گئی تھی وہ مسلمان تھا اور اس وقت دربار میں موجود تھا شہنشاہ نے اس کی طرف دیکھا تاکہ وہ اس بیان کی تصدیق یا تکذیب کرے امیر اٹھ کر تخت کے قریب اس جگہ پہنچا جہاں مدعی اور مدعا علیہ کھڑے ہوتے تھے اس نے عرض کی۔ "عالم پناہ! سائل کی درخواست غلط ہے میرے اور سائل کے مکانوں کے بیچ میں تھوڑی سی زمین افتادہ تھی وہ زمین میں نے اپنے محل میں شامل کر لی ہے۔

جہانگیر نے کہا۔ عادل شہنشاہ کے سامنے جھوٹ نہ بولیئے۔

جہانگیر نے سائل سے مخاطب ہو کر کہا ۔۔۔ "تم مفصل بتاؤ"۔

سائل نے عرض کی۔ "عادل شہنشاہ! جس مکان میں میں رہتا ہوں وہ میرے باپ نے تعمیر کرایا تھا جو آراضی اس وقت افتادہ پڑی ہے اس میں ایک لاوارث اور غریب مسلمان عورت رہتی تھی۔ میرے والد

اس کی خبر گیری کرتے تھے۔ جب وہ مر گئے تو میں خبر گیری کرنے لگا جب وہ ضعیفہ مرنے لگی تو اس نے وہ مکان جس میں وہ رہتی تھی مجھے دے دیا تھا اور یہ وصیت کی تھی کہ میں اس کی تجہیز و تکفین کر دوں چنانچہ میں نے اس کی وصیت کے بموجب اس کی تجہیز و تکفین کرا دی تھی۔

امیر نے شہنشاہ سے عرض کی۔۔ عالم پناہ! اگر یہ سچا ہے تو ضعیفہ کی کوئی تحریر دکھائے۔

سائل۔ عادل شہنشاہ! ضعیفہ نے کوئی تحریر نہیں لکھی تھی زبانی وصیت کی تھی۔

جہانگیر۔ (امیر سے) کیا وہ زمین تمہاری تھی۔

امیر۔ عالم پناہ میری زمین نہ ہوتی تو میں اس پر قبضہ کیوں کرتا۔

جہانگیر۔ تمہارے مکان کو بنے ہوئے کتنا عرصہ ہوا۔

امیر۔ تقریباً دس برس ہوئے ہوں گے۔

جہانگیر۔ اس وقت تم نے اس آراضی کو کیوں اپنے محل میں شامل نہیں کر لیا تھا۔

امیر۔ اس میں وہی ضعیفہ رہتی تھی جس کا سائل نے ذکر کیا ہے چونکہ وہ غریب تھی اور اس کا کوئی ٹھکانا نہ تھا اس لئے میں نے اسے اس میں آباد رہنے دیا تھا۔

جہانگیر۔ گویا تمہیں یہ تسلیم ہے کہ اس افتادہ آراضی میں ضعیفہ رہتی تھی۔

امیر۔ جی ہاں لیکن اس وقت یہ آراضی افتادہ نہ تھی بلکہ اس میں کچھ عمارت بنی ہوئی تھی جو بوسیدہ تھی اور چند سال ہوئے جب گر پڑی تھی۔

جہانگیر۔ تمہارے پاس اس جگہ کا بیعنامہ ہے۔

امیر۔ نہیں

جہانگیر نے سائل سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ تمہارا کوئی گواہ ہے جو اس بات
شہادت دے کہ ضعیفہ نے تمہارے حق میں وصیت کی تھی۔

سائل۔ عادل شہنشاہ سارا محلہ اس بات کا شاہد ہے۔ دو آدمی اسوقت
میرے ساتھ آئے ہیں۔

جہانگیر۔ انہیں پیش کرو۔

دو آدمی بڑھ کر شہنشاہ جہانگیر کے حضور میں آئے دونوں نے شرعی طور پر
ف اٹھا کر شہادت دی کہ ضعیفہ نے ہمارے سامنے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی
یہ مکان تمہیں (سائل کو) دیتی ہوں میری تجہیز و تکفین کرا دینا چنانچہ اس نے
نہ کی تجہیز و تکفین کرا دی تھی۔

جہانگیر نے امیر سے کہا۔ تم ان سے جرح کرنا چاہتے ہو تو کرو۔

امیر۔ ظل اللہ! یہ محلے کے لوگ بڑے ہی سرکش و گستاخ ہیں مجھ سے عداوت
کھتے ہیں۔

جہانگیر نے گواہوں سے پوچھا۔ تم ان سے عداوت کیوں رکھتے ہو؟

ایک گواہ نے کہا۔ حضور ہماری ان سے دشمنی نہیں ہے البتہ یہ بات
رور ہے کہ یہ شراب پیتے ہیں اور شراب پی کر اپنے مکان کے سامنے بیٹھ جاتے
آنے جانے والوں کو گالیاں دیتے ہیں ہم محلہ والے ان سے تنگ آ گئے ہیں
روز محلے کے چند آدمی جمع ہو کر ان کے پاس گئے ان میں میں بھی تھا ہم نے انہیں
یا تو انہوں نے ناراض ہو کر ہمیں اپنے مکان سے نکلوا دیا۔

شہنشاہ نے امیر کی طرف دیکھا۔ امیر نے عرض کی۔ عالم پناہ! یہ لوگ

جھوٹ بولتے ہیں۔ میں بالکل شراب نہیں پیتا۔"

جہانگیر۔ مگر تمہاری حالت کہہ رہی ہے کہ تم اس وقت بھی شراب پیے ہوئے ہو۔

امیر۔ اعلیٰ حضرت۔ میں کبھی شراب نہیں پیتا۔ البتہ میری آنکھیں مخمور سی جیسی رہتی ہیں۔

جہانگیر۔ اچھا تم آگے آؤ۔

امیر لرز گیا۔ وہ بڑھ کر تخت کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ جہانگیر نے جھک کر اس کا منہ سونگھا۔ شراب کی بو آئی۔ جہانگیر غصہ سے سرخ ہو گئے انہوں نے بگڑ کر کہا۔۔۔۔

"جھوٹے بدکار! تیرے منہ سے تو اب بھی شراب کی بو آ رہی ہے۔"

امیر کانپ گیا اس نے گڑگڑا کر عرض کی "عالم پناہ! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ شراب نہ پیوں گا۔"

اس وقت دربار میں کئی علماء بھی موجود تھے۔ جہانگیر نے ان کی طرف دیکھا انھوں نے کھڑے ہو کر عرض کی "شرعاً اس پر حد جاری کیا جائے۔"

چنانچہ فوراً اس حکم کی تعمیل کی گئی سر دربار امیر کے کوڑے لگائے گئے اور امیروں کے کان کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے شراب پینے سے توبہ کر لی جہانگیر نے کہا۔ جو شخص شراب پیتا ہے وہ ضرور جھوٹ بولتا ہے۔ چنانچہ مکان کا فیصلہ سائل کے حق میں کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ امیر نے جو عمارت اس آراضی پر بنائی ہے وہ منہدم کر دی جائے۔"

اس کے بعد اور درخواستوں کی سماعت کی۔ جب تمام درخواستوں پر حکم صادر ہو چکا تو دربار برخاست ہو گیا۔ شہنشاہ اٹھے اس وقت شیخ فرید نے آگے بڑھ کر عرض کی۔ "مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔"

جہانگیر۔ عرض کرو۔

فرید۔ تخلیہ میں گزارش کرونگا۔

جہانگیر۔ اچھا ہمارے ساتھ آؤ۔

جہانگیر چلے فرید ان کے پیچھے ہو لیے۔

تینتیسواں باب (۳۳)

عرض حال

جہانگیر کے جلو میں اس وقت ان کے کئی جاں نثار اور کئی خواجہ سرا تھے خواجہ سرا چپ و راست ماہی مراتب اٹھائے زرق برق لباس میں ملبوس سونے چاندی کے گنگا جمنی عصا ہاتھوں میں لئے چلے جا رہے تھے ایک خواجہ سرا کرخت دار آواز میں کہتا جاتا تھا۔ ہوشیار! سکندر دوراں نوشیرواں ثانی۔ فخر سلاطین چغتائیہ شہنشاہ ہند ابو المظفر شہنشاہ جہانگیر تشریف لاتے ہیں۔

جب جہانگیر قصر کے دروازے پر پہنچے تو جاں نثاروں کی پلٹن وہیں ٹھہر گئی۔ شہنشاہ نے فرید بخاری کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ پیچھے چلے زینہ پر چڑھ بالاخانہ پر پہنچے یہاں ایک چھوٹا تخت مرصع زریں و سیمیں سنگ مرمر کے چبوترہ پر رکھا تھا اس کے اوپر زربفت کا شامیانہ تنا ہوا تھا جس میں خوشنما موتیوں کی جھالریں لگی ہوئی تھیں اور چاندی سونے کے چاند تارے ٹکے ہوئے تھے جن کی جھلملاہٹ سے تمام بالاخانہ جگمگا رہا تھا۔

شہنشاہ جہانگیر سیڑھیوں پر چڑھ کر چبوترہ پر پہنچے اور وہاں سے تخت پر جلوہ گر ہوگئے فوراً خواجہ سراؤں نے چتر جواہر نگار سر سے ذرا اونچا قائم کر دیا

وہ خواصیں آکر پشت کی طرف کھڑی ہوگئیں اور مورچھل جن کے دستے چاندی اور سونے کے نہایت سبک اور خوشنما تھے جھلنے لگیں۔

اس وقت بھی وہاں کئی خواجہ سرا موجود تھے جہانگیر نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تخلیہ"

فوراً تمام خواجہ سرا وہاں سے چلے گئے جہانگیر نے شیخ فرید بخاری سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اب عرض کرو۔"

شیخ فرید چبوترہ کے نیچے جو کرسیاں نیم دائرہ میں لگی ہوئی تھیں ان میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گئے انہوں نے عرض کی۔ "عالم پناہ میں اس وقت میں ایک سینہ خطاکار کا تذکرہ کرنے والا ہوں۔"

جہانگیر۔ "سینہ خطاکار! ...... اس کا نام بتاؤ"

فرید۔ "شیر افگن۔"

جہانگیر سوچتے ہوئے بولے ..... "شیر افگن .... کیا بردوان کا جاگیردار جو بنگالہ کا حاکم بھی تھا۔"

فرید۔ "جی ہاں یہی شخص۔"

جہانگیر۔ "تم نے اسے سینہ خطاکار کیسے کہا کیا اس نے ہمارے وفادار جاں نثار ایک رکن سلطنت قطب الدین کو قتل نہیں کیا۔؟"

فرید۔ "قطب الدین قتل ضرور ہوئے لیکن اس میں شیر افگن کی غلطی نہ تھی"

جہانگیر نے حیرت سے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو کیا تم اس وقت موجود نہ تھے جب قطب الدین کے قتل کی اطلاع دربار میں آئی تھی اس بات کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے مشکل سے ڈیڑھ سال گذرا ہوگا کیا اس وقت تم سب نے یہ تسلیم نہیں کیا تھا کہ شیر افگن باغی تھا

فرید۔ اس وقت یک طرفہ اطلاع آئی تھی اور اسی اطلاع کی بنا پر شیر افگن
ی قرار دیا گیا۔

جہانگیر۔ اگر شیر افگن باغی نہیں تھا تو اس نے ہمارے ایک وفادار کو کیوں
ڈالا۔

فرید۔ غلط فہمی کی وجہ سے ایسا ہوا۔

جہانگیر۔ غلط فہمی ...... کیا غلط فہمی ہو گئی۔

فرید۔ قطب الدین نے شیر افگن کو اپنے کیمپ میں طلب کیا جب وہ آیا تو کچھ
کرنے کے بعد قطب الدین نے اپنے سپاہیوں کو اسے حراست میں لینے کا
دے دیا۔ شیر افگن نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ سمجھا کہ اسے گرفتار کر کے قتل یا
ت کیا جائے گا وہ آدمی خود دار تھا اسے جوش آگیا اس نے قطب الدین
کر دیا۔ وار کاری پڑا قطب الدین مارے گئے شاہی سپاہیوں نے غصہ
آکر شیر افگن کے ٹکڑے اڑا دیئے۔

جہانگیر۔ کیا شیر افگن شاہی سپاہیوں سے نہیں لڑا۔

فرید۔ پیر و مرشد۔ نہیں۔ اسی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ
ی نہ تھا۔ اگر باغی ہوتا یا اس کے باغیانہ خیالات ہوتے تو وہ قطب الدین
بلانے پر بے دھڑک تنہا شاہی لشکر میں کبھی نہ آتا۔

جہانگیر۔ بیشک ٹھہرو۔ ہمیں بھی ایک بات یاد آرہی ہے۔

جہانگیر سوچنے لگے انہوں نے ایک بڑا تکیہ جس پر ریشمین زرنگار غلاف
ھا ہوا تھا اٹھا کر اپنے زانوؤں پر رکھا۔ اس پر دونوں ہاتھوں کی کہنیاں
یں اور ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر غور کرنے لگے تھوڑی دیر
انہوں نے کہا ــــ یاد آگیا جب قطب الدین کو اس مہم پر مامور کیا گیا تھا

تو اس نے عرض کیا تھا کہ وہ شیر افگن کو حراست میں لینے کی کوشش کرے گا۔ ا

وہ وفادار ہے تو اسے اس میں کوئی اعتراض نہ ہوگا ہمیں یہ بھی یاد آیا کہ

نے اس سے کہا تھا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے شیر افگن کے دل میں اشتعا

پیدا ہو ممکن ہے قطب الدین نے اسے طلب کرکے حراست میں لینے کی کوشش کی

فرید۔ بات یہی ہوئی ظل اللہ۔

جہانگیر۔ لیکن بردوان سے ایک شخص آیا تھا وہ اپنے آپ کو شیر افگن کا

دوست بتاتا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ شیر افگن خروج کی فکر میں ہے اس کا نا

کچھ ایسا ہی تھا۔

فرید۔ اس کا نام عنایت بیگ تھا

جہانگیر۔ ہاں عنایت بیگ ہی تھا۔

فرید۔ عنایت بیگ، شیر افگن کا دوست نہیں دشمن تھا۔ وہ مار آستین

تھا۔ اس نے دوست بن کر دشمنی کی۔

جہانگیر۔ لیکن کیوں اس نے ایسا کیا وہ شیر افگن کا منصب و جاگیر حاصل

کرنا چاہتا تھا۔

فرید۔ جی نہیں بلکہ اس کی غداری اور مکاری میں حسن و عشق کی کا

فرمائی تھی۔

جہانگیر نے اشتیاق کی نظروں سے فرید کو دیکھ کر کہا۔ اس کا کیا

مطلب مفصل عرض کرو۔

فرید۔ بات یہ ہے کہ شیر افگن کی جورو نہایت خوبصورت ہے

عنایت بیگ نے کہیں اسے دیکھ لیا تھا وہ اس پر فریفتہ ہو گیا اس نے اسے

حاصل کرنے کے لئے شیر افگن سے دوستی کی اور اسے مروا کر اس کی بیوی کو

...ں کرنے کے لئے مکر و فریب کا جال بچھایا۔

جہانگیر کو غصہ آگیا۔ انہوں نے کہا ـــــ ایسا غدار جو دوسرے کی بیو...
...ں کو تکتا پھرے سخت سزا کا مستحق ہے۔

فرید ـــ بے شک، عادل شہنشاہ۔

جہانگیر ـ کیا شیر افگن کی بیوی کوئی بنگالن ہے۔؟

فرید ـ جی نہیں ـ وہ مرزا غیاث کی بیٹی مہرالنسا ہے۔

جہانگیر ـ مرزا غیاث بیگ ـــــ کیا وہی جو ہمارے ولی عہدی کے
...یں ناظم بیوتات تھے جنھیں ہم نے اعتماد الدولہ کا خطاب عطا کیا تھا
...جو آج کل پنجاب میں ہیں۔

فرید ـ ظل اللہ ـ وہی غیاث بیگ۔

جہانگیر کو یا تو مہرالنساء سے بڑی محبت ہوگئی تھی یا جب اس کا شاہی
...میں آنا جانا بند ہوگیا تو رفتہ رفتہ وہ اسے بھول گئے اور ایسے بھولے کہ
...وقت اس کا نام لیئے جانے پر بھی وہ انہیں یاد نہ آئی انہوں نے کہا، مگر
...یہ واقعات کیسے معلوم ہوئے۔

فرید ـ اعلیٰ حضرت نے شیر افگن کی جاگیر اور دولت ضبط کرلی ہے اس
وہ معہ اپنی ماں اور اپنی لڑکی کے نہایت پریشانی کے عالم میں مصائب و ستم
...تکالیف برداشت کرکے دارالسلطنت میں آئی ہے وہ میرے پاس آئی اور
...نے قسم کھا کر یہ تمام واقعات مجھ سے بیان کئے۔

جہانگیر ـ کیا وہ اپنے شوہر کی جاگیر اور دولت چاہتی ہے۔

از سیر المتاخرین جلد دوئم صفحہ ۱۲۳

فرید - نہیں عالم پناہ - صرف وہ یہ چاہتی ہے کہ معاملہ کی اصلیت ظل اللہ کے گوش گذار ہو جائے اور اس کے شوہر پر بغاوت کا جو الزام گیا ہے وہ دور ہو جائے۔

جہانگیر - تب تو اس کی نیت نیک معلوم ہوتی ہے — لیکن اگر اس شوہر پر اور اس پر ظلم ہوا تھا تو اس نے دار السلطنت میں آکر زنجیر کو کیوں نہیں کھینچا۔

فرید - بیچاری غمزدہ عورت ڈرتی رہی کہ کہیں عالم پناہ شیر افگن پسماندگان سے ناخوش نہ ہوں اور یہ سن کر کہ اس کی بیوہ یہاں آگئی اس پر بھی عتاب نازل نہ کریں۔

جہانگیر - کیا انھیں معلوم نہیں کہ ہم انصاف کرتے ہیں۔

فرید - معلوم ہے مگر ایک باغی کی بیوہ کو خوف ہی رہا اسی لئے اس توسل ڈھونڈا۔

جہانگیر - اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا تم اپنے معتمدوں میں سے کو بھیجو وہ بردوان جاکر معاملہ کی تحقیقات کرے لوگوں کے بیانات لے ا عنایت بیگ کو ساتھ لے کر واپس آئے۔

فرید - بہت بہتر۔

جہانگیر - شیر افگن کی بیوہ کہاں مقیم ہے۔

فرید - اسی مکان میں جس میں اس کے باپ مقیم تھے۔

جہانگیر - جب تک تحقیقات ہو اس کے اخراجات شاہی خزانہ ادا کئے جائیں - ٹھہرو ہم وزیر خزانہ کو حکم لکھتے ہیں۔

اسی وقت جہانگیر نے وزیر خزانہ کو ایک فرمان لکھ کر ایک خوا

کو دیا وہ لے کر چلا گیا۔ فرید نے اٹھ کر سلام کیا اور واپس لوٹ آئے۔

چونتیسواں باب (۳۴)

اظہارِ تاسف

مہرالنساء خوش قسمت عورت تھی۔ وہ جب سے پیدا ہوئی تھی اس نے رنج و غم اور فکر و پریشانی کی صورت نہیں دیکھی تھی ہمیشہ خوش و خرم رہتی تھی ــــ لیکن جب تک کسی انسان پر خود کوئی مصیبت نہیں پڑتی اس وقت تک وہ دوسروں کی مصیبت اور غم و تکلیف کا اندازہ نہیں کر سکتا اس لئے یہ قدرت کا قانون ہے کہ وہ آشنائے غم کرنے کے لئے امیروں اور بادشاہوں کو بھی مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو انسانوں میں ہمدردی پیدا نہ ہو۔

تاریخوں کا غور سے مطالعہ کرو بادشاہوں پر ایک نہ ایک آفت نازل ہوتی ہے ــــ امیر غریب ہوتے ہیں اور غریب امیر ہوتے نظر آتے ہیں۔ امیروں اور بادشاہوں کے ابتلا میں مبتلا ہونے کو کوسنے لگتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ قانون قدرت کے تحت میں ایسا ہوتا ہے اسی کو نوشتہ تقدیر کہتے ہیں۔

نہ تدبیروں سے تقدیریں بدلا کرتی ہیں اور نہ کوششوں سے قسمتیں بدلا کرتی ہیں انسان اپنی قسمت بنانے کے لئے انتہائی کوشش کرتا ہے لیکن بسا اوقات تدبیریں الٹی ہو جاتی ہیں تب تقدیر کا قائل ہونا پڑتا ہے مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تدبیر ہی نہ کی جائے محض تقدیر کے بھروسہ پر بیٹھا

توڑ کر بیٹھ جایا جائے

زندگی جد و جہد کا نام ہے دنیا میں وہی شہرت، عزت اور دولت حاصل کرتا ہے جو جد و جہد کرتا رہتا ہے محنت رائیگاں نہیں جاتی ایک نہ ایک دن ضرور پھل لاتی ہے انسان مشیت کا محکوم ہے اسے اپنی طرف سے کوشش کرنی چاہیئے نتیجہ کو مشیت پر چھوڑ دے۔

مہرالنساء ہمیشہ مسرور رہی لیکن اس پر بھی وقت آیا، برا وقت آیا اور ایسا برا کہ غم و درد نے اسے کچل دیا۔ شوہر مارے گئے عین جوانی میں بیوہ ہو گئی جاگیر و دولت جاتی رہی جو زیور و سامان پاس تھا وہ رفتہ رفتہ خرچ ہونے لگا یہ بات مشہور ہے کہ اگر آمدنی نہ ہو اور خرچ ہی ہوتا رہے تو قارون کا خزانہ بھی کفایت نہیں کرتا۔

مہرالنساء بھی زیورات فروخت کرکے گزر کر رہی تھی - ایک طرف بیوگی کا صدمہ تھا تو دوسری طرف اخراجات کا فکر ان غموں نے اسے گھلانا شروع کر دیا تھا اس کی والدہ اسے تسلی دیتی رہتی تھی کہ وہ خوش قسمت ہے وہ اس وقت اپنا اور اپنے والدین کا رزق لے کر آئی تھی جب وہ پیدا ہوئی تھی - فکر نہ کرے ممکن ہے قدرت کو کچھ بہتری منظور ہو۔

مہرالنساء خود سمجھدار عورت تھی - تعلیمیافتہ تھی تمام باتیں خوب سمجھتی تھی لیکن زندگی کے صدموں نے اسے کچھ متزلزل کر دیا تھا سوچتی تھی میری بربادی میں قدرت کی بھلائی کیسے مضمر ہو سکتی ہے محبت کرنے والا شوہر مر گیا۔ دولت جاتی رہی غربت سے آشنائی ہو گئی۔ اب میری تقدیر میں خوشی کہاں خوش قسمت ہوتی تو یہ مصیبت ہی کیوں پڑتی۔

لیکن قدرت سے کون لڑ سکتا ہے - انسان بے بس ہے صبر و شکر کرنا ہی پڑتا

ہے۔ مہرالنساء بھی صبر کر رہی تھی اسے یہ لو لگی ہوئی تھی کہ اس کے شوہر سے بغاوت کا الزام دور ہو جائے اسی کوشش میں وہ لگی ہوئی تھی۔ شیخ فرید بخاری سے اسی لئے ملی تھی ابھی وہ انھیں کے مکان پر مقیم تھی۔

شیخ فرید نیک طبیعت انسان تھے انھوں نے اس کی امداد کرنے کا وعدہ کرلیا تھا۔ وہ موقع کے منتظر تھے۔ آخر موقع آگیا انھوں نے شہنشاہ جہانگیر کے گوش گزار مہرالنساء اور اس کے شوہر کی داستان کردی جہانگیر کو رحم آگیا انھوں نے تحقیقات کا حکم صادر کردیا۔

شیخ فرید نے یہ خوشخبری مہرالنساء کو جا سنائی اس غمزدہ کو غم میں خوشی کی جھلک نظر آئی طبیعت کو کچھ سکون ہوا نوشتۂ قسمت کا انتظار کرنے لگی۔

شیخ فرید نے ایک معتمد کو بنگال روانہ کیا اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ وہ ہر طبقے کے لوگوں سے تحقیقات کرے عنایت بیگ کو ساتھ لائے وہ خوشی کے ساتھ نہ آئے تو بنگالہ کے حاکم سے رجوع کرے۔

جب معتمد روانہ ہوگیا تو مہرالنساء شیخ فرید سے اجازت لے کر اپنے گھر چلی آئی اگلے ہی روز وزیر خزانہ نے ڈھائی سو روپیے مہرالنساء کے پاس بھجوا دیئے۔

مہرالنساء کا خرچ شاہانہ تھا۔ ڈیڑھ سو روپے ایک روز کے تھے لیکن نہ ہونے سے ہونا غنیمت ہوا زیادہ نہیں تو کچھ خرچ کا سہارا ہوگیا۔

دن گزرتے رہے مہرالنساء شیخ فرید کے پاس سے آٹھویں دسویں روز خبر منگالیتی تھی کہ معتمد واپس آیا کہ نہیں۔ ہمیشہ اسے یہی جواب ملتا کہ ابھی نہیں آیا تقریباً چار مہینے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ معتمد واپس آگیا ہے اس کی تحقیقات سے مہرالنساء کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے ایک دو ہی روز میں معتمد کو شہنشاہ جہانگیر کے حضور میں پیش کیا جائے گا مہرالنساء کو اس سے بڑی مسرت ہوئی۔

شیخ فرید نے ایک روز شہنشاہ جہانگیر سے تخلیہ میں عرض کیا کہ "میں نے معتمد بنگالہ بھیجا تھا وہ شیر افگن کے متعلق تحقیقات کرکے واپس آگیا ہے۔"

شہنشاہ نے حکم دیا کہ "اسے حاضر کرو"

شیخ فرید اسے اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے۔ انہوں نے اسے بلوا کر حاضر کر دیا۔ اس نے نہایت ادب سے شہنشاہ کو سلام کیا شہنشاہ نے دریافت کیا۔ "تم نے کس طرح تحقیقات کی؟

معتمد نے عرض کی۔ عالم پناہ! میں نے شیر افگن کا مخالف بن کر تحقیقات

جہانگیر۔ ٹھیک ہے ہم اسی طرح چاہتے تھے۔ کیا معلوم ہوا۔

معتمد۔ ہر ایک نے یہی بیان کیا کہ شیر افگن کی کچھ خطا نہیں تھی قطب الدین نے انہیں اپنے کیمپ میں طلب کیا وہ بےخوف چلے آئے قطب الدین نے اپنے سپاہیوں کو انہیں حراست میں لینے کا اشارہ کیا وہ سمجھے قطب الدین نے انہیں دھوکا دیا انہوں نے جوش میں آکر قطب الدین کو قتل کر ڈالا۔ شاہی سپاہیوں نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے۔

جہانگیر۔ یہ بات کن لوگوں سے معلوم ہوئی۔

فرید۔ عالم پناہ! شیر افگن کی بیوہ نے بھی یہی بیان دیا تھا۔

جہانگیر۔ ہمیں یاد ہے ابھی چند روز کا عرصہ ہوا ہمیں بنگالہ سے یہی اطلاع پہنچی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قطب الدین اور شیر افگن دونوں جوانمرد تھے اور دونوں ہی غلط فہمی کا شکار ہو گئے[1] اس کا ہمیں افسوس ہوا عنایت بیگ کو ساتھ

---

[1] تاریخ ہند کے چند تراجم میں لکھا ہے کہ جب جہانگیر کو معلوم ہوا کہ دونوں جوانمرد غلط فہمی کا شکار تو انہیں سخت افسوس ہوا انہیں یقین آگیا کہ شیر افگن بے قصور تھے۔　　صادق صدیقی سردھنوی

معتمد۔ نہیں ظل اللہ۔ وہ مرچکے ہیں۔

جہانگیر نے بیساختہ کہا۔ وہ مر کیسے گئے ابھی تو تحقیقات ہونی باقی تھی۔" پھر خود ہی کچھ سمجھ کر ہنسے اور کہا ــــ " وہ مر گیا۔ کیا کچھ بیمار ہوا تھا۔

معتمد۔ لوگوں کا بیان ہے کہ مرنے سے چند روز پہلے اس پہ عجیب کیفیت طاری ہوگئی تھی وہ سہما رہتا تھا۔ کبھی کہتا تھا کہ مہرالنساء آگئی۔ میں خطادار ہوں۔ کبھی چلا اٹھتا شیر افگن میری بوٹیاں نوچ رہے ہیں آخر ایک روز اس کا دم نکل گیا۔

جہانگیر۔ اس نے دوست کے ساتھ غداری کی اس کا یہی حشر ہونا چاہیے تھا۔ اچھا تمہیں اجازت ہے۔

معتمد نے عرض کی۔ جہاں پناہ میں نے لوگوں کے بیانات لئے تھے۔ کیا پیش کر دوں۔

جہانگیر۔ پیش کرو۔

معتمد نے ایک لمبا کاغذ پیش کیا جہانگیر نے اس کا مضمون خود پڑھا لوگوں کے دستخط دیکھے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ معتمد سلام کر کے چلا گیا۔ جہانگیر نے کہا ــــ شیر افگن کی بے قصوری ثابت ہوگئی۔ اس کی بیوہ پر ہم نے عتاب کر کے ناانصافی کی ہے۔ ہمیں اس کا ملال ہوا اب ہم اس پر مہربانی کرنا چاہتے ہیں۔"

فرید۔ عالم پناہ! مہرالنساء کی آرزو یہ تھی کہ اس کے شوہر پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ واپس لے لیا جائے۔

جہانگیر۔ آج واپس لے لیا گیا۔ ہم اعلان کر دیں گے کہ شیر افگن سلطنت کے وفادار تھے۔ لیکن اس اعلان سے اس کی بیوہ کی کافی طور پہ اشک شوئی ہوگی اس نے تکلیفیں برداشت کی ہیں ان کا معاوضہ پورا ملنا چاہیے" ــــ خوب یاد آیا ہم شیر افگن کی بیوہ کو اپنی والدہ کی خدمت میں مقرر کرتے ہیں۔

اس زمانہ میں شہنشاہ کی والدہ کی خدمت پر کسی کا مامور ہونا بڑی عزت کی بات

سمجھی جاتی تھی۔ امراء کی بیگمات اس منصب پر مامور ہوتی تھیں جو کنیز دلہا کی پلٹن والدہ سلطانہ کی خدمت پر مامور ہوتی تھی۔ شاہزادیوں کی شان سے اسے رہنا ہوتا تھا۔ شیخ فرید نے کہا۔ "عالم پناہ! اسے یہ منصب عطا فرما دیں گے تو اس کی عزت بڑھ جائے گی۔"

جہانگیر۔ ہم نے اسے یہ منصب عطا کر دیا اسے یہ خوشخبری جا کر سنا دو شاہی خدام اسے کل لینے آئیں گے۔

فرید نے شہنشاہ کا شکریہ ادا کیا۔ اٹھے اور سلام کرتے ہوئے وہاں سے چلے آئے۔

حصہ دوم ختم

ایک غیر فانی تاریخی ناول



حصّہ سوم

مصنفہ

صادق حسین صدیقی سردھنوی

ملکہ نورجہاں کی مفصل داستان حیات - جہانگیر کا عہد زریں
اور مغلوں و راجپوتوں کی تاریخی معرکہ آرائیاں

پہلا باب (۱)

عزت افزائی

فرید نے شہنشاہ کے پاس سے آتے ہی ایک کنیز کے ہاتھ یہ خوشخبری مہرالنساء کے پاس پہنچادی۔ مہرالنساء کو یہ خبر سن کر بڑی خوشی ہوئی اس نے سجدہ شکر ادا کیا اسی روز اہل آگرہ کو لوگوں کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا کہ حکومت نے شیرافگن کی بےگناہی قبول کرلی ہے۔ وہ باغی نہیں تھے۔ سننے والوں نے مہرالنساء سے بھی آکر کہا۔ یہ دوسری خوشی تھی جو اسے حاصل ہوئی ہے اسی مقصد کے لیے بردوان سے اتنا لمبا سفر کرکے آگرہ آئی تھی اس سے اسے بڑی مسرت ہوئی اس کی والدہ نے کہا۔ ''دیکھا مہرو۔ اب تو یقین ہوا کہ تو خوش قسمت ہے شیرافگن کے دامن سے بغاوت کی بدنامی کا دھبہ دھل گیا اور تجھے والدہ شہنشاہ کی خدمت کا منصب عطا ہوا یہ بڑی عزت کی بات ہے۔''

مہرالنساء کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے اس نے کہا ''کاش آج وہ (شیرافگن) زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے کیا معزز منصب حاصل کیا ہے۔''

اس کی والدہ یعنی بیگم نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''باؤلی خوشی کے موقع

روناکیا۔ دیکھو اب کتنے امراء کے پیغام شادی کے لئے آتے ہیں۔"

مہر النساء۔ امی جان پیغام آئیں۔ اب طبیعت میں امنگ اور دل میں کی حسرت ہی باقی نہیں رہی۔

بیگم۔ واہ! واہ! کیا تو بوڑھی ہو گئی۔ ابھی تو تیری عمر تنتیس[1] چونتیس سال کی ہے۔

مہر النساء۔ یہ سچ ہے مگر امی مجھے صدمات نے نچوڑ لیا ہے۔

بیگم۔ ایسی یاس کی باتیں نہیں کیا کرتے۔

دوسرے روز ہی شاہی خدام کئی سواریاں لے کر آ گئے۔ شاہی رسالہ بھی ساتھ تھا۔ مہر النساء مع اپنی والدہ اور بیٹی کے سوار ہوئی اپنی کنیزوں کو بھی ساتھ سامان و اسباب بھی بار کیا اور نہایت ہی شان سے شاہی محلات کی طرف جب وہ دروازۂ قصر پر پہنچی تو بے شمار کنیزوں اور خواجہ سراؤں نے اس استقبال کیا۔

دراصل والدۂ شہنشاہ کی پیش خدمت کا عہدہ پرائیویٹ سکریٹری کا سا تا ہے اس لئے اس کی بڑی عزت ہوتی تھی مہر النساء کی بھی بڑی عزت منزلت گی۔

جس قصر میں مریم مکانی (اکبر کی والدہ حمیدہ بانو بیگم) رہتی تھیں اب ہاں ملکہ زمانی (شہنشاہ جہانگیر کی والدہ جودھا بائی) رہنے لگی تھیں جودھا بائی قصر میں ملکۂ عالم ہونے کی حیثیت سے رہا کرتی تھیں اس میں سلطانہ بیگم مقیم

تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب مہر النساء کو والدہ شہنشاہ کی خدمت منصب پر جہانگیر نے مامور کی عمر ۳۴ سال کی ہو چکی تھی۔ (صادق صدیقی۔ سردھنوی)

ہو گئی تھیں۔

مہر النساء کو ملکہ زمانی کے قصر کے ملحق ایک خوبصورت مکان رہنے کو دیا گیا اس نے اس میں قیام کیا۔ ایک روز ٹھہر کر دوسرے روز کنیزوں کے جھرمٹ میں ملکہ زمانی کے سلام کو گئی۔

مہر النساء نے بڑے ادب سے ملکہ زمانی کو سلام کیا۔ ملکہ زمانی نے سلام لے کر اسے غور سے دیکھنا شروع کیا انہیں اس کی صورت کچھ آشنا معلوم ہوئی وہ اپنے حافظہ پر زور دے کر یاد کرنے لگیں کہ وہ کون ہے اور اسے انہوں نے کہاں دیکھا تھا۔

مہر النساء نیچی نگاہیں کئے کھڑی رہی ملکہ زمانی نے کہا "بیٹھ جاؤ نہ کھڑی کب تک رہو گی"

مہر النساء سلام کر کے بیٹھ گئی۔ ملکہ زمانی نے کہا "ہم نے پہلے بھی تمہیں کہیں دیکھا ہے لیکن یاد نہیں آتا کہاں دیکھا تھا۔

مہر النساء کو آغاز جوانی میں ان محلات میں آنا اور ملکہ زمانی کا اور پھر مریم مکانی کا مالا اور ہار عطا کرنا یاد آ گیا۔ اس کا وہ زمانہ بچپن کا زمانہ سمجھا جاتا تھا اس وقت شاہزادیاں اس کے ساتھ دوڑا پھرا کرتی تھیں طفلانہ امنگ ایک نٹ چین سے نہ بیٹھنے دیتی تھی اب وہ ایک عورت ہو گئی تھی۔ سمجھدار اور سنجیدہ مزاج عورت اس پر یوہ۔ پرانی یاد سے اس کے نازک دل کو ٹھیس لگی اس نے کہا "ملکہ زمانی کا خیال درست ہے میں بچپن میں یہاں آیا کرتی تھی۔

ملکہ زمانی۔ یہی بات ہے۔ تم کس کی بیٹی ہو۔

مہر النساء۔ مرزا غیاث بیگ طہرانی کی۔

ملکہ زمانی۔ اوہ یاد آ گیا۔ تمہارا نام مہر النساء ہے شاید۔

مہرالنساء۔ جی ہاں۔

ملکہ زمانی کو وہ تمام واقعات یاد آ گئے جو عرصہ دس بارہ سال کا ہوا جب گزرے تھے یعنی مہرالنساء کی طرف شاہزادہ سلیم کا جو اب شہنشاہ جہانگیر ہو گئے تھے۔ فت ہونا۔ سلطانہ بیگم کا ان سے شکایت کرنا۔ ان کا اکبر سے عرض کرنا اور بر کے مشورہ سے مہرالنساء کی والدہ کو اسے محلوں میں نہ لانے کی ہدایت کر کے س کی شادی کی ترغیب دینا۔

ملکہ زمانی اب بھی غور سے مہرالنساء کی صورت دیکھ رہی تھی۔ انہیں اس ر میں بھی اس کی صورت میں بھی ایسی جاذبیت اور کشش معلوم ہوئی جو بیساختہ وں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ انہوں نے کہا۔ تمہاری تو شادی ہو گئی تھی۔

اس سوال سے مہرالنساء کے دل پر گھونسہ سا لگا اسے وہ زمانہ یاد آ گیا ب اس کی شادی ہوئی تھی۔ شیرافگن اس سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ س کی دنیا روشن تھی۔ وہ اپنے آپ کو جیسے جی جنت میں سمجھتی تھی۔ اس کی یائے مسرت تاراج ہو گئی تھی۔ اب نہ محبت کرنے والا رہا تھا نہ عیش و آرام جنت رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اس نے کہا۔" جی ں ہو گئی تھی۔"

ملکہ زمانی۔ تمہارے شوہر شاید مر گئے۔

مہرالنساء۔ جی نہیں مار ڈالے گئے۔

ملکہ زمانی۔ کس نے مار ڈالا۔

مہرالنساء۔ اب تو یہی کہوں گی کہ موت نے مار ڈالا۔

ملکہ زمانی۔ مفصل سناؤ۔

مہرالنساء۔ ہوا یہ کہ میرے سرتاج پر دشمنوں نے بغاوت کا الزام لگا دیا

شہنشاہ نے قطب الدین کو یہاں سے بھیجا۔۔۔۔۔

ملکہ زمانی۔ ہم سمجھ گئے۔ تم شیر افگن سے بیاہی گئی تھیں لیکن اس بات کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ وہ باغی نہ تھے۔

مہر النساء۔ یہ شہنشاہ نے مجھ پر احسان کیا ہے۔

ملکہ زمانی۔ کیا تم نے شہنشاہ جہانگیر سے معافی کی درخواست کی تھی؟

مہر النساء۔ جی ہاں۔

ملکہ زمانی۔ خود ملی تھیں۔

مہر النساء۔ جی نہیں۔ شیخ فرید بخاری کے ذریعہ سے درخواست کی تھی شہنشاہ نے اول تحقیقات کرائی۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ باغی نہیں تھے تب انہوں نے اعلان کیا ہے۔

ملکہ زمانی کو خوف ہو گیا تھا کہ کہیں مہر النساء جہانگیر سے ملی تو نہیں۔ انہیں اب بھی یہ اندیشہ تھا کہ اگر جہانگیر نے اس غارت گر صبر و قرار کو دیکھ لیا تو کہیں ان کی محبت کی دبی ہوئی چنگاری ابھر کر شعلۂ عشق نہ ہو جائے اس لئے انہوں نے کہا۔ "تم جہانگیر کے سامنے نہ ہونا۔"

مہر النساء کا خود بھی ارادہ تھا کہ وہ حتی الامکان شہنشاہ جہانگیر کے سامنے نہ ہوگی۔ اب اور بھی اس نے یہ قصد کر لیا مگر اسے تعجب ہوا کہ ملکہ زمانی نے ایسے پیش بندی کیوں کی۔ اسے شبہہ ہوا کہ کہیں اس کی خوبصورتی بدستور باقی تو نہیں ہے۔ اسے خیال ہو گیا تھا کہ عمر نے اور غموں نے اس کے حسن کو گھن لگا دیا ہوگا۔ جب سے وہ بیوہ ہوئی تھی اس نے آئینہ نہیں دیکھا تھا اسے کیا معلوم تھا کہ حسن اس پر فریفتہ ہے اس کے چہرے میں ایسی جاذبیت ہے کہ جو دیکھتا ہے۔ دیکھتا ہی رہ جاتا ہے نہ زیادہ عمر ہو جانے سے اس کا حسن گھٹا۔ نہ غموں

ره کی جاذبیت کم ہوئی۔

ہر النساء نے کہا۔ مجھے شہنشاہ سے کیا کام ہے میں تو آپ کی خدمت پر
ی گئی ہوں۔"

ملکہ زمانی۔ ٹھیک ہے تم اپنے فرائض ہوشیاری سے انجام دیتی رہو۔ دیکھو
بات کا اور لحاظ رکھنا۔

ہر النساء۔ ارشاد فرمائیے۔

ملکہ زمانی۔ مذہبی جھگڑے میں نہ پڑنا۔

ہر النساء۔ مجھے مذہبی جھگڑوں سے کیا واسطہ

ملکہ زمانی۔ ایک سمجھدار اور ہوشیار عورت کو ایسا ہی ہونا چاہیئے ہم نے
ے اس لئے کہی کہ شاہی محلات میں راجپوتنیاں اور مغل شاہزادیاں
ہے ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مذہب کی پابند ہے۔ اپنی اپنی معاشرت
ہیں۔ تم ایرانی ہو۔ مذہباً شیعہ ہو۔ تم اپنے مذہب پر قائم رہو اپنی معاشرت
کسی اور کو کچھ تلقین نہ کرنا۔ یہی قصر شاہی کا آئین ہے۔

ہر النساء۔ میں اس قانون کا احترام کروں گی۔

ملکہ زمانی۔ ہمیں تم سے اس وقت بھی محبت تھی۔ جب تم نوجوان تھیں محل
یا کرتی تھیں اب بھی محبت ہے جب کہ تم ایک سمجھدار عورت ہو گئی ہو۔

ہر النساء۔ یہ کنیز ملکہ زمانی کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

ہ زمانی۔ تم اپنا زیادہ وقت ہمارے پاس گزارا کرو۔

النساء۔ یہ بات تو میرے فرائض میں داخل ہے۔

لکہ زمانی۔ لیکن جب جہانگیر ہمارے پاس آیا کرے تو تم ٹل جایا کرنا۔

ہر النساء۔ ایسا ہی ہوگا۔

اسی روز سے مہر النساء نے اپنے فرائض ادا کرنے شروع کر دیئے جب
تک کام ہوتا وہ کام کرتی ۔ کنیزوں کو ہدایتیں دیتی اور جب کام نہ ہوتا یا
ختم ہو جاتا تو وہ ملکہ زمانی کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتی ۔ وہ شاعرہ تھی انہیں اپنے
اشعار سناتی اور جب اپنی قیام گاہ پہ پہنچتی تو اس منصب کے عطا ہونے
خدا کا شکر ادا کرتی ۔

دوسرا باب (۲)

تماشائے حسن

مہر النساء ایسے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز ہوئی تھی کہ تمام امراء سول حکام
اور فوجی افسران اس کی توجہ کے محتاج رہتے تھے ۔ بات یہ تھی کہ ملکہ زمانی شہنشاہ
جہانگیر کی والدہ تھیں وہ جس کسی کی کوئی سفارش جہانگیر سے کر دیتیں وہ
سنی جاتی لیکن ملکہ زمانی تک رسائی ان کی سکرٹری کے ذریعہ سے ہو سکتی تھی
اور سکرٹری مہر النساء تھی ۔ اس لئے سب اسے خوش رکھنے کی کوشش
کرتے تھے ۔

مہر النساء کے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ شاید وہ ابھی تک کافی خوبصورت
نہیں ہے ۔ اسی وجہ سے ملکہ زمانی اسے شہنشاہ کے سامنے ہونے سے روکتی ہیں
اس نے چاہا کہ وہ آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر اپنے حسن کا جائزہ لے لیکن دل
نے اجازت نہ دی کئی مرتبہ آئینہ ہاتھ میں لیا اور رکھ دیا ۔ دیکھ نہ سکی ۔

ایک بات البتہ یہ دیکھی تھی کہ عورت یا خواجہ سرا اس سے بات کرتے
اس کی صورت تکا کرتے کنیزوں اور خواجہ سراؤں کے علاوہ وہ شاہی خاندان

بیگمات اور شاہزادیاں بھی اکثر اس کا منہ دیکھا کرتیں۔

مہرالنساء اچھی تعلیم یافتہ عورت تھی۔ فارسی اس کی مادری زبان تھی
جب تک مادری زبان کو حاصل نہ کیا جائے اچھی طرح نہیں آتی صحت
الفاظ پڑھنے پر ہی منحصر ہے پھر عربی فارسی اور اردو زبانیں اچھی طرح پڑھنے
حاصل ہوتی ہیں کیونکہ ان زبانوں میں س۔ش۔ص۔ث۔ہ۔ح۔ق۔ا۔ء
ع۔ز۔ذ۔ض اور ظ مختلف طریقوں پر ادا کئے جاتے ہیں اور جب تک آدمی
پڑھا نہ ہو صحیح املا نہیں لکھ سکتا۔ اور زبانوں میں یہ بات نہیں ہے۔
مہرالنساء نے فارسی پر عبور حاصل کر کے عربی بھی کچھ پڑھی تھی اور چونکہ عہد اکبر
ایک نئی زبان جاری ہوئی تھی جسے اب اردو کہا جاتا ہے اس لئے وہ اسے
حاصل کر رہی تھی۔

تعلیم سے انسان کے دل و دماغ روشن ہو جاتے ہیں۔ جاہل آدمی تاریکی میں
رہتا ہے اس کی مثال بالکل اس بیل یا گدھے کی سی ہے جو رات دن جوتا جاتا
ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ اسی لئے پیدا ہوا ہے اس کی دنیا محدود ہوتی ہے
بات محدود ہوتی ہے اور عقل بھی محدود ہوتی ہے وہ کسی قسم کی ترقی ہی نہیں
سکتا۔ جب اسے کچھ معلوم ہی نہیں تو ترقی ہی کیا کرے آخر ایک دن گمنامی کی
موت میں مر جاتا ہے لیکن تعلیمیافتہ انسان روشنی میں آ جاتا ہے۔ اس کی
بڑھ جاتی ہے اس کی دنیا وسیع ہوتی ہے اس کے سامنے ترقی کے زینے ہوتے
اور بتدریج وہ ان زینوں پر چڑھتا ہے شہرت، دولت اور عزت حاصل
ہے اپنے خاندان تک کا نام روشن کر دیتا ہے اور اپنی یادگار چھوڑ جاتا
عرصہ تک اس کی یاد دلاتی ہے۔ آج جو سائنس نے ترقی کی ہے وہ علم ہی
بدولت ہے۔ علم سے بجلی پر قبضہ پا لیا گیا۔ بجلی سے صدہا حیرتناک کام لئے جا رہے

ہیں۔ مثلاً تار۔ ٹیلیفون۔ ریڈیو۔ سنیما جس میں چلتی پھرتی اور بولتی چا
تصویریں دکھائی جاتی ہیں۔ ان چیزوں کو دیکھ کر جاہل آدمی حیران رہ جا

غرض مہرالنساء اچھی تعلیم یافتہ عورت تھی اس سے جو عورت بات
اس کی گرویدہ ہو جاتی۔ اس کی شیریں بیانی مشہور ہو گئی تھی بیگمات اور
تک اس سے باتیں کر کے محظوظ ہوتی تھیں۔

اسے امراء۔ حکام، افسران اور بیگمات تحائف دینے لگی تھیں
تک وہ شاہی قصر میں نہیں آئی تھی سارے دن خالی رہتی تھی پڑے پڑے
شوہر کی یاد اور گذشتہ ایام کی باتیں یاد آتی رہتی تھیں لیکن اب تمام
مصروف رہتی تھی بھول کر بھی گذرا ہوا زمانہ یاد نہ آتا تھا۔ دن بھر کی
کی وجہ سے رات کو تھک کر سو جاتی تھی آرام سے تمام رات سوتی رہتی
صبح اٹھ کر پھر مصروف ہو جاتی تھی اس سے اس کی صحت اچھی ہو گئی
اور بھی رونق آ گئی۔ گالوں پہ شہابی رنگ دوڑنے لگا۔ آنکھوں میں
پیدا ہو گئی۔

چونکہ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین ہو گئی تھی اس لئے اکثر بیگ
اور شاہزادیاں اس کے حسن کی تعریف کیا کرتی تھیں اب پھر اس کے
یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ آئینہ میں اپنی صورت دیکھے کئی روز تو وہ ٹا
آخر ایک روز اپنے سنگھار خانے میں جا ہی پہنچی۔ آج بھی سنگھار خانہ میں
سامان موجود تھا جو اس وقت رہتا تھا جب اس کے شوہر شیر افگن
تھے اور وہ دن میں کم سے کم دو تین مرتبہ انہیں استعمال کیا کرتی تھی

اس سامان کو دیکھ کر اس کے دل پہ چوٹ لگی اسے اپنے سہاگن
کا زمانہ یاد آ گیا اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اب برسوں ہو گئے تھے

سنگھار نہیں کیا تھا لیکن اس کی کنیزیں اس سامان کی دیکھ بھال کرتی رہتی تھیں۔

اسنے اپنے سر کے بال کھولڈالے ایکبال گھونگھر بالے سیاہ اور گھٹنوں تک لمبے تھے سیاہ گیسوؤں نے چہرہ کے گرد ہالہ کرلیا۔ ماتھے کے اوپر بال خود بخود چھوٹے سے تاج کی صورت میں بن گئے۔ اس نے بالوں میں خود تیل لگایا خود مانگ نکالی چوٹی باندھی، اور دیکھنے کے لئے کہ بال درست ہو گئے یا نہیں آئینہ اٹھا کر دیکھا وہ اپنی صورت دیکھ کر آپ ہی حیران رہ گئی اس کے چہرے میں بلا کی دلکشی اور غضب کا حسن تھا وہ خود اپنی صورت پر فریفتہ ہو کر دیکھتی رہ گئی۔

ابھی وہ آئینہ دیکھ رہی تھی کہ ایک آواز آئی۔ "اوہ آپ آئینہ دیکھ رہی ہیں۔ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ سے

نہیں وہ دیکھتے اس ڈر سے آئینہ صادق
کوئی نہ عکس کو کہہ دے ترا جواب ہوا

مہرالنساء نے چوروں کی طرح گھبرا کر مڑ کر دیکھا اس کی ایک ہمجولی شاہزادی تھی جو مسکراتی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ مہرالنساء شرما گئی۔ شاہزادی نے کہا۔

"میں نے سنا تھا تم آئینہ دیکھتی ہی نہیں۔

مہرالنساء۔ یہ سچ ہے میں نے کئی برس میں آج آئینہ دیکھا ہے۔

شاہزادی۔ آئینہ کی قسمت کھل گئی۔ دیکھ لیا تم کس قدر خوبصورت ہو۔

مہرالنساء۔ خوبصورتی مغل شاہزادیوں پر ختم ہے۔

اب شاہزادی مہرالنساء کے قریب آ کھڑی ہوگی اس نے کہا۔ "بات تو یہی مشہور تھی لیکن تم نے قصر میں آ کر اس شہرت کی تردید کردی بخدا تم لاجواب حسینہ ہو۔ جو تمہیں دیکھتا ہے دیکھتا رہ جاتا ہے۔ تمہارے حسن کی محل بھر میں شہرت ہے۔

مہر النساء - کیوں مجھے بناتی ہو۔

شاہزادی -- خدا کی قسم بناتی نہیں تمہاری خوبصورتی کا عام چرچا ہے سب یہی کہتے ہیں کہ تم بے مثل حسینہ ہو - میں بھی یہی سمجھتی ہوں -

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

مہر النساء نے آئینہ دیکھ کر کہا - "ہوگا - آؤ دوسرے کمرہ میں چلیں"

شاہزادی اس کے ساتھ چلی دونوں دوسرے کمرے میں آکر بیٹھ گئیں -

شاہزادی نے کہا ---- "یہ بات مشہور تھی کہ کوئی مغل بیگم یا شاہزادی جس جگہ پہنچ جاتی ہے اس کے نور حسن سے وہ جگہ روشن ہو جاتی ہے مگر تم نے اس بات کو غلط کر دکھایا تم واقعی ایسی ہو کہ اندھیرے میں بھی چلی جاؤ تو اجالا ہو جائے جب تم آتی ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چاند نکلتا چلا آرہا ہو -

مہر النساء - تم مجھے بہت پسند کرتی ہو -

شاہزادی - کچھ نہ پوچھو - بالکل تم پر فریفتہ ہوں محل کی تمام عورتیں میری رقیب ہیں -

اس وقت ایک کنیز نے داخل ہو کر عرض کی - "ملکہ زمانی آپ کو یاد فرما رہی ہیں -

یہ پیغام مہر النساء کے لئے تھا وہ اٹھی اس نے شاہزادی سے کہا ---- "معاف کیجئے مجھے ملکہ کے حضور میں جانا ہے -

شاہزادی - جاؤ --- پھر کسی وقت آؤ گی -

شاہزادی چلی گئی - مہر النساء وہاں سے چل کر ملکہ زمانی کے حضور میں

پہنچی۔ ملکہ زمانی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی۔ ملکہ زمانی نے کہا۔

"تم نے سنا مہرالنساء! جہانگیر کا ارادہ کانگڑہ پر لشکر کشی کرنے کا ہے۔"

مہرالنساء۔ جی ہاں میں نے سنا ہے وہاں کے راجہ نے بہت سر اٹھا رکھا ہے اس کی گوشمالی تو ضروری ہے۔

ملکہ زمانی۔ کیا کانگڑہ فتح کرنا آسان ہے۔ وسیوں مرتبہ اس پر لشکر کشی ہو چکی ہے لیکن وہ کبھی فتح نہیں ہوا۔

مہرالنساء۔ لیکن ہمت تو نہیں ہارنی چاہیئے ممکن ہے اس مرتبہ فتح ہو جائے

ملکہ زمانی۔ ہو چکا۔ میں تو سمجھتی تھی تو کوئی اچھا مشورہ دے گی مگر تو نے بھی وہی کہا جو اور امراء کہہ رہے ہیں۔

مہرالنساء۔ میرا خیال یہ ہے کہ کسی مہم کی فتحیابی کا انحصار لشکر کی اولوالعزمی پر ہوتا ہے۔ جب لشکر....

ابھی مہرالنساء کا فقرا پورا نہ ہوا تھا کہ چند کنیزیں آئیں انہوں نے عرض کی۔ عالم پناہ شہنشاہ جہانگیر تشریف لا رہے ہیں۔

ملکہ زمانی۔ کہاں ہیں۔

ایک کنیز نے کہا۔ قریب ہی آ گئے ہیں۔

ملکہ زمانی سنبھل کر بیٹھ گئی۔ مہرالنساء نے وہاں سے جانا چاہا ملکہ زمانی نے کہا۔ ٹھہر جاؤ۔ جہانگیر قریب آ گئے ہیں خواجہ سرا کی آواز آ رہی ہے۔"

ملکہ زمانی نے سچ کہا تھا خواجہ سرا کی آواز صاف آ رہی تھی وہ کہہ رہا تھا ہوشیار! فخر سلاطین چغتائیہ، شہنشاہ ہند نوشیروان ثانی بادشاہ جہانگیر قریب آ گئے ہیں۔ خواجہ سرا کی آواز آ رہی ہے۔

ملکہ زمانی کے پاس اس وقت جتنی کنیزیں بھی تھیں دو رویہ صف بستہ

ہو گئیں۔ مہرالنساء نے عرض کی ۔۔۔ "مجھے اجازت ہو تو میں دوسرے کمرے میں چلی جاتی۔

ملکہ زمانی نے کہا۔ "نہ معلوم کیا بات ہے آج میں نہیں چاہتی کہ تم جاؤ بیٹھی رہو۔

مہرالنساء بیٹھی رہ گئی لیکن نہ معلوم کیوں اس کا دل دھڑکنے لگا۔

تیسرا باب (۳)

محبت کی یاد

تھوڑی دیر میں شہنشاہ جہانگیر تشریف لے آئے انہوں نے آتے ہی نہایت ادب سے اپنی والدہ ملکہ زمانی (جودھا بائی) کو سلام کیا۔ ملکہ زمانی نے بڑے پیار سے سلام لیا۔ اٹھ کر شہنشاہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا۔ "میرے لال! تم شہنشاہ ہو گئے۔ یہ ایشور کی کرپا ہے ہماری دھرم پستکوں (مذہبی کتابوں) میں لکھا ہے کہ پتر (بیٹے) کو ماتا پتا (والدین) کے چرنوں (پاؤں) کو چھو کر ان کی خاک ماتھے کو لگانی چاہیے۔ تم نے آج تک بھی ایسا نہ کیا۔

جہانگیر نے کہا۔ آپ میری محترم والدہ ہیں آپ کا احترام کرنا میرا فرض ہے لیکن والدین کے سامنے اتنا جھکنا گناہ ہے۔ اس سے سجدہ کی شان پیدا ہو۔ آئین اسلام کے خلاف ہے سجدہ صرف خدا کو ادا ہے میں اسے ہی سجدہ کرتا ہوں۔

ملکہ زمانی۔ کیا اسلام والدین کی اطاعت کو منع کرتا ہے۔

جہانگیر ۔۔ ہرگز نہیں بلکہ ان کی اطاعت کا حکم دیتا ہے اللہ تعالیٰ

نے اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ہدایت فرمائی ہے کہ والدین کے سامنے آہستہ بولو۔ اف بھی نہ کرو۔ ان کی تعظیم کرو خدمت کرو۔ آرام پہنچاؤ۔ ان کی نافرمانی نہ کرو۔ یہ سب باتیں کرتا ہی ہوں۔

ملکہ زمانی۔ تعظیم کا مطلب یہی ہے کہ ان کے چرن چھوؤ بیٹا! ماں باپ بیٹے کے لئے دیوی دیوتا ہوتے ہیں۔

جہانگیر۔ لیکن امی جان! میں تو مسلمان ہوں دیوی دیوتا کا قائل ہی نہیں۔

ملکہ زمانی نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ "ہم نے کیا سوچا تھا۔ ہوا کیا۔ ایشور نے پتر دیا تو ایسا جو نہ باپ کے مذہب پر چلا نہ ماں کے۔

جہانگیر۔ معاف کرنا میں مسلمان تاجداروں کی اولاد ہوں میرے دادا شہنشاہ ہمایوں۔ پردادا شہنشاہ بابر مسلمان تھے۔ باپ بھی شروع میں مسلمان رہے لیکن لوگوں کے بہکانے سکھانے میں آکر اسلام سے ہٹ گئے۔ ایک نیا مذہب جاری کر دیا۔ یہ نہ سمجھے کہ ہم بادشاہ ہیں نبی اور رسول نہیں ہمارے مذہب کو کون مانے گا جن غرض کے بندوں نے ان کا مذہب اختیار کر لیا تھا آج وہ پھر اپنے اپنے مذہبوں میں شامل ہو گئے۔ امی جان! میں ایک بات عرض کروں۔

لہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا۔

یعنی ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اگر وہ بوڑھے ہو جائیں یا دونوں میں سے کوئی بوڑھا ہو جائے تو انھیں اف بھی نہ کہو۔ انہیں مت ڈانٹو اور نرمی سے بات کرو۔

ملکہ زمانی - شوق سے کہو -

جہانگیر - جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ اچھی سے اچھی چیز اپنے محبوب کے لئے چاہا کرتا ہے -

ملکہ زمانی - تم نے سچ کہا -

جہانگیر - اس کی تو آپ قائل ہیں کہ خدا ہے -

ملکہ زمانی - بے شک - خدا نے اول مہادیوجی اور ان کی بیوی پاربتی جی کو پیدا کیا ان کی اولاد دنیا بھر میں پھیل گئی -

جہانگیر - بس امی جان اب غور کیجئے کہ شروع میں مہادیوجی اور پاربتی جی تھے ان کی اولاد رفتہ رفتہ دنیا میں پھیلی - پہلے گنتی کے چند آدمی تھے پھر بڑھتے رہے ان میں امیر بھی تھے غریب بھی اندھے بھی تھے لنگڑے بھی انہوں نے اس سے پہلے تو برے کرم نہیں کئے تھے اس لئے کہ وہ پہلے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے پھر وہ ایسے کیوں ہوئے -

ملکہ زمانی - بیٹا زمانہ دور کرتا ہے - ہم ہندؤں کا یہ اعتقاد ہے کہ ہر دور میں چار جگ ہوتے ہیں - ایک ست جگ دوسرا ترتیا تیسرا دوپرا اور چوتھا کلجگ - کلجگ پہ آکر زمانہ کا دور ختم ہوجاتا ہے اور پھر ست جگ شروع ہوجاتا ہے - کلجگ میں دنیا ختم ہوجاتی ہے اور ست جگ میں پھر نئے سر سے شروع ہوتی ہے یعنی پھر مہادیوجی اور پاربتی جی پیدا ہوتے ہیں پھر ان سے انسانوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس لئے کون کہہ سکتا ہے کہ نئے جنم میں آکر انسان پچھلے کرموں (اعمال) کے دکھ سکھ نہیں بھوگتا -

جہانگیر - مگر یہ دور کبھی تو شروع ہوا ہی ہوگا -

ملکہ زمانی - بیٹے زمانہ کا دور ہمیشہ سے اسی طرح ہوتا رہا ہے پچھلے کرموں

ہی کی وجہ سے انسان دکھ سکھ پاتا ہے۔

جہانگیر۔ معاف کیجئے کوئی عقلمند آدمی ان باتوں کو نہیں مان سکتا غیر ہندوؤں کے اعتراضوں سے بچنے کے لئے یہ خلاف عقل بات گڑھی گئی ہے آپ یہ سیدھی بات کیوں نہیں مان لیتیں کہ خدا نے دنیا کو پیدا کیا۔

ملکہ زمانی۔ مگر اس سے تمہارا مطلب کیا ہے۔

جہانگیر۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس بات کی قائل ہو جاؤ کہ خدا نے جیسے جیسا چاہا بنا دیا۔ مرنے کے بعد انسان دوبارہ دنیا میں پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک وقت آئے گا جب دنیا فنا ہو جائے گی اسے قیامت کہتے ہیں خدا اس وقت اپنے بندوں کے اعمال کا حساب لے گا نیکوں کو جنت میں اور بدوں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ سب سے بڑے وہ لوگ ہوں گے جو خدا کو چھوڑ کر اوروں کو پوجیں گے۔ سب سے بری چیز بت پرستی ہے۔ امی جان! تم بتوں کو پوجتی ہو اسے چھوڑ دو۔ یہی میری تمنا ہے اور یہی میری درخواست ہے۔

ملکہ زمانی۔ گویا تم یہ چاہتے ہو کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

جہانگیر۔ ہاں۔ میرا اعتقاد ہے کہ اب جو مسلمان ہو گا وہی جنت میں جائے گا۔

ملکہ زمانی۔ بیٹے! جب میں آئی تھی اگر اس وقت مجھے مسلمان ہونے کو کہا جاتا تو شاید ہو جاتی لیکن اب ناممکن ہے۔ اگر اسلام اچھا مذہب ہے تو یہ تمہارے باپ کی غلطی ہے کہ وہ خود بھی بہکے اور مجھے بھی بہکایا۔ نہ خود مسلمان ہوئے نہ مجھے مسلمان ہونے دیا اور مجھے ایک نعمت سے محروم کر دیا جدا اگر میرا مذہب اچھا ہے تو میں اسی پر قائم ہوں ہی۔ آج ہمارے اور تمہارے درمیان ایک سمجھوتہ ہو جانا چاہیے۔

جہانگیر۔ کیا۔؟

ملکہ زمانی۔ تم مجھ سے مذہبی معاملہ میں کچھ نہ کہو گے۔

جہانگیر۔ اگر آپ نہیں چاہتیں تو میں آئندہ کچھ نہ کہوں گا لیکن آپ بھی وعدہ کیجیئے کہ مجھ سے یا دوسری عورتوں اور بچوں سے مذہب کے معاملہ میں کچھ نہ کہیں گی۔"

ملکہ زمانی۔ ہم وعدہ کرتے ہیں۔ باتوں میں ہمیں خیال نہ رہا تم جب سے آئے ہو کھڑے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔

شہنشاہ جہانگیر بیٹھ گئے ان کے آتے ہی مذہبی باتوں کا کچھ ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ نہ جہانگیر بیٹھے نہ انہوں نے کسی طرف دیکھا۔ اب بیٹھ کر انہوں نے نگاہ کی تو سب سے پہلے ان کی نظر مہرالنساء پر پڑی وہ اس آفتاب حسن کا جمال جہاں آرا دیکھ کر حیران رہ گئے دیر تک نظر چرا چرا کر اس پری رو کو دیکھتے رہے مہرالنساء آنکھیں نیچی کئے قدرے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ جہانگیر چاہتے تھے کہ اس بت طناز کو اچھی طرح دیکھیں مگر اس کا سر جھکا ہوا ہونے کی وجہ سے اچھی طرح نہ دیکھ سکتے تھے وہ ان سب کو جانتے تھے جو اس وقت وہاں عورتیں اور لڑکیاں موجود تھیں لیکن اس پری رو کو نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے قیافہ سے یہ سمجھا کہ وہ ان کی والدہ کی نئی پیش خدمت ہے انہوں نے اپنے خیال کی تصدیق کرنے کے لئے اپنی والدہ سے پوچھا۔

"آپ کی نئی پیش خدمت کہاں ہے؟

ملکہ زمانی نے مہرالنساء کی طرف دیکھ کر کہا "یہ ہے"

چونکہ اب مہرالنساء کا ذکر شروع ہو گیا اس لئے اس نے سر اٹھا کر

جہانگیر کو دیکھا۔ جہانگیر پہلے ہی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوگئیں۔ جہانگیر کے سینہ پر تیر دل کی باڑھ پڑی۔ وہ کچھ بے چین ہوگئے۔

چونکہ اب مہرالنساء اچھی طرح بیٹھ گئی تھی۔ اس لئے جہانگیر نے کئی مرتبہ اسے دیکھا انہیں اس کی صورت آشنا معلوم ہوئی غور کرنے پر انہوں نے اسے پہچان لیا فوراً باغیچہ کا کبوتروں والا واقعہ یاد آگیا۔ یہ ان کی محبت کی ابتدا تھی انہوں نے اس کی یاد میں بہت سی راتیں بسر کی تھیں لیکن جب اس نے محل میں آنا بند کر دیا تھا تو وہ رفتہ رفتہ اسے بھول گئے تھے لیکن آج اسے دیکھ کر انھیں پھر سب کچھ یاد آگیا تھا۔ ان کی محبت زیادہ ہوگئی اس وقت انہیں مہرالنساء پہلے سے بھی زیادہ حسین معلوم ہوئی پہلے وہ غنچۂ حسن تھی اب حسن کا ماہ منور تھی انہیں اس کا نام بھی یاد آگیا تھا۔ مہرالنساء...... وہ دل ہی دل میں اس کے نام کا وظیفہ پڑھنے لگے۔

جہانگیر کو خیال ہوا کہیں یہ کوئی اور نہ ہو اس لئے انہوں نے اس بات کی تصدیق کے لئے بھی والدہ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "کیا اس کا نام مہرالنساء ہے"

جہانگیر کی زبان سے اپنا نام سن کر مہرالنساء چونکی اور ان کی طرف دیکھنے لگی جہانگیر اب بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ مہرالنساء کی نظروں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اسے یاد رکھنے کی وجہ سے جہانگیر کا آنکھوں ہی آنکھوں میں شکریہ ادا کر رہی ہے۔

ملکہ زمانی کا ارادہ ہوا کہ وہ اس کے مہرالنساء ہونے سے انکار کر دیں، لیکن پھر کچھ سوچ کر انہوں نے کہا۔ "ہاں اس کا نام مہرالنساء ہی ہے"

جہانگیر۔ اگرچہ ہم نے عرصہ کے بعد اسے دیکھا ہے لیکن پہچان لیا۔ یہ شیر افگن کی بیوہ ہے ہمارے عتاب کی وجہ سے اس نے بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں

ہم ان تکلیفوں کا بدلہ کرنا چاہتے ہیں۔

شیر افگن کا نام سنتے ہی مہر النساء کے دل پر چرکا لگا لیکن اس نے ضبط کیا اب اس کی نگاہیں پھر جھک گئیں لیکن اب بھی وہ دزدیدہ نظروں سے کبھی کبھی جہانگیر کو دیکھ لیتی تھی۔ جہانگیر پر اس کی یہ غلط انداز نگاہیں اور بھی غضب ڈھا رہی تھیں۔

چوتھا باب (۴)

پیغام

شہنشاہ جہانگیر ہفتہ میں دو مرتبہ اور اگر کاروبار سلطنت سے فرصت نہ ہو تو کم سے کم ایک مرتبہ ضرور اپنی والدہ کے سلام کو آتے تھے۔ لیکن بہت کم ٹھہرتے تھے مگر آج ان کا وہاں سے جانے کو جی نہ چاہتا تھا اٹھنا چاہتے تھے مگر کسی کی کشش اٹھنے نہ دیتی تھی۔ انہوں نے چاہا کہ وہ مہر النساء کو نہ دیکھیں یہ بھی ممکن نہ ہوا کہ دل میں عجب قسم کی بےچینی اور بیتابی پیدا ہو گئی تھی انہیں یہ بھی اندیشہ تھا کہ بار بار اس ماہرو کو دیکھنے سے کہیں بیتابی دل کا حال نہ کھل جائے۔ ؎

حال کھل جائے گا بیتابیٔ دل کا حسرت
بار بار آپ انہیں شوق سے دیکھا نہ کریں

ملکہ زمانی جہاندیدہ عورت تھیں جہانگیر کی نگاہوں سے انہوں نے تاڑ لیا کہ پرانی محبت پھر تازہ ہو چلی ہے انہیں افسوس ہوا کہ کیوں نہ اسے رخصت کر دیا مگر اب پچھتانے سے کیا حاصل تھا جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔

پہلے ان کی خواہش ہوتی تھی کہ جہانگیر زیادہ سے زیادہ ان کے پاس بیٹھے

رہیں مگر اس وقت چاہتی تھیں کہ وہ جلد چلے جائیں لیکن جہانگیر اٹھنے کا نام ہی نہ لیتے تھے ملکہ زمانی نے ان کا خیال ہٹانے کے لئے کہا۔ "سنا ہے بیٹا تم کانگڑہ پر لشکر کشی کا ارادہ کر رہے ہو۔"

جہانگیر۔ جی ہاں۔ وہاں کے راجہ تلوک چند نے پھر سر اٹھایا ہے۔

ملکہ زمانی۔ لیکن جانتے ہو وہ قلعہ کس قدر مضبوط اور وسیع ہے تم سے پہلے بھی اس قلعہ پر کئی بادشاہوں نے لشکر کشی کی ہے مگر کوئی بھی اسے فتح نہ کر سکا۔

جہانگیر۔ مجھے معلوم ہے لیکن میں اس خیال سے کہ وہ قلعہ مضبوط اور کشادہ ہے اس پر یورش کرنے سے باز نہیں رہ سکتا میں چاہتا ہوں کہ میری قلمرو میں امن و سکون رہے خدا کے فضل و کرم سے ہر طرف امن و امان ہے صرف کانگڑہ کا راجہ ہی پرخاش ہے اس کی سرکوبی ضروری ہے ورنہ دوسروں کو بھی بغاوت کی شہ ہو گی۔

ملکہ زمانی۔ لیکن اگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

جہانگیر۔ انشاء اللہ ضرور فتح ہو گا۔

دوران گفتگو میں بھی جہانگیر برابر مہر النساء کو دیکھتے رہے ان کی گرم نگاہیں دیکھ کر مہر النساء شرما گئی وہ اٹھی اس نے ملکہ زمانی سے وہاں سے چلے جانے کی اجازت لینی چاہی ملکہ زمانی خود چاہتی تھیں کہ وہ اس وقت وہ وہاں سے چلی جائے انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کیا جانا چاہتی ہو"

مہر النساء۔ اگر حکم ہو تو ٹھہری رہوں"

جہانگیر کو اس کی آواز میں بڑی شیرینی معلوم ہوئی۔ ملکہ زمانی نے کہا "نہیں جا سکتی ہو۔"

مہر النساء نے اول ملکہ زمانی کو اور پھر جہانگیر کو نہایت ادب اور بڑے

سلیقہ سے سلام کیا اور وہاں سے چلی۔ جہانگیر نے دیکھا اس کی رفتار میں وقار بھی تھا اور رعنائی بھی۔ ان کی نگاہیں اس وقت تک اس کا پیچھا کرتی رہیں جب تک وہ نظر آتی رہی جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو جہانگیر کو ایسا معلوم ہوا جیسے روشنی غائب ہو گئی ہو کچھ دیر اور بیٹھ کر وہ بھی اٹھے اور ملکہ زمانی کو سلام کر کے چلے گئے۔

اب جہانگیر کا یہ ورد ہو گیا کہ وہ دوسرے تیسرے روز اپنی والدہ کے سلام کے بہانہ سے آتے اور مہر النساء کے رخ زیبا کی زیارت کر لیتے وہ اس سے ہمکلام ہونا چاہتے لیکن جرأت نہ ہوتی ایک تو والدہ کی سرزنش کا خوف رہتا دوسرے رعب حسن۔ ہمکلامی کی جرأت نہ ہونے دیتا تھا۔

روز اول تو مہر النساء بھی دزدیدہ نظروں سے انھیں دیکھتی رہی تھی۔ لیکن اب وہ ان کی طرف نہ دیکھتی تھی نہایت اطمینان اور سنجیدگی سے بیٹھی رہتی تھی۔ اس سنجیدگی نے اس کی شان کو اور بڑھا دیا تھا۔ جہانگیر اس ڈر سے زیادہ نہ ٹھہرتے کہ کہیں ان کی والدہ کچھ کھٹک نہ جائیں۔ جلد ہی چلے آتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مہر النساء کی شیریں آواز سنیں لیکن جب تک وہ بیٹھے رہتے وہ بات ہی نہ کرتی نہایت تمکنت سے خاموش بیٹھی رہتی۔

ایک روز جب وہ آئے تو انہوں نے دیکھا کہ روئی دار لیفوں پر سفید فرش بچھا ہوا ہے۔ اس وقت تک ایسا فرش کہیں استعمال نہیں ہوتا تھا یہ فرش بہت خوشنما معلوم ہو رہا تھا جہانگیر کو بھی اچھا معلوم ہوا انہوں نے ملکہ زمانی سے پوچھا۔ "یہ فرش کس نے ایجاد کیا ہے ؟"

ملکہ زمانی نے جواب دیا۔ "مہر النساء نے"

جہانگیر نے مہر النساء کی طرف دیکھا وہ بظاہر دوسری طرف متوجہ تھی

...یسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اسے خبر ہی نہیں کہ فرش کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے لیکن در اصل اس کے کان جہانگیر کی آواز کی طرف لگے ہوئے تھے جہانگیر نے کہا ...یا اچھا فرش ہے کتنا خوشنما معلوم ہو رہا ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟"

ملکہ زمانی۔ مہر النساء ہی سے پوچھو۔

جہانگیر نے مہر النساء سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "مہر النساء! اس فرش ...نام کیا ہے؟"

مہر النساء نے نظر اٹھا کر جہانگیر کو دیکھا۔ جہانگیر کے دل پر جیسے تیروں ...ی باڑھ پڑی اس نے کہا۔ "اس کا نام فرش چاندنی[1] ہے عالم پناہ"

جہانگیر۔ بخدا نام بھی اچھا رکھا ہے نکھری ہوئی چاندنی کی طرح کیسا بھلا ...علوم ہو رہا ہے ہم تمہیں اس کی ایجاد پر مبارکباد دیتے ہیں۔

مہر النساء نے جہانگیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "کنیز عالم پناہ ...شکریہ ادا کرتی ہے۔

جہانگیر کو اس کی رس بھری آواز نہایت ہی پیاری معلوم ہوتی تھی چاہتے ...ہ خوب باتیں کریں مگر وہ ہر بدہ جو طرح دے جاتی تھی۔ اگر گفتگو کا موقعہ بھی آتا ...بہت مختصر فقرے استعمال کرتی تھی۔ جہانگیر نے اپنے گلے سے خوبصورت ...تیوں کی مالا اتار کر مہر النساء کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس ایجاد ...صلہ لو۔۔۔"

مہر النساء کو مجبوراً اٹھنا اور جہانگیر کے قریب جانا پڑا اس نے موتی

---

[1] فرش چاندنی مہر النساء معروف نور جہاں کی ایجاد ہے از تاریخ ہند ...چند سر تاج صفحہ ۱۶۹ مرادی مولوی سید احمد رضوی

ہاتھوں کو بڑھا کر مالا لی۔ جہانگیر نے اس برق وش کو قریب سے دیکھا اس کے رخساروں میں بجلیاں تڑپتی نظر آئیں۔ سمیں بدن بیں سے کچھ عجب خوشبو پھوٹتی ہوئی معلوم ہوئی۔ مہرالنساء نے مالا کو اپنے سر سے لپیٹ لیا مالا نے اس کے خوبصورت سر اور بھی زینت دے دی جہانگیر دیکھتے ہی رہ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد جہانگیر اٹھ کر چلے گئے۔ مہرالنساء بھی اپنی قیام گاہ پر آ گئی اسی روز شام کے وقت ایک ادھیڑ عمر کی خاتون مہرالنساء کے پاس آئی اس وقت مہرالنساء اور اس کی والدہ بیگم دونوں پاس بیٹھی تھیں خاتون شاہی بیگمات میں سے تھی ان دونوں نے اسے سلام کیا۔ خاتون نے بیٹھ کر کہا۔

"مہرالنساء میں تمہیں مبارکباد دینے آئی ہوں۔"

مہرالنساء۔ کس بات کی۔

خاتون۔ شہنشاہ جہانگیر کی نظروں پر تم چڑھ گئی ہو۔

مہرالنساء۔ کیوں مجھے بنانے آئی ہو۔

خاتون۔ خدا کی قسم میں سچ کہہ رہی ہوں میں ان کی طرف سے شادی کا پیغام لائی ہوں۔

مہرالنساء۔ میں اس قابل نہیں ہوں۔

خاتون۔ تم اسی قابل ہو کہ ملکۂ عالم بنو۔

مہرالنساء۔ ملکۂ عالم سلطانہ بیگم ہیں۔

خاتون۔ تمہارا مرتبہ ان سے بڑھا ہوا ہوگا۔

مہرالنساء۔ یاد رکھیے میں بیوہ ہوں۔

خاتون۔ بیوہ کی شادی سنت رسول اللہ صلعم ہے۔

مہرالنساء۔ میں جانتی ہوں لیکن شادی ان کے لئے ہے جو مسرور ہوں

میں غمگین ہوں۔

خاتون - پرانے غم نئے خوشی سے جاتے رہتے ہیں۔

مہرالنساء - شاید ایسا ہوتا ہو مگر ابھی تو میرا تازہ غم ہے۔

خاتون - کیا تم شہنشاہ کی بات کو رد کرتی ہو۔

مہرالنساء - میری یہ مجال نہیں۔

خاتون - پھر انکار کیوں ہے۔

مہرالنساء - انکار نہیں اپنی مجبوری ظاہر کر رہی ہوں میرے دل میں غم نے ناسور ڈال دیا ہے کیا سنا نہیں ہے

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

خاتون - سنا ہے - مگر تمہارے انکار سے شہنشاہ کو ملال ہوگا۔

مہرالنساء - پھر میں کیا کروں۔

خاتون - شہنشاہ کی درخواست منظور کر لو۔

مہرالنساء - میں اپنی مجبوری ظاہر کر چکی ہوں۔

خاتون - کیا شہنشاہ کے عتاب کا خوف نہیں؟

مہرالنساء کو طرارہ آ گیا اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے کہا - کیا شہنشاہ زبردستی شادی کرنا چاہتے ہیں۔

خاتون اس کے کڑے تیور دیکھ کر مرعوب ہو گئی اس نے کہا - نہیں یہ تمہاری خوشی پر منحصر ہے۔

مہرالنساء - تب میرا جواب شہنشاہ کے گوش گزار کر دینا۔

خاتون - بہت اچھا۔

کچھ دیر اور بیٹھ کر خاتون چلی گئی - مہرالنساء کی والدہ اس تمام گفتگو کو سنتی

رہی خاتون کے چلے جانے کے بعد اس نے کہا۔ "تم نے شہنشاہ کی درخواست ٹھکرا دی مہرالنساء۔

مہرالنساء— ہاں۔

بیگم۔ جانتی ہو ہم ان کے دست نگر ہیں۔ ہماری یہ شان ان کی نگاہ لطف پر منحصر ہے۔

مہرالنساء۔ جانتی ہوں۔ شہنشاہ اگر شاہی قوت کے بل پر شادی کرنا چاہتے ہیں تو یہ ممکن نہیں۔

بیگم۔ تو بڑی ضدی ہے۔

مہرالنساء۔ اس میں ضد کی بات نہیں ہے۔ خودداری اس کی اجازت نہیں دیتی۔

بیگم۔ تو جان...

بیگم خاموش ہو گئیں۔ مہرالنساء کام میں مشغول ہو گئی۔

پانچواں باب (۵)

اقرار

اگرچہ شہنشاہ جہانگیر نے نہایت اخفا کے ساتھ مہرالنساء کے پاس پیغام بھیجا تھا لیکن بات چھپی نہ رہ سکی۔ تمام محل میں اس کی شہرت ہو گئی۔ شہرت کی وجہ یہ ہوئی کہ جو خاتون پیغام لے کر آئی تھی اس کا خیال تھا مہرالنساء فوراً منظور کرے گی لیکن جب اس نے انکار کر دیا تو اسے بڑی حیرت ہوئی۔ باوجود شہنشاہ کی ممانعت کے اس نے دو چار بیگموں سے یہ ذکر کر دیا ان بیگموں کو بھی

شہرت ہوئی۔ انہوں نے اوروں سے ذکر کیا اور اوروں نے اوروں سے غرض اس طرح اس بات کی شہرت ہو گئی۔ جہانگیر کو بھی معلوم ہو گیا کہ ان کے پیغام کی شہرت تمام محل میں ہو گئی ہے۔ خیال تھا کہ انکار سے وہ اپنی خفت سمجھ کر یا تو مہر النساء پر کچھ سختی کریں گے یا اس سے شادی کا خیال چھوڑ دیں گے لیکن یہ دونوں باتیں نہ ہوئیں بلکہ مہر النساء کے انکار سے جہانگیر کی محبت اور بڑھ گئی انہوں نے پیہم پیغام بھیجنے شروع کر دیئے۔ لیکن مہر النساء وہی جواب دیتی رہی جو اس نے پہلے دیا تھا۔

اب بھی شہنشاہ جہانگیر اکثر اپنی والدہ ملکہ زمانی کے سلام کو جاتے تھے وہاں کبھی کبھی مہر النساء بھی مل جاتی تھی لیکن وہ نہایت متانت و استقلال سے نگاہیں نیچی کئے بیٹھی رہتی۔ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی کہ کوئی اس کے چاند سے چہرے اور پھولوں سے رخساروں کو دیکھ رہے ہیں اور اگر کبھی اتفاقیہ نظر اٹھا لیتی تو اس کی حسین آنکھیں مژگاں کی چلمن اٹھتے ہی بجلیاں سی گرانے لگتی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی آنکھوں میں جادو بھرا ہوا ہے۔

ملکہ زمانی کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ شہنشاہ جہانگیر مہر النساء سے بہت زیادہ محبت کرنے لگے ہیں انہوں نے اسے شادی کا پیغام بھی دیا وہ دانا خاتون تھیں سمجھ گئیں کہ پرانی محبت عود کر آئی۔ اب سمجھانا فضول ہے لیکن مہر النساء کے انکار کرنے سے انھیں بھی تعجب ہوا کیونکہ اس کے پاس سوائے دولت حسن کے اور کچھ بھی نہ تھا ایسی عورتیں کسی بڑے آدمی کا شادی کا پیغام سنتے ہی خوشی سے رضامند ہو جایا کرتی ہیں چہ جائیکہ شہنشاہ کا پیغام ہو۔

اب شہنشاہ کی محبت کا افسانہ طشت از بام ہو گیا تھا۔ کنیزوں خواجہ سراؤں انگنوں، قلماقنیوں، بیگموں اور شاہزادیوں غرض سب کو معلوم ہو گیا تھا بہت سی بیگمیں، شاہزادیاں اور کنیزیں شاعرہ تھیں انہوں نے اس مضمون پر اشعار

کچھ شعر دیئے کردیئے۔

جب شہنشاہ نے دیکھا کہ مہرالنساء انکار کئے جا رہی ہے تو انہوں نے اس کی والدہ کے پاس پیغام بھیجا۔ اس کی والدہ نے پھر مہرالنساء کو سمجھایا لیکن وہ اپنی ضد پر اڑی رہی۔ بیگم نے اپنے سمجھانے اور مہرالنساء کے ضد کرنے کا حال شہنشاہ کے کانوں تک پہنچا دیا۔

جہانگیر کو مہرالنساء سے کچھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ جوں جوں وہ انکار کرتی وہ اصرار کرتے۔ پیغام پر پیغام بھیجتے اور ہر وقت اسی کا فر ادا کے خیال میں مستغرق رہتے۔ دربار میں جاتے اپیلوں کی سماعت کرتے یا کسی فریادی کی فریاد سنتے غرض ہر حالت میں اس کی یاد ان کے ساتھ رہتی آخر انہوں نے یہ تہیہ کر لیا کہ وہ اس سنگدل بت نامہربان سے خود ہی مل کر فیصلہ کرلیں لیکن اس میں یہ دقت نظر آئی کہ اگر اس نے ملنے سے بھی انکار کر دیا تب کیا ہوگا۔

کئی روز شہنشاہ جہانگیر اسی سوچ بچار میں رہے آخر انہوں نے ایک بیگم کو اچھی طرح سمجھا کر مہرالنساء کے پاس اس لئے بھیجا کہ وہ اسے ملاقات پر رضامند کرے۔

یہ بیگم نہایت ہوشیار تھی اس نے جاتے ہی مہرالنساء کو شیشہ میں اتارنے کی کوشش کی لیکن وہ ایسی کہاں تھی اگر وہ بیگم ہوشیار تھی وہ ہر بات کا جواب نہایت معقول دیتی رہی مگر پھر بھی بیگم ہی جیت گئی اس نے اس حور وش کو شہنشاہ سے ملاقات کرنے پر آمادہ کر ہی لیا۔

ملاقات کے لئے وہی چمن قرار پایا جہاں کبوتر دن والا معاملہ پیش آیا تھا وقت بھی طے ہو گیا شہنشاہ جہانگیر اس نوید روح پرور کو سن کر نہایت خوش ہوئے انہوں نے اسی وقت سے تیاری شروع کر دی۔ سوچنے لگے یہ کہوں گا

اس طرح کھول گا یوں ہٹاؤں گا۔

اگرچہ وہ شہنشاہ تھے ہر ایک سے بے تکلف باتیں کرتے تھے مگر مہرالنساء کا رعب ان پر ابھی سے پڑنے لگا تھا۔

ادھر مہرالنساء بھی تیار ہو رہی تھی۔ ایک شہنشاہ کا معاملہ تھا خیال کر رہی تھی کہ کہیں اس کا انکار بادشاہ کی دلشکنی کا باعث نہ ہو جائے اور محبت عداوت میں نہ بدل جائے۔ جب ملاقات کا وقت قریب آ گیا تو مہرالنساء کے پاس اس کی والدہ آئی۔ اس نے کہا۔ "اب تیرے لئے یہ آخری موقع ہے کہیں شہنشاہ کو ناراض نہ کر دینا۔

مہرالنساء نے کہا۔ امی جان! بہ حتی الامکان انہیں خفا ہونے کا موقع نہ آنے دوں گی لیکن اگر وہ شہنشاہی کے زعم میں آ گئے تو میں بھی نہ جھکوں گی۔

والدہ۔ مگر بیٹی! وہ شہنشاہ ہیں۔

مہرالنساء۔ جانتی ہوں۔ لیکن وہ کسی کی مرضی کے خلاف اسے مجبور نہیں کر سکتے۔

والدہ۔ گویا تو ان سے بھی لڑنے جا رہی ہے بڑی لڑاکا بیٹی ہے ہمیں یہاں سے نکلنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

مہرالنساء۔ ہاں اگر اس کی نوبت آ گئی اور ہم قصر سے نکل سکے تو ضرور نکل چلیں گے۔

والدہ۔ کیا تیرا جی ملکہ بننے کو نہیں چاہتا؟

مہرالنساء۔ حکومت کے رعب میں آ کر میں کچھ بھی بننا نہیں چاہتی۔

والدہ۔ تو جانے۔

ملاقات کے لئے شام کا وقت مقرر ہوا۔ عصر کی نماز پڑھ کر مہرالنساء نے

دعا مانگی۔ اس نے اپنی دعا کو اس فقرہ پر ختم کیا۔۔۔۔ خدایا میرے لئے جو تیرے نزدیک بہتر ہو وہی کر دے۔

اس نے لباس بدلا۔ سر کے بالوں کو درست کیا اور نہایت اطمینان سے چلی۔ اکبر کے زمانہ میں قلعہ کے جس حصہ میں مینا بازار لگتا تھا وہ شاہی محل کے قریب تھا۔ وہاں ہر وقت پہرہ رہتا تھا کوئی شخص بھی اندر نہیں جا سکتا تھا۔

مہر النساء چند کنیزوں کے ساتھ وہاں پہنچی۔ شہنشاہ جہانگیر پہلے ہی پہنچ گئے تھے۔ مہر النساء نے کنیزوں کو ایک طرف کھڑے رہنے کا حکم دیا اور خود شہنشاہ کی طرف بڑھی اگرچہ وہ بڑی مستقل مزاج عورت تھی لیکن اس وقت اس کا دل بھی دھڑک رہا تھا اور جوں جوں وہ جہانگیر کے قریب ہوتی جاتی تھی اس کے دل کی دھڑکن اور بھی بڑھتی جاتی تھی۔ یہ شہنشاہ کا رعب تھا۔

جہانگیر اسی جگہ کھڑے تھے جہاں انہوں نے عرصہ ہوا جب مہر النساء کو کبوتر پکڑائے تھے۔ اس سے آگے بڑھ کر اس کنج میں جس میں سے انہوں نے کبوتر دے کر پھول توڑے تھے ایک نہایت خوبصورت شامیانہ تنا ہوا تھا جس میں موتیوں کی جھالر لٹک رہی تھی۔ قالینوں کا فرش ہو رہا تھا اور اس پر چاندنی بچھی ہوئی تھی چاندنی پر دو کرسیاں چاندی کی برابر برابر بچھی ہوئی تھیں۔

مہر النساء نے جہانگیر کے پاس پہنچ کر نہایت سلیقہ سے سلام کیا جہانگیر نے بڑی مشکل سے جواب دیا۔ ان کا دل بھی رعب حسن سے کچھ دھکر پکر کرنے لگا تھا۔

مہر النساء سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ جہانگیر کچھ دیر تو اس پیکر حسن کو دیکھتے رہے آخر بولے "مہر النساء! کیا تم ہم سے کچھ خفا ہو۔

مہرالنساء نے نقرئی لہجہ میں جواب دیا۔ عالم پناہ! یہ میری مجال ہے"

جہانگیر۔ ہم تمہارے لئے عالم پناہ نہیں ہیں۔ ان تکلفانہ الفاظ کو چھوڑ کر گفتگو کرو"

مہرالنساء۔ بہت اچھا۔

جہانگیر۔ اگر تم ہم سے خفا نہیں ہو تو ہماری درخواست کیوں قبول نہیں کر لیتیں۔

مہرالنساء کا خیال تھا کہ شہنشاہ جہانگیر حکومت کی دھمکی دیں گے لیکن جب انہوں نے دھمکی دینے کے بجائے عاجزی سے گفتگو شروع کی تو مہرالنساء نرم ہو گئی اس نے کہا۔ ایسا نہ کہئے عالم پناہ! میں آپ کی ادنیٰ کنیز ہوں"

جہانگیر۔ لیکن ہم تمہیں اپنے دل و جان کی مالک بنانا چاہتے ہیں۔

مہرالنساء۔ میں اس قابل کب ہوں۔

جہانگیر۔ مہرالنساء۔ آج سے بارہ سال پہلے کا واقعہ یاد کرو جب ہم دونوں ہاتھوں میں دو کبوتر لے کر آئے تھے تمہیں کبوتر دے گئے تھے۔ تم نے ایک کبوتر اڑا دیا تھا۔۔۔۔

مہرالنساء نے جلدی سے قطع کلام کر کے کہا۔ "جہاں پناہ میں نے نہیں اڑایا تھا وہ کمبخت تو خود ہی اڑ گیا تھا۔

جہانگیر خوش ہو گئے ان کا چہرہ پرمسرت کی لہر دوڑ گئی انہوں نے پوچھا۔ "تمہیں وہ واقعہ اچھی طرح یاد ہے نہ"

مہرالنساء۔ جی ہاں اچھی طرح یاد ہے۔

جہانگیر۔ جب ہم نے آکر پوچھا تھا کہ ایک کبوتر کیا ہوا تو تم نے دوسرا کبوتر بھی اڑا دیا تھا۔

مہرالنساء - وہ تو میں نے عالم پناہ کو بتایا تھا کہ پہلا کبوتر کس طرح اڑ گیا تھا۔

جہانگیر - کاش تم نہ بتاتیں۔

مہرالنساء - کیوں۔

جہانگیر - تمہاری وہ ادا ہمارے دل میں کھب گئی تھی۔ اس وقت تم بڑی بھولی تھیں۔

مہرالنساء - اور اب شریر ہو گئی ہوں۔

جہانگیر - یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے مگر ہاں سنگدل ضرور ہو گئی ہو۔

مہرالنساء - سنگدل ۔۔۔ میں سنگدل نہیں ہوں۔

جہانگیر - پھر ہماری درخواست کیوں قبول نہیں کر لیتی ہو۔

مہرالنساء کچھ سوچنے لگی۔ جہانگیر دو زانو ہونے کے لئے جھکنے لگے۔ مہرالنساء نے دیکھ لیا اس نے جلدی سے بڑھ کر انہیں روکتے ہوئے کہا۔ "شہنشاہ ایسا نہ کیجئے۔۔۔"

جہانگیر - کیا ہماری درخواست منظور ہو گئی۔

مہرالنساء نے بار حیا سے سر جھکا کر شرمیلے لہجہ میں کہا "ہاں"

جہانگیر - تمہارا شکریہ مہرالنساء سنو! تم ہماری سلطنت کی۔ ہمارے تخت و تاج کی حتیٰ کہ ہماری جان کی مالک ہو گئیں۔

مہرالنساء - یہ سب حضور ہی کو مبارک رہیں۔

جہانگیر - آؤ سائبان کے نیچے کچھ دیر بیٹھ کر باتیں کریں۔

مہرالنساء ان کے ساتھ ہو گئی دونوں سائبان کے نیچے پہنچ کر چاندی کی کرسیوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

چھٹا باب (۶)

نور محل

جہانگیر نے اسی روز اعلان کر دیا کہ مہر النساء سے ان کی منگنی ہو گئی ہے
شہنشاہ کی خوشنودی مزاج کے لئے تمام قصر میں خوشی کا اظہار کیا گیا۔

چونکہ قصر شاہی میں ہر ایک کو یہ بات معلوم تھی کہ شہنشاہ جہانگیر کو مہر النساء
سے بے پناہ محبت تھی اور عنقریب مہر النساء ملکہ عالم بننے والی ہے اس لئے
سب اسے مبارکباد دینے اور اس کی نظر توجہ حاصل کرنے کے لئے دوڑیں۔

مہر النساء کی والدہ بہت خوش تھیں۔ وہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ میری
مہر تو ملکہ بننے کے قابل ہے اب ان کی آرزو پوری ہونے والی تھی کہ مہر النساء
نے اپنی ضد کیسے چھوڑی ایک روز انھوں نے اس سے پوچھا بھی۔ "مہر! تو
شادی کے لئے رضامند کیسے ہوئی۔

مہر النساء نے جواب دیا۔ "شہنشاہ نے مجھے مجبور کر دیا"

بیگم۔ آخر کس طرح ؟"

مہر النساء۔ انہوں نے عاجزی میں انتہا کر دی۔ اگر وہ رعب حکومت
دکھاتے تو میں ہرگز نہ مانتی۔

چند ہی روز کے بعد شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ ملکہ زمانی نے اپنے خرچ سے اس
کی رخصتی کا سامان کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب خدا مہربان ہو جاتا ہے تو دشمن بھی
دوست بن جاتے ہیں۔ یہی ملکہ زمانی جو نہیں چاہتی تھیں کہ جہانگیر سے اس کی
شادی ہو جس نے اس کا محل میں آنا بند کرا دیا تھا آج وہ اس کی شادی

کا خود انتظام کر رہی تھیں۔ محض اس لئے کہ مہر النساء ان سے خوش رہے۔

وہ جہاندیدہ عورت تھیں۔ خوب جانتی تھیں کہ مہر النساء کا ستارہ اوج آسمان پر چمکنے والا ہے اس لئے وہ اس کی تالیف قلب میں لگ گئیں۔

جہانگیر نے بھی انتظام شروع کر دیا تھا ان کی آرزو تھی کہ شادی اس شان کے ساتھ ہو کہ اب تک کسی شاہزادہ اور بادشاہ کی نہ ہوئی ہو سامان ایسا ہو جو کسی عروس کو نصیب نہ ہوا ہو۔

ایک شہنشاہ کی شادی تھی۔ شہنشاہ کی خود توجہ تھی۔ دھوم مچی ہوئی تھی سامان نہایت اعلیٰ فراہم کیا جا رہا تھا۔ زیورات اچھے سے اچھے تیار کرائے جا رہے تھے۔ نئی قسم کے خوشنما کپڑے بنوائے جا رہے تھے جشن کا عالمگیر انتظام ہو رہا تھا۔ تمام شاہی محلات سجنے لگے تھے دربار خاص اور دربار عام بھی سجائے جانے لگے تھے آگرہ والوں نے بھی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اپنے اپنے گھروں کو سجانا شروع کر دیا تھا۔ بنگال سے بازی گر طلب کئے گئے تھے ان بازی گروں کی شعبدہ بازی کی شہرت تھی۔

جوں جوں شادی کی تاریخ قریب آتی جاتی تھی کام کرنے والوں کی مصروفیت بڑھتی جاتی تھی آخر وہ دن بھی آ ہی گیا لوگ نہایت خوش تھے کئی ہفتے سے شاہی مطبخ سے لوگوں کو کھانا مل رہا تھا۔ شہر کو سجا کر خوشنما بنا دیا گیا تھا۔ بازاروں کی حیت بندی ہو گئی تھی۔ تمام شاہی محلات دلہن بنے ہوئے تھے دربار عام اور دوسری سرکاری عمارتوں کو بھی خوب زینت دی گئی تھی لیکن بنگال کے بازیگر ابھی تک نہیں آئے تھے البتہ قریب وجوار کے شہروں سے لوگ کثیر تعداد میں آ گئے تھے۔ تمام آگرہ والوں اور ان کے مہمانوں کو دونوں وقت کھانا بادشاہ کی طرف سے مل رہا تھا کھانے میں طرح طرح کی چیزیں تھیں امیروں اور غریبوں

سب کو ایک ہی قسم کا کھانا ملتا تھا۔ ہندوؤں کے لیے الگ انتظام تھا اور مسلمانوں کے لیے الگ۔ ہزاروں آدمی کھانا تقسیم کرنے پر مامور تھے۔ آگرہ کے تمام بازاروں اور راستوں پر اس قدر ہجوم تھا کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا تنگ کوچوں تک میں ہر وقت رونق رہتی تھی۔ جگہ جگہ نقارے اور نفیریاں بج رہی تھیں۔

شام کے وقت بارات چڑھی۔ بارات کی شان ہی عجیب تھی۔ اول پیدل پلٹنیں تھیں۔ ان کے پیچھے رسالے تھے ان کے پیچھے باجے والے تھے۔ ان کے پیچھے دھماکے والے تھے۔ توپوں کی گرج کی طرح دھماکے چھوٹ رہے تھے ان کے پیچھے خواجہ سراؤں کی پلٹن تھی جو چتر ہاتھوں میں لیے ہوئے تھے ان کے پیچھے شہنشاہ جہانگیر کی سواری تھی۔

جہانگیر نہایت قوی الجثہ ہاتھی پر سوار تھے۔ ہاتھی پر ریشم کی جھولیں پڑی تھیں۔ چاندی کا سونے سے مرصع ہودہ رکھا تھا۔ ہودہ کھلا ہوا تھا۔ اس میں جہانگیر نہایت شان سے تاج زریں سر پر رکھے بیٹھے اس میں دو خواص تھے۔ دونوں شمشیر برہنہ لیے ہوئے تھے۔ ایک خواجہ سرا چنور سے مگس رانی کر رہا تھا ہاتھی کے ادھر ادھر چاندی کی بڑی گھنٹیاں پڑی ہوئی تھیں جو نہایت سریلے انداز میں بجتی تھیں۔ دونوں طرف کلابتو کی لمبی لمبی ڈوریں تھیں جن کے سروں پر گچھے لگے ہوئے تھے۔ پانچ پانچ سوار ہاتھی کے ادھر ادھر ننگی تلواریں علم کیے چل رہے تھے ہاتھی کے آگے اسلامی علم تھا۔

شہنشاہ کے ہاتھی کے پیچھے سیکڑوں ہاتھیوں کی قطاریں تھیں۔ ان ہاتھیوں پر راجہ، مہاراجہ اور امراء سوار تھے۔ ان ہاتھیوں کے پیچھے حد نگاہ تک عوام الناس کا ہجوم تھا۔ بارات کا یہ جلوس کئی میل لمبا تھا اس شان سے بارات ملکہ زمانی کے قصر پر پہنچی جیسی شاندار بارات تھی ویسے ہی شان سے اس کا استقبال

ہوا۔ مغرب سے پہلے ذرا، عقد ہوگیا۔ توپوں کی گرج نے نکاح کا اعلان کردیا پانچ لاکھ روپیے کا مہر بندھا۔ پچیس ہزار روپیے، دو گھوڑے اور خلعت نکاح پڑھانے والے کو عطا ہوئے۔

مغرب کے بعد کھانا کھلا کر رخصتی ہوگئی۔ چونکہ ملکہ نے مہر النساء کی شادی کی تھی اس لئے جہیز ایسا دیا تھا جیسا شاہزادیوں کو دیا جاتا تھا۔

اس روز صرف شاہی محلات ہی میں نہیں بلکہ تمام شہر میں چراغاں کیا گیا تھا روشنی کی کثرت سے دن سا نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ مہر النساء کے لیئے خاص محل سجایا گیا تھا اس محل کے چپہ چپہ پر روشنی کا انتظام تھا۔ خاص خاص جگہ روشنی بھی خاص خاص قسم کی تھی۔ کہیں سبز روشنی تھی، کہیں سرخ کہیں سفید تھی کہیں نیلگوں۔ تمام قصر جگمگا رہا تھا، ہر جگہ ایسی تیز روشنی ہو رہی تھی کہ دن نکلنے کا گمان ہوتا تھا۔

مہر النساء قصر کے اندر ہوادار میں آئی۔ جب وہ باغیچہ میں پہنچی تو اتر کر پیادہ ہوگئی۔ کنیزوں کی پلٹنیں دو رویہ کھڑی تھیں۔ پانچسو کنیزیں ہوں گی زرق برق لباس پہنے تھیں۔ جوں ہی مہر النساء ہوادار سے اتری انھوں نے شاندار استقبال کیا کنیزوں نے نفیری بجائی۔ نفیری کی آواز قصر میں گونجتے ہی باہر نقارے بجائے جانے لگے ایک سو ایک توپیں سر ہوئیں ان نقاروں کی پر شور آواز اور توپوں کی گرج سے تمام شہر والوں کو معلوم ہوگیا کہ مہر النساء قصر خاص میں پہنچ گئیں۔

مہر النساء نے اس وقت چست لباس پہن رکھا تھا۔ زری کا لباس تھا۔ سنہری زری کا۔ روشنی میں ایسا جگمگا رہا تھا کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ جو دوپٹہ وہ پہنے ہوئے تھی اس میں لعلوں کے پر تام لگے ہوئے تھے جن میں سے روشنی کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ باریک ریشم کا نابدہ اوڑھے

ئے تھی جسے پیچھے کی طرف کئی نوجوان کنیزوں نے ہاتھوں میں سنبھال لیا تھا۔ وہ ت شان سے چلی اس کی رفتار سے عظمت و وقار کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ آب ں کی جالیدار نقاب چہرہ پر ڈالے ہوئے تھی اس کے حسن کی شعاعیں اس ب سے چھن چھن کر نکل رہی تھیں۔

بیگموں نے اسے کمرۂ خاص میں پہنچایا۔ یہ کمرہ صد درجہ آراستہ کیا گیا تھا اس ریشم کے خوبصورت پردے پڑے ہوئے تھے دبیز رومی قالینوں کا فرش قالینوں پر سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ دو مسہریاں تھیں جن کے پائے خالص ی کے تھے۔ دونوں مسہریوں میں نیلگوں ریشم کی جالیدار جھبر دانیاں کھنچی تھیں۔ بستر اطلس کے نہایت نرم تھے۔ سرہانے اور پہلوؤں میں چھوٹے کئی کئی تکیے رکھے ہوئے تھے جو بڑے ہی ملائم تھے۔ مسہریوں کی چھت بندی ریشم کی تھی جس میں بڑے بڑے سنہرے گل بوٹے کڑھے ہوئے تھے۔

ایک مسہری پر مہر النساء کو بٹھا دیا گیا۔ رونمائی کی رسم شروع ہوئی بیگمات ب حیثیت رونمائی دیں رقمیں دیں تھوڑی ہی دیر کے بعد غلغلہ ہوا کہ شہنشاہ ہر تشریف لا رہے ہیں۔

اگرچہ کمرہ بہت ہی بہت وسیع تھا لیکن بیگموں اور کنیزوں کی کثرت سے سا گیا تھا شہنشاہ کی آمد کی خبر سنتے ہی بیگمیں اور کنیزیں کھسکنے لگیں یہاں جب شہنشاہ کمرہ میں تشریف لائے تو سوائے مہر النساء کے کوئی عورت ں باقی نہ رہی تھی۔

ہانگیر کو دیکھتے ہی مہر النساء ان کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑی ہوگئی اسوقت جہانگیر خوش تھے۔ شاہی لباس پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے مہر النساء کے نچ کر کہا۔ "تمہیں ہماری تعظیم کی ضرورت نہیں ہے۔"

مہر النساء اب بھی چہرہ پر نقاب ڈالے تھی۔ اس نے سریلی آواز سے کہا
" آپ کی تعظیم میرا فرض ہے "
جہانگیر۔ ان تکلفات کو چھوڑو ——— ابھی تک نقاب ڈالے ہو
کیا یہاں کوئی غیر موجود ہے۔
مہر النساء۔ غیر تو نہیں لیکن ———
جہانگیر نے قطع کلام کرکے ہنستے ہوئے کہا ——— " اچھا ہم سمجھے ہمیں بھی
رونمائی کی رسم ادا کرنی چاہیئے۔ بہتر۔ ہم نے لاہور کے مضافات میں تمہیں
جاگیر عطا کی۔ بارہ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ دو سو کنیزیں تمہیں
عطا کیں اب نقاب اٹھا دو۔
مہر النساء نے فوراً اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دی۔ کمرہ میں کافی
روشنی ہو رہی تھی لیکن جوں ہی مہر النساء نے اپنے چہرے سے نقاب الٹی کمرہ
کی روشنی ماند پڑ گئی اس وقت مہر النساء بال بال موتی پروئے ہوئے تھی
ہوشیار مشاطہ نے سنگھار کرکے اس کے حسن کو چار چاند لگا دئے تھے اس کے
چہرہ سے حسن کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ جہانگیر اس ماہ طلعت کو دیکھ کر حیران
رہ گئے انہوں نے بیساختہ کہا۔ " تمہارے حسن سے یہ کمرہ بقعۂ نور بن گیا ہے اس
لئے ہم نے تمہیں " نور محل " کا خطاب عطا کیا۔
مہر النساء نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ " شکریہ "
جہانگیر کو اس کی یہ ادا بہت پسند آئی وہ اس کی طرف ٹکٹکی لگا کر
دیکھنے لگے۔ مہر النساء نے شرما کر سر جھکا لیا۔

ساتواں باب

نورجہاں

مہر النساء کی قسمت نے پھر یاوری کی - وہ ملکہ بن گئی - جہانگیر نے اول اسے نور محل کا خطاب عطا کیا اور پھر چند ہی روز میں نورجہاں کا --- نورجہاں کا خطاب اس قدر مشہور ہوا کہ اس کا اصلی نام گم ہو گیا - فرمانوں میں نورجہاں لکھا جانے لگا اول تمام قلمرو میں اور پھر ساری دنیا میں وہ نورجہاں کے لقب سے مشہور ہو گئی - آج تاریخوں میں بھی نورجہاں ہی کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

شہنشاہ جہانگیر کو اس سے کچھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ وہ ہر موقع پر اسے اپنے ساتھ رکھتے تھے - اس کی دم بھر کی جدائی بھی انہیں شاق گزرتی تھی --- سیر و شکار میں - ملک کے دورہ میں حتیٰ کہ دربار میں بھی اسے اپنے ساتھ رکھتے تھے -

دربار میں جہاں تخت تھا وہاں نہایت خوبصورت جھروکہ بنوایا گیا تھا اس جھروکہ میں ریشمین جالی کا پردہ ڈال دیا گیا تھا - جب جہانگیر دربار میں آتے تھے نورجہاں جھروکہ میں بیٹھ جاتی تھی اور جہانگیر تخت پر رونق افروز ہو جاتے تھے نورجہاں جہانگیر کے شانہ پر ہاتھ رکھ لیتی تھی اور جہانگیر دربار کے کام میں مصروف ہو جاتے تھے کبھی کبھی نورجہاں شرارت یا شوخی سے اپنا ہاتھ جہانگیر کے شانہ سے اٹھا لیتی تھی جہانگیر گھبرا جاتے تھے - فوراً جھانک کر جھروکہ میں دیکھنے لگتے تھے - نورجہاں مسکرانے لگتی تھی - جہانگیر آہستہ سے کہہ دیتے تھے - "بڑی شوخ ہو تم --- "

نورجہاں آہستہ سے کہتی ۔۔ "آخر آپ گھبرا کیوں جاتے ہیں؟"

جہانگیر۔ ہمیں خیال ہو جاتا ہے تم چلی گئیں۔

نورجہاں ۔۔ پھر۔

جہانگیر۔ پھر کیا۔ ہمارا دل دربار کے کاموں سے اچاٹ ہو جاتا ہے۔

نورجہاں مسکرا دیتی پھر اپنا دستِ نازک جہانگیر کے شانہ پر رکھ دیتی۔ وہ پھر کاروبارِ سلطنت میں مصروف ہو جاتے۔

نورجہاں نہایت قابل عورت تھی۔ وہ بہت جلد معاملہ کی تہہ کو پہنچ جاتی تھی اکثر پیچیدہ مقدمات کی گتھیوں کو بڑی خوبی سے سلجھا دیتی تھی وہ جہانگیر کے کان میں اپنی رائے کا اظہار کر دیتی جہانگیر وہی فیصلہ صادر کر دیتے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے کہ یہ حکم نورجہاں کا ہے۔

نورجہاں کی رائے صائب ہوتی تھی وہ عین عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ دیتی تھی اس کے فیصلے سے مدعی اور مدعا علیہ دونوں خوش ہو جاتے تھے چونکہ وہ منصف مزاج تھی اس لئے لوگ اس سے محبت کرنے لگے تھے۔

ایک روز جہانگیر اور نورجہاں دونوں بالاخانہ پر سیر کر رہے تھے شام کا وقت تھا گلابی سردی کے دن تھے دھوپ سمٹتی جا رہی تھی اس کی سفیدی نہرے پن میں تبدیل ہو گئی تھی آفتاب افق مشرق میں ڈوبنے کے قریب پہنچ گیا تھا اس نے زرفام شعاعوں نے نورجہاں کے چہرہ پر کندنی رنگ کا غازہ پھیر دیا تھا اس وقت وہ اور بھی خوبصورت معلوم ہونے لگی تھی اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں غزالِ چین کی آنکھوں کو شرما رہی تھیں۔ جہانگیر نے کہا۔

"تمہارا حسن بے پناہ ہے ملکۂ عالم تمہیں دیکھنے والا اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہ سکتا۔"

نورجہاں نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ عالم پناہ تو ہوش میں ہیں۔

جہانگیر نے ہنس کر کہا۔ "ہم اس لئے ہوش میں ہیں کہ تمہارے تجلی حسن کے عادی ہوگئے ہیں، جو بیچارے اچانک تمہیں دیکھتے ہیں موسیٰ کی طرح بیہوش ہو جاتے ہیں۔

نورجہاں۔ گویا ہم لوگوں کے سامنے آتے ہیں۔

جہانگیر۔ اوہو۔ تم خفا ہوگئیں ملکۂ عالم۔ ہمارا منشاء یہ تھا کہ اگر کوئی اتفاقیہ تمہیں دیکھ لے تو ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ ہم خدا کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں سلطنت عطا فرمائی۔ دنیا کی حسین ترین عورت بخشی۔ ہمیں یقین واثق ہے کہ تم امورِ سلطنت کو احسن طریقہ پر انجام دے لوگی ہم کل صبح حکم جاری کریں گے کہ امراء تمہارے حضور پر حاضر ہو کر مجرا بجا لایا کریں۔

نورجہاں۔ گویا ہمیں امراء کے سامنے آنا ہوگا۔

جہانگیر۔ نہیں، ہمارا یہ منشا نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ شہنشاہ اکبر جھروکہ میں بیٹھ کر درشن دیا کرتے تھے۔ ہم اس سلسلے کو بند کرنا چاہتے تھے لیکن والدہ حضرت مریم زمانی نے ہمیں سمجھایا کہ ہندوؤں کے بہت سے فرقے شہنشاہ ہند کا درشن کرنے کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ اس لئے ہم نے درشن[1] دینے کی رسم بند نہیں کی۔

نورجہاں۔ اس تمہید سے جہاں پناہ کا کیا مطلب ہے۔

---

[1] یہ رسم درشن دینے کی غازی اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ تک جاری رہی انہوں نے اس کو بند کیا۔ غازی اورنگ زیب کے مفصل حالات دیکھنے ہوں تو ہمارا مشہور ناول عالمگیر ملاحظہ فرمائیں۔ (صادق صدیقی سردھنوی)

جہانگیر۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ لوگ بیوقوف ہیں۔ ہمارا درشن کرتے ہیں۔ انہیں
تمہارے درشن کرنے چاہیئں۔ تم بت سمجھتی ہو بت پرست بتوں کی پوجا کرتے ہیں
پھر تمہاری پوجا کیوں نہ کریں۔

نورجہاں نے تیکھی چتونوں سے دیکھ کر کہا — "آپ ہمیں بت بنانا چاہتے ہیں"

جہانگیر۔ بنانا تو چاہتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں ہماری ملکہ بت بننا نہیں چاہتی
بننا بھی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ بت بے جان ہوتا ہے لیکن تمہیں شاید معلوم نہیں کہ
کہ یونان میں ایک عورت نہایت خوبصورت تھی سنگ تراشوں نے اس کے
مجسمے تیار کرکے بھاری داموں پر فروخت کئے تھے لوگوں نے ان مجسموں کو لے کر
پوجنا شروع کر دیا تھا اگر تمہارے مجسمے بھی تیار کرائے جائیں —— ادہو تم
خفا ہونے لگیں۔ خیر تمہیں پسند نہیں تو جانے دو۔

نورجہاں۔ عالم پناہ جانتے ہیں کہ یونانی ان مجسموں کی پوجا کرنے ہی
کی وجہ سے بت پرست بن گئے صدہا سال تک وہ اس حسن کی دیوی کو پوجتے رہے
کیا آپ بھی بت پرستی کی ابتدا کرانا چاہتے ہیں۔

جہانگیر۔ ہم سمجھ گئے۔ یہ بڑے گناہ کی بات ہے اچھا تم جھروکہ میں بیٹھ کر
امراء کا مجرا لیا کرو۔

نورجہاں۔ لیکن امراء عرض معروض بھی کیا کریں گے۔

جہانگیر۔ مجرا اسی لیئے ہوتا ہے۔ تم ان کی باتیں سننا۔ مناسب احکام
صادر کرنا۔ تمہارے احکام ہمارے ہی احکام ہوں گے۔

نورجہاں۔ عالم پناہ کا شکریہ۔

جہانگیر۔ شکریہ کی ضرورت نہیں ملکۂ عالم! ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ہی
احکام صادر کرو۔ تم ہی حکومت کرو ہمارے نام کے ساتھ تمہارا نام بھی ہو تم ہی

کا سجع تجویز کرکے کندہ کرالو۔
اس وقت مغرب کی اذان ہوئی۔ جہانگیر اور نورجہاں دونوں نماز پڑھنے چلے گئے۔ اگلے ہی روز جہانگیر نے فرمان صادر کردیا کہ امرائ نورجہاں کے حضور میں حاضر ہوکر مجرا کیا کریں امراؤ نے اس حکم کو بڑی خوشی سے منظور کرلیا۔
نورجہاں جھروکہ میں بیٹھ جاتی تھیں امراء زیر جھروکہ جمع ہوکر مجرا بجالاتے مجرے کا طریقہ یہ تھا کہ ہر امیر رکوع کی شان سے جھک کر سات تسلیمیں کرتا تھا۔ نورجہاں نے ان تسلیموں کو گھٹا کر چار کردیا تھا۔ اس کورنش کو فرشی سلام کہتے تھے۔
اسی روز سے نورجہاں احکام بھی صادر کرنے لگیں ان کے فرمانوں کا سرنامہ ہوتا تھا۔ حکم علیہ عالیہ مہر علیا نورجہاں بادشاہ"
(از سیر المتاخرین جلد اول صفحہ ۳۱۰)
نورجہاں نے چاندی کی ایک خوبصورت مہر بنوائی۔ اس مہر پر یہ شعر کندہ کرایا ہے

نورجہاں گشت بحکم الٰہ
ہمدم و ہمراز جہانگیر شاہ

نورجہاں کے احکام کی تعمیل نہایت خوشی سے کی جاتی تھی۔ ان کے احکام آنکھوں پر چڑھایا جاتا تھا۔ ان کے سجع کا بڑا احترام کیا جاتا تھا۔

مختصر تاریخوں سے یہ ثابت ہے کہ جہانگیر نماز پڑھتے تھے۔ انشاءاللہ آئندہ ان کے نماز پڑھنے کا ذکر بتفصیل آئے گا۔

از سیر المتاخرین جلد اول صفحہ (۳۱۰)　　صادق صدیقی سردھنوی

نورجہاں کے بھائی ابوالحسن کا منصب بڑھادیا گیا۔ انھیں آصف خاں
کا خطاب عطا ہوا تھا۔ اس خطاب کی اب پھر تجدید کی گئی۔ نورجہاں کی
کا اس قدر وقار کیا جانے لگا کہ ملکہ زمانی کے بعد وہی مکرم و معظم سمجھی جانے لگیں
نورجہاں کے ساتھ ساتھ جو کنیزیں آئی تھیں وہ شاہی محلات کی تمام کنیز و
کی افسر قرار دے دی گئیں۔ غرض جن مردوں یا عورتوں سے نورجہاں کو
کچھ بھی واسطہ رہا تھا ان سب کو دولت و منصب اور خطاب عطا ہوئے۔

چند روز کے بعد جب دارالضرب میں نئے سکے ڈھلے تو ان میں بھی
نورجہاں کا نام شامل کر دیا گیا۔ اشرفیوں پر یہ شعر ہوتا تھا۔

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور
بنام نورجہاں بادشاہ بیگم زر

اب یہ صورت ہو گئی تھی کہ اگرچہ خطبہ شہنشاہ جہانگیر کے نام کا پڑھا
جاتا تھا اور سلطنت انہیں کے نام سے تھی لیکن احکام نورجہاں صادر
کرتی تھیں۔ حکمراں دراصل نورجہاں ہی تھی۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ نورجہاں کس کسمپرسی کی حالت میں پیدا ہوئی
تھیں۔ ان کے باپ کو ان کا پرورش کرنا ہی نہیں بلکہ انہیں اٹھا کر
چلنا بھی بار ہو گیا تھا وہ چند گھنٹے کی پیدا شدہ بچی کو جنگل میں تنہا چھوڑ کر اور
سے ڈھک کر چلے آئے تھے کون کہہ سکتا تھا کہ ایک دن ان کا ستارہ اس قدر بلند
ہوگا کہ وہ ملکۂ عالم بنیں گی۔ اور ملکۂ عالم بھی ایسی کہ حکومت و سلطنت کی
تنہا وہی مالک و ذمہ دار ہوں گی۔

لہ۔ از سیر المتاخرین جلد اول۔ ص (۲۱۰)

حقیقت یہ ہے کہ خدا ہی پرورش کرتا ہے خدا ہی عزت و ذلت دیتا ہے وہی تعظیم و عبادت کے لائق ہے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ۔

یعنی، تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ تم میرا شکر کرو اور مجھ سے کفر مت کرو۔

خدا کی یاد نماز پڑھنے سے ہوتی ہے۔ جو لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ خدا انہیں یاد رکھتا ہے اور جنہیں خدا یاد رکھے انہیں دین و دنیا میں سرخروئی حاصل ہوتی ہے نورجہاں خدا کی عبادت کرتی تھیں۔ خدا سے ڈرتی تھیں۔ اس لئے انہیں اعلیٰ رتبہ عطا کیا۔

آٹھواں باب (۸)

کمسن سائلہ

نورجہاں کے لئے ایک نہایت خوبصورت تاج بنوایا گیا جب وہ تاج کو زیب سر کرتی تھیں تو اور بھی حسین معلوم ہونے لگتی تھیں۔ صبح کے وقت جب وہ جھروکہ میں بیٹھتی تھیں تو امراء سلام و کورنش کے لئے آتے تھے تو وہ پر تکلف لباس پہن کر اور تاج زریں اوڑھ کر جالی کے پیچھے بیٹھ جاتی تھی۔

وہ نہایت چست لباس پہنتی تھیں ان کا لباس زرنگار ہوتا تھا سر کے بال تاج کے نیچے سے نکال کر کندھوں پر سے لا کر سینہ پر چھوڑ لیتی تھی۔ گورے چہرہ پر اِدھر اُدھر سیاہ بال آ کر ان کے چہرہ کو اور جگمگا دیتے تھے بالوں کو گوندھا نہیں جاتا تھا بلکہ ویسے ہی چھوڑ دیا جاتا تھا۔

گھونگریالے بالوں کا جال سینہ کے ابھار کو ڈھک لیتا تھا اس لباس

اور ہیئت میں وہ اور بھی ماہر معلوم ہونے لگی تھیں۔

ایک تو رعب حسن دوسرے رعب حکومت ان کے حضور میں پیش ہونے والوں کو نگاہیں اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ جو معاملات ان کے سامنے پیش ہوتے وہ ان کے فیصلے نہایت عمدگی سے انصاف کے ساتھ کرتی تھیں۔ زنجیر عدل کو کھینچنے والا اگر ملکۂ عالم کو بلا کر ان سے اپنی فریاد کرنا چاہتا تو نورجہاں فوراً قلعہ کے برج میں آجاتی تھیں۔

ایک روز زنجیر عدل کھنچی۔ تمام گھنٹیاں جو اس زنجیر میں آویزاں تھیں بجنے لگیں۔ اس وقت جہانگیر اور نورجہاں بیٹھے شطرنج کھیل رہے تھے۔ شطرنج بھی عجب تھی۔ بتیس خوبصورت کنیزیں منتخب کر لی جاتی تھیں اس میں آٹھ آٹھ کنیزیں پیادوں کی جگہ مردانہ لباس پہن کر کھڑی ہو جاتی تھیں آٹھ کنیزیں سیاہ لباس پہنتی تھیں اور آٹھ سفید۔ دونوں قسم کی کنیزوں پر لباس پھوٹ نکلتا تھا۔ مہرے دو قسم کے ہوتے تھے ایک سیاہ ایک سفید دو دو رخ ہوتے تھے۔ دو دو گھوڑے اور دو دو پیدل ایک ایک وزیر اور ایک ایک بادشاہ۔ یہ سارے مہرے کنیزیں ہی بنتی تھیں۔ کنیزیں ہی بادشاہ ہوتی تھیں ان کے سروں پر زرنگار رومال اڑھا دیے جاتے تھے۔ وزیروں کو سادہ رومال جن میں پھول کڑھے ہوتے تھے اڑھائے جاتے تھے جو کنیزیں گھوڑے اور پیدل بنائی جاتی تھیں ان کے سروں پر رخ کی تصویروں کے رومال رخ بننے والی کنیزیں اوڑھتی تھیں۔ بادشاہوں کے پہلوؤں میں تلواریں لٹکتی رہتی تھیں اور خنجر پیٹیوں میں اڑسے رہتے تھے۔ اور وزیروں کے ہاتھوں میں تلواریں ہوتی

اور پیادوں کے ہاتھوں میں نیزے ہوتے تھے۔

بساط کئی جگہ بنی ہوئی تھی۔ بساط گز مربع ہوتی تھی۔ اس میں ایک ایک گز کے خانے کٹے ہوتے تھے۔ کل چونسٹھ خانے ہوتے تھے ایک خانہ سفید اس کے پاس والا سیاہ۔ پھر سفید پھر سیاہ خانہ اس طرح کے ہوتے تھے بساط کے چاروں طرف دو دو گز اونچی شہ نشین بنی ہوئی تھیں اور دو شنوں میں محرابدار دروازے کنیزوں کے آنے جانے کے لیے ہوتے تھے جب بازی شروع ہوتی تھی تو جہانگیر اور نورجہاں آمنے سامنے کی شہ نشینوں میں بیٹھ جاتے تھے۔ اِدھر اُدھر کی شہ نشینوں میں شاہی بیگمات یا شاہزادیاں بازی دیکھنے کے لیے آبیٹھتی تھیں۔

چونکہ بادشاہوں کو جنگی مہمیں پیش آتی رہتی تھیں، اور شطرنج میں لڑائی کے نقشے مدافعانہ اور جارحانہ لڑائی کی کارروائیاں ہوتی ہیں اس لیے بادشاہ اسے کھیلا کرتے تھے اس سے صرف تفریح ہی مقصود نہ ہوتی تھی بلکہ دشمنوں پر حملہ کرنے اور اس کی زد سے بچنے کے گر سیکھے جاتے تھے۔

فوجوں میں ہراول، میمنہ، میسرہ، قلب، عقب وغیرہ ہوتے ہیں ہر جگہ فوجیں ہوتی ہیں اگر ان تمام محاذات کی طاقت یکساں رہے ایک دوسرے کو مدد اور زد پہنچاتے رہیں تو دشمن کامیاب نہیں ہوسکتا اسے کامیابی اسی وقت ہوتی ہے جب کوئی محاذ کمزور ہو جاتا ہے وہ اس محاذ پر پورا زور ڈال کر اس مقام کو فتح کر لیتا ہے پھر وہاں سے دوسرے محاذات پر زور ڈالتا ہے اگر پورے طور پر مدافعت نہ کی جائے تو رفتہ رفتہ دوسرے مقامات فتح ہونے لگتے ہیں، اور بالآخر ایک فریق کو ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں یہی کیفیت شطرنج کی ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایک دوسرے کے زور میں

ہوتے ہیں اور زور بھی برابر کے ہوں تو کوئی مہرہ نہیں پٹتا لیکن اگر کسی فریق نے کسی مہرہ پر زیادہ زور آجاتے ہیں تو وہ مہرہ پٹ لیتا ہے اور جب ایک مہرہ مار لیتا ہے تو دوسرے کو مارنے کی فکر کرتا ہے اب ہوشیار کھلاڑی کا یہ کام ہے کہ وہ سب مہروں پر برابر زور رکھے۔ اپنے مہرے نہ پٹنے دے بلکہ فریق مخالف کے مہرے مارنے کی کوشش کرے۔ غرض شطرنج میدان جنگ کا نقشہ ہوتا ہے یوں تو شطرنج کھیلنا اکثر لوگ جانتے ہیں مگر حقیقت میں شطرنج کھیلنا نہایت مشکل کام ہے۔ جو اچھی طرح شطرنج جانتا ہے وہ سپہ سالاری کر سکتا ہے۔

غرض جس وقت زنجیر عدل کھینچی گئی اس وقت جہانگیر اور نورجہاں شطرنج کھیل رہے تھے۔ دونوں حد درجہ منہمک تھے بازی بری طرح پھنسی ہوئی تھی اور بیگمیں اور شاہزادیاں بھی نہایت غور سے بازی کو دیکھ رہی تھیں جہانگیر نے کہا۔ "ملکہ عالم نے تو ہمارے مہروں کو زچ کر دیا نہ گھوڑا کہیں چلتا ہے نہ فیل نکلتا ہے نہ رخ بڑھتا ہے۔ پیادے اپنی اپنی جگہ پر رک کر رہ گئے ہیں وزیر کو چلنے کے لئے راستہ نہیں ملتا۔"

نورجہاں نے ہوش ربا نگاہیں اٹھا کر جہانگیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور عالم پناہ نے کون سی کسر چھوڑ رکھی ہے ہمارے مہروں کے نکلنے کے راستے بند کر دیئے ہیں نہ پیدل آگے بڑھ سکتا ہے نہ گھوڑا نہ فیل چلتا ہے نہ رخ سب بیکار ہو کر رہ گئے۔"

اب جہانگیر نے گھنٹوں کی آواز سنی انہوں نے کہا۔ "ٹھہرو ملکہ عالم کوئی ہمیں پکار رہا ہے کسی نے زنجیر عدل کھینچی ہے۔ جہانگیر نے بلند آواز سے کہا۔ "ہم آگئے ہیں فریادی۔"

عورت نے زنجیر چھوڑ دی۔ شہنشاہ کو نہایت ادب سے سلام کیا۔ جہانگیر نے ۔۔۔ "تمہارا سلام قبول ہوا۔"

جہانگیر انتظار کرنے لگے کہ عورت اپنی عرضداشت شروع کرے۔ لیکن عورت خاموش رہی۔ جہانگیر نے کہا۔۔۔ "عرض کرو کس لئے آئی ہو۔"

عورت پر شہنشاہ کا رعب چھا گیا تھا۔ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن آواز نہ نکلتی تھی جہانگیر برج کے دروازے میں کھڑے دروازے کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھے قدرے آگے کو جھکے عورت کو دیکھ رہے تھے ان کے پیچھے کنیزوں اور خواجہ سراؤں کی پلٹن کھڑی تھی۔

جب دیر ہو گئی اور عورت کچھ نہ بولی تو شہنشاہ سمجھ گئے کہ وہ مرعوب ہو گئی ہے انھوں نے کہا۔ مت ڈرو بے دھڑک کہو۔

عورت اب بھی خاموش رہی جہانگیر کو اس کی خاموشی پر غصہ نہیں آیا انھوں نے نہایت نرمی سے کہا۔ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ ہم نیچے اتر کر تمہارے پاس آئیں ۔۔۔۔ اچھا انتظار کرو۔ ہم آتے ہیں۔

یہ کہہ کر جہانگیر پیچھے ہٹنے لگے عورت نے قدرے اونچی آواز سے کہا۔

"جہاں پناہ!

جہانگیر فوراً رک گئے اس کی آواز سے معلوم ہوا کہ وہ عورت نہیں لڑکی ہے۔ شہنشاہ نے کہا عرض کرو۔

لڑکی نے کہا۔ "میں ملکۂ عالم سے عرض کرنا چاہتی ہوں۔"

جہانگیر نے ہنس کر کہا۔۔۔ "اچھا یہ بات ہے۔ تم ڈر رہی تھیں کہ تم نے ہمیں تکلیف دی۔ ڈر کی کوئی بات نہیں فریادیوں پہ ہم ناخوش نہیں ہوا کرتے تم انتظار کرو۔ ملکۂ عالم تشریف لاویں گی۔

لڑکی نے جھک کر کہا۔ "جہاں پناہ کا شکریہ"

جہانگیر وہاں سے واپس آئے۔ انھوں نے اپنی جگہ پر بیٹھ کر کہا۔ کوئی لڑکی ملکۂ عالم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔"

نورجہاں۔ کیا اجازت ہے کہ میں اس کی عرض سن آؤں۔؟

جہانگیر۔ اجازت ہے۔

نورجہاں اٹھیں کنیزوں کی صف آگے پیچھے چلی۔ چونکہ قلعہ میں مرد رہتے تھے اس لئے خواجہ سراؤں نے بڑھ کر آواز لگائی۔ خبردار مہد علیا ملکۂ عالم تشریف لا رہی ہیں۔

فوراً مرد ہٹنے لگے قلعہ کے بالاخانوں کے پردے چھوڑ دیئے گئے۔ نورجہاں برج میں پہنچ کر کھڑی ہوئیں ایک کنیز نے بلند آواز سے کہا۔۔ سائلہ! ملکۂ عالم تشریف لے آئیں"

لڑکی نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔ ملکۂ عالم کا ہزار ہزار شکریہ"

نورجہاں نے کنیز سے کہا اس سے کہو ہم آگئے کیا کہنا چاہتی ہے۔"

کنیز نے بلند آواز سے کہا۔۔ "ملکۂ عالم فرماتی ہیں ہم آگئیں کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔

لڑکی۔ ملکۂ عالم! میں اپنی روئداد غم تخلیہ میں عرض کرنا چاہتی ہوں۔

ملکہ۔ اچھا انتظار کرو ہماری کنیزیں تمہیں ہمارے پاس لے آئیں گی۔

ملکہ نے دو کنیزوں کو سائلہ کو لانے کا اشارہ کیا کنیزیں تیزی سے چلی گئیں ملکہ جہانگیر کے پاس لوٹ آئیں۔ جہانگیر نے پوچھا۔ "فریاد سن آئیں"

نورجہاں۔ نہیں۔ وہ تخلیہ میں عرض کرنا چاہتی ہے۔

جہانگیر۔ اسے بلا لیا ہوتا۔

نورجہاں۔ بلایا ہے عالم پناہ سے یہ عرض ہے کہ اس وقت شطرنج کو بند کر دیجئے۔

جہانگیر۔ بند کیا۔

جہانگیر اٹھ کھڑے ہوئے وہ اور نورجہاں دونوں وہاں سے چلے گئے بیگمیں اور شاہزادیاں بھی چلی گئیں۔ جو کنیزیں مہریں بنی ہوئی تھیں انہوں نے جلدی جلدی مہروں کے لباس اتارے مہتمم ملبوسات نے وہ کپڑے ان سے لے لئے وہ وہاں سے ہنستی ہوئی بھاگ گئیں۔

نواں باب (۹)

نورجہاں کی خداترسی

نورجہاں کے لئے بہترین قصر تیار کرایا گیا تھا چونکہ انہیں پھولوں سے بڑی رغبت تھی اس لیے باغیچہ بڑا اور نہایت دلفریب تھا قسم قسم کے پھولوں کے پودے اور بیلیں اس میں لگائے گئے تھے باغیچہ کے چاروں گوشوں میں چھوٹے چھوٹے چار فوارے تھے۔ درمیان میں ایک بڑا فوارہ ایک وسیع حوض میں تھا۔ حوض گول تھا اور اس کی دیواریں چار چار فٹ اونچی سنگمرمر کی تھیں ان دیواروں کی چوڑائی تین تین فٹ تھی۔ فوارہ کسی دھات کا تھا جو دس فٹ اونچا تھا اس میں پھرکی لگی ہوئی تھی جو پانی کی دھار کو بارش کی طرح برساتی رہتی تھی۔ فوارہ ہر وقت چلتا رہتا تھا تمام حوض میں بوندیں برستی رہتی تھیں۔

باغیچہ سے ملا ہوا نہایت وسیع پختہ چبوترہ تھا۔ چبوترہ کے اوپر بھی

سبزہ کا حاشیہ سا تھا۔ باغیچہ اور چبوترہ کی دیکھ بھال اور رکھ رکھاؤ کے لئے کئی نوجوان مالنیں تھیں تمام مالنیں خوبصورت اور گل اندام تھیں ایسے فاخرہ لباس پہنتی تھیں کہ آج کل امیر عورتیں بھی ایسے لباس نہیں پہنتی لیکن وہ نازک اندام ہونے پر بھی بڑی جفاکش تھیں ہر وقت کام میں مصروف رہتی تھیں باغیچوں کی روشوں کو نہایت صاف رکھتی تھیں۔

نورجہاں ایک نہایت وسیع کمرہ میں جا کر بیٹھیں یوں تو اس قصر کے تمام کمرے اور برآمدے آراستہ وپیراستہ تھے لیکن ملکہ کی نشست گاہ اور خواب گاہ کے دونوں کمرے دلہن بنے رہتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں کنیزیں سائلہ کو لے کر گئیں سائلہ نے نہایت ادب سے ملکہ کو سلام کیا۔

یہ لڑکی نوجوان اور بڑی خوبصورت تھی لیکن اس کے چہرہ سے افلاس و عسرت کے آثار ظاہر تھے۔ کپڑے بھی بوسیدہ تھے۔ نورجہاں نے اسے دیکھا اس کی صورت سے شرافت ظاہر تھی وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی نورجہاں نے اس کا سلام لے کر نرمی سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ لڑکی!"

لڑکی کو بیٹھنے کی جرأت نہ ہوئی اس نے کہا۔ "ملکۂ عالم کا شکریہ میں اس عزت افزائی کے قابل نہیں ہوں۔"

نورجہاں۔ ہم کہتے ہیں۔ بیٹھ جاؤ۔

لڑکی فرش پر بیٹھنے لگی نورجہاں نے کہا۔ "نہیں نہیں اوپر بیٹھو کرسی پر"

لڑکی کبھی اپنی غریبانہ حالت دیکھتی تھی کبھی شاہانہ ساز و سامان کو وہ حیران بھی تھی اور مرعوب اس کی ہمت کرسی پر ملکہ کے روبرو بیٹھنے کی نہ ہوتی تھی لیکن ملکہ حکم دے چکی تھیں وہ ڈرتی ڈرتی کرسی پر بیٹھی مگر ابھی تک وہ اس ننھی سی چڑیا کی طرح سہم رہی تھی جو اتفاقیہ صیاد کے جال میں

ئی ہو۔ نورجہاں نے کہا۔۔۔ "ڈرو مت ہم بھی انسان ہیں تم بھی انسان ہو۔"

رڑکی۔ ملکہ عالم کس قدر نیک ہیں۔ جس قدر شہرت سنی تھی اس سے بھی زیادہ

نورجہاں نے ہنس کر کہا۔ "اچھا تم نے شہرت بھی سنی تھی۔

رڑکی۔ تمام شہر اور ساری قلمرو میں حضور کی نیکی کی شہرت ہے۔

نورجہاں۔ تمہارا نام کیا ہے۔

رڑکی۔ میرا نام زینت بیگم ہے۔

ورجہاں نے مسکرا کر کہا۔۔۔ "گل رخ تھیں تم تو گل رخ ہو پھر کیا نام

ہے۔

زینت بیگم شرما گئی نورجہاں نے کہا۔۔۔ "شرماؤ نہیں۔ نہ ڈرو

باتیں کرو۔

ورجہاں خوفزدہ لڑکی کے دل سے رعب و شرم دور کرنے کی اس لئے کوشش

تھیں تاکہ وہ اپنی روئداد غم کو اچھی طرح بیان کر سکے۔

رفتہ رفتہ زینت بیگم کے دل سے رعب و خوف کم ہونے لگا۔ اب

ں نے اس سے کہا۔۔۔

"زینت بیگم تم اپنا حال بیان کرو۔"

ینت بیگم نے کہا۔۔ ملکہ عالم! میں بڑی مصیبت زدہ ہوں۔ ہمارا گھرانہ اچھا

رغ البالی کے ساتھ گذر ہوتی تھی کچھ زمین۔ کچھ شہر میں مکانات ہیں

منی اتنی ہے کہ ہم اچھی طرح عزت کے ساتھ گذر بسر کر سکیں میری عمر

ں برس کی تھی کہ والدہ کا انتقال ہو گیا میری مصیبت کی ابتدا اسی

سے ہوئی۔ ماں کے مرنے سے گھر کی رونق جاتی رہی۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی

رے والد مجھ سے کافی محبت کرتے تھے۔ میرے ایک چچا بھی تھے۔ چچا بھی

ہمارے ہی گھر میں رہتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد میرے والد نے دوسری شادی کرلی۔ شروع شروع میں میر
سوتیلی ماں مجھ سے بڑی محبت کرتی رہیں۔ لیکن جب ان کے بیٹا پیدا ہوگیا تو ان کی
محبت دشمنی سے بدل گئی۔ میری خبر گیری کم ہوگئی مجھ پر سختیاں کی جانے لگیں ایک
ایک دو مرتبہ میں نے والد سے شکایت کی انہوں نے الٹا مجھے ہی دھمکایا دن یو
ہی گذرتے ہی رہے۔ جب میں چودہ برس کی ہوئی تو باپ کا انتقال ہوگیا اب
میں سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر رہ گئی۔ اتفاق سے سوتیلی ماں کا لڑکا بھی اسی سا
مرگیا اس کے مرنے کا میری ماں کو بڑا رنج ہوا۔ انہوں نے اس کی موت کا ال
میرے سر رکھ دیا۔ کہنے لگیں میں ڈائن ہوں میں نے اسے کھا لیا وہ اور بھی مجھ
خفا ہونے لگیں۔ سال بھر تو وہ سوگوار رہیں پھر انہوں نے میرے چچا سے اپنا نکا
کرلیا۔

نکاح سے پہلے چچا مجھ پر کچھ مہربان تھے۔ نکاح کے بعد وہ بالکل ہی دشمن ہو
گئے۔ اب سوتیلی ماں اور چچا دونوں مجھ پر بے رحمیاں اور سختیاں کرنے لگے کپڑے
معمولی قسم کے پہننے کو دیتے۔ کھانا بچا کھچا ملتا۔ میں کس سے فریاد کرتی۔ گھٹ
رہتی تھی۔

اب چند روز سے معلوم ہوا کہ مجھے بیچنے کی فکر کی جا رہی ہے۔

نورجہاں نے متعجب ہو کر کہا۔ "بیچنے کی۔ اس سے تمہارا کیا مطلب

زینت بیگم نے شرما کر نورجہاں کو دیکھ کر کہا۔ "کیا ملکہ عالم نے سمجھا نہیں"

ملکہ عالم نے کہا۔ "نہیں"

زینت بیگم نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ "وہ ایک بوڑھے سے ....

فقرہ پورا نہ کرسکی شرما کر چپ ہوگئی۔

نورجہاں نے مسکرا کر کہا۔ "اوہ ہم سمجھ گئے وہ کسی بوڑھے سے تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں"

زینت بیگم۔ "جی ہاں"

نورجہاں۔ کیوں؟

زینت بیگم۔ انہوں نے کچھ روپیہ لینا ٹھہرایا ہے۔

نورجہاں۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔

زینت بیگم۔ ارشاد فرمایئے۔

نورجہاں۔ زمین اور مکان تمہارے والد کے تھے یا چچا بھی اس میں حصہ دار تھے۔

زینت بیگم۔ یہ جائداد موروثی نہیں ہے بلکہ میرے والد نے خریدی ہے۔

نورجہاں۔ گویا تمہارے چچا کا اس میں کچھ حصہ نہیں ہے۔

زینت بیگم۔ بالکل بھی نہیں۔

نورجہاں۔ اور ساری جائداد پر قابض وہی ہے۔

زینت بیگم۔ جی ہاں۔

نورجہاں۔ اب تم یہ چاہتی ہو کہ تمہاری شادی بوڑھے سے نہ ہو۔

زینت بیگم۔ اور جائداد بھی مجھے دلائی جائے۔

نورجہاں۔ ایسا ہی ہوگا۔ جب تک یہ معاملہ طے ہو تم یہیں رہو۔

زینت بیگم نے نورجہاں کو بڑی دعائیں دیں۔ نورجہاں نے اسے اچھے کپڑے پہننے کو دیئے جب اس نے غسل کر کے کپڑے بدلے تو اور بھی خوبصورت معلوم ہونے لگی۔ نورجہاں نے اسے اپنی خواصوں میں داخل کر لیا۔

اسی روز شام کو نورجہاں نے زینت بیگم کی داستان جہانگیر کے گوش گذار

کردی۔ جہانگیر کو بہت ناگوار ہوا۔ انہوں نے دوسرے ہی دن سے تحقیقات شروع کردی۔ زینت بیگم کے چچا کو طلب کیا۔ دریافت کرنے پر تمام واقعات صحیح نکلے جہانگیر نے اس کے چچا سے اس کی جائداد واپس دلائی مگر خود اس کے چچا کو شاہی ملازموں کے زمرہ میں شامل کرلیا۔

کچھ عرصہ کے بعد نورجہاں نے اپنے صرفہ سے زینت بیگم کی شادی کردی اس واقعہ کا ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے ایک یتیم خانہ کھول دیا اس یتیم خانہ میں ملک کے اطراف وجوانب سے لاوارث و یتیم لڑکے لڑکیاں لائی گئیں۔ ان کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کیا گیا۔ ان بچوں کی نگرانی نورجہاں خود کرنے لگیں۔ نیز انہوں نے ایک محکمہ قائم کیا جو یتیموں کی جائداد کی دیکھ بھال کرتا اور یتیم بچوں کی پرورش کا انتظام کسی ذریعہ سے کرتا ان کی شادی بغیر نورجہاں کی منظوری کے نہ ہوتی۔

نورجہاں نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ لاوارث اور غریب لڑکیوں کی پرورش اور شادی کا انتظام[1] بھی اپنے صرفہ سے کرنے لگیں۔ جو وظیفہ سالانہ انہیں ملتا تھا اور جاگیر کی جو آمدنی ہوتی تھی وہ یتیم خانہ اور لاوارث لڑکیوں پر خرچ کردیتی تھیں۔ اس سے نورجہاں کو بڑی ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی۔

---

[1] از تاریخ ہندوستان صفحہ (۲۷۰)

دسواں باب (۱۰)

ایک الزام کی تردید

ہم مستند تاریخوں سے نورجہاں کے صحیح واقعات تحریر کرتے چلے آرہے ہیں۔ بعض مقامات پر تاریخوں کے حوالے بھی دے دیئے ہیں جگہ جگہ اس لئے حوالے نہیں دیئے کہ اس میں طوالت تھی۔

ہم نے گذشتہ باب میں تاریخ سیر المتاخرین کے اس بیان کی تردید کی ہے کہ اس میں لکھا ہے کہ شیر افگن قطب الدین کو قتل کر کے نورجہاں (مہر النساء) کو قتل کرنے کے لئے مکان تک گئے تھے قبل اس کے کہ وہ نورجہاں کو قتل کریں قطب الدین کے آدمیوں نے وہاں پہنچ کر انہیں مار ڈالا تھا۔

ہمیں افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ سیر المتاخرین کے مصنف بڑے ہی غیر محتاط اور متعصب مزاج ہیں انہوں نے سلطنت مغلیہ کی ہجو بلیغ کی ہے بعض عیسائی مورخوں کی طرح تاریخی واقعات میں اپنی ذاتی رائے شامل کر کے انہیں مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔

نورجہاں اور جہانگیر کے واقعات انہوں نے نہایت مختصر لکھے ہیں اور انہیں بھی اپنی ذاتی رائے شامل کر کے غلط کر دیا ہے۔ الزام یہ لگایا ہے کہ جہانگیر نے نورجہاں سے شادی کرنے کی وجہ سے شیر افگن کو قتل کرایا چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"جہانگیر کو نورجہاں سے عشق تھا جیسے وہ تخت پر بیٹھے اور انتظام مہام سے فراغت ملا تو قطب الدین کو کلتاش خاں کو جو شیخ سلیم چشتی کے پوتے تھے بنگالہ کا صوبہ دار کیا اور در پردہ ارشاد کیا کہ جس طرح ممکن ہو شیر افگن خاں سے

نورجہاں کو طلاق دلادیں اور اگر یہ صورت نہ ہو تو شیر افگن خاں کو مار ڈالیں اور نورجہاں کو روانہ حضور کریں۔[1]

آگے چل کر لکھتے ہیں ..... "القصہ عمل حضور نے کہ بنگالہ تھا نورجہاں کو روانہ دربار کیا۔ چونکہ جہانگیر اکثر مدہوش رہتے تھے اس لیئے باوجود اس قدر تعشق کے اپنے معشوق سے بے خبر رہے یہاں تک کہ ملکہ زمانی کے حضور میں نورجہاں کو دیکھ کر پہچانا از سر نو عشق پیدا ہوا اور چھٹے سال جلوس کے حرم سرائے شاہی میں داخل کرکے اول نور محل اور پھر نورجہاں کا خطاب دیا۔[2]

سیر المتاخرین کے مصنف نے یہ تسلیم کیا ہے کہ جہانگیر کو نورجہاں سے بہت زیادہ محبت تھی انہوں نے قطب الدین کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ یا تو شیر افگن سے نورجہاں کو طلاق دلادیں یا شیر افگن کو مار ڈالیں اور نورجہاں کو روانہ دربار کریں۔ چنانچہ شیر افگن مار ڈالے گئے اور نورجہاں آگرہ میں آ گئی لیکن جہانگیر کو محبت ہونے کے باوجود نورجہاں کا خیال نہ آیا۔ کئی برس تک وہ محل میں رہیں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ مدہوش رہتے تھے۔

اس مصنف کا بیان سرتاپا لغو اور ایجاد بندہ ہے اگر حقیقت میں جہانگیر کو نورجہاں کا خیال تھا تو وہ تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے شیر افگن کو قتل کراتے اور انہیں قتل کراتے ہی نورجہاں کو دربار میں طلب کرکے اس سے شادی کر لیتے۔

لیکن پانچ برس تک انہوں نے خیال بھی نہ کیا۔ اگر وہ مدہوش رہتے تھے

---

[1] از سیر المتاخرین جلد اول صفحہ (۲۰۹)

سلطنت کا کاروبار کس طرح کرتے تھے ان کی مدہوشی کے زمانہ میں بغاوتیں کیوں نہ ہوئیں۔ لوگوں نے سرکشیاں کیوں نہ کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ مدہوش نہیں رہتے تھے کاروبار سلطنت انجام دیتے رہتے تھے۔

مسٹر ایشوری پرشاد نے اپنی تاریخ ہندوستان میں لکھا ہے کہ ایک درباری کے منہ سے شراب کی بو آئی تھی جہانگیر نے اسے سزا دی تھی جو شخص خود مدہوش رہتا ہو وہ دوسروں کو شراب خوری کے الزام میں کیسے سزا دے سکتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ سیر المتاخرین کے مصنف کا یہ الزام کہ وہ اس قدر مدہوش رہتے تھے کہ نورجہاں جس سے انہیں بیحد محبت تھی یاد نہ کر سکے قطعی غلط اور بے بنیاد ہے۔

جب مدہوشی کا الزام نہ رہا تو اب یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے محبوب سے بے خبر رہتے جن کی محبت میں وہ بے چین تھے۔ جن کی محبت کے تحت انہوں نے یہ کبیرہ گناہ کیا کہ ایک مسلمان کو قتل کرا ڈالا اور اس مہم میں اپنے ایک خیر خواہ کو بھی کھو دیا۔ نورا ہی انہیں کیوں حرم شاہی میں داخل نہ کرتے یہی بات کیوں نہ ہوتی کہ انھیں دیکھ کر ہی پھر محبت جوش مارتی اور وہ خوشامد درآمد کر کے اس سے کیوں شادی کرتے۔ اگر حقیقت میں سیر المتاخرین کے مصنف کی بکواس درست ہوتی تو وہ تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں نورجہاں کو حاصل کر کے اس سے نکاح کر لیتے۔

محبت جب ہو جاتی ہے تو نیک و بد سے انسان بے نیاز ہو جاتا ہے اس کے تصور میں خواب میں، بیداری میں۔ اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اور ہر عالم میں مستغرق رہتا ہے اسے جلد سے جلد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے سلطنت اور تاج و تخت تک کی پرواہ نہیں کرتا۔ ہمارے سامنے حال کے زمانہ کی مثال موجود ہے شہنشاہ جارج پنجم والی انگلستان کے بیٹے پرنس ونڈسر

کو ایک عام طبقہ کی عورت سے محبت ہوگئی وزرائے سلطنت اور برٹش گورنمنٹ نے انہیں نوٹس دیا کہ یا تو وہ (۲) عورت کی محبت سے دستبردار ہوجائیں یا سلطنت کو خیرباد کہیں - انہوں نے سلطنت چھوڑ دی - ان سے محبت نہ چھوٹ سکی۔

اگر جہانگیر کو بھی نورجہاں سے اسی پایہ کی محبت تھی تو وہ تخت نشین ہوتے ہی اسے حاصل کرتے اور جب کہ شیر افگن مار ڈالے گئے تھے نورجہاں محل میں تھی پھر کون سی رکاوٹ تھی - اس کے محل میں آتے ہی اس سے شادی کر لیتے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے یہ واقعہ ہے کہ مینا بازار میں کبوتر والے معاملہ سے جہانگیر کو نورجہاں سے محبت ہوگئی تھی لیکن یہ محبت مستقل نہ ہوئی تھی -

وہ نوجوانوں کی سی ایسی محبت تھی جیسی اکثر نوجوانوں کو ہر اچھی صورت والی سے ہوجایا کرتی ہے لیکن جب کوئی رکاوٹ پیش آجاتی ہے یا آنکھوں سے ملنا جلنا بند ہوجاتا ہے تو محبت کا دریا پایاب ہوجاتا ہے رفتہ رفتہ محبوب کا خیال جاتا رہتا ہے۔

چنانچہ جہانگیر کو بھی نورجہاں سے محبت ہو چلی تھی - لیکن جب اس میں رکاوٹ ہوئی، نورجہاں کا محل میں آنا جانا بند ہوگیا تو محبت کا دریا اتر گیا نورجہاں کا خیال جاتا رہا - سچ یہ ہے کہ وہ اسے اس قدر بھول گئے تھے کہ انھیں کبھی یہ یاد نہ رہا تھا کہ شیر افگن سے اس کی شادی ہوئی ہے ممکن ہے انہیں یہ معلوم بھی نہ ہوا کہ شیر افگن سے ان کی محبوبہ کی شادی ہوئی ہے اور ممکن یا یقینی بات یہی ہے کہ انھیں علم ہی نہ تھا کہ اس کی شادی کس کے ساتھ ہوئی ہے۔

شاہزادگی کا زمانہ تھا بچپن کا عالم - وہ محل سے بہت کم باہر نکلتے تھے یا تو سیر و شکار کو جاتے تھے یا کسی مہم پر مامور ہوتے تھے یوں بھی انہیں معلوم نہ

ہوتا تھا کہ کس کی شادی کس کے ساتھ ہوئی ہے۔ امراء کی بیسیوں لڑکیاں محل میں آتی تھیں۔ ان کی شادیاں جب ہوتی تھیں تو شہنشاہ یا شاہزادے ان میں شامل نہیں ہوتے تھے نہ محلوں میں عام طور پہ شادیوں کا ذکر ہوتا تھا اس لئے بھی شاہزادوں کو شادیوں کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔

البتہ یہ درست ہے کہ جہانگیر نے نورجہاں کو اپنی والدہ کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ وہ بھی اس لئے کہ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ شیر افگن باغی نہ تھے وہ بلا وجہ مارے گئے اور ان کی بیوی اور بیٹی نے معتوب ہونے کی وجہ سے مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کی ہیں تو انہوں نے اس خیال سے کہ ان کی پریشانیوں کچھ بدل ہو جائے اور ان کا گرا ہوا وقار پھر انہیں مل جائے۔ یہ عہدہ دیا تھا۔

اتفاق سے جب انھوں نے نورجہاں کو اپنی والدہ کے پاس دیکھا تو ان کی دیرینہ محبت تازہ ہو گئی اور اس مرتبہ محبت کا ایسا جوش اٹھا کہ دبائے نہ دب سکا۔

اگرچہ اس وقت نورجہاں کی عمر چونتیس سال کی ہو گئی تھی۔ اس عمر میں عورت کا شباب ڈھلنے لگتا ہے نہ بھی ڈھلے تو جوانی کی سی آب و تاب نہیں رہتی۔ لیکن نورجہاں کا آغاز شباب ہی تیس سال کی عمر سے ہوا۔ جب جہانگیر نے اسے دیکھا تو وہ ان کی نگاہوں میں سب سے زیادہ حسین عورت معلوم ہوئیں۔

ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ چونکہ نورجہاں بہت زیادہ قابل، سمجھدار فہیم اور تعلیم یافتہ عورت تھی۔ اس لئے وہ بناؤ سنگھار خوب کرتی تھی موجودہ زمانہ میں بھی یہ تجربہ ہوا ہے غیر تعلیم یافتہ عورتیں ایسی خراب

حالت میں رہتی ہیں کہ ان کے شوہروں کو ان کی طرف رغبت کم ہوتی ہے اور تعلیمیافتہ عورتیں ایسا شاد و آباد کرتی ہیں کہ ان کے شوہر ان سے خوش رہتے ہیں۔

کچھ تو نورجہاں خوبرو تھی ہی کچھ اچھی حالت میں رہتی تھی اس لئے جہانگیر کو اس سے بہت زیادہ محبت ہو گئی ایسی محبت کہ مرتے دم تک ان کے دل سے نہ نکلی اور انہوں نے اسے حکومت میں برابر کا شریک کر لیا۔

مگر یہ استقرار محبت اسی وقت ہوئی جب نورجہاں بیوہ ہو کر ان کی والدہ کی خدمت میں آئی۔ اس سے پہلی محبت بالکل خام تھی اور جاتی رہی تھی اگر وہ محبت بدستور ہوتی تو اول تو باوجود شہنشاہ اکبر کی مخالفت کے جس طرح بھی ہوتا وہ اس سے اسی وقت شادی کرتے۔ دوسرے یہ کہ اگر اس وقت اکبر کے خوف کی وجہ سے ایسا نہ کر سکتے تو اکبر کی وفات کے بعد فوراً اسے اپنے عقد میں لاتے یہ بھی نہ سہی تو جب شیر افگن مارڈالے گئے تھے اس وقت فی الفور اس سے نکاح کر لیتے۔

اس تمام تحریر سے اور مشہور مصنفوں کی تاریخوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہانگیر کو نورجہاں سے عالم شاہزادگی میں جو محبت ہوئی تھی وہ شدید نہ تھی۔ وہ اسے بھول گئے تھے۔ سیر المتاخرین کے مصنف کا یہ الزام کہ شیر افگن کو نورجہاں کے حاصل کرنے کی وجہ سے قتل کر دیا بالکل لغو اور غلط ہے وہ بغاوت کی شرارت کی وجہ سے قتل ہوئے۔

گیارھواں باب (۱۱)

بنگالہ کے بازی گر

بنگال کے بازی گروں کی بڑی شہرت تھی۔ جہانگیر نے انہیں طلب کیا تھا ان کی کوشش اور خواہش یہ تھی کہ بازی گر نورجہاں کی شادی سے پہلے آجائیں لیکن وہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وقت پر نہ آسکے شادی کے کچھ عرصہ کے بعد آئے تھے۔

ان بازی گروں کی پہلے ہی سے شہرت ہو رہی تھی۔ اب جب کہ وہ آگئے تھے اور بھی شہرہ ہو گیا تھا لوگ بیتابی سے اس وقت کا انتظار کرنے لگے جب وہ لوگ تماشہ کریں۔

یہ بازی گر عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ عورتیں نوجوان اور خوبصورت تھیں ساڑیاں باندھے ہوئے تھیں مرد بھی نوجوان زیادہ تھے کچھ ادھیڑ عمر کے اور چند بوڑھے بھی تھے وہ سب دھوتیاں اور اونچے کرتے پہنے تھے۔ سر ننگے تھے صورتوں سے وہ لوگ اچھے طبقہ کے معلوم ہوتے تھے۔ اعلیٰ تعلیمیافتہ تھے۔ اب شاید اس زمانہ کے پروفیسر ہوں گے۔

شہنشاہ جہانگیر نے اپنے زمانہ کے واقعات خود تحریر کیے ہیں جس کتاب میں یہ واقعات لکھے ہیں اسے تزک جہانگیری یا جہانگیر نامہ کہتے ہیں۔ جہانگیر نے بنگال کے بازی گروں کا حال جہانگیر نامہ میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم اس باب میں اور اس سے آئندہ باب میں بازی گروں کا جو حال لکھ رہے ہیں وہ جہانگیر نامہ سے اقتباس ہے ان واقعات کو پڑھ کر معلوم ہوگا کہ اس زمانہ

میں کیسے کیسے شعبدہ باز تھے۔

جہانگیر نے ان بازیگروں کا تماشہ دیکھنے کے لئے ایک تاریخ مقرر کر دی تھی قلعہ کی فصیل کے نیچے زیر جھروکہ وسیع میدان میں، بازی گر مقیم ہوئے تھے وہی میدان تماشہ کے لیے منتخب ہوا تھا۔

تاریخ مقررہ پر صبح ہی سے لوگ آآ کر جمع ہونے لگے مجمع کو قابو میں رکھنے اور مناسب انتظام کرنے کے لئے فوج اور پولیس کے سپاہی اور سوار کثرت سے آگئے تھے لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا۔ پچاس گز مربع میدان تماشہ کے لئے چھوڑ کر باقی میدان میں لوگوں کا جم غفیر آ جمع ہوا تھا امراء، روساء اور وزراء فصیل کے پاس زیر جھروکہ کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ امراء کی بیگموں اور عام عورتوں کے لئے فصیل کے نیچے پردہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ مچان کے طور پر اونچائی پر لکڑی کے تختوں کا فرش قائم کر کے اس پر قالین بچھا دیئے گئے جھروکہ میں ....شہنشاہ جہانگیر آبیٹھے تھے ان کے پہلو میں چلمن کے پیچھے نورجہاں اور ان کی خواصیں اور کنیزیں بھی آگئی تھیں۔ جھروکہ کے ادھر ادھر جو برج تھے ان میں پردے پڑ گئے تھے اور پردوں کے پیچھے شاہی بیگمات اور شاہزادیاں آکر بیٹھ گئیں ایک برج میں ملکہ زمانی اور سلطانہ بیگم آگئی تھیں۔ ایک برج میں شاہزادے آبیٹھے تھے۔

جب جہانگیر اور نورجہاں نے دیکھا تو جس طرف بھی ان کی نظر گئی سفید پوش لوگوں کا ہجوم سمندر کی لہروں کی طرح موجیں مارتا نظر آیا معلوم ہوتا تھا جیسے ساری دہلی اور اس کے مضافات امنڈ آئے ہیں۔

جو میدان تماشہ کے لئے چھوڑا گیا تھا اس کے گوشہ میں بازی گروں کے خیمے تھے ان خیموں میں عورتیں اور مرد سب تھے جوں ہی جہانگیر جھروکہ میں آ کر

رونق افروز ہوئے۔ اسی وقت دمامے بجنا شروع ہوئے گویا عوام کو اطلاع دیدی گئی کہ جہاں پناہ تشریف لے آئے۔ تمام مجمع ساکت ہو گیا۔

جب دمامے بجنے موقوف ہوئے تو تمام بازیگر خیموں سے باہر نکل آئے۔ عورتیں آگے تھیں اور مرد پیچھے تمام عورتیں ایک ہی رنگ کی نہایت فوق ابھرک ساریاں پہنے ہوئی تھیں۔ مرد سفید لباس میں تھے عورتیں اس وقت کمال خوبصورت معلوم ہو رہی تھیں ان کے چہرے دھوپ میں جگمگا رہے تھے۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں چمک رہی تھیں۔

مرد باجے بجا رہے تھے تمام باجوں کی آواز مل کر نہایت ہی خوش آئند معلوم ہو رہی تھی۔ عورتیں گا رہی تھیں۔ چھ یا سات عورتیں تھیں لیکن اس طرح مل کر گا رہی تھیں کہ ایک ہی عورت کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ کوئی بنگالی گیت تھا آواز کے اتار چڑھاؤ میں سب برابر کا ساتھ دے رہی تھیں کوئی بال برابر بھی ادھر ادھر نہ ہوتی تھی۔

سب نہایت خوش گلو تھیں۔ نغمے کے چشمے پھوٹ نکلے تھے۔ سننے والے وجد میں آگئے تھے۔ خود جہانگیر اور نورجہاں پر بڑا کیف طاری ہو گیا تھا۔ ان کی آواز اس قدر بلند تھی کہ سارے میدان میں گونج رہی تھی اور آدھے سے زیادہ مجمع بھی سن رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے نشر صوت کے آلے (لاؤڈ اسپیکر) لگے ہوں۔ لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ یہ حیرت اس لئے تھی کہ جس میدان میں وہ گا رہی تھیں وہ اتنا لمبا چوڑا تھا کہ اس سے ان کی آواز باہر نہیں جانی چاہیئے تھی لیکن صرف میدان ہی نہیں گونج رہا تھا بلکہ مجمع بھی سن رہا تھا۔ پھر لطف یہ کہ لفظ لفظ سمجھ میں آ رہا تھا۔

بازیگر مرد عورتیں اور بڑھ کر چبوترے کے قریب پہنچیں انہوں نے شہنشاہ کو

بنایت دلفریب طریقہ سے سلام کیا۔ کچھ دیر وہاں کھڑے ہو کر گایا اور پھر الٹے پیر واپس ہو کر خیموں میں داخل ہوئے۔

اب ایک بوڑھا بازی گر صوبہ داروں جیسے کپڑے پہن کر نکلا یہ واضح رہے کہ اس زمانہ میں حکام جیسے کپڑے عوام نہیں پہن سکتے تھے۔ بازی گروں نے اس کے متعلق اول دربار سے اجازت لے لی تھی۔ صوبیدار کے پیچھے پیچھے چار نوجوان بازی گر آرہے تھے۔ بوڑھے بازیگر نے نوجوان سے کہا۔ "تم کہتے ہو کہ تم بازی گر ہو۔"

ایک بازی گر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "جی ہاں حضور ہم بازی گر ہیں۔"

بوڑھا۔ تم اس میدان کو دیکھتے ہو۔

نوجوان۔ جی ہاں۔

بوڑھا۔ کیا تم یہاں باغ لگا سکتے ہو۔

نوجوان۔ ابھی لیجیے۔

یہ کہہ کر نوجوان چلنے لگا۔ بوڑھے نے کہا "ذرا ٹھہرو"

جوان نے ٹھہر کر پوچھا۔ "کیا حکم ہے۔"

بوڑھا۔ باغ میں ہر قسم کے میوہ دار درخت ہونے چاہئیں۔

جوان۔ ایسا ہی ہوگا۔

بوڑھا۔ اور پھلواری بھی کیونکہ ملکۂ عالم کو پھولوں سے بڑی رغبت ہے۔

جوان۔ حضور ایسے ایسے پھول ہوں گے کہ آپ نے آج تک نہ دیکھے ہوں گے۔

بوڑھے کے ہاتھ میں ہنٹر تھا اس نے ہنٹر چٹکاتے ہوئے کہا۔

ہشت نامعقول۔ ہماری توہین کرتا ہے۔ ہم نے ایسے ایسے پھول دیکھے ہیں جو تمہارے خواب میں بھی نہ آئے ہوں گے۔

جوان۔ اب آپ دیکھ ہی چولیں گے۔

بوڑھا۔ اچھا دکھاؤ۔

ان کی آواز تمام مجمع تک پہنچ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کے کان کے پاس باتیں کی جارہی ہوں۔ یہاں تک کہ ہنٹر کے پھٹکارنے کی آواز بھی سب نے سنی۔

اب چاروں بازی گر دوڑے ہوئے خیمہ کے اندر گئے اور چار بڑے بڑے ٹوکرے اٹھا کر لائے۔ چند مزدور بلوا کر انہوں نے باغ کی داغ بیل ڈالی۔ گڑھے کھدوائے۔ ان میں بیج بوئے جب بیج بو چکے تو انہوں نے بڑے طویل و عریض شامیانے تان دیئے۔ تقریباً پچیس گز مربع میں شامیانے تانے پھر ان کے گرد قناتیں لگانے لگے۔ بوڑھے نے کہا "یہ کیا کرتے ہو۔ میں باغ چاہتا ہوں باغ۔

نوجوان نے دست بستہ ہو کر کہا—"باغ ہی لگایا جارہا ہے حضور"

بوڑھا۔ مگر جلدی کرو۔ دن چھپنے والا ہے۔

گڑھوں وغیرہ کے کھودنے اور تخم ریزی کرنے میں بڑی دیر لگ گئی تھی نوجوانوں نے کہا—"قناتیں کھنچیں اور باغ تیار ہوا۔

بوڑھا۔ جلدی۔ قناتیں کھینچو۔

جوان۔ حضور یہ مزدور ذرا سست ہیں انہیں تنبیہ کر دیجئے۔

بوڑھے نے مزدوروں کو دیکھ کر ہنٹر اٹھا کر کہا۔ ایسی تیزی سے کام کرو جیسے تم بجلی کے بنے ہو"

یا تو مزدور اتنی سستی سے کام کر رہے تھے یا ایسی تیزی سے دوڑنے بھاگنے لگے جیسے انہوں نے بجلی کی گولیاں کھالی ہوں۔ اس واقعہ کے بعد جب مزدور دل

سے دریافت کیا کہ تم پھرتی سے کیسے کام کرنے لگے تھے تو انہوں نے کہا کہ بوڑھے کی آنکھوں میں جادو تھا۔ جب اس نے ہماری طرف دیکھ کر ہمیں تنبیہ کی تو ہمارے جسموں میں بجلی سی دوڑ گئی۔

غرض مزدور نہایت پھرتی سے کام کر رہے تھے انہوں نے بہت جلد قناتیں کھینچ دیں۔ بوڑھے نے کہا۔" قناتیں کھنچ گئیں۔ مگر باغ ابھی تک نہیں لگا۔

ایک جوان نے کہا۔" حضور اس میں ہمارا قصور نہیں ہے"

بوڑھا۔ اور کس کا قصور ہے۔

جوان۔ بھشتیوں کا۔ انہوں نے پانی نہیں ڈالا۔

بوڑھے نے مہتمم کے پاس جا کر کہا۔" پچاس بھشتی دیجئے"۔

بازی گروں کے کہنے سے یہ انتظام پہلے ہی سے کر لیا گیا تھا پچاس بھشتی مشکیں بھرے کھڑے تھے مہتمم کے اشارہ کرتے ہی وہ بوڑھے کے ساتھ ہو گئے بوڑھا وہاں لایا جہاں قناتیں کھنچی ہوئی تھیں وہاں ایک باغیچہ پہلے ہی سے بنا لیا گیا تھا۔ سقوں نے اس پر پانی ڈالنا شروع کیا۔

تمام مجمع اس کارروائی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب سقے پانی ڈال چکے تو بوڑھے نے کہا۔ اب کیا دیر ہے"۔

جوان۔ کچھ نہیں۔ باغ تیار ہو گیا۔

بوڑھا۔ دکھاؤ۔

جوان نے مزدوروں کو اشارہ کیا انہوں نے اول سائبان اور پھر قناتیں ہٹا دیں۔ اب جو دیکھا تو نہایت سرسبز و شاداب باغ تھا تمام مجمع اس باغ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

بارھواں باب (۱۲)

مصنوعی آفتاب

بازی گروں کے باغ کے درخت نو دس فٹ اونچے تھے مختلف قسم کے درخت تھے۔ توت۔ سیب۔ نارنگی۔ آم۔ انجیر۔ چھوہارا وغیرہ درختوں کی باقاعدہ قطاریں تھیں ان قطاروں میں پھولوں کے پودے بھی کھڑے لہلہا رہے تھے ان پر خوشنما پھول کھل رہے تھے۔ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ شہنشاہ جہانگیر بھی سخت متعجب ہوئے انہوں نے نورجہاں سے مخاطب ہو کر کہا۔ دیکھا ملکہ عالم ان لوگوں نے تو باغ لگا دیا۔

نورجہاں نے مسکرا کر کہا۔ "جہاں پناہ دیکھا یہ بنگال کے لوگ نظر باندھ دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم نے بھی بنگال میں ان کے شعبدہ ملاحظہ کئے تھے۔

جہانگیر نے نورجہاں کی حسین آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں خیال ہی نہ رہا تھا کہ ملکہ عالم بنگال میں رہ آئی ہیں۔ شاید تم نے جادو وہیں سیکھا ہے۔

نورجہاں۔ ہم نے .... نہیں۔

جہانگیر۔ اگر نہیں تو تم نے ہم پر کیسے جادو کر دیا۔

نورجہاں نے ترچھی چتون سے دیکھ کر کہا۔ "اچھا یہ بات ہے۔

جہانگیر نے ہنس کر کہا۔ دیکھو وہ آنکھوں کا جادو چلا۔ بجلیاں نظریں بن کے میں اترتی چلی جا رہی ہیں۔

اس وقت بوڑھا بازیگر جوانوں سے کہہ رہا تھا۔ باغ تیار ہو گیا لیکن

اس میں کھیل تو آیا ہی نہیں۔

ایک نوجوان نے کہا۔ کھیل بھی آجائیں گے۔

چنانچہ چاروں نوجوان باغ کے گرد گھومے اور آہستہ آہستہ کچھ پڑھنے لگے دیکھتے ہی دیکھتے درخت بڑھنے شروع ہوئے۔ پھول آئے۔ پھل نکلنے لگے تھوڑی ہی دیر میں ہر قسم کے درختوں پر پھل لٹکنے لگے۔ دیکھنے والے سخت حیران ہو رہے تھے۔ پھل کچے تھے۔ پکنے شروع ہوئے چند ہی لمحوں میں پک گئے۔

بوڑھے بازیگر نے کہا۔ عجیب تماشہ دکھایا تم نے لیکن میں سمجھ گیا یہ نظر بندی ہے۔ باغ وباغ کچھ بھی نہیں۔

ایک نوجوان نے پوچھا۔ "آپ نے اسے نظر بندی کیسے جانا"

بوڑھا۔ "اگر نظر بندی نہیں ہے تو شہنشاہ کی نذر کچھ پھل کردو ملکۂ عالم کی خدمت میں پھل اور پھول پہنچاؤ۔

جوان۔ ابھی لیجئے۔

چاروں جوانوں نے پھول اور پھل توڑنے شروع کئے۔ بوڑھے نے خیموں کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں سے چار لڑکیاں نہایت خوشنما دھانی رنگ کی ساریاں پہنے ہاتھوں میں چاندی کے خوان لئے آئیں۔ جوانوں نے ان خوانوں میں پھل اور پھول قرینہ سے لگائے اور لڑکیوں سے کہا یہ تحفہ عالم پناہ اور ملکۂ عالم کی خدمت میں لے جاؤ۔

لڑکیاں خوان اٹھا کر چلیں۔ جھروکہ کے نیچے زینے لگا دیئے گئے زیر جھروکہ پہنچ کر لڑکیاں نہایت دلفریب ادا کے ساتھ جھکیں اور پھر زینہ پر چڑھ کر شہنشاہ کے سامنے پہنچیں دو کنیزوں نے دو خوان شہنشاہ کے سامنے اور دو نے دو خوان ملکۂ عالم کے روبرو رکھ دیئے خوانوں پر ریشمین خوان پوش پڑے

ئے تھے۔ جہانگیر نے کہا۔ "خوان پوش اٹھاؤ"

بنگالنوں نے جلدی سے خوان پوش اٹھائے ان میں ہر قسم کے پھل موجود
تھے۔ کئی قسم کے پھول بھی تھے نورجہاں نے پھول سونگھے۔ خوشبودار تھے۔ انہوں نے
بنگالی لڑکیوں کی طرف دیکھا کمسن اور خوبرو تھیں۔ شہنشاہ جہانگیر نے لڑکیوں
سے پوچھا۔ "کیا یہ پھل کھائے جا سکتے ہیں۔"

ایک لڑکی نے کہا۔ جی ہاں جہاں پناہ شوق فرمائیے۔ شہنشاہ نے شاہی
خادموں کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر پھل چھیلے۔ تراشے اور قاشیں
کر کر کے دیئے۔ جہانگیر اور نورجہاں دونوں نے کھائے پھلوں میں کافی ذائقہ تھا۔
یہ ذکر اکتوبر کے مہینے کا ہے۔ اس موسم میں اکثر پھل نہیں ہوتے۔ خصوصاً
بالکل نہیں ہوتے لیکن آم بھی موجود تھے۔ جہانگیر اور نورجہاں کھاتے جاتے
اور تعریفیں کرتے جاتے تھے۔ جب وہ سب قسم کے پھل چکھ چکے تب انہوں
اشارہ کیا۔ بنگالنیں خوان اٹھا کر واپس چلی آئیں۔

بوڑھے نے کہا۔ بھئی یہ پھل اب امراء میں اور عوام میں تقسیم کر دو"
چنانچہ چاروں جوان بازیگروں نے اول امرائے سلطنت پھر رؤسا و
اس کے بعد عوام میں پھل تقسیم کئے۔ شاہزادوں کو بھی دیئے۔ اتنے پھل نہ
تھے کہ سب کو دے دیئے جاتے۔ بعض کو ایک ایک دو دو پھانکیں مل گئیں
کورے ہی رہ گئے۔

جب پھل تقسیم کئے جا چکے تب بوڑھے نے کہا۔ "اور مجھے تو پھل ملے ہی نہیں"
ایک جوان نے کہا۔ "تمہاری قسمت ہی میں نہ تھے۔"
بوڑھا۔ اچھا سنو اس باغ میں ابھی کسر ہے۔
جوان۔ کیا کسر ہے۔

بوڑھا۔ اس میں مرغان نوا سنج کہاں ہیں۔

جوان۔ وہ ابھی آئے جاتے ہیں۔

چاروں جوانوں نے باغ کے گرد گھومنا اور کچھ پڑھنا شروع کیا۔ ا

انہوں نے پانچ یا سات ہی چکر لگائے تھے کہ خوشنما پرندوں کے جھنڈ آنے شروع

ہوئے۔ قسم قسم کے پرند تھے مختلف شاخوں پر بیٹھ کر نغمہ سرائی کرنے لگے ا

کی نغمہ ریز آواز گونجنے لگی سب کو سخت حیرت ہوئی۔

لوگ پرندوں کو دیکھ اور ان کی آوازیں سن رہے تھے دفعتہ انہوں

دیکھا کہ ایک جوگن۔ جوگیانہ لباس پہنے چلی آرہی ہے۔ اس کے چہرہ پر س

رنگ کا بھبوت ملا ہوا تھا جوگن خوبصورت تھی۔ سفید بھبوت غازہ ب

اس کی صورت کو اور بھی چمکا رہا تھا۔ وہ سر جھکائے کچھ مغموم سی چلی آرہی

اس نے باغ کے قریب آتے ہی گانا شروع کر دیا۔ اس کی آواز میں اس بلا

درد اور سوز تھا کہ سننے والوں کے دلوں پر بڑا گہرا اثر ہوا اور صرف انسا

پر ہی نہیں بلکہ پرندوں پر بھی اتنا ہی اثر ہوا کہ وہ نوا سنجی بھول کر خاموش ہو

کچھ وقفہ کے بعد وہ چاروں لڑکیاں بھی جو خوان لے کر شہنشاہ کے حض

میں گئی تھیں جوگن کے ساتھ مل کر گانے لگیں ان آوازوں نے لوگوں کے د

میں تلاطم پیدا کر دیا ہر شخص کے دل پر افسردگی چھا گئی خود شہنشاہ او

بھی بے حد متاثر ہوئیں۔ نورجہاں نے کہا۔ "کس درد سے گا رہی ہیں

بند کرائیے جہاں پناہ"

جہانگیر نے مہتمم کو اشارہ کیا اس نے بوڑھے سے کہا۔ "تمہارے د

گانے نے سب کو اندوہ گیں کر دیا ہے اب گانا بند کر دو"

گانا بند ہو گیا۔ لیکن اب بھی لوگوں کے کان ایسے گونج رہے تھے

...ہی ہمک لڑکیاں گا رہی ہیں۔

پانچوں بنگالی لڑکیاں وہاں سے چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی پرندا اڑ گئے پتوں کے پھل اور پتے غائب ہو گئے صرف شاخیں ہی شاخیں رہ گئیں بڈھے نے کہا۔ "یہ کیا ہو گیا"

ایک جوان نے کہا۔ "ہر چیز جس پر بہار آتی ہے۔ خزاں بھی آتی ہے باغ پر بھی خزاں آ گئی۔ پھولوں کے پودے بھی ٹنڈ منڈ ہو کر رہ گئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں شاخیں غائب ہو گئیں پھر گملے جاتے رہے آخر میں ان کا بھی پتہ نہ رہا صرف دو گڑھے باقی رہ گئے جن میں درخت یا پھول پودے کھڑے تھے بوڑھے نے کہا۔ "ہیں باغ کیا ہوا"

جوان نے جواب دیا۔ ہر وہ چیز جو پیدا ہوتی ہے۔ نابود بھی ہوتی ہے باغ جس طرح اچانک پیدا ہوا تھا اسی طرح یکایک نابود بھی ہو گیا۔ اسی کسی نے کہا ہے۔ ع

اللہ باقی من کل فانی

بوڑھے نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ سچ ہے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں ارشاد فرمایا ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ یعنی ہر چیز فنا ہونے والی ہے

لوگوں نے جس حیرت سے باغ کو بنتے دیکھا تھا اس سے زیادہ تعجب سے اسے فنا ہوتے دیکھا۔ بوڑھے نے کہا۔ اچھا یہ گڑھے بند کرا دو۔

مزدوروں نے جلدی جلدی گڑھے بند کر دیئے اس کارروائی میں دن چھپ گیا۔ اندھیری رات تھی۔ شعلیں روشن کر لی گئی تھیں لوگ اب بھی کھڑے ہوئے تھے۔ بوڑھے نے جوانوں سے کہا۔ بھی مشعل کی روشنی تو ٹھیک

نہیں معلوم ہوتی :

ایک جوان نے پوچھا۔ کیسی کاہے کی روشنی ہو۔ چاند بھی تو نہیں ہے۔

بوڑھا۔ کیا چاند۔ سورج مشعلوں اور دیوں ہی کی روشنی ہوتی ہے ؟

جوان۔ اور کس چیز کی ہوسکتی ہے۔

بوڑھا۔ تم نہیں جانتے۔ دیکھو ہم روشنی کرکے دکھاتے ہیں۔

یہ کہتے ہی بوڑھے نے اپنا لباس اتار ڈالا صرف ایک لنگوٹا رہنے دیا آدھ گز مربع جلبی آئینہ لیا اس آئینے کو چادر میں لپیٹ کر کہا۔ "مشعلیں گل کردو۔ فانوس بجھا دو۔"

فوراً مشعلیں گل کر دی گئیں۔ فانوس بجھا دیئے گئے۔ اب اس قدر اندھیرا پھیل گیا کہ آنکھ کو ہاتھ نظر نہ آتا تھا۔

بوڑھے نے کئی چکر لگائے اب جو اس نے آئینے کو حرکت دی تو اس میں سے شعاعیں نکلنے لگیں رفتہ رفتہ یہ شعاعیں اس قدر بڑھیں کہ سورج سا نکلا معلوم ہونے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آفتاب نصف النہار پر آگیا ہو۔ ذرہ ذرہ چمک اٹھا سارا میدان۔ سارا آگرہ اور آگرہ کے مضافات تک روشن ہوگئے لوگ سمجھے پھر سورج نکل آیا بعد میں مسافروں نے بیان کیا کہ اس مصنوعی آفتاب کی روشنی آگرہ سے دس دس میل تک پھیلی ہوئی تھی جو مسافر مقیم ہوگئے تھے وہ پھر چلنے لگے لوگ حیرت سے اس روشنی کو دیکھ رہے تھے بوڑھا بازی گر چکر کی بنا ہوا تھا۔ نہایت تیزی سے گھوم رہا تھا ایسا تیزی سے کہ بگولا سا معلوم ہوتا تھا تمام مجمع سخت حیرت سے اس تماشہ کو دیکھ رہا تھا نصف گھنٹہ تک یہ روشنی رہی اس کے بعد بوڑھے نے گھومنا بند کر دیا روشنی گھٹنے لگی یہاں تک کہ بالکل غائب ہوگئی واہ واہ کا شور

ہوگیا۔ فوراً مشعلیں اور فانوس روشن کر لیے گئے۔

بازی گروں نے زیر جھروکہ آکر کورنش کی شہنشاہ نے ان کی تعریف کی بازی گروں نے کہا۔ "عالم پناہ! باقی تماشہ کل دکھائیں گے۔"

جہانگیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا۔"

اس وقت بنگالی لڑکیوں نے پھر گانا شروع کیا ان کی نغمہ ریز آواز فضا میں بکھر گئی۔ کچھ وقفہ کے بعد گانے کی آواز کم ہونی شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کہیں دور گانا ہو رہا ہو اس وقت اعلان کر دیا گیا کہ باقی تماشہ کل ہوگا۔ لوگ منتشر ہونے لگے ہر شخص کی زبان پر آج کے تماشہ کا ذکر تھا۔ ہر ایک تعریف کر رہا تھا۔

تیرھواں باب (۱۳)

حسین ساحرہ

دوسرے دن صبح ہی سے لوگوں کا اژدہام آ لگا پہلے روز سے بھی زیادہ جمعیت ہوگئی امراء، وزراء، شاہزادے، بیگمیں، شاہزادیاں عام عورتیں جن میں ہندو اور مسلمان سب تھیں آگئیں تھوڑی دیر میں شہنشاہ جہانگیر اور نورجہاں جھروکہ میں آبیٹھے۔ آج نقارے بجائے گئے جب نقارے خاموش ہوئے تو گزشتہ روز کی طرح سات بازی گر باجے بجاتے ہوئے خیموں سے نکلے باجوں کی آواز نہایت سامع نواز تھی ان کے فوراً ہی بعد سات نوجوان اور خوبصورت عورتیں آسمانی ساڑیاں پہنے ہوئے خیموں سے نکلیں اور مردوں سے آگے بڑھ کر ایک قطار میں چلنے لگیں انھوں نے

ایک صف قائم کرلی۔ یہ وہی لڑکیاں تھیں جو اول روز بھی گاتی ہوئی تھیں اب بھی انہوں نے گانا شروع کیا۔ ان کی سریلی آواز پہلے آہستہ شروع ہوئی پھر بڑھنے لگی۔ آخر اتنی بلند ہوئی کہ مجمع کا ہر شخص سننے لگا ایسی نغمہ ریز آواز تھی کہ ہر شخص مسحور ہوگیا۔

وہ گاتی جاتی تھیں اور جھروکہ کی طرف بڑھتی جاتی تھیں زیر جھروکہ پہنچ کر انہوں نے جھک کر کورنش کی۔ کھڑی ہو کر وہ ناچنے کے انداز میں گھومیں ان کے گھومتے ہی آسمانی لباس غائب ہوگیا اب سب کی ساریاں دھانی رنگ کی ہو گئیں۔ اس تغیر لباس سے سب کو تعجب ہوا وہ اب بھی گا رہی تھیں انہوں نے پھر ایک چکر لگایا چکر لگاتے ہی ان کی ساریوں کا رنگ گلابی ہو گیا کچھ دیر گانے کے بعد انھوں نے پھر چکر لگایا اب ان کی ساریاں سفید ہو گئیں اس لباس میں وہ بالکل پریاں معلوم ہونے لگیں انہوں نے پھر چکر لگایا اور پھر ان کا لباس آسمانی ہو گیا وہ الٹے پیروں وہاں سے گاتی ہوئی واپس لوٹیں اور خیموں میں جا گھسیں۔ لوگوں نے احسنت و مرحبا کے نعرے لگائے۔

تھوڑی دیر کے بعد پھر بوڑھا بازی گر اور اس کے ساتھ جوان بازیگر آئے بوڑھے نے کہا۔ "تم کھانا پکانا جانتے ہو۔

ایک جوان بازی گر نے جواب دیا۔ حضور کھانا پکانا تو ہمارا خاندانی پیشہ ہے ایسا لذیذ کھانا پکا سکتے ہیں کہ آپ کے خواب میں بھی نہ آیا ہوگا۔"

بوڑھا۔ ہشت۔ ہماری توہین کرتے ہو۔ ہم ہمیشہ ایسا لذیذ کھانا کھاتے ہیں کہ......

جوان نے جلدی سے قطع کلام کر کے کہا "گدھوں نے بھی نہ کھایا ہوگا"

بوڑھے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیوں قضا آئی ہے، اگر جانتے ہو تو کھانا تیار کرو۔

جوان۔ بہت اچھا۔ کیا کھائیں گے آپ؟

بوڑھا۔ بریانی، متنجن، مزعفر۔ غرض جو تم اچھا پکا سکتے ہو۔

جوان۔ بہتر ہے۔

بازی گروں نے مزدوروں سے چولہا تیار کرایا اس پر بڑی دیگ جس میں پچیس من کھانا پکتا تھا چڑھادی دیگ میں گوشت، گھی، چاول، مصالحہ اور باقی سب ڈال دیا۔ بوڑھے نے کہا غلطی کر گئے ہو۔ سب چیزیں ایک ساتھ گڈمڈ کردیں اس طرح کوئی چیز نہیں پکا کرتی تم نے لاگت خراب کی۔

جوان۔ جی کھانا اسی طرح پکا کرتا ہے۔

بوڑھا۔ اچھا تو پکاؤ۔

جوان۔ سوختہ منگائیے۔

بوڑھا۔ بس معلوم ہوگیا تم بالکل بودم ہو کچھ نہیں جانتے

جوان۔ کیا مطلب؟

بوڑھا۔ مطلب یہ کہ بغیر سوختہ کے کھانا پکاؤ۔

جوان۔ یہ بات ہے اچھا بغیر سوختہ ہی کے پکائیں گے۔

جوان نے دیگ ڈھک دی۔ چاروں جوان بازی گر کچھ پڑھتے ہوئے دیگ کے چاروں طرف چکر لگانے لگے تھوڑی ہی دیر میں دیگ سے بھاپ نکلنے لگی اور اس زور سے اٹھی کہ دیگ ایک فٹ چولہے سے اٹھ گئی چاروں بازی گروں نے چاروں طرف سے اسے پکڑ کر چولہے پر رکھتے ہوئے کہا "اوپچو دیگ تمہارے سر پر نہ آپڑے۔

کچھ وقفہ کے بعد جوان بازی گر نے کہا۔ "لیجئے کھانا تیار ہو گیا۔"

بوڑھے نے کہا۔ "شہنشاہ اور ملکۂ عالم کی نذر کرو۔"

مہتمم باورچی خانہ بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے شاہی خوان اور قابیں منگائیں اور خود اپنے اہتمام سے کھانا اتار اخوانوں میں رکھ کر شہنشاہ کے حضور میں پہنچایا۔ جہانگیر اور نور جہاں دونوں نے چکھا۔ نہایت لذیذ بریانی تھی دونوں کو بڑا تعجب ہوا کہ بغیر سوختہ اور بغیر مروجہ ترکیب کے ایسی لذیذ بریانی کیسے تیار ہو گئی۔

شہنشاہ کے بعد شاہزادوں، شاہزادیوں، چند بیگموں اور بعض امراء اور وزراء کو وہ بریانی کھلائی جس نے کھائی تعریف کی ان کے بعد سیکڑوں اور آدمیوں کو کھلایا سب متعجب تھے کہ بغیر آگ کے بریانی کیسے تیار ہو گئی۔

بوڑھے نے کہا۔ "معلوم ہو گیا تم کھانا پکانا جانتے ہو لیکن تیر اندازی نہیں جانتے۔"

جوان۔ تیر اندازی سپاہیوں کا کام ہے۔

بوڑھا۔ اچھا ہم تمہیں سکھاتے ہیں۔

دیگ وغیرہ وہاں سے ہٹا کر زمین ہموار کر دی گئی۔ بوڑھا کئی ترکش اپنی پشت پر لٹکا کر آیا۔ ایک تیر کمان اس کے ہاتھ میں تھی بوڑھے نے ایک تیر نکال کر کمان میں رکھ کر چھوڑا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی چیز نے تیر کو اوپر جانے سے روک دیا بمشکل سے تین چار گز ہوا میں جا کر معلق ہو گیا۔ جوان نے ہنس کر کہا۔

"یہی تیر اندازی ہے۔"

بوڑھا۔ جلدی نہ کرو۔ دیکھتے جاؤ میرے دشمن نے تیر کو روک دیا ہے

وہ روک نہ سکے گا۔

یہ کہہ کر بوڑھے نے دوسرا تیر ترکش سے نکال کر کمان میں رکھ کر چلایا یہ تیر تیر میں جا کر پیوست ہو گیا۔ پہلا تیر ایک کی برابر ہوا میں اور سرک گیا اسی طرح اس نے انچاس تیر چلائے ہر تیر دوسرے میں پیوست ہوتا رہا یہاں تک کہ انچاس ہوا میں معلق ہو گئے۔ لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ تیر گرتے نہیں۔ ایک تیر دوسرے میں پیوست ہو جاتا ہے اور ہر مرتبہ تیر چلانے پر تیروں کی پلٹن صرف تیر کی لمبائی میں اوپر سرک جاتی ہے پھر۔ بوڑھے نے پچاسواں تیر چلایا یہ تیر تیروں میں پیوست نہیں ہوا بلکہ اس کے تیروں میں لگتے ہی تمام تیر زمین پر آ پڑے۔

بوڑھا تیر اور کمان خیمہ میں رکھ آیا اور وہاں سے ایک فوارہ لایا اس نے وہ خشک زمین پر گاڑ دیا۔ جوان نے کہا۔ "پانی تو ہے ہی نہیں یہ فوارہ چلے گا کیسے۔"

بوڑھا۔ جب تم بغیر آگ کے کھانا تیار کر سکتے ہو تو کیا میں بغیر پانی کے فوارہ نہیں چلا سکتا۔ دیکھو جس کے حکم سے فوارہ چلے گا وہ آ رہی ہے۔"

ایک نہایت بھولی، کمسن اور خوبرو لڑکی اپنے گورے چہرہ کے گرد سر کے گھونگھر والے بال کھولے سفید لباس پہنے آئی۔ اس لباس اور اس عالم میں بڑی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی لوگ ابھر ابھر کر اس مہ پارہ کو دیکھنے لگے۔ فوارہ کے نیچے کھڑی ہو گئی۔ اس نے کچھ اشارہ کیا اور تین مرتبہ فوارہ کے گرد لگایا فوراً دس گز بلند فوارہ جاری ہو گیا۔ خشک زمین سے فوارہ کا پھوٹنا بڑی حیرت کی بات تھی۔ یہ حیرت اس وقت اور بڑھ گئی جب لوگوں نے فوارہ سے پانی برستے تو دیکھا لیکن زمین پر ایک بوند پڑتے نہ دیکھی زمین

بالکل خشک تھی۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک فوارہ زور و شور کے ساتھ چلتا رہا لیکن زمین پہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا اس پر اور ستم زادیہ کہ فوارہ سے رنگ برنگ کا پانی نکل رہا تھا ایک گھنٹہ کے بعد لڑکی نے ہاتھ سے اشارہ کیا، فوارہ رک گیا۔ لوگوں نے واہ واہ کے نعرے لگائے۔

لڑکی نے پھر اشارہ کیا۔ پھر فوارہ جاری ہوا۔ ایک مرتبہ لڑکی نے ہاتھ اٹھایا فوارہ سے آگ کی لو نکلنی شروع ہوئی جو بڑھتے بڑھتے شعلہ بن گئی۔ لطف یہ کہ اوپر سے فوارہ کا پانی برس رہا تھا پانی کے نیچے شعلہ اٹھ رہا تھا۔ آگ اور پانی کی یکجائی کا تماشہ اس سے پہلے لوگوں نے نہیں دیکھا تھا بیحد حیران ہوئے۔ بعض لوگوں نے کہا "یہ شعلہ رو کس قدر ساحرہ ہے"۔

لڑکی نے ہاتھ جھٹکا دیا۔ شعلہ دبنے لگا تھوڑی دیر میں معمولی لو رہ گئی پھر وہ بھی غائب ہوگئی فوارہ نے بھی پانی برسانا بند کر دیا لوگ اس بھولی پری کو داد دے رہے تھے۔ اس نے عجیب دلفریب ادا سے سب کو سلام کیا اور وہاں سے چل کر خیموں میں داخل ہوگئی اب لوگ انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں اور کیا حیرتناک تماشہ دکھایا جاتا ہے۔

(۱۴) چودھواں باب

مبہوت کن شعبدہ گری

کچھ دیر کے بعد بوڑھے بازی گر نے تقریباً مربع حوض کھدوایا گہرائی تین فٹ رکھی اس کو پانی سے بھر دیا پھر اس کو کپڑے سے ڈھک دیا تھوڑی ہی دیر میں کپڑا کھینچ لیا۔ پانی برف کی طرح جم گیا۔ بوڑھے نے شہنشاہ جہانگیر سے

حوض کی اس پانی کو ایسا سخت جما دیا گیا ہے کہ ہاتھی کے بوجھ سے بھی نہیں
ٹوٹ سکتا۔

شہنشاہ نے حکم دیا کہ اس کے اوپر سے ہاتھی گذارے جائیں۔ کئی ہاتھی
باری باری کرکے حوض میں سے گذارے۔ برف نہ ٹوٹا بدستور جما رہا دیکھنے والوں
کو بڑی حیرت ہوئی۔

ایک جوان بازی گر سوت کی انٹی لئے ہوئے خیمہ سے باہر آیا اس کے ساتھ
ایک کمسن بھولی اور خوبصورت لڑکی تھی جس نے ذرہ سے پانی اور آگ کا
کرشمہ دکھایا تھا۔ بازی گر نے کہا میرے دشمن ہوا میں کھڑے مجھے دھمکیاں
دے رہے ہیں میں دھمکیاں برداشت نہیں کر سکتا۔ لڑکی نے کہا۔ دشمن
زبردست ہیں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔

بازی گر۔ یہ کیسے ممکن ہے میں ضرور ہوا میں جا کر ان سے لڑوں گا۔

لڑکی۔ اگر خدانخواستہ تم پر دشمنوں کا دار چل گیا تو میں کہاں رہوں گی۔

بازی گر۔ ملکۂ عالم کی خدمت میں رہنا۔

لڑکی۔ کیا ملکۂ عالم مجھے اپنی کنیزوں کے زمرہ میں شامل فرمالیں گی۔

بازی گر۔ یقیناً۔ آؤ میں تمہیں ان کے حوالہ کردوں۔

لڑکی بازی گر کے ساتھ چلی دونوں زیر جھروکہ پہنچ کر سلام کرکے بیٹھے بازیگر
نے کہا۔ ملکۂ عالم! یہ غلام اپنے دشمنوں سے لڑنے کے لئے ہوا پر جا رہا ہے یہ لڑکی
میری بیوی ہے میں اسے ملکۂ عالم کے حوالے کرتا ہوں زندہ بچ کر آیا تو حضور سے
واپس لے لوں گا۔

نورجہاں۔ ہمیں منظور ہے۔

اب بازی گر اور اس کی بیوی واپس آئے بازی گر نے سوت کی انٹی کا سرا

پکڑ کر اسے ہوا میں پھینکا انٹی خود بخود کھلتی ہوئی آسمان کی طرف بڑھتی رہی یہاں
تک کہ نظروں سے غائب ہو گئی۔ تمام مجمع حیرت سے انٹی کو ہوا میں جاتے اور
غائب ہوتے دیکھتا رہا۔

جب انٹی نظر آنی بند ہو گئی تو بازی گر نے انٹی کے کچے دھاگے پر اس طرح چڑھنا
شروع کیا جیسے وہ مضبوط ریشم کی ڈور ہے لوگ حیران ہو کر اسے چڑھتے ہوئے
دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی نظروں سے غائب ہو گیا اس کی بیوی کھڑی ہوئی
اوپر کی طرف دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر میں انٹی کے دھاگے میں سے خون کے قطرے
ٹپکنے لگے بازی گر کی بیوی کا چہرہ جوش مسرت سے روشن ہو گیا اس نے کہا، انہوں
نے اپنے دشمن کو مار ڈالا اب خون کی دھار بہنے لگی۔ تھوڑی دیر میں کوئی چیز سوت
سے لگی ہوئی آتی معلوم ہوئی۔ جب نیچے آ گئی تو لوگوں نے دیکھا وہ کٹا ہوا ہاتھ
کچھ دقفہ کے بعد دوسرا ہاتھ آ گرا۔ اس کے بعد ایک پیر پھر دوسرا پیر گرے
ان کے بعد دھڑ آیا۔ بازی گر کی بیوی خوش ہو رہی تھی وہ مسکرا رہی تھی۔ کہتی جاتی
میرے شوہر نے اپنے دشمن کو مار ڈالا۔ اس عرصہ میں ایک سر سوت سے لگا ہوا تیزی
سے زمین کی طرف آ رہا تھا۔ جب وہ زمین پر آ کر گرا اور بازی گر کی عورت نے دیکھا
تو وہ اس کے شوہر کا سر تھا۔ اس کی خوشی غم میں تبدیل ہو گئی وہ رونے لگی اور
کچھ اس درد سے روئی کہ سننے والوں کے کلیجے کھڑے ہو گئے۔ اس نے سر کے بال
کھول کر اپنے سینے اور کندھوں پر پھیلا لیئے دیر تک وہ نالہ و فریاد کرتی رہی جب
وہ رو رہی تھی تو سارے بازی گر مرد اور عورتیں اس کے پاس آ گئے تھے اسے
تسلی دے رہے تھے لیکن اس غمزدہ کو صبر نہ آتا تھا آخر وہ اٹھ کر حجرہ کی طرف
چلی۔ بازیگر اس کے ساتھ ہو لیئے نورجہاں اور جہانگیر اس کی گریہ وزاری سے
متاثر ہو رہے تھے۔ اس لڑکی نے جا کر پھر مجرا کیا۔ نورجہاں نے کہا۔ ہمیں

تمہارے ساتھ ہمدردی ہے۔

لڑکی۔ ملکۂ عالم کا شکریہ۔ اس وقت دنیا میری نگاہوں میں اندھیر ہو گئی ہے۔ اب جینے کا لطف نہیں رہا۔

نورجہاں۔ ابھی غم تازہ ہے رفتہ رفتہ یہ صدمہ دور ہو جائے گا پھر زندگی کی چہل پہل میں حصہ لینے لگو گی۔

لڑکی۔ افسوس یہ ممکن نہیں۔ میں ہندوؤں کے اس طبقہ سے ہوں جن کی دنیا ان کے شوہر تک ہے۔ ہمارے یہاں بیواؤں کی شادی نہیں ہوتی۔

نورجہاں۔ پھر تم کیا چاہتی ہو۔

لڑکی۔ مجھے ستی ہونے کی اجازت دی جائے۔

نورجہاں کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے کہا، نہیں نہیں تم ایسا خیال نہ کرو۔ کمسن ہو۔ خوبرو ہو۔ تمہاری عمر ستی ہونے کی نہیں ہے۔

لڑکی۔ ہمارا مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ عورت کا مرد کے ساتھ ستی ہونے میں اس کا کلیان ہے اگر میں ستی نہ ہوئی تو میرے دھرم کو بٹہ لگ جائیگا

نورجہاں۔ ہمارا دل نہیں چاہتا کہ تمہیں ستی ہونے کی اجازت دیں۔

لڑکی نے کچھ اس عاجزی سے درخواست کی اور کچھ ایسا اصرار کیا کہ نورجہاں اور جہانگیر دونوں کو اسے ستی ہونے کی اجازت دینی پڑی۔ لڑکی نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا۔ وہ لوٹ کر خیمے کے اندر گئی۔ باری گر مرد اور عورتیں گیت گانے لگے۔ تھوڑی دیر لڑکی بن سنور کر نکلی اس وقت اسنے نہایت عمدہ لباس اور سونے کے زیورات پہنے ہوئے تھے۔ وہ اور بھی خوبرو اور بھلی معلوم ہونے لگی تھی لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ستی ہونے والی ہے سب کو اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ چاہتے تھے کہ اسے ستی ہونے سے روک دیں لیکن وہ

دیکھ چکے تھے کہ اس نے شہنشاہ اور ملکہ کا کہا بھی نہ سنا تھا اس لئے خاموش ہو گئے۔

بازی گروں نے لکڑیوں کی چتا لگائی۔ لڑکی لاش کے ٹکڑے لے کر چتا میں بیٹھ گئی۔۔۔ ایک بازیگر نے آگ دے دی۔ پہلے دھواں اٹھا۔ پھر آگ روشن ہوئی تھوڑی دیر میں شعلے بھڑکنے لگے دیکھتے ہی دیکھتے لاش اور لڑکی جل کر خاک ہو گئے سب کو اس کے جل جانے کا افسوس ہوا

جب چتا کی آگ ٹھنڈی پڑنے لگی تھی تب انٹی کے سونٹے کو حرکت ہوئی لوگوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ اوپر سے ایک شخص اترتا ہوا نظر آیا سب اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ وہ ستی ہو جانے والی لڑکی کے شوہر سے مشابہ تھا۔ مجمع ٹکٹکی لگائے اسے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ زمین پر کودا تو سب نے اسے پہچان لیا لیا وہ بازی گر ہی تھا۔ سب اسے دیکھ کر دم بخود رہ گئے اس نے زیر جھروکہ جا کر شہنشاہ کو مجرا کر کے کہا۔ "میں نے اپنے دشمن کو مار کر اس کے اعضاء زمین پر پھینک دیئے تھے۔

بوڑھے بازیگر نے کہا۔ "مگر تم دیر میں آئے تمہاری بیوی ستی ہو گئی ہے کیونکہ سر تمہارا آ کر گرا تھا۔ تمہاری بیوی نے سمجھا کہ تم مارے گئے۔

یہ سنتے ہی بازیگر رونے لگا۔ اس نے اپنے یاروں سے کہا۔۔۔ "یا تو میری بیوی کو پیدا کرو ورنہ میں بھی ستی ہوتا ہوں۔"

بازی گروں نے ہر چند اسے سمجھایا لیکن وہ نہ مانا ستی ہونے پر تیار ہو گیا اس نے کہا۔ آئین وفاداری یہ ہے کہ میرے لیے جو ستی ہوئی۔ میں اس کے لیے ستی ہو جاؤں۔"

چنانچہ لکڑیاں جمع کی گئیں۔ بازی گر چتا میں بیٹھ گیا۔ جب چتا کو آگ لگائی جانے لگی اس وقت بازی گروں کے خیموں کی طرف سے آواز آئی۔ " محبت کا امتحان

...ت جلو۔ میں آ گئی۔

لوگوں نے دیکھا۔ وہی لڑکی جو ان کے سامنے جل گئی تھی اسی لباس میں جیسے ...ٹ کرتی ہوئی تھی اس طرف سے آ رہی تھی اس وقت اس کا چہرہ خوشی ...وشن ہو رہا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی اسے دیکھتے ہی لوگوں نے خوشی کے نعرے ...ئے۔ جہانگیر اور نورجہاں بھی خوش ہوئے بازی گر اور اس کی بیوی بغل گیر ...ئے تمام مجمع پر اس واقعہ سے حیرت چھا گئی جو عورت ان کے سامنے جلی تھی ...س وقت زندہ موجود تھی ہر شخص حیران ہو رہا تھا۔

بازیگروں نے جا کر شہنشاہ اور ملکہ کے سامنے مجرا کیا جہانگیر نے ان کی بڑی ...ت کی۔ لڑکی کی جوانمردی کی داد دی۔ لڑکی نے دلفریب ادا سے ان کا شکریہ ...۔ نورجہاں نے کہا۔ "جس قدر بھولی ہے اسی قدر چالاک بھی ہے۔"

...ہانگیر نے نورجہاں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "حسینوں کا یہ خاصہ ہوتا ہے ...ں ان کی بھولی ہوتی ہیں لیکن دلوں میں چالاکی بھری رہتی ہے۔"

...ورجہاں نے مسکرا کر کہا۔ ایسا نہ ہو تو مردوں کی چالاکی کا کیسے مقابلہ کیا ...ے۔

...دونوں ہنسنے لگے۔ اس وقت بوڑھے بازی گر نے کنیزوں کے ذریعہ سے ...ر کے حضور میں ایک کتاب پیش کی۔ جہانگیر اور نورجہاں دونوں نے ...ے دیکھا اس کا ہر ورق سادہ تھا۔ بوڑھے نے کہا۔ "جہاں پناہ کسی صفحہ ...سے دیکھیے۔"

...ملکہ اور شہنشاہ دونوں نے ایک ورق پر نگاہیں جما دیں ان کے دیکھتے ...ے نقش و نگار ابھرنے لگے۔ دو تصویریں نمودار ہو گئیں۔ یہ تصویریں ...ں اور جہانگیر کی اس وقت کی تھیں جب جہانگیر نے نورجہاں کو کبوتر

دیئے تھے - اس وقت نورجہاں کے ہاتھ میں ایک کبوتر تھا - دونوں اس تم
کو دیکھ کر بڑے محظوظ ہوئے۔

بازی گروں نے شہنشاہ کو دعائیں دے کر تماشہ ختم کردیا شہنشاہ -
اسی وقت انھیں پچاس ہزار روپیہ دلائے شاہزادوں اور امرا نے بھی اپنے
انعامات دیئے - سب ملا کر بازی گروں کو دو لاکھ روپیئے مل گئے بازی گر ا
روز اپنے وطن بنگال چلے گئے۔

پندرھواں باب (۱۵)

ایک اور فریادی

کانگڑہ میں راجہ تلوک چند حکمران تھا - وہ اپنی قلمرو پر قانع نہیں ر
جب موقع پاتا تھا شاہی علاقہ پر تاخت کرکے لوٹ مار کرتا اور بھاگ جا
کانگڑہ کا قلعہ نہایت مضبوط تھا چند بادشاہوں نے کئی مرتبہ اس پر لشکر
کی تھی اور وہ فتح نہیں ہوا تھا اس لئے تلوک چند کو قلعہ کی مضبوطی پر
تھا اور قلعہ کو مستحکم سمجھ کر ہی وہ شاہی علاقہ پر تاخت کی جراءت کرتا تھا

کانگڑہ کو آج کل نگرکوٹ کہا جاتا ہے یہ لاہور کے شمال میں کوہست
میں واقع ہے - حقیقت میں قلعہ نہایت مستحکم شاندار اور بہت زیادہ
تھا کوئی نہیں جانتا کہ اس مشہور قلعہ کو کب اور کس نے تعمیر کیا تھا - مشہور
کہ یہ قلعہ عہد سلف سے چلا آتا تھا - چونکہ ہندوؤں کی تاریخ تاریکی میں
اس لئے کسی کتاب سے اس کی تعمیر کا حال معلوم نہیں ہوتا۔

قلعہ کے چاروں طرف ۲۳ برج اور سات دروازے تھے دیڑھ کوس

قریب لمبا اور آدھ کوس سے زیادہ چوڑا تھا اس کے اندر دو وسیع تالاب تھے جو پہاڑی چشموں سے بھرے جاتے تھے۔ ان تالابوں کا پانی اہل قلعہ اپنے استعمال میں لاتے تھے۔ قلعہ کے اندر کئی میدان تھے اور ان میں کھیتی ہوتی تھی۔

یہ قلعہ ایک قلۂ کوہ پر آباد تھا اس کے چاروں طرف اونچی اونچی پہاڑی چٹانیں تھیں۔ میدان سے قلعہ تک پہنچنے کے لئے نہایت تنگ درے تھے۔ ان میں سے ایک وقت میں دو سواروں سے زیادہ نہیں گزر سکتے تھے۔ دروں کے دونوں طرف سربفلک چٹانیں اٹھی ہوئی تھیں دشمن کی تھوڑی سی فوج بڑے سے بڑے لشکر کو روکنے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔

راجہ تلوک چند نے پہاڑی چٹانوں پہ بہت سی فوجی چوکیاں قائم کر رکھی تھیں جب کوئی لشکر حملہ آور ہوتا تھا تو ان چوکیوں کی فوج درّوں میں آنے والوں پر بڑے بڑے پتھر لڑھکا دیا کرتی تھیں۔ ان پتھروں سے حملہ آوروں کے سپاہی اور جانور کچلے جاتے تھے اور راستہ بند ہو جاتا تھا سب سے بڑی دقت راستہ کی تنگی اور دشوار گزاری تھی۔

تلوک چند نے عہد اکبری میں شاہی علاقہ کو کئی مرتبہ لوٹا تھا۔ جہانگیر کے زمانہ میں بھی اس نے چند چھاپے مارے تھے۔ اس علاقہ کے لوگوں نے لاہور کے گورنر سے فریاد کی تھی چونکہ لاہور کا گورنر خود مختار نہیں تھا اس لئے وہ خود کچھ نہ کر سکا البتہ اس نے دربار میں راجہ کی سرکشی کی شکایت کی۔

جہانگیر نے شیخ مرتضیٰ خاں میر بخشی اور راجہ سورج مل کو اس مہم پر مامور کیا راجہ سورج مل دو ہزاری منصب پر سرفراز تھے لیکن وہ راجہ تلوک چند سے مل گئے۔ شیخ فرید مرتضیٰ خاں نے شہنشاہ جہانگیر کو ان کی شکایت لکھی جہانگیر نے راجہ سورج مل کو واپس طلب کر لیا۔ اتفاق سے کچھ ہی عرصہ کے بعد شیخ

فرید مرتضیٰ خاں کا انتقال ہوگیا وہ لاہور سے آگے بڑھ کر کوہستان کے قریب پہنچ چکے تھے چونکہ فوج کا سپہ سالار فوت ہوگیا تھا اس لئے فوج لاہور واپس آگئی اس طرح یہ مہم شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہوگئی۔

جب شہنشاہ کو شیخ فرید مرتضیٰ کی وفات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس خیال سے دوسری مہم نہیں بھیجی کہ شاید راجہ کو یہ سمجھ آگئی ہو کہ اگر آئندہ اس نے شاہی علاقہ میں لوٹ مار کی تو اس پر چڑھائی کر دی جائے گی اس کے علاوہ شہنشاہ جہانگیر یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان پہاڑوں میں جا کر تکلیفیں اٹھائیں۔

لیکن راجہ تلوک چند خوب جانتا تھا کہ اس کے قلعہ پر شاہی فوجیں حملہ آور نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے شاہی لشکرکشی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے حسب عادت پہاڑوں سے نکل کر میدان کے شاہی علاقہ پر چھاپہ مارا بہت سے زن و مرد کو قتل کر ڈالا بے شمار مال و اسباب لوٹ کر لے گیا اور چند مردوں اور عورتوں کو بھی گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ عورتوں میں قبیلہ کے شیخ کی ایک لڑکی عذرا بھی تھی۔ عذرا کی نسبت اس کے چچازاد بھائی عرفان سے ہوئی تھی عرفان ان دنوں لاہور تجارت کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے جب وہ واپس آئے تو انہوں نے بستی کو تاراج پایا۔ قبیلہ کا شیخ مارا گیا تھا جو لوگ باقی بچ گئے تھے انھوں نے بستی کی بربادی کا دردناک حال انھیں سنایا۔

عرفان کو کمال رنج ہوا اور جب انھیں معلوم ہوا کہ عذرا کو بدبخت راجہ گرفتار کر کے لے گیا ہے تو دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر ہوگئی انھیں عذرا سے بہت زیادہ محبت تھی۔ عشق نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اسی وقت تنہا کانگڑہ جاکر راجہ کو قتل کر کے یا تو عذرا کو چھڑا لائیں یا خود مارے جائیں لیکن محبت نے ان کی عقل کو نہیں کھو دیا تھا۔ عقل نے کہا تدبیر سے کام لینا چاہیئے اور تدبیر سے

ہے کہ حکومت سے مدد لے کر کانگڑہ پر لشکر کشی کی جائے۔

چنانچہ وہ اگلے روز ہی تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر لاہور روانہ ہوئے چونکہ ان کے دل کو لگی ہوئی تھی اس لئے رات دن سفر کر کے چند ہی روز میں لاہور جا پہنچے۔ وہاں انہوں نے گورنر سے شکایت کی۔ گورنر نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ آگرہ جا کر جہانگیر سے فریاد کریں۔ وہ تیار ہو گئے۔ گورنر نے ان کے ساتھ چند سوار کر دیئے کئی کوتل گھوڑے دے دیئے وہ لاہور سے چل کر انبالہ آئے اور وہاں سے اٹاوہ ہوتے ہوئے آگرہ میں پہنچے انہوں نے مہینوں کا راستہ دنوں میں طے کیا۔

وہ آگرہ میں دوپہر کے بعد پہنچے۔ انہیں لاہور ہی میں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جہانگیر نے قلعہ کی فصیل کے نیچے زنجیر عدل لٹکا دی ہے۔ ہر فریادی کو اجازت ہے کہ وہ رات اور دن میں جب ضرورت ہو زنجیر کھینچے اسی وقت جہانگیر آ جاتے ہیں وہ سیدھے زیر قلعہ پہنچے انہوں نے گھوڑے سے اتر کر زور زور زنجیر کھینچنی شروع کی۔ تمام قصر کی گھنٹیاں بجنے لگیں جہانگیر اس وقت آرام گاہ میں تھے جوں ہی ان کے پاس کی گھنٹی بجی وہ فوراً شاہی لباس پہن کر آرامگاہ سے باہر آئے۔ باہر خواصوں کنیزوں اور خواجہ سراؤں کی پلٹنیں پرے جمائے کھڑی تھیں جہانگیر آگے بڑھے خواجہ سرا نے کڑک کر کہا۔ ہوشیار! فخر سلاطین چغتائیہ نوشیرواں ثانی شہنشاہ عالم اعلیٰ حضرت جہانگیر تشریف لا رہے ہیں چند کنیزوں نے دوڑ کر عرفان کو برج میں سے اطلاع دی کہ شہنشاہ تشریف لا رہے ہیں۔ عرفان چاہتے تھے کہ جہانگیر جلد سے جلد آ جائیں اس لیے ابھی بھی زنجیر کھینچے چلے جا رہے تھے۔ جہانگیر تیزی سے چل کر برج میں آ گئے انہوں نے جھانک کر کہا۔ ہمارے پاس کون فریاد لے کر آیا ہے۔

عرفان نے زنجیر چھوڑ کر سلام کیا اور عرض کی — "خادم برباد ہو کر فریاد کرنے آیا ہے۔

جہانگیر۔ اپنا حال سناؤ۔

عرفان۔ جان بخشی ہو تو عرض کروں۔

جہانگیر۔ جان بخشی کی جاتی ہے۔

عرفان۔ میں اپنی داستان درد عالم پناہ اور ملکۂ عالم دونوں کے روبرو عرض کرنا چاہتا ہوں۔

جہانگیر۔ اچھا انتظار کرو۔

جہانگیر نے کنیزوں کو اشارہ کیا وہ نورجہاں کو بلانے کے لئے گئیں جہانگیر وہیں کھڑے رہے تھوڑی دیر میں ملکہ آگئیں۔ پردے چھوڑ دیئے گئے نورجہاں نے پوچھا "کس لئے یاد فرمایا ہے"

جہانگیر۔ ایک فریادی تمہارے حواجہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

کنیزوں نے کہا۔ "فریادی اپنی داستان عرض کرو۔ ملکۂ عالم تشریف لے آئی ہیں۔

عرفان نے کہا۔ "میں پھر جان بخشی کی درخواست کرتا ہوں۔

جہانگیر۔ جان بخشی کی جاتی ہے۔

عرفان۔ عالم پناہ! میں کانگڑہ کے قریب کی ایک بستی کا رہنے والا ہوں کانگڑہ کے راجہ نے اچانک یلغار کر کے بستی کو لوٹ لیا۔ بہت سے مردوں اور عورتوں کو مار ڈالا۔ بستی کے شیخ کو بھی قتل کر دیا اور چند مردوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ عالیجاہ! زنجیر عدل کے لٹکانے سے کیا فائدہ ہے جب مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ ظل اللہ! خدا آپ سے ان بیگناہوں کے

کے متعلق استفسار کرے گا۔ آپ کیا جواب دیں گے۔

ایک خواجہ سرا نے کہا۔ ادب سے گفتگو کرو اس بات کا خیال رکھو کہ تم
شاہ کے حضور میں ہو۔

جہانگیر نے خواجہ سرا کو روک کر کہا۔ کہنے دو سے

ستایا گیا ہے برا کہہ رہا ہے
جو کچھ کہہ رہا ہے بجا کہہ رہا ہے

نورجہاں نے جہانگیر سے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی لڑکی سے اسے
تھی وہ لڑکی یا تو مار ڈالی گئی ہے یا گرفتار ہوگئی ہے آپ اس کی حالت
ہے سر و پا کا ہوش نہیں ہے اس کا چہرہ اور سر کے بال غبار آلودہ ہیں
نے اس کی زبان کو تیز کر دیا ہے۔

جہانگیر۔ تم نے سچ کہا ملکۂ عالم۔ ہمیں اس سے باتیں کرتے شرم آنے لگی
اس سے اس کی داستان پوچھو۔

ملکہ نے کنیز سے کہا۔ اس سے دریافت کرو کیا اس کی کوئی عزیزہ ماری
ہے—؟"

کنیز نے بلند آواز سے کہا۔ ملکۂ عالم دریافت فرماتی ہیں کہ تمہاری کوئی عزیزہ
ئی ہے؟"

عرفان نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ کاش وہ ماری جاتی اور میں مارا جاتا
ملکۂ عالم راجہ میری چچازاد بہن عذرا کو گرفتار کر کے لے گیا ہے۔

ملکہ۔ شاید تمہاری نسبت قرار پا گئی تھی۔

عرفان۔ جی ہاں۔

جہانگیر۔ ملکۂ عالم تم نے خوب اندازہ کیا تھا۔

نوجوان۔ محبت میں انسان ادب و احترام کی پرواہ نہیں کیا کرتا اس کی مدد کرنی چاہیے عالم پناہ۔

جہانگیر۔ ہم ضرور مدد کریں گے۔

جہانگیر نے بلند آواز سے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے نوجوان"

عرفان۔ غلام کو عرفان کہتے ہیں۔

جہانگیر۔ عرفان۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اب تک ہم ٹالتے رہے ہم نے برا کیا۔ انشاء اللہ اب ہم کانگڑہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے تمہاری عذرا کو رہائی دلائیں گے۔ آج سے تم شاہی مہمان ہو مہمان خانے میں جاؤ۔ ہم لشکر کشی کے متعلق جلد ہی احکام جاری کریں گے تم بھی اس لشکر کے ساتھ بھیجے جاؤ گے۔

عرفان نے شکریہ ادا کیا۔ جہانگیر اور ملکہ چلے گئے۔

عرفان گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی مہمان خانہ کی طرف چلے۔

سولھواں باب (۱۶)

پہلی کامیابی

جہانگیر پر عرفان کی فریاد کا بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے کانگڑہ پر لشکر کشی کا حکم صادر کر دیا اور حکم دیا کہ جب تک کانگڑہ فتح کر کے مسلمان قیدیوں کو نہ چھڑا لیا جائے اس وقت تک برابر فوجیں مدد کے لئے بھیجی جاتی رہیں۔

شاہزادہ خرم کو جو جہانگیر کے بعد شاہجہاں کے لقب سے تخت نشین ہوئے اس مہم پر نامزد کیا۔ شاہزادہ خرم نے راجہ بکرماجیت کو جوان کی فوج میں بڑے بہادر دل کا سپہ سالار مقرر کیا چونکہ عرفان کانگڑہ کے پہاڑی راستوں سے

واقف تھے اس لئے وہ راجہ بکرماجیت کے ساتھ بطور راہبر کے کر دیئے گئے
شاہی لشکر نہایت تزک احتشام سے روانہ ہوا۔ لاہور تک بڑے آرام
اور اطمینان سے سفر ہوتا رہا۔ لاہور کے گورنر نے رسد کے ذخائر جمع کر لئے تھے
شاہزادہ خرم نے چند روز لاہور میں قیام کیا پھر انہوں نے لشکر کا جائزہ
لیا اور ان کی ترتیب مقرر کی۔ انہوں نے عرفان کو بھی ڈھائی سو سواروں
پر افسر مقرر کر دیا ہراول میمنہ میسرہ اور قلب مقرر کئے۔ ہراول میں اب
بھی راجہ بکرماجیت ہی کو رکھا ــــ ان کے عقب میں راجہ سورج مل
کے بھائی راجہ جگت سنگھ کو کیا۔ راجہ بکرماجیت کے ساتھ عرفان کو کر دیا
بقیہ لشکر پر مسلمان افسر مقرر کئے۔ خود قلب میں رہے اس طرح میلوں کی
دوری میں لشکر پھیل گیا۔

کانگڑہ کے راجہ ٹلوک چند کو بھی اس لشکر کشی کا حال معلوم ہو گیا انہوں
نے تمام پہاڑی راستوں کی ناکہ بندی کر دی۔ ہر درہ میں اور درہ کے اوپر
چٹانوں پر فوجیں پھیلا دیں۔ قلعہ کی فصیل پر جانباز سپاہی متعین کر دیئے
رسد کافی جمع کر لی۔ دونوں تالاب پانی سے لبریز کر لیئے سامان حرب کے
بھی انبار لگا لئے۔ غرض مدافعت کا پورا پورا سامان کر لیا۔

سب سے پہلے راجہ بکرماجیت کا لشکر زیر کوہ پہنچا راجپوتوں نے اسلامی
سواروں کو دیکھا شاہی لشکر نے بھی دشمنوں کو پہاڑی بلندی پر دیکھا بکرماجیت
نے میدان میں دشمنوں کی زد سے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ دو دن تک خیمے نصب
ہو گئے جب سپاہی سستا لیئے تب ایک روز بکرماجیت عرفان اور چند اور افسروں
کو ساتھ لے کر راستوں کے معائنے کے لئے چلے یہ سب لوگ گھوڑوں پر سوار
تھے جب وہ پہاڑی کے قریب پہنچے تو راجپوتوں نے پہاڑی کے اوپر تیر پھینکے

ان لوگوں نے ڈھالوں پر روکے اور آگے بڑھے مگر اوپر سے اس کثرت سے تیروں کی بارش ہوئی کہ انہیں ایک قدم بھی آگے چلنا مشکل ہوگیا آخر یہ سب لوٹ آئے

بکرماجیت نے عرفان سے پوچھا۔ "کوئی خفیہ راستہ پہاڑ پر چڑھنے کا نہیں ہے۔

عرفان نے جواب دیا۔ "کئی راستے ہیں لیکن دن میں ان کو تلاش کرنا مناسب نہیں ہے دشمن دیکھ رہے ہیں خبردار ہوجائیں گے رات کو ٹھیک ہوگا"۔

یہی بات قرار پائی جب رات ہوئی تو عرفان سو آدمیوں کو ساتھ لے کر چلے۔ چاندنی رات تھی۔ چاند جگمگا رہا تھا۔ سفید چاندنی کھیت کئے ہوئے تھی یہ لوگ خاموشی سے چل کر پہاڑ کے نیچے پہنچ گئے۔ عرفان مشرق کی طرف زیر کوہ چلے۔ چونکہ یہاں سربفلک چٹانیں اٹھی ہوئی تھیں اس لئے چاندنی کا گذر نہ تھا۔ قدرے اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ خاموشی کے ساتھ بڑھے چلے جارہے تھے کچھ دور چل کر ایک گھاٹی آئی۔ برسات کے ایام میں اس گھاٹی میں برسات کا پانی آتا تھا یہ گھاٹی اس قدر تنگ تھی کہ اس میں صرف ایک آدمی جاسکتا تھا وہ بھی پیدل۔ گھوڑے پر سوار ہوکر نہیں کیونکہ اس میں جھاڑیاں کثرت سے تھیں۔ عرفان نے آہستہ سے کہا بہادرو یہ وہ خفیہ راستہ ہے جس کا دشمنوں کو بھی علم نہ ہوگا۔ لیکن ہے دشوار گذار اور خطرناک۔ ممکن ہے اس میں سانپ اور بچھو چھپے ہوئے ہوں۔ ذرا ہوشیاری سے میرے پیچھے چلے آؤ۔

عرفان نے تلوار نکال لی اور بسم اللہ کہہ کر گھاٹی میں گھس گئے وہ نیزہ سے جھاڑیوں کو ہلاتے جاتے تھے تاکہ اگر سانپ وغیرہ ہوں تو وہ وہاں سے بھاگ جائیں ان کے پیچھے ان کے ساتھی چلے۔ یہ سب لوگ گھاٹی میں غائب ہوگئے۔

یہاں کسی قدر زیادہ اندھیرا پھیلا ہوا تھا یہ لوگ ٹٹول ٹٹول کر چل رہے تھے چند مرتبہ ایسا ہوا کہ سانپ دنداتا ہوا ان میں سے کسی سوار کے پیروں کے

قریب سے نکل گیا۔ مگر یہ لوگ کچھ ایسے ڈھیٹ تھے کہ سانپوں سے نہ ڈرتے تھے بلکہ سانپ ہی ان سے ڈر کر بھاگ رہے تھے۔

کچھ دور چل کر گھاٹی کشادہ ہو گئی لیکن اب یہ دقت پیش آئی کہ راستہ میں گول گول چھوٹے بڑے پتھر اس کثرت سے پڑے ہوئے تھے کہ ان کے اوپر چلنا دشوار ہو گیا مگر یہ لوگ گرتے پڑتے بڑھتے ہی رہے۔

یہ گھاٹی ڈھلوان تھی جوں جوں آگے بڑھتے تھے بلند ہوتی جاتی تھی۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے پر یہ گھاٹی بلند ہو گئی۔ سامنے کچھ اونچی چٹان آ گئی قدم سے زیادہ اونچی تھی۔ بارش کے زمانہ میں اس چٹان سے پانی یہاں گرتا تھا۔ عرفان نے کہا۔۔ ایک آدمی بیٹھ جاؤ میں اس کے کندھے پہ پیر رکھ کر اوپر چڑھوں گا۔

فوراً ایک آدمی چٹان کا سہارا لے کر بیٹھ گیا عرفان اس کے کندھوں پر پیر رکھ کر اچھلا اور چٹان کے اوپر جا پہنچا۔ غرض اسی طرح ایک ایک کر کے سب آدمی اوپر پہنچ گئے صرف ایک شخص رہ گیا۔ اسے عمامہ کے ذریعہ سے اوپر کھینچ لیا گیا۔

جب سب اوپر آ گئے تو یہ لوگ آگے بڑھے یہاں راستہ کچھ ہموار سا تھا۔ لیکن اس میں بھی پتھر پڑے ہوئے تھے سو ہی قدم چل کر پھر ایک اونچی چٹان آ ئی اس پر بھی یہ لوگ چڑھ گئے اسی طرح وہ کئی چٹانوں پر چڑھ کر ایک قلۂ کوہ پر پہنچے یہاں انہوں نے تقریباً دو سو سوار راجپوتوں کو نہایت بےفکری سے سوتے ہوئے دیکھا۔ عرفان ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔۔ معلوم ہوتا ہے دشمنوں نے خفیہ راستوں پر بھی پہرے بٹھا دیے ہیں لیکن لشکر راجپوت غافل ہے آہستگی سے ان کے قریب پہنچ کر انہیں قتل کر ڈالو اگر انہوں نے بیدار ہو کر غل مچا دیا تو کہیں انھیں

مدد نہ پہنچ جائے۔

ایک سپاہی نے کہا ـــ "یہ بیچارے تو سوتے کے سوتے ہی رہ جائیں گے"

تمام سپاہی اور عرفان نہایت ہی آہستگی کے ساتھ بڑھے سب نے میانوں سے تلواریں کھینچ کر ہاتھوں میں لے لیں اور راجپوتوں کے چاروں طرف پھیل گئے سب سے پہلے عرفان نے ایک شخص پر وار کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ ان کی تلوار کے ساتھ ہی سو تلواریں بلند ہوئیں اور راجپوتوں کے سر و سینے پر پڑیں ـــ کچھ خرخراہٹ اور کچھ شور و غل کی آوازیں بلند ہوئیں۔

یہاں چاندنی کی روشنی کافی پڑ رہی تھی۔ راجپوت شور سن کر اٹھنے لگے تھے لیکن ایک تو وہ نیند میں تھے دوسرے نہتے تھے مسلمانوں کو دیکھتے ہی خوف و دہشت سے کانپنے لگے۔ عرفان نے کڑک کر کہا۔ "خبردار جو شور کیا یا کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔"

راجپوت بے بس تھے۔ سہم گئے انہیں یہ خیال بھی نہ ہوا کہ ابھی صرف سو مسلمان وہاں آئے ہیں اور وہ بھی پیادہ ہیں۔ وہ سمجھے زیادہ تعداد میں مسلمان آگئے ہیں وہ ڈر کر چپ ہو گئے۔

عرفان نے اپنے جانبازوں سے کہا۔ "ان نامردوں کو گرفتار کر لو۔"

راجپوت آنکھیں بند کر کے اس طرح بیٹھ گئے جس طرح بندر بھیڑیے کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور جس طرح بندر آنکھیں بند کرنے سے یہ سمجھتے ہیں کہ بھیڑیا چلا جائے گا۔ اسی طرح راجپوت بھی یہ سمجھنے لگے کہ مسلمان انہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ لیکن مسلمان کیوں ٹلنے والے تھے انہوں نے ریشم کی مضبوط ڈوروں سے انہیں باندھنا شروع کر دیا۔ کبھی کبھی بعض راجپوت آنکھیں کھول کھول کر دیکھ بھی لیتے تھے ـــ ان کی نگاہیں مسلمانوں پر پڑتی تھیں تو وہ جلدی سے پھر

آنکھیں بند کرکے بیٹھ جاتے تھے۔

آخر مسلمانوں نے تمام راجپوتوں کو باندھ لیا۔ پہلے ہی حملہ میں تقریباً ساٹھ راجپوت مارے جا چکے تھے ایک سو چالیس گرفتار ہو گئے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ شاہی لشکر کو پہاڑیوں میں گھس کر کچھ کامیابی ہوئی تھی مسلمانوں نے راجپوتوں کے ہتھیاروں اور دوسری چیزوں پر قبضہ کر لیا۔ جب سب کچھ ہو چکا تو عرفان نے راجپوت افسر کو اپنے روبرو طلب کر کے پوچھا۔ "تمہارا اور راستہ یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے"؟

راجپوت افسر نے جواب دیا۔ "ہم پر آپ نے دھوکہ سے قابو پا لیا اب ہم آپ کو آپ کے مفید مطلب کوئی اطلاع ہم نہیں پہنچا سکتے۔

عرفان۔ اگر تم قتل ہونا نہیں چاہتے ہو تو بتا دو۔

راجپوت۔ آپ قتل کر ڈالیں یا ہمارے جسموں کے ٹکڑے اڑا دیں ہم آپ کو نہ بتائیں گے۔

یہ گفتگو فارسی میں نہیں بلکہ پہاڑی زبان میں ہوئی چونکہ عرفان پہاڑی علاقہ کے قریب کے رہنے والے تھے اکثر پہاڑ پر بھی آتے رہتے تھے اس لئے وہ اس زبان سے بخوبی واقف تھے۔

جب راجپوت افسر نے کچھ نہ بتایا تو عرفان نے ان قیدیوں کو دس مسلمانوں کی معیت میں جس خفیہ راستے سے آئے تھے اسی سے روانہ کر دیا اور مسلمانوں کو ہوشیار رہنے اور راجہ بکرما جیت کو تمام واقعہ سنا کر جلد مدد لانے کی ہدایت کر دی۔

دسوں مسلمان قیدیوں کو لے کر روانہ ہو گئے عرفان کچھ دور آگے چل کھوے اور ایک کشادہ راستہ پر آ گئے۔ یہاں انہوں نے تقریباً پانچ سو

راجپوتوں کو مقیم دیکھا۔ ان راجپوتوں میں کچھ پہرہ پر تھے۔ جوں ہی انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا شور مچا دیا۔ مسلمان سنبھل گئے۔ راجپوت گھبرا گھبرا کر اٹھنے لگے۔

سترھواں باب (۱۷)

خونریز جنگ

عرفان کے ساتھ صرف نوے مسلمان رہ گئے تھے۔ راجپوت پورے پانچسو تھے ان میں سے جو مسلح تھے اور پہرہ دے رہے تھے وہ پچاس تھے عرفان نے دیکھا جو راجپوت جاگتے جاتے ہیں وہ مسلح ہوتے جاتے ہیں۔ وہ سمجھ گئے کہ اگر وہ خاموش کھڑے رہے تو تمام راجپوت مسلح ہو کر مقابلے میں آجائیں گے چنانچہ انہوں نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"دلیرو! اگرچہ تم تھوڑے ہو۔ دشمن زیادہ ہے لیکن مسلمان ہمیشہ تھوڑے رہتے ہوئے بے شمار دشمنوں پر فتحیاب ہوتے رہے ہیں۔ معرکۂ یرموک[۱] کو یاد کرلو۔ ساٹھ مسلمان ساٹھ ہزار عیسائیوں سے لڑ کر فتحیاب ہوئے تھے۔ یہ راجپوت تمہارے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ شہادت تمہاری عین تمنا ہے۔ مرگئے شہید ہو جاؤ گے زندہ رہے غازی کہلاؤ گے دونوں صورتوں میں جنت کے مستحق ٹھہرو گے دشمنوں کو سنبھلنے کا موقع نہ دو اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر حملہ کردو"

---

[۱] ۔ یرموک کی خونریز پرجوش اور حیرتناک واقعات اگر ملاحظہ کرنا ہوں تو ہمارا مشہور ناول فتح یرموک دیکھو	صادق صدیقی سردھنوی

مسلمانوں نے مل کر نعرہ تکبیر بلند کیا اس اللہ اکبر کے غلغلہ انداز نعرے نے پہاڑ ہی گونج کر راجپوتوں پر حملہ کر دیا جو راجپوت اس وقت مسلح ہو چکے تھے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں آ گئے۔ تلواریں کھنچ گئیں۔ مسلمانوں نے راجپوتوں پر اور راجپوتوں نے مسلمانوں پر پُر زور حملے شروع کر دیئے۔

عرفان نے جلدی سے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کو خود لے کر مسلح راجپوتوں کے مقابلہ میں آ گئے دوسرے حصے کو گل شیر خاں کے ساتھ کر کے جو راجپوت اٹھتے جاتے تھے ان پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس طرح جنگ کے دو محاذ قائم ہو گئے۔

عرفان نے اپنے ساتھیوں کو لے کر اس شدت سے حملہ کیا کہ راجپوت کئی قدم پیچھے ہٹتے چلے گئے اس حملہ میں مسلمانوں نے بہت سے راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ راجپوتوں نے سنبھل کر مسلمانوں پر حملہ کیا۔ ایک دفعہ تو مسلمان بھی دو قدم پیچھے ہٹ گئے لیکن وہ جلدی سے سنبھلے اور انہوں نے جوش میں آ کر ایک پُر زور حملہ کیا۔ اس حملہ میں بھی بہت سے راجپوت مارے گئے راجپوتوں نے بھی مسلمانوں کو مار ڈالنے کے لئے نہایت سخت حملہ کیا لیکن وہ کسی مسلمان کو بھی مار ڈالنا تو کیا زخمی بھی نہ کر سکے پھر بھی انہیں جوش آ رہا تھا اور وہ پوری قوت سے حملے کر رہے تھے مسلمان چونکہ راجپوتوں کا جلد سے خاتمہ کرنا چاہتے تھے اس لئے وہ بھی نہایت سختی سے حملے کر رہے تھے۔ غرض جنگ کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ تلواریں زور شور سے چل رہی تھیں راجپوت نعرے لگا رہے تھے مسلمان خاموش تھے لیکن ہندوؤں کے جے کاروں کی آواز تیغ اور تلواروں کی کھٹا کھٹ زخمیوں کی فریاد اور مرنے والوں کی چیخوں کے ساتھ مل کر گونج رہی تھی۔ مسلمان راجپوتوں کو مار ڈالنے کی فکر میں تھے اور راجپوت مسلمانوں کو قتل کرنے کے

لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

جب کہ عرفان مسلح راجپوتوں سے جنگ میں مشغول تھے اس وقت گل شیر خاں نے راجپوتوں کے کیمپ پر حملہ کر دیا تھا۔ مسلمان خیموں میں گھس کر دشمنوں کو قتل کرنے لگے۔ راجپوت مسلح ہونا چاہتے تھے لیکن مسلمان انہیں مہلت نہ دیتے تھے بے دریغ قتل کر رہے تھے گل شیر خاں خود نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے وہ ایسے جلدی جلدی حملے کر رہے تھے جیسے تنہا ہی سب کو قتل کرنا چاہتے ہوں۔ ان کو دیکھ کر مسلمانوں کو بھی جوش آ گیا تھا وہ بھی ایک دوسرے سے تیزی کے ساتھ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کر کے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہے تھے۔

لیکن راجپوت خیموں میں تھے۔ مسلمانوں کو خیموں میں گھس کر انہیں قتل کرنا پڑتا تھا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک دروازے سے مسلمان کسی خیمہ میں گھسے تھے اور دوسرے دروازہ سے یا کسی طرف کا پردہ چاک کر کے راجپوت کھسک جاتے تھے اس طرح راجپوت جو خیموں سے نکل گئے تھے وہ ایک جگہ جمع ہو گئے بھاگتے وقت انہوں نے کوئی نہ کوئی ہتھیار اٹھا لیا تھا اس طرح ان سب کے پاس بھی اسلحہ ہو گئے تھے۔

گل شیر خاں نے ان دشمنوں پر حملہ کر دیا ان کی تعداد زیادہ تھی انہوں نے بڑی سختی سے مقابلہ کیا لیکن گل شیر خاں نے اس زور سے حملہ کیا کہ راجپوت کئی قدم پیچھے ہٹتے چلے گئے پھر بھی وہ سنبھلے اور انہوں نے جم کر لڑنا شروع کیا اب ہر چند گل شیر خاں نے حملے کئے تمام ان کے ساتھیوں نے بھی زور لگایا لیکن وہ ایک دم بھی راجپوتوں کو پیچھے نہ دھکیل سکے بلکہ وہ بھی نہایت جرأت و ہمت سے حملے کرنے لگے اس طرف بھی خونریزی شروع ہو گئی۔

یہ لڑائی پہاڑ پر چٹانوں سے بچ کر ہو رہی تھی۔ چاند نکلا ہوا تھا۔ دودھیا چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ چاند کی پر نور روشنی میں جنگ ہو رہی تھی خون آلودہ تلواریں خون کی چھینٹیں برساتی ہوئی اٹھ رہی تھیں۔ صدائے دار و گیر بلند تھی مسلمان راجپوتوں پر اور راجپوت مسلمانوں پر حملے کر رہے تھے سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون کے فوارے ابل رہے تھے پتھروں پر خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔

مسلمان بہت ہی کم تھے۔ یعنی پانچویں حصہ سے بھی کم لیکن وہ موت کی لڑائی لڑ رہے تھے ہر مسلمان جوش و غضب کا پتلا بنا ہوا تھا بائیں ہاتھ میں ڈھال اور داہنے ہاتھ میں تلوار لیئے شیرانہ حملے کر رہا تھا۔

مگر جس قوم سے مقابلہ تھا وہ بھی معمولی نہ تھی۔ راجپوت تھے پھر وہ راجپوت جو ہٹنا اور بھاگنا جانتے ہی نہ تھے جانیں دینا یا جانیں لینا ہی ان کا کام تھا۔ وہ بھی بہادر تھے۔ خوب لڑنا جانتے تھے۔

لیکن اب تک جن لوگوں سے ان کی لڑائیاں ہوئی تھیں وہ ایسے دلیر نہ تھے جیسے مسلمان تھے انہوں نے اکثر فتوحات حاصل کی تھیں اب بھی سمجھ رہے تھے کہ مسلمانوں کو بھی مار بھگا دیں گے یا قتل کر ڈالیں گے یا گرفتار کر لیں گے۔

مگر جب انہوں نے مسلمانوں کا طریقہ جنگ ان کی دلیری جرأت اور ہمت دیکھی تو سمجھ گئے کہ مقابلہ آسان نہیں ہے مسلمان لقمۂ تر نہیں ہیں انہیں پسپا کرنا آسان نہیں ہے وہ ہوشیاری سے جنگ کرنے لگے چاہتے تو تھے کہ صفیں مرتب کر لیں مگر مسلمان ان میں کچھ ایسے رل مل گئے تھے کہ ان کے پیچھے ہٹ کر صفیں مرتب کرنا ناممکن ہو گیا تھا پھر بھی ان کے کئی گروہ ہو گئے

تھے اور ہر گروہ بڑی دلیری سے لڑ رہا تھا۔

مسلمانوں کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح راجپوتوں کا محاصرہ کر لیں۔ لیکن ان کی تعداد اس قدر کم تھی کہ وہ ان کے گرد گھیرا نہیں ڈال سکتے تھے بلکہ تھوڑی تھوڑی تعداد میں بٹ کر راجپوتوں کے ہر گروہ کا مقابلہ کر رہے تھے۔

جنگ نہایت خونریز ہو رہی تھی۔ فریقین کے آدمی مقتول و مجروح ہو رہے تھے تلواریں پھرتی سے اٹھ اٹھ کر انسانوں کے سروں کو کاٹ کر اور سینوں کو چیر رہی تھیں۔ جب کسی بہادر کو کوئی زخم لگتا تھا تو اس کے بدن میں آگ سی لگ جاتی تھی اگر زخم معمولی ہوتا تو وہ انتقام لینے کے لئے جوش میں آ کر حملہ کرتا۔ اگر زخم گہرا ہوتا تو یا تو گر جاتا یا ایک طرف ہٹ جاتا۔ راجپوت البتہ معمولی زخم کو بھی بہت محسوس کرتے تھے لیکن مسلمان بڑے سے بڑے زخم کی بھی پروا نہ کرتے تھے وہ زخمی ہونے پر بھی اس وقت تک لڑے جاتے تھے جب تک یا تو وہ گر کر بیہوش نہ ہو جائیں یا زخم انھیں ناکارہ نہ کر دے۔

یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کا نقصان کم ہو رہا تھا اور راجپوتوں کا زیادہ اگرچہ راجپوتوں کے سردار بھی نہایت جرأت و ہمت سے لڑ رہے تھے لیکن عرفان اور گل شیر خاں جیسی شجاعت سے نہیں یہ دونوں غضب کے فرشتے بنے ہوئے تھے دونوں جوش میں آ آ کر حملے کر رہے تھے ان کے بے پناہ حملوں سے دشمنوں کو پناہ نہ ملتی تھی جب وہ وار کرتے تھے تو ان کی تلواریں ڈھالوں کو چیر کر سروں کو کھچا کھچ کر دیتی تھیں۔

ان دونوں میں بھی عرفان نہایت ہی بہادری اور بڑی ہی پھرتی سے لڑ رہے تھے وہ چاہتے تھے کہ ان خونخوار درندوں کا جلد سے جلد خاتمہ کر دیں جنہوں نے ان کی بستی کو تباہ کیا تھا جو ان کی جان سے زیادہ عزیز منگیتر

بعد راکو پکڑ کر لے گئے ان کی خواہش تھی کہ وہ راجہ کی بیٹیوں اور عزیز لڑکیوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے اس کے دل کو صدمہ پہنچائیں جس طرح اس نے ان کے دل کو پہنچایا تھا۔

محبت نے ان کی رگ رگ میں جوش کی روح پھونک دی تھی ان کے زور دار حملوں کی زد میں جو دشمن بھی آجاتا تھا مارا جاتا تھا۔ ان کی تلوار موت کا فرشتہ بنی ہوئی تھی جس کو چھو بھی جاتی تھی وہی قتل ہو کر گر پڑتا تھا۔

جب کہ جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے تلواریں اپنا کام کر رہی تھیں اسی وقت زبردست جھکارے کی آواز آئی۔ عرفان نے سر اٹھا کر دیکھا انھیں شمال کی طرف سے چاندنی میں راجپوتوں کے دستے بڑھتے نظر آئے۔ انہیں رنج و قلق ہوا۔ وہ سمجھ گئے کہ اگر یہ تازہ کمک راجپوتوں کو پہنچ گئی تو وہ بچ جائیں گے اور مسلمان مارے جائیں گے۔

انہوں نے بلند آواز سے کہا۔

"مسلمانو! گھبرانا نہیں۔ دشمنوں کو آنے دو۔ فکر نہ کرو۔۔۔ تمہارا مددگار وہ خدا ہے جس نے بدر کے معرکہ میں فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد کی تھی جو ہمیشہ مسلمانوں کی اعانت کرتا ہے۔۔۔۔۔ مسلمانو! جنت کے دروازے کھل گئے ہیں۔ حوریں تمہارا استقبال کرنے کے لئے تیار ہو گئی ہیں۔ شہادت تمہارے تمام گناہوں کو دھو دے گی۔ جنت تلوار کے سایہ میں ہے پرجوش حملے کرو۔۔۔"

اس مختصر تقریر کو سن کر مسلمانوں کے قلوب گرما گئے۔ انہوں نے مل کر اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا اور نہایت شدت سے حملہ کیا۔

راجپوتوں نے ان کا حملہ روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیکن وہ مسلمانوں کی یلغار کو نہ روک سکے۔ اس حملے میں مسلمانوں نے پچاس سے زیادہ راجپوت مار ڈالے۔ ساتھ ہی انہوں نے دوسرا حملہ کیا اور تیس راجپوتوں کو پھر ٹھنڈا کر دیا۔

یہ کیفیت دیکھ کر راجپوتوں پر خوف طاری ہو گیا انہوں نے جیکارے سنے تھے سمجھ گئے تھے کہ ان کے لئے کمک مدد آ رہی ہے لیکن مدد کرنے والے ابھی فاصلہ پر تھے انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں مدد آنے سے پہلے ہی مسلمان ان کا خاتمہ نہ کر ڈالیں اس لئے وہ بھاگے۔

مسلمانوں نے بھی تعاقب کرنا چاہا لیکن عرفان نے آواز دے کر کہا۔

دلیرو! ٹھہرو۔ بزدلوں کو بھاگنے دو تازہ دم دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہو جاؤ۔

مسلمان ان کی آواز سنتے ہی رک گئے وہ جہاں کہیں بھی تھے وہاں سے ہٹ کر عرفان کے پاس آ آ کر جمع ہونے لگے۔

اٹھارواں باب (۱۸)

دوسری کامیابی

جب تمام مسلمان عرفان کے پاس آ کر جمع ہو گئے تھے تو انہوں نے شمار کیا اس وقت تک سات مسلمان شہید ہو چکے تھے کچھ زخمی بھی تھے عرفان نے زخمیوں کو سب سے پیچھے کیا اور نئے آنے والے راجپوتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے بقیہ ساتھیوں کی ایک صف مرتب کر لی۔

چاندنی میں راجپوت تیزی سے بڑھتے آرہے تھے وہ طرح طرح کے نعرے لگا رہے تھے ان کی جھپٹ اور ان کی تیز آوازوں سے معلوم ہوتا تھا کہ انھیں جوش ہے، غصہ ہے وہ آتے ہی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور یا تو انہیں قتل کر ڈالیں گے یا کچل دیں گے۔

عرفان نے کہا۔ مسلمانو! دشمن جوش میں ہے لیکن ان کا جوش ٹھنڈا یا ابال ہوتا ہے اور وہ اسی وقت تک قائم رہتا ہے جب تک ان کی اکثریت رہے جہاں ان کی تعداد برابر کی بھی ہوئی اور وہ بھاگے تم بھی اس کا تجربہ کر چکے ہو۔ راجپوت پانچسو تھے اور تم صرف نوّے تم نے خدا کی مدد سے انھیں شکست دی اب بھی خدا تمہاری مدد کرے گا۔"

ابھی عرفان اسی قدر تقریر کرنے پائے تھے کہ راجپوت قریب آ کر رکے مسلمانوں نے دیکھا وہ کئی ہزار تھے اتنی بھاری جمعیت کو دیکھ کر بھی مسلمانوں پر ہیبت طاری نہیں ہوئی۔ شہادت ان کی تمنا تھی اس وقت انہیں خیال ہونے لگا کہ وہ شاید شہادت جیسی نعمت عظمیٰ کو حاصل کرلیں وہ خاموش کھڑے دیکھنے لگے کہ راجپوت کیا کارروائی کرتے ہیں۔

راجپوتوں کے افسر نے بلند آواز میں کہا ۔۔۔ "دلیر راجپوتو! مجھے مسلمانوں کی تھوڑی تعداد دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور شرم بھی آئی تعجب ہے کہ ان چند مسلمانوں سے پانچسو راجپوت ڈر ڈر کر بھاگ نکلے۔ ہمارے لئے یہ بڑے شرم کی بات ہے دنیا سنے گی تو کیا کہے گی۔

سنو! یہ مسلمان تمہارے مشہور قلعہ کانگڑہ کو فتح کرنے کے لئے آئے ہیں۔ شاہان مغلیہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم بھی ان کے غلام

ہو جائیں۔ وہ ہماری بہو بیٹیوں کو بھی اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم مر جائیں گے مگر کبھی ایسا نہ ہونے دیں گے بے گنتی کے چند مسلمان تمہارے سامنے ہیں۔ پر جوش حملہ کر کے انہیں سب کو مار ڈالو تاکہ مسلمانوں پر تمہارا خوف چھا جائے اور وہ پھر پہاڑ پر آنے کی جرأت نہ کریں۔

اس افسر نے یہ غلط باتیں کہیں شاہان مغلیہ اس کی قوم کو غلام اور اس کی بیٹیوں کو حرم میں داخل کرنا چاہتے ہیں خود اس کا راجہ شاہی علاقہ میں لوٹ مار کرتا تھا۔ مسلمانوں کی لڑکیوں اور عورتوں کو پکڑ کر لے جاتا تھا مسلمان اس کی تادیب کے لیے حملہ آور ہوئے تھے۔

راجپوتوں نے جیکارے لگا کر ہلہ بول دیا۔ انھوں نے تلواریں سونت لیں مسلمان پہلے ہی سے شمشیر بکف تھے راجپوت اس طرح مسلمانوں پر جا پڑے جس طرح باز چڑیوں پر پڑا کرتے ہیں۔ مسلمان اب بھی مرعوب نہیں ہوئے بلکہ نہایت استقلال اور بڑی جوانمردی سے مقابلہ کرنے لگے۔ تلواریں تلواروں سے ٹکرانے لگیں ڈھالیں ڈھالوں سے بھڑ گئیں راجپوت شور کرنے لگے ان سب آوازوں سے مل کر ایک مرتبہ پھر پہاڑ گونج اٹھا۔

راجپوت جوش میں آ کر پر زور حملے کر رہے تھے۔ مسلمان مدافعت میں مصروف تھے چونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی اور راجپوت زیادہ تھے اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو چاروں طرف سے زغہ میں لے لیا۔

اگرچہ تلواریں زور شور سے چل رہی تھیں لیکن ابھی تک کوئی قتل و زخمی نہیں ہوا تھا کیونکہ تلواریں یا تو ڈھالوں پر پڑ رہی تھیں یا تلواروں

سے ٹکرا رہی تھیں کچھ عرصہ تک اسی طرح ردوبدل ہوتا رہا آخر عرفان نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا تمام مسلمانوں نے مل کر اس نعرہ کی تکرار کی اس نعرہ کے بلند ہوتے ہی سارا پہاڑ گونج اٹھا۔ مسلمانوں میں نیا جوش پیدا ہو گیا انہوں نے بڑھ کر نہایت شدت سے حملہ کیا۔

اس حملہ میں کئی راجپوتوں کو مار ڈالا۔ ایک دفعہ تو راجپوت کئی قدم پیچھے ہٹتے چلے گئے لیکن فوراً ہی سنبھلے انھوں نے بھی جوابی حملہ کیا، کئی مسلمانوں کو قتل و زخمی کر دیا۔

اب ایک فریق دوسرے فریق پر نہایت سختی سے حملے کرنے لگا خونریزی شروع ہو گئی ہاتھ پیر سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے خون فواروں کی طرح اچھلنے لگا اس وقت راجپوت پہلے سے بھی زیادہ شور و غل کرتے اور مسلمان خاموشی سے مار دھاڑ میں مصروف ہو گئے۔

جنگ کی آگ ایک مرتبہ پھر بھڑک اٹھی پھر انسان تلواروں سے کٹنے لگے پھر تلواریں جوانمردوں کو موت کی گود میں ڈالنے لگیں خون کی چھینٹیں سرفروشوں پر پڑنے لگیں۔

راجپوتوں کو اس بات پر بڑا غصہ آ رہا تھا کہ مسلمان اونٹ پر تل و قتال تھے مگر نہ پسپا ہوتے تھے نہ مرتے تھے نہ ہتھیار ڈالتے تھے بلکہ بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے ان کے افسر نے انہیں للکار کر کہا۔ راجپوتو تمہاری شان یہ ہے کہ مار دیا مر جاؤ جب کہ یہ چند مسلمان بھی تمہارے قابو میں نہیں آتے تو ان کا اگر بڑا لشکر آ گیا تو ان کا مقابلہ کیسے کر سکو گے۔ بہادرو! انہیں کچل ڈالو — فنا کر دو — ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑو —"

یہ سنتے ہی راجپوت بڑے جوش سے حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں پر تلواریں مارنی شروع کیں۔ بڑی پھرتی سے حملے کرنے لگے۔ انہوں نے کئی مسلمانوں کو شہید اور کئی کو زخمی کر ڈالا چونکہ سارے راجپوت مسلمانوں پر آ ٹوٹے اس لئے مسلمان دب گئے انہوں نے چاہا کہ وہ راجپوتوں کو اپنے سے دور کر دیں لیکن یہ کام ان کی قوت سے باہر ہو گیا۔

وہ محض دشمنوں کے وار بچانے لگے اس سے راجپوتوں کو یقین ہو گیا کہ وہ عنقریب مسلمانوں کو ختم کر ڈالیں گے۔ صورت بھی یہی ہو گئی تھی اب مسلمانوں میں اتنی سکت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ راجپوتوں کو پیچھے ڈھکیل دیں انھیں دشمنوں کی بھاری تعداد سے لڑتے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا ان کی طاقت سلب ہو گئی تھی۔ وار کرتے کرتے بازو شل ہو گئے تھے۔ عرفان اور گل شیر خاں اب بھی پر زور حملے کر رہے تھے لیکن ان کے حملوں میں بھی کمی واقع ہو گئی تھی۔

عرفان نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"خداوندا! ہم اس لئے لڑ رہے ہیں کہ ان کافروں نے تیرے پرستاروں یعنی ہمارے بھائیوں کو اذیت دی ہے اگر تو یہی چاہتا ہے کہ ہم بھی فنا ہو جائیں تو ہمیں شہادت عطا فرما۔ ہم گرفتار ہو کر ذلت کی زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے اور اگر تو اسلام کا نام بلند کرنا چاہتا ہے تو غیب سے ہماری مدد کر ہم میں کوئی قوت نہیں سب طاقت تجھے ہی ہے۔

یہ دعا مانگ کر انہوں نے مسلمانوں سے کہا۔ "مسلمانو خدا کا نام لیکر ایک حملہ کرو ہر آدمی ایک ایک دشمن کو مار ڈالے۔ ہاں اسلامی شیرو، آخری حملہ کرو

مسلمانوں نے اِلّا اللہ کا نعرہ لگا کر حملہ کیا۔ بہت سے مسلمانوں نے ایک ایک راجپوت کو مار ڈالا مگر راجپوتوں نے بھی کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ مسلمانوں کے اس حملہ سے راجپوتوں کو پھر طیش آیا۔ انہوں نے پھر جوش میں آ کر حملے شروع کیے۔ مسلمان پھر ان کے داروں کو رد کرنے لگے۔

عین اس وقت جب کہ مسلمان نا امید ہو گئے تھے اور راجپوتوں کو کامیابی کی یقینی امید ہو چکی تھی دفعتہً اللہ اکبر کی پرشور آواز آئی۔ اس آواز کو سن کر راجپوت خوف سے اچھل پڑے۔ مسلمان خوش ہو گئے۔ ان میں تازہ جوش کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ایک اور حملہ کیا۔

ادھر ان مسلمانوں نے حملہ کیا ادھر راجپوتوں کی پشت کی طرف سے نئے آنے والے مسلمانوں نے تاخت کی۔ راجپوت گھبرا گئے۔ ان کے افسر نے دیکھا اس نے چلا کر کہا ــــ "بہادرو! گھبرانا نہیں۔ چند مسلمان اپنے بھائیوں کی مدد کو آئے ہیں کچھ لوگ ان کے مقابلے میں ہو جاؤ اور کچھ ان مسلمانوں کا جن کی طاقت جواب دے چکی ہے۔ خاتمہ کر ڈالو۔"

اس افسر نے پھر غلط بات کہی۔ مسلمانوں کی مدد کے لئے چند مسلمان نہیں آئے تھے بلکہ پانچ سو شیران اسلام آئے تھے ان پانچسو کے افسر خود شاہزادہ خرم یعنی شاہجہاں تھے۔

شاہجہاں نے آتے ہی پرزور حملہ کیا ان کے ساتھی بھی شیروں کی طرح ٹوٹ پڑے تلواریں بڑی پھرتی سے چلنے لگیں اتنے راجپوت پلٹ کر ان کے مقابلے میں آئیں اتنے ان کے بہت سے جانبازوں کو مسلمانوں نے بھی مار ڈالا۔ لیکن فوراً ہی راجپوت پلٹ کر ان کے مقابلے میں آ گئے۔ انہوں نے بھی جوش میں آ کر مسلمانوں پر حملہ کیا۔ کئی مسلمانوں کو انہوں نے بھی شہید کر ڈالا

یہ دیکھ کر مسلمانوں کا جوش ہیجان میں آگیا۔ انہوں نے دانت بھینچ کر اس شدت سے حملہ کیا کہ راجپوت پیچھے ہٹتے ہٹتے ان مسلمانوں سے جا ملے جو پہلے سے لڑ رہے تھے وہ مسلمان یا تو اپنے سامنے والے راجپوتوں سے لڑ رہے تھے یا دفعتہً پلٹ کر پیچھے سے آنے والے راجپوتوں پر ٹوٹ پڑے اور اس پھرتی سے حملے کر کے انہیں قتل کیا کہ وہ گھبرا گئے۔

شاہزادہ خرم خود لڑ رہے تھے۔ ان کی سپاہ انہیں مصروف جنگ دیکھ کر بڑی جانبازی سے لڑ رہی تھی۔ راجپوت بھی پر زور حملے کر رہے تھے۔ نہایت شدت سے جنگ ہو رہی تھی تیزی سے تلواریں چل رہی تھیں اور بہادر پھرتی سے مر رہے تھے لاشوں پر لاشیں گرتی چلی جا رہی تھیں خون کے پرنالے بہہ رہے تھے۔

اس وقت مسلمان بھرے ہوئے شیر بن گئے تھے نہایت استقلال سے لڑ رہے تھے اور نہایت اطمینان سے قتل کر رہے تھے۔ اتفاق سے عرفان نے راجپوت سپہ سالار پر حملہ کیا وہ دوسری طرف متوجہ تھا وار کاری پڑا اس کا سر کٹ کر دور جا گرا اس کے قریب جو راجپوت کھڑے لڑ رہے تھے انھوں نے دیکھ لیا۔ ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں خوف چھا گیا وہ ایک دم بھاگ کھڑے ہوئے۔ انھیں بھاگتے ہوئے دیکھ کر تمام راجپوتوں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ ان کے بھاگتے ہی مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر ان کا تعاقب شروع کر دیا۔

انیسواں باب (۱۹)

مسلمانوں کی جرأت

راجپوت قلعہ کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ان میں نظام و ترتیب باقی نہ رہے تھے۔ نہایت بدحواسی اور بڑی بدنظمی کے ساتھ بھاگے جا رہے تھے۔ مسلمان تلواریں سونتے ان کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ وہ جس راجپوت کے پاس پہنچتے اسی کو قتل کر ڈالتے اس طرح بھی انہوں نے بہت سے راجپوتوں کو مار ڈالا۔ شاہزادہ خرم، عرفان اور گل شیر خاں بھی تعاقب کر رہے تھے جب راجپوت بھاگ کر دروں میں اور چٹانوں میں جا کر غائب ہو گئے تو شاہزادہ خرم (شاہجہاں) نے مسلمانوں کو تعاقب کرنے سے روک دیا۔ تمام مسلمان شاہزادے کے گرد جمع ہو گئے۔ شاہزادہ نے مجاہدوں کا عموماً اور عرفان اور گل شیر کا خصوصاً شکریہ ادا کیا۔

اب انہوں نے راجپوتوں کے کیمپ اور ہتھیاروں وغیرہ کو لوٹ لینے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے تمام سامان لوٹ لیا۔ شاہزادہ نے عرفان سے کہا۔

"اب تم یہ بتاؤ کہ کانگڑہ یہاں سے کتنی دور ہے"

عرفان نے عرض کی۔ "صاحب عالم! کانگڑہ کا قلعہ ابھی دور ہے پہلے صاحب عالم کو راستوں پر قبضہ کرنا چاہیے"۔

خرم — "ہاں ٹھیک ہے۔ تم ایسے راستہ کی طرف رہنمائی کرو جس کے ذریعہ سے تمام لشکر کو پہاڑ پر لایا جا سکے۔

عرفان۔ بہتر ہے۔ میرے ساتھ تشریف لے چلیے۔

شہنشاہ جہانگیر نے شاہزادہ خرم (شاہجہاں) کو ولیعہد مقرر کیا تھا اسی وجہ سے سب انہیں صاحب عالم کہتے تھے۔ خرم عرفان کے ساتھ چلے جو مسلمان اس وقت تک پہاڑ پر آ چکے تھے وہ شاہزادہ کے ساتھ ہو لیے۔ شاہزادہ نے ان میں سے بیس جانبازوں کو حکم دیا کہ وہ شہیدوں کی نماز پڑھ کر احترام کے ساتھ دفن کر دیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کر کے انہیں اپنے ساتھ لائیں۔

بیس مسلمان وہیں رہ گئے باقی سب آہستگی اور خاموشی کے ساتھ چلے چونکہ پہاڑی راستہ تھا پھر چٹانیں اور اونچے اونچے پتھر سدراہ تھے اس لیے وہ گھوم گھما کر چل رہے تھے کچھ دور چل کر ایک راستہ جو ندی کی طرح نشیب کی طرف جا رہا تھا عرفان نے شاہزادہ خرم سے عرض کی۔ "یہ درّہ فراخ بھی ہے اور اس میں کوئی دشواری بھی نہیں۔ لیکن دشمنوں نے اس کی حفاظت بھی اچھی طرح کی ہوگی۔ درّہ میں بھی سپاہی ہوں گے اور ادھر ادھر چٹانوں پر بھی اگر دشمن یہاں سے ہٹا دیے جائیں تو شاہی لشکر آسانی سے پہاڑ پر آ سکے گا۔"

خرم نے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو ہمیں موجودہ لشکر کے تین حصے کرنے چاہئیں وہ دونوں طرف چٹانوں پر چلیں اور ایک درّہ میں۔"

عرفان۔ ایسا ہی ہونا چاہیے صاحب عالم۔

شاہزادہ نے لشکر کو اس طرح تین حصوں میں تقسیم کیا کہ ایک حصہ بڑا کر دیا اور دو چھوٹے چھوٹے۔ عرفان نے کہا۔ "میرے خیال میں درّہ میں زیادہ راجپوت ہوں گے اور چٹانوں پر کم۔ اس لیے اجازت ہو تو میں درّہ میں چلوں ایک چٹان پر صاحب عالم چلیں اور دوسری پر گل شیر خاں۔"

خرم۔ مرحبا یہ تدبیر مناسب ہے۔

چنانچہ درّہ میں عرفان، داہنی چٹان پر شاہزادہ خرم اور بائیں چٹان پر

کل شیر خاں چلے۔ تینوں دستے تینوں مقامات پر ساتھ ساتھ بڑھنے شروع ہوئے۔

اب صبح صادق ہو چکی تھی۔ اگرچہ ابھی تک ...... چاند نکلا ہوا تھا لیکن چاندنی پھیکی پڑ گئی تھی پہاڑی طیور آشیانوں میں بیٹھے چہچہا رہے تھے۔

یہ دستے کچھ ہی دور بڑھے تھے کہ چٹانوں کے دونوں طرف راجپوت پھیلے ہوئے چٹانوں پر سوتے نظر آئے مسلمانوں نے جلدی سے تلواریں کھینچ لیں اور پھرتی سے حملے کرکے راجپوتوں کو قتل کرنا شروع کر دیا انہوں نے بہت سے دشمنوں کو ہوشیار ہونے سے پہلے ہی مار ڈالا۔

لیکن کچھ تو مسلمانوں کے قدموں کی چاپ سن کر کچھ تلواروں کی کھڑکھڑاہٹ اور کچھ مرنے والے راجپوتوں کی غرغراہٹ کی آوازوں سے سونے والے راجپوت بیدار ہو کر ہوشیار ہونے لگے۔

جوں ہی انہوں نے آنکھیں کھول کر مسلمانوں کو ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے سروں پر کھڑے دیکھا خوف و دہشت سے سہم کر رہ گئے۔ مسلمانوں نے ان کے خوف سے فائدہ اٹھایا انہوں نے بڑھ کر چند اور راجپوتوں کو قتل کر ڈالا۔

یہ کیفیت دیکھ کر راجپوت ایک دم شور کرکے اٹھنے لگے ان کی پر شور آوازیں گونجنے لگیں اس شور سے وہ راجپوت بھی اٹھ بیٹھے جو ابھی تک پڑے سو رہے تھے۔

مسلمان نہایت پھرتی سے جھپٹ جھپٹ کر اٹھنے والوں کو قتل کرنے لگے راجپوتوں پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ بلا مقابلہ کئے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرکے انہیں وہاں سے دور بھگا دیا تھوڑی ہی دیر میں دونوں چٹانیں دشمنوں کے وجود سے پاک

ہو گئیں۔

جب کہ چٹانوں پر مسلمان راجپوتوں کو قتل کر رہے تھے اور ان کے شور سے پہاڑ گونج رہا تھا اس وقت بیں درہ میں جو راجپوت تھے وہ ہوشیار ہو ہو کر کان کھڑے کر کر کے آوازیں سن رہے تھے۔

عرفان اگرچہ نہایت آہستگی کے ساتھ درہ کو طے کر رہے تھے لیکن پھر بھی ان کے سپاہیوں کے جوتوں کی آواز اور میانوں اور تلواروں کے پتھروں سے ٹکرانے کا شور برابر ہو رہا تھا۔ درہ کے راجپوتوں نے ان آوازوں کو سنا انھیں تعجب ہوا کہ یہ آوازیں کیسی ہیں۔ اس بات کا انھیں خیال بھی نہیں ہوا کہ مسلمان پہلو پر آ گئے ہیں وہ بیخبر ہو کر آواز کی طرف کان لگائے ہوئے تھے۔

چونکہ درہ کے دونوں طرف سر بفلک چٹانیں تھیں اس لئے ابھی وہاں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ایسا خفیف اجالا تھا کہ پاس کی چیز نظر آتی تھی دور کی نہیں۔

عرفان نے چٹانوں کے اوپر کا شور سن کر یہ اندازہ کر لیا کہ مسلمانوں اور راجپوتوں کی ٹکر ہو گئی ہے جب تھوڑی دیر کے بعد خاموشی چھا گئی تو انہیں فکر ہوا کہ فتح مسلمانوں کی ہوئی یا راجپوتوں کو لیکن جب راجپوتوں کی آوازیں آتی بند ہو گئیں تب انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ کامیابی مسلمانوں کو ہوئی ہے۔

وہ یہ خیال کرتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے کہ سامنے مسلح راجپوت کھڑے نظر آئے۔ انہوں نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ۔۔ دشمن قریب آ گیا ہے نعرہ تکبیر لگا کر حملہ کر دو۔

تمام مسلمانوں نے مل کر اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔ اس نعرہ سے درہ گونج اٹھا۔ چٹانیں کانپنے لگیں۔ راجپوت تھرا کر ایک دوسرے کا

سمو دیکھنے لگے۔ مسلمانوں نے بڑھ کر نہایت سختی سے حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے حملے میں انہوں نے بہت سے راجپوتوں کو قتل کر ڈالا اور چند قدم اور آگے بڑھے لیکن اب راجپوت سنبھل گئے تھے انہوں نے بھی مسلمانوں پر حملہ بول دیا درّہ کچھ کشادہ نہیں تھا۔ فریقین وہاں زور آزمائی کرنے لگے۔ لڑائی شروع ہو گئی مسلمان راجپوتوں اور راجپوت مسلمانوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔

جب کہ درّہ میں جنگ ہو رہی تھی اس وقت میدان میں شاہی لشکر میں زور زور سے نقارے بجنے لگے مسلمان سمجھ گئے کہ میدان میں لشکر ہوشیار ہو کر مسلح ہو رہا ہے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ راجہ بکرما جیت شاہی لشکر کو لے کر عنقریب درّہ پر حملہ کریں گے۔

عرفان نے اور بھی شدت سے حملے شروع کر دیئے۔ ہر مسلمان خونخوار شیر بن گیا۔ راجپوت بھی سختی اور جانبازی سے حملے کرنے لگے خونریز جنگ ہو رہی تھی قتل و خونریزی کا بازار گرم ہو گیا تھا انسانی اعضا کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ زخمی چلا رہے تھے۔ پہاڑی شور مچا رہے تھے۔ درّہ مہیب آوازوں سے گونج رہا تھا۔

اس وقت پر شور اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی۔ یہ بکرما جیت نے حملہ کیا تھا۔ اب راجپوت دونوں کے بیچ میں آگئے تھے۔ مسلمانوں نے دونوں طرف سے پرزور حملے کر کے راجپوتوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ راجپوتوں کے لئے کوئی جائے مفر باقی نہ رہی۔ دو طرف سے دو چٹانوں نے گھیر لیا تھا اور دو طرف سے مسلمانوں نے حملہ کر رکھا تھا۔ تھوڑی دیر تو راجپوت بڑی بہادری سے لڑتے رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواریں انہیں زندہ نہ چھوڑیں گی تو انہوں نے ہتھیار ڈال کر اماں طلب کی عرفان

نے انہیں گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ بہت جلد تمام راجپوت گرفتار کر لئے گئے۔

ان قیدیوں کو اسلامی کیمپ میں بھیجدیا گیا۔ اب راجہ بکرماجیت اور عرفان کے لشکر مل گئے یہ دونوں لشکر نہایت شان کے ساتھ درہ کو طے کر کے پہاڑ پر چڑھ گئے۔

اس وقت آفتاب نکل آیا تھا۔ سنہری شعاعیں چٹانوں پر پھیل رہی تھیں اسلامی لشکر پہاڑ پر پھیل کر قلعہ کی طرف بڑھنے لگا۔ جہاں جہاں راجپوت تھے وہ بھاگ بھاگ کر قلعہ میں گھسنے لگے یہانتک کہ تمام راجپوت دروں اور چٹانوں کو خالی کر کے قلعہ میں چلے گئے۔ مسلمانوں نے ہر درہ اور چٹان کو دیکھ کر قلعہ کے قریب پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔

بیسواں باب (۲۰)

تمباکو کی ممانعت

شہنشاہ جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی حکم دے دیا تھا کہ احکام شریعت پر عملدرآمد کیا جائے گا چنانچہ شرعی احکام کا اجراء شروع ہو گیا تھا علماء کرام مجلس قانون ساز میں شہنشاہ کی طرف سے یعنی سرکاری طور پر ممبری کے لئے چن لئے گئے تھے۔ یہ علماء نہ تو ایسے تنگدل تھے کہ مذہبیت کا خیال ہی نہ رکھیں یعنی افراط تفریط سے بری تھے انہوں نے منشیات کی ممانعت کر دی تھی۔

کچھ عرصہ سے علماء میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ تمباکو منشیات میں شامل ہے یا نہیں اس بحث کی وجہ یہ تھی کہ کچھ عالم تو پان میں تمباکو

تے تھے۔ کچھ حقہ میں تمباکو پیتے تھے ...... پان کھانے والے کہتے تھے کہ
حقہ میں تمباکو پینا ٹھیک نہیں۔ حقہ پینے والے کہتے تھے کہ پان میں تمباکو کھانا
درست نہیں۔

اس بحث نے اتنا طول پکڑا کہ شہنشاہ جہانگیر کے حضور میں یہ معاملہ
پیش ہوا۔ دونوں طرف کے علماء نے بڑی پُر زور تقریریں کیں۔ دیر تک
مناظرہ اور مباحثہ ہوتا رہا کسی طرف کے عالم بھی ہار نہ مانتے تھے اگر ایک فریق
پان میں تمباکو کھانا جائز قرار دیتا تھا۔ تو دوسرا حقہ میں تمباکو پینا درست بتاتا
تھا۔

جہانگیر دیر تک بحث سنتے رہے۔ انہوں نے علماء سے مخاطب ہو کر کہا۔ ہم
صرف ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں۔

تمام علماء خاموش ہو گئے۔ ایک عالم نے کہا۔ ارشاد فرمائیے۔

جہانگیر۔ کیا سرورِ کونین شہنشاہ دارین رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم پان کھاتے تھے۔

عالم۔ جی نہیں۔ عرب میں پان نہیں ہوتا۔

جہانگیر۔ یہ ٹھیک ہے وہاں پان نہیں ہوتا۔ لیکن تمباکو تھا یا نہیں۔

عالم۔ بعض روایات سے ثابت ہے کہ تمباکو تھا۔

جہانگیر۔ مگر آپ نے تمباکو کبھی نہیں کھایا

عالم۔ جب پان نہیں کھایا

جہانگیر۔ نہ تمباکو پیا۔

عالم۔ نہ تمباکو پیا۔ انھیں تمباکو سے سخت نفرت تھی۔

جہانگیر۔ معاملہ صاف ہو گیا۔ تمباکو کھانا اور پینا دونوں درست نہیں۔

تمباکو زہریلی چیز ہے۔ تمام منشیات شراب، افیون، چرس، گانجا، بھنگ اور تاڑی وغیرہ میں تھوڑا بہت نشہ موجود ہے تمباکو میں بھی یہی چیز ہے تمباکو اہل فرنگ[1] اپنے فائدے کے لئے ہندوستان میں لائے تھے وہ اس سے ہندوستانیوں کے دل و دماغ کو کمزور کر کے انہیں ناکارہ بنانا چاہتے ہیں عوام کثرت سے تمباکو کھانے اور حقہ پینے لگے ہیں۔ لہٰذا ہم حکم صادر کرتے ہیں کہ تمباکو کسی طرح بھی استعمال نہ کیا جائے نہ کھایا جائے نہ حقہ میں پیا جائے جو اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا اسے سخت سزا دی جائے گی۔

(از سیر المتاخرین جلد اول صفحہ ۳۱۲)

جہانگیر کا یہ حکم قانون بن گیا۔ تمام قلمرو میں اس کی تشہیر کر دی گئی لوگوں نے حقے اٹھا کر رکھ دیئے اور پان کھانے چھوڑ دیئے۔

شروع میں تمباکو فرنگستان سے اہل فرنگ لاتے تھے اسے سگریٹ کی طرح کاغذ میں لپیٹ کر پیا جاتا تھا۔ حکمائے ہند نے اس کی آزمائش کی تو معلوم ہوا کہ اس کے پینے سے پیٹ کے بعض کیڑے مر جاتے ہیں۔ اپھارہ اور درد کو بھی فائدہ ہوتا ہے مگر ساتھ ہی انھیں یہ بھی تجربہ ہوا کہ سگریٹ کی طرح اس کا پینا سخت مضرت رساں ہے حلق کو اور سینہ اور پھیپھڑوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

چنانچہ انہوں نے اس کی مضرت دور کرنے کی یہ تدبیر کی کہ حقہ ایجاد کیا تمباکو کو شیرہ یا گڑ میں ملا کر اول اس کی تیزی کو دور کیا پھر فرشی میں

---

[1] اکثر تاریخوں سے یہ ثابت ہے اہل فرنگ ہندوستان میں تمباکو لائے تھے ہندوستان میں غالباً اکبر کے زمانہ میں آیا ہے۔ صادق صدیقی سردھنوی

پانی بھر کر یہ کوشش کی کہ رہی سہی تیزی پانی میں رہ جائے اور تمباکو دھواں بن کر حلق اور وہاں سے پیٹ میں جائے اس سے تمباکو کا زہریلا پن ایک حد تک دور ہوگیا۔

جب ہندوستان میں تمباکو کی مانگ زیادہ بڑھی تو ملک فرنگ سے تخم منگا کر ہندوستان میں کاشت کیا جانے لگا۔ جوں جوں لوگ اس کے کھانے اور پینے کے عادی ہونے لگے اس کی پیداوار میں ترقی ہونے لگی۔ تمباکو بڑے نفع کی چیز تھی۔ کاشتکاروں کو اس سے بڑا فائدہ ہونے لگا۔

شہنشاہ جہانگیر سے مجلس قانون ساز نے یہ سفارش کی کہ تمباکو پینے کی ممانعت نہ کی جائے بلکہ اس پر ٹیکس لگا دیا جائے اس سے حکومت کو آمدنی بھی ہونے لگے گی اور اس کا استعمال بھی کم ہو جائے گا لیکن شاہان مغلیہ بادشاہ تھے سوداگر نہیں تھے۔ جہانگیر نے جواب دیا کہ ــــ "جو چیز نقصان دینے والی ہے اسے نفع کا ذریعہ بنا کر رعایا کو کمزور نہیں کرنا چاہیئے۔"

چنانچہ اس حکم میں ترمیم نہیں ہوئی۔ تمباکو کھانے اور پینے کی ممانعت بھی رہی۔

انہیں ایام میں شہنشاہ جہانگیر کو معلوم ہوا کہ متھرا میں ایک درویش نہایت برگزیدہ ہیں وہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر اپنا تمام وقت عبادت و ریاضت میں گزارتے ہیں۔

جہانگیر کو درویشوں سے بڑی انسیت تھی وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش ہمیں کوئی ایسا باخدا مل جائے جو ہمیں بھی اپنے رنگ میں رنگ دے انہوں نے اس درویش کا ذکر نورجہاں سے کیا۔ نورجہاں بھی فقیروں کا احترام کرتی تھیں انہوں نے کہا۔ "متھرا یہ کتنی دور ان کی خدمت میں جا کر ان کی

زیارت کر آئیے۔

جہانگیر نے نورجہاں کے پھول سے زیادہ شاداب رخساروں کو دیکھ کر کہا۔
"اور ملکۂ عالم"

نورجہاں نے مسکرا کر کہا۔ "ہمارا جانا ٹھیک نہیں۔ دنیا خدا جانے کیا کیا کہنے لگے گی۔

جہانگیر۔ دنیا تو اب بھی وہی کہتی ہے جس کا تمھیں اندیشہ ہے۔

نورجہاں۔ کیا کہتی ہے۔

جہانگیر۔ کہتی ہے ملکۂ عالم ساحرہ ہیں۔ ہم پر سحر کر دیا ہے۔

نورجہاں۔ آپ بھی اس بات کو مانتے ہیں۔

جہانگیر۔ اب اگر سچ بات کہیں تو خفگی کا اندیشہ۔ غلط کہیں تو ضمیر نہیں مانتا۔

نورجہاں۔ گویا آپ بھی ہمیں ساحرہ سمجھتے ہیں۔

جہانگیر۔ خوبصورت ساحرہ۔

نورجہاں نے تیکھی چتونوں سے جہانگیر کو دیکھا۔ جہانگیر نے ہنس کر کہا۔

آنکھوں کے دکھانے سے ظالم ہمیں کیا حاصل
ہم یوں ہی تمہارے ہیں یہ جادوگری کیوں ہے

نورجہاں بھی مسکرانے لگیں۔ جہانگیر نے کہا۔ "ہاں تو چلو گی نہ تم ہمارے ساتھ"

نورجہاں۔ کیوں نہ چلیں گے۔ ضرور چلیں گے۔

جہانگیر۔ شکریہ۔

کچھ عام آدمیوں کا تو جانا تھا نہیں کہ ارادہ کیا اور چل پڑے شہنشاہ ہند اور ملکہ عالم کا جانا تھا احکام صادر ہوئے انتظامات ہونے لگے چند روز میں ہراول کے طور پر فوجیں روانہ ہوئیں۔ اور پھر شہنشاہ جہانگیر اور نورجہاں بڑی شان و عظمت سے روانہ ہوئے۔

متھرا دریائے جمنا کے کنارہ پر آباد تھا چونکہ وہاں شری کرشن جی رہے تھے اس لئے ہندوؤں کا خاص تیرتھ تھا۔ بیشمار مندر تھے۔ تمام مندر نہایت شاندار اور آباد تھے۔ ہر مندر میں سادھو اور پنڈت کثرت سے رہتے تھے ہندو دور دور سے یاترا کرنے آتے تھے متھرا کے ہندوؤں کو ان کے آنے سے اس قدر دولت مل جاتی تھی کہ وہ سال کے سال نہایت فارغ البالی سے گذر کرتے تھے۔

شہنشاہ جب متھرا میں پہنچے تو وہاں کے گورنر نے ان کا نہایت شاندار استقبال کیا ان کے لئے جمنا کے کنارے شہر سے باہر بارگاہ آراستہ کرائی تھی۔ اس کی آرائش میں ہزاروں روپے خرچ کر دیئے تھے۔ شہنشاہ نے اس میں جا کر قیام کیا۔

چونکہ جہانگیر اور نورجہاں کی محبت کی شہرت سارے ہندوستان میں ہو گئی اور اس لئے متھرا تک بھی پہنچ گئی تھی۔

متھرا میں بہت سی کافر ادا عورتیں موجود تھیں ان عورتوں کو تعجب تھا کہ نورجہاں کس قدر خوبصورت ہیں جو انھوں نے شہنشاہ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔

جب شہنشاہ متھرا میں پہنچے تو وہاں ہندوؤں کا کوئی میلہ تھا دور دور سے مرد اور عورتیں آئی ہوئی تھیں ان یاتریوں (زائروں) سے تمام متھرا کھچا کھچ

بھرا ہوا تھا۔ راجپوتانہ سے کئی راجکماریاں اور رانیاں بھی آئی تھیں انہیں اپنے حسن پہ ناز تھا۔ انھوں نے متھرا کے گورنر کی بیوی سے یہ استدعا کی کہ نورجہاں سے ملاقات کا انتظام کیا جائے۔

متھرا ایک ہندو راجہ کی جاگیر میں تھا جو سلطنت مغلیہ کی طرف سے گورنر تھا۔ اس راجہ کی رانی نے راجہ سے عورتوں کی درخواست بیان کی۔ راجہ نے وعدہ کرلیا کہ وہ موقع دیکھ شہنشاہ جہانگیر سے عرض کریں گے چنانچہ ایک روز انہوں نے ہندو خواتین کی درخواست پیش کی۔ شہنشاہ نے منظور کر لی حکم دے دیا کہ ملکہ عالم کی طرف سے ان عورتوں کی دعوت کی جاتی ہے وہ شوق سے آئیں۔

راجہ نے رانی سے کہا۔ رانی نے عورتوں کو اطلاع دی۔ سب خوش ہوگئیں۔ ایک دن مقرر کیا صبح ہوتے ہی تقریباً دو سو عورتیں خوب بن سج کر رتھوں میں سوار ہو کر شاہی کیمپ میں پہنچیں۔ نورجہاں کی طرف سے ان کا نہایت شاندار استقبال ہوا سب سے پہلی بات تو یہ کہ وہ لشکر کی شان و شوکت ہی دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

اس وقت شہنشاہ کے ساتھ مغل سپاہی زیادہ تھے انہوں نے اپنا فوجی لباس پہن کر آنے والی عورتوں کا استقبال کیا تھا وہ سب سفید لباس میں ملبوس تھے۔ پانچوں ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔

ان کے گھوڑے بڑے اور قوی تھے ان کے چہروں سے شجاعت و استقلال ظاہر تھے ان سواروں کو دیکھ کر ہی رانیاں دنگ رہ گئیں انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ سواروں میں زبردست نظام ہے وہ فوجی سپاہیوں کو دیکھتی ہوئی آگے بڑھیں۔

اکیسواں باب (۲۱)

بارگاہ

شہنشاہ ہند کی بارگاہ کا پورا نقشہ کھینچنا مصنف کی طاقت میں نہیں
اگر کوئی اہل قلم اس کی جرأت کرے تو اتنی ضخیم کتاب تیار ہو جائے کہ اس
ڑھنا ہی مشکل ہو اس کے علاوہ ایک دقت یہ بھی ہے کہ جن چیزوں سے
ر اس وقت بارگاہ تیار ہوئی تھی اب لوگ ان کے نام بھی بھول چکے ہیں
ب نام ہی یاد نہیں اور جانتے ہی نہیں کہ وہ تھیں کیا تو لکھیں کیا اور سمجھائیں
ــ مورخوں نے اس بے تکلفی سے ان چیزوں کے نام لکھے ہیں جیسے آج
دنیا انہیں جانتی ہے کاش انہیں معلوم ہوتا کہ جہاں سوائے چند عمارتوں
ی سلطنت مغلیہ کی تمام نشانیاں ختم ہو گئی ہیں وہاں ان چیزوں کا نام
ن بھی مٹ گیا ہے جو بارگاہ کی تیاری میں مہیا کی جاتی تھیں۔

دراصل بارگاہ تو ایک قسم کا نہایت شاندار خیمہ ہوتا تھا اس خیمہ کا
ی ۲۰۰ گز اور عرض بھی ۲۰۰ گز ہوتا تھا یعنی یہ خیمہ مربع تھا اس کے درمیان
ایک بڑا ہال ہوتا تھا اور ہال کے چاروں طرف چھ چھ کمرے ہوتے تھے
تنا وسیع ہوتا تھا کہ اس میں دس ہزار آدمی آ سکتے تھے اس کی چھت لوہے
یادروں کی ہوتی تھی اور چونکہ چھت ۲۰ گز اونچی ہوتی تھی اس لئے اس کی
ب اور چادریں پہیوں اور جر ثقیل کے ذریعہ سے چڑھائی جاتی تھیں۔
ف قناتوں کی چار دیواری ہوتی تھی لوہے کی چادروں کے نیچے زربفت اور
ب کے سائبان ہوتے تھے قناتوں پر زربفت اور مخمل کے پردے ڈالے جاتے

تھے۔ بدری قالینوں کا فرش ہوتا تھا۔ چاندی کے جھاڑ اور فانوس طریقہ میں استعمال کیئے جاتے تھے جن سے رات کا فوری بتیاں روشن کی جاتی تھیں اس قدر تیز روشنی ہوتی تھی کہ دن سا نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

اس بارگاہ کو ایک ہزار فراش ایک ہفتے میں سجایا کرتے تھے بارگاہ کے قریب ایک طرف چوبی محل تیار کیا جاتا تھا جو دومنزلہ ہوتا تھا اٹھارہ ستونوں پہ کھڑا کیا جاتا تھا اس کی ہر منزل چھ چھ گز اونچی ہوتی تھی اس کی سجاوٹ بھی نہایت عمدگی سے کی جاتی تھی اس کا نام دولتخانہ منزل اسی کو سفری جھروکہ بھی کہتے تھے اسکی کھڑکیوں میں بیٹھ کر بادشاہ درشن دیا کرتے تھے۔

درشن کی بدعت اکبر نے قائم کی تھی، شہنشاہ جہانگیر کے زمانہ میں بھی باقی تھی اور جہانگیر کے عہد ہی میں کیا شاہجہاں کے زمانے میں بھی باقی رہی۔ غازی اورنگزیب عالمگیر نے اس بدعت کو بند کیا تھا۔

جھروکہ کے متصل دولت خانہ خاص ہوتا تھا یہ تیس گز مربع زمین پر قائم کیا جاتا تھا اس کی بلندی بھی چھ گز ہوتی تھی بیشمار کمرے ہوتے تھے اس کی چھت بندی بھی لوہے کی چادروں سے کی جاتی تھی۔ ہر کمرہ نہایت اچھی طرح آراستہ کیا جاتا تھا اس کے چاروں طرف چار بڑے بڑے دروازے ہوتے تھے اور ہر طرف دروازہ کے دونوں سمتوں میں چھوٹے چھوٹے کمرے بنے رہتے تھے ان کمروں میں باڈی گارڈ یعنی جلو خاص کے سوار قیام کرتے تھے۔

دولت خانہ خاص سے ملحق حرم سرا ہوتی تھی۔ یہ ایک اچھا خاصہ محل ہوتا تھا جس میں لکڑی کے چوبیس کمرے ہوتے تھے ہر کمرہ کی لمبائی دس گز، چوڑائی چھ گز، اور اونچائی بھی چھ گز ہوتی تھی ان کمروں کی چھتیں بھی

لوہے کی چادروں سے ڈھکی جاتی تھیں۔

ان کمروں کی زینت قابل دید ہوتی تھی۔ رنگ برنگ کے زرنگار مخملوں سے ان کی سجاوٹ کی جاتی تھی۔ کمروں کے سامنے سو گز چوڑا صحن ہوتا تھا جسے مہتابی کہتے تھے اس صحن کے کچھ حصہ میں زردوزی زربفتی اور مخملی سائبان ایسی چوبوں پر ایستادہ ہوتے تھے جن پر بیلدار یا منقش چاندی کے خول چڑھے ہوئے تھے اس محل سرا میں بیگمات اور ملکہ مقیم ہوتی تھیں۔

حرم سرا کے ایک پہلو میں کچھ خیمے بھی خوب آراستہ کئے جاتے تھے۔ ان میں کنیزیں اور بیشتر خدمتیں اترتی تھیں۔ سفر میں کنیزوں کی تعداد دو سو ہوتی تھی۔

حرم سرا کے دوسرے پہلو میں سراپردہ رنگیمی کھڑا کیا جاتا تھا اس کے اندر بھی کئی خیمے اور راوٹیاں ہوتی تھیں خیموں کے سامنے سائبان ہوتے تھے اس میں اردو بیگنیاں اور دوسری عورتیں رہتی تھیں۔

حرم سرا سے پچاس گز کے فاصلہ پر پچاس گز مربع احاطہ لکڑی کے تختوں سے گھیر کر اس میں دس کمرے بڑے کشادہ بنائے جاتے تھے۔ ان کمروں کی چھت بندی بھی لوہے کی چادروں سے کی جاتی تھی۔ یہ شاہی مطبخ ہوتا تھا۔

بارگاہ اور حرم سرا کے دونوں طرف بازار ہوتے تھے بازار کی سڑکیں دس گز چوڑی ہوتی تھیں سڑک کے دونوں طرف عالیشان دکانیں ہوتی تھیں ہر دکان کی چھت بندی لوہے کی چادروں سے اس طرح کی جاتی تھی کہ ہوا اور بارش سے سامان تجارت کو نقصان نہ پہنچے۔ دکانیں ہر قسم کی مثلاً کپڑا۔ سونے چاندی کے زیورات، کھانے پینے کی اشیاء کھلونے وغیرہ کی ہوتی تھیں۔

اس زمانے میں جو نمائشیں یا میلے ہوتے ہیں وہ شاہی سفری بارگاہ کے بازار کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ نہ ان جیسی شان دار دکانیں ہوتی ہیں۔ نہ ان دوکانوں جیسا سامان ہوتا ہے نہ ان دوکانداروں جیسی بکری ہوتی ہے، نہ ان بازاروں جیسی رونق ہوتی ہے۔

یہ تمام چیزیں مل کر بارگاہ کہلاتی تھیں۔ اس بارگاہ کے چاروں طرف لشکر فرودگش ہوتا تھا لشکر کے خیمے کبھی گول دائرہ میں کبھی مربع کی صورت میں اور کبھی مستطیل حالت میں اس طرح نصب کئے جاتے تھے کہ کوئی لشکرگاہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا آمد و برآمد کے لیے صرف دو ایسے بڑے دروازے ہوتے تھے جن میں سے ہاتھی مع عماری کے بہ آسانی گذر سکیں۔ دونوں دروازے لکڑی کے ہوتے تھے ان میں نقارے رکھے رہتے تھے۔ یہ نقارے نوبت کہلاتے تھے دن نکلتے وقت، عین دوپہر کے وقت اور پھر دن چھپتے وقت یہ نوبت بجا کرتی تھی۔ نوبت کی آواز سے میلوں تک کا میدان اور آسمان تک کی فضا گونج اٹھتی تھی۔

ان دروازوں میں سے ایک مشرق کی طرف ہوتا تھا اور دوسرا مغرب کی طرف۔ دونوں طرف دروازوں کے متصل بڑے وسیع مستطیل خیمے ہوتے تھے جن کے دونوں طرف برجیاں ہوتی تھیں۔ یہ خیمے مسجدیں کہلاتے تھے لشکری لوگ ان میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ دونوں مسجدوں میں بادشاہ کی طرف سے امام ہوتے تھے۔

بارگاہ کے قریب بھی ایک مسجد لکڑی کے تختوں کی دو منزلہ ہوتی تھی مسجد میں اٹھارہ ستون ہوتے تھے۔ ہر منزل کی اونچائی چھ گز ہوتی تھی مسجد کو اندر اور باہر دونوں جانب سے خوب آراستہ کیا جاتا تھا اس کی آرائش

دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی تھی۔ اس مسجد میں شہنشاہ، امراء اور علماء اور خدام خاص نماز پڑھا کرتے تھے۔

عام مسلمانوں اور لشکریوں کی بھی کوئی ممانعت نہ تھی۔ اکثر سوداگر اسی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ ہر مسجد ہر نماز کے وقت نمازیوں سے لبریز ہو جاتی تھی۔

ہم نے مختلف تاریخوں سے منتخب کر کے بارگاہ کا مختصر حال لکھا ہے اگر ذرا بھی تفصیل میں پڑ جاتے تو کئی ابواب میں بھی ختم نہ ہوتا۔ بارگاہ کیا ہوتا تھا اچھا خاصا شہر آباد ہو جاتا تھا۔ اسی شہر یا سفری بارگاہ کی صفائی کے لیے پانچ سو مہتروں کی پلٹن ہوتی تھی۔ یہ مہتر یا خاکروب شہر سے باہر لشکر کے چاروں طرف ایسے خیموں میں رہتے تھے جن کے ایک ایک دروازہ ہوتا تھا۔

لشکر گاہ کے اندر دولت خانۂ خاص اور حرم سرا وغیرہ میں مناسب مقامات پر پائخانے ہوتے تھے جو صحت خانے کہلاتے تھے۔ لشکریوں اور سوداگروں وغیرہ کے لیے بھی جگہ جگہ صحت خانے ہوتے تھے۔ ان پائخانوں، اندر بازاروں، اندر سڑکوں کی ہر وقت صفائی ہوتی رہتی تھی۔ اگر کہیں ذرا بھی گندگی نظر آتی یا صفائی نہ ہونے کی شکایت ہو جاتی تو مہتمم صفائی پر عتاب نازل ہوتا۔ صفائی کی دیکھ بھال کیلئے کئی افسر مقرر تھے۔

سقوں کی پلٹن بھی ساتھ رہتی تھی۔ کبھی ایک ہزار سقے ہوتے تھے کبھی اس سے بھی زیادہ۔ ان میں سے سو سقے شاہی بارگاہ اور حرم سرا پر متعین ہوتے تھے۔ ان سقوں کا کام ہر وقت چھڑکاؤ کرنا اور اندر باہر پانی پہنچانا ہوتا تھا۔ حرم سرا کے اندر سقنیں پانی لے جاتی تھیں۔ بیگموں اور کنیزوں کی طرح یہ بھی پردے میں رہتی تھیں۔ ان کے پانی بھرنے کا طریقہ یہ تھا کہ حرم سرا

کے دروازے کے متصل دونوں طرف کئی خرگاہ قائم کئے جاتے تھے۔

ان کا ایک دروازہ باہر کی طرف ہوتا تھا اور ایک اندر کی طرف۔ سقے مشکیں اور شکیزے بھر بھر ان خرگاہوں میں رکھ آتے تھے وہاں سے جب ضرورت ہوتی سقنیں لے جاتی تھیں۔

یہ تو مختصر سفری بارگاہ کے حالات ہیں۔ جب شکار کے لئے یا اتفاقاً کہیں شہنشاہ تشریف لے جاتے تھے تو یہ مختصر بارگاہ ساتھ ہوتی لیکن اگر کسی مہم پر جانے یا ملک کے دورے کو نکلتے تو ضروری شکوہ سلطنت ساتھ ہونے کی وجہ سے بارگاہ کئی حصے بڑھ جاتی تھی۔

اس میں عجابی، زمین دوز، منڈل، گلال بار وغیرہ کا اور اضافہ ہو جاتا تھا۔ عجابی محض شامیانوں کو کہتے تھے۔ بڑے طول طویل ہوتے تھے منڈل بھی ایک قسم کے شامیانے ہی ہوتے تھے یہ پانچ شامیانے ہوتے تھے اور ان کے گرد چار شامیانے لٹکا دیئے جاتے تھے۔ اسے خلوتخانہ بھی کہتے تھے۔

ان سب چیزوں کی اس طرح آرائش کی جاتی تھی کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔

(۲۲) بائیسواں باب

شرف باریابی

چونکہ وہ چند خواتین جو نورجہاں کو دیکھنے کے لئے آئیں حرم سرا میں جا رہی تھیں اور حرم سرا کے راستہ میں بازار پڑتا تھا اس لئے جب وہ

بازار سے گذرنے لگیں تو شاندار دوکانوں، ان کی تزئین۔ ان کا ساز و سامان دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

ان خواتین میں کئی رانیاں تھیں۔ کئی معزز ہندو کی بہو بیٹیاں تھیں۔ جیسی حیثیت کی تھیں ان کی رتھیں بھی اسی حیثیت کی تھیں۔ ان میں شاندار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ کسی میں دو گھوڑے تھے کسی میں چار اور کسی میں آٹھ۔ ہر گھوڑے پر ایک آدمی سوار تھا۔ رتھوں کی قطار دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ چونکہ چھڑکاؤ کافی ہو رہا تھا اس لئے غبار نہ اڑتا تھا۔

جب یہ رتھیں حرم سرا کے دروازے پر پہنچیں تو وہاں کے سپاہیوں نے ان کا استقبال کیا دروازے کے سامنے برساتی کی طرح اوپر اور دروازہ کے سامنے سائبان تنے ہوئے تھے رتھیں اس کے اندر جاتی تھیں جب عورتیں اتر لیتی تھیں تو رتھیں آگے بڑھ جاتی تھیں ان عورتوں کے استقبال کے لئے امراء کی بیگمیں اور کنیزوں کی پلٹن موجود تھی۔

جب سب عورتیں محلسرا میں داخل ہو چکیں تو بیگموں کی رہبری میں آگے بڑھیں۔ انہوں نے قلماقنیوں کو ہتھیار لگائے جگہ جگہ پہرے پر کھڑے دیکھا۔ یوں یہ عورتیں قلماقنیاں ناک نقشہ کی اچھی تھیں لیکن ان کے چہروں سے سپاہیانہ جلال ظاہر تھا وہ چست لباس پہنے ہوئے۔ ہتھیار لگائے ہوئے ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے پہرہ پر کھڑی تھیں جب مہمان عورتیں ان قلماقنیوں میں سے کسی کے پاس سے ہو کر گذرتیں تو وہ ایسی خوش سلیقگی سے سلام کرتیں کہ ان کے جی خوش ہو جاتے۔

کچھ آگے بڑھ کر جب وہ سائبانوں کے نیچے پہنچیں تو ان کی زیبائش دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ کئی کمرے ان کے قیام کے لئے خالی کرا دیئے گئے تھے وہ

ان کمروں کی زینت دیکھ کر بھی متحیر ہوئیں۔

ان عورتوں نے یہ شاہانہ سامانِ شکوہ کہاں دیکھے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ فوراً نورجہاں کے حضور میں پہنچا دی جائے گی لیکن حرم سرا میں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ ان کی ملاقات کا وقت ہو چکا ہے۔ جب دوپہر کی نوبت بجے گی تب ملاقات ہو گی۔

چونکہ یہ سویرے آگئی تھیں ابھی دوپہر ہونے میں کافی دیر تھی اس لئے ان کا جی چاہا کہ وہ اردوئے معلیٰ اور تمام بارگاہ کی سیر کر لیں جب انہیں یہ بتایا گیا کہ اردوئے معلیٰ یعنی لشکر ہمراہ نہیں ہے تو انہوں نے بارگاہ کی سیر کی بھی خواہش کی چند بیگمیں ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئیں انہوں نے برقعے اوڑھے کنیزوں کو ساتھ لیا اور مہمان عورتوں کے ساتھ چل پڑیں۔

یہ ہندو خواتین بہترین لباس اور زیورات پہن کر آئی تھیں یوں بھی خوبرو تھیں۔ نہایت شکیل معلوم ہو رہی تھیں۔ ان کا لباس مختصر ہی تھا یعنی ایک لہنگا ایک شلوکا اور ایک دوپٹہ۔ لیکن یہ تینوں کپڑے ریشمین تھے اور ان میں سنہرا گوٹہ اور پچکہ لگا ہوا تھا۔ یہ لباس ان پر خوب زیب دے رہا تھا۔

ان مہمانوں نے ہر جگہ کی خوب سیر کی جب واپس آئیں تو مہتمم مطبخ نے کھانا تیار ہونے کی اطلاع کی۔ نورجہاں کے حکم سے ان خواتین کی مدارات کرنے کے لئے بہت سی ہندو عورتیں شہر سے بلالی گئی تھیں ان عورتوں نے نہایت سلیقہ سے کھانا کھلایا۔

جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہو بیٹھیں تو انہوں نے پان طلب کئے اس زمانہ میں بڑے گھروں کی ہندو عورتیں کثرت سے پان کھاتی تھیں گویا پان کھانا ہی تمول کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ مدارات کرنے والی بیگموں نے

نہیں بتایا کہ ملکہ نورجہاں پان نہیں کھاتی ہیں۔ نہ ان کے حضور میں کوئی کھا کر جاسکتا ہے۔ چونکہ اب نوبت بجنے والی ہے اس لئے تمہیں ان کی خدمت میں پیش ہونا ہے اس لئے اس وقت پان کھانا ملتوی رکھو۔ بلکہ ہونٹوں اور دانتوں کو ایسا صاف کرلو کہ پان کھانے کا گمان بھی نہ ہو۔

یہ سنتے ہی سب عورتوں نے دانت مانجنے شروع کر دیئے ان میں لڑکیاں بھی تھیں اور جوان عورتیں بھی۔ ابھی وہ دانت صاف کر کے فارغ ہوئی تھیں کہ نوبت بجنے لگی۔ پندرہ منٹ تک نوبت بجتی رہتی تھی۔۔ یہ عورتیں جلدی سے تیار ہوگئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں قلماقنیوں کا ایک دستہ انہیں لینے کے لئے آیا۔ یہ سب ان کے ساتھ ہولیں۔ ان کمروں کے سامنے پہنچ کر جو نورجہاں کے تحت میں تھے۔ قلماقنیں وہیں کھڑی ہو گئیں۔ وہاں ملکہ کی کنیزان خاص نے ان کا استقبال کیا۔

یہ تمام کنیزیں نہایت خوبرو تھیں لباس بھی فاخرہ پہنے ہوئے تھیں کمسن۔ نہایت مہذب اور بڑی شائستہ۔ انہوں نے بڑے سلیقہ سے ان کا استقبال کیا وہ انہیں اپنے ہمراہ لے کر سائبان کے نیچے پہنچیں اس سائبان کی آرائش دیکھ کر تمام عورتیں حیران رہ گئیں وہاں زینت بیگم چند خواصوں کے ساتھ موجود تھیں۔ اب زینت بیگم ملکہ نورجہاں کی مہلی بردار ہوگئی تھیں یہ اعزاز بھی بالکل ایسا ہی تھا جیسا شہنشاہ کی والدہ کی پرائیویٹ سکریٹری کا ہوتا تھا۔

زینت بیگم نے بھی مہمانوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ انہوں نے انہیں صوفوں پر بٹھایا اور کہا۔ میں چند لمحوں کی غیر حاضری کی معافی چاہتی ہوں۔ مجھے ملکہ عالم کے حضور میں آپ کی آمد کی اطلاع کرنی ہے۔

گورنر کی بیوی نے کہا۔ "شوق سے تشریف لے جائیے۔

زینت بیگم چلی گئی۔ ایک طرف کنیزوں کی قطار کھڑی تھی اور دوسری طرف خواصوں کا پرا تھا۔ ان کی پوشاکیں جھلمل جھلمل کر رہی تھیں جیسے چمک رہے تھے وہ سب نظریں جھکائے ادب سے کھڑی تھیں تھوڑی دیر میں زینت بیگم آئی اس نے کہا۔

"تشریف لے چلیے۔ آپ کو ملکہ عالم نے یاد فرمایا ہے۔ ایک بات عرض کر دوں۔ آپ میں سے جو ملکہ عالیہ سے ہمکلام ہونا چاہیں انہیں ادب و احترام کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیئے۔

تمام عورتیں کھڑی ہو گئیں۔ ابھی سے ان پر ملکہ عالم کا رعب طاری ہو گیا ان کے دل ان کے گداز سینوں میں دھڑکنے لگے۔ وہ سب نہایت خاموشی سے زینت بیگم کے ساتھ ہو گئیں۔

زینت بیگم نے سائبان کو طے کر کے دروازے میں قدم رکھا اور عورتوں سے کہا۔۔ "آپ ایک ایک اندر جائیں گی اور یہ کس کی بیٹی یا بہو ہیں مجھے بتاتی جائیں ملکہ کو بتاتی جاؤں گی ۔۔۔ اب تم ملکہ کے بالکل قریب ہو ۔۔۔"

یہ کہتے ہی زینت بیگم نے دروازہ پر پڑا ہوا ریشمیں پردہ اٹھایا خود ایک قدم آگے بڑھ کر کھڑی ہوئی یہ کمرہ نہایت کشادہ تھا اس میں کمخواب کے ہلکے گلابی رنگ کے چاروں طرف پردے پڑے تھے ۔۔۔ اسی ہلکے گلابی رنگ ہی کی زربفت کی چھت گیری تھی۔ کمرہ کے آخری کنارہ پر تخت بچھا ہوا تھا۔ جس پر سونے سے ملمع کاری ہو رہی تھی۔ اس پر مخمل کی نہایت نرم مسندیں پڑی تھیں

تخت کے بیچ میں نورجہاں بیٹھی ہوئی تھیں وہ نہایت چست مگر فاخرہ لباس پہنے ہوئے تھیں۔ کمر میں پیٹی کسے تھیں۔ پیٹی مطلا تھی۔ دوپٹہ گلابی تھا جس پر ہیرے کی کنی کے پھول کڑھے ہوئے تھے۔ حاشیوں پر ایک بالشت سنہری بیل ٹکی ہوئی تھی سر پر دوپٹہ کے اوپر خوبصورت تاج تھا سر کے گھونگر والے بال سینے پر پڑے سپولیوں کی طرح لوٹ رہے تھے۔ دونوں کانوں میں دو گوشوارے تھے جن میں الماس جڑے ہوئے تھے سچے موتیوں کی کئی لڑیاں گلے میں پڑی تھیں۔

نورجہاں نہایت شان تمکنت سے بیٹھی تھیں۔ تخت کے پیچھے چار خواصیں عمدہ لباس پہنے چنور ہاتھوں میں لئے آہستہ آہستہ جھل رہی تھیں۔ تمام کمرہ میں سرخ رنگ کے قالینوں کا فرش ہو رہا تھا جس پر تخت کے سامنے سے دروازہ تک سبز مخمل کی پٹی بچھی ہوئی تھی ادھر ادھر دونوں طرف آرام کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر ریشم کے نرم گدے تھے۔ ہر کرسی کے سامنے آبنوس کی میز تھی اور ہر میز پر خوبصورت میز پوش پڑا تھا جس پر ایک ایک پھولوں کا گلدستہ رکھا ہوا تھا خود نورجہاں کے پاس کئی خوشنما گلدستے رکھے تھے۔ ہر کرسی کے پیچھے ایک ایک کنیز ریشمی لباس پہنے کھڑی تھی۔

سب سے پہلے راجہ جگت سنگھ گورنر متھرا کی رانی زینت بیگم کو اپنے تعلق بتا کر اندر داخل ہوئی۔ زینت بیگم نے بلند آواز سے کہا۔ "راجہ جگت سنگھ متھرا کے گورنر کی رانی مجرا عرض کرتی ہیں۔"

رانی نے اول دروازے کے قریب ہی جھک کر فرشی سلام کیا پھر دو قدم آگے بڑھ کر کورنش کی۔ غرض ہر دو قدم پر سلام کرتی ہوئی تخت سے پانچ گز فاصلے پر جا کر رکیں۔ ملکہ نے سریلی آواز سے کہا۔ "مجرا قبول ہوا۔"

رانی ایک طرف ہٹ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئیں۔ ان کے بعد اسی طرح ایک ایک عورت اور پھر ایک ایک لڑکی آتی اور مجرا کر کے کرسی پر بیٹھتی رہی۔ جب سب آ گئیں تو زینت بیگم آگے بڑھ کر تخت کے برابر آ کھڑی ہوئیں۔

عورتوں نے دیکھا۔ نورجہاں اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں جیسی انہوں نے تعریف سنی تھی۔ چہرہ چاند سے زیادہ روشن، رخسارے گلاب کے تازہ پھولوں سے زیادہ شاداب اور آنکھیں ستاروں کی طرح منور تھیں۔

انہوں نے سنا تھا کہ نورجہاں جوانی سے ڈھل چکی ہیں لیکن اب جو دیکھا تو ان کی عمر پچیس سال سے زیادہ معلوم نہ ہوتی تھی۔ شباب کا عالم معلوم ہوتا تھا۔ ان کے جسم میں چستی تھی۔

رانی نے کھڑے ہو کر عرض کی۔ ہم سب کنیزیں ملکۂ عالم کی مشکور ہیں کہ ہمیں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔

نورجہاں نے مسکرا کر کہا۔ "ہم تمہارے مشکور ہیں کہ تم نے یہاں تک آنے کی تکلیف گوارا کی۔"

کچھ دیر اور باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد نورجہاں کے اشارے سے زنانہ خلعت لائے گئے اور ہر لڑکی اور ہر عورت کو دیئے گئے۔ سب نے نورجہاں کا شکریہ ادا کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملکہ اٹھ کر چلی گئیں۔ مہمان عورتیں وہاں سے چلی آئیں۔ راستہ بھر وہ نورجہاں کے حسن اور حسن اخلاق کا تذکرہ کرتی رہیں۔ اس وقت انہوں نے اپنی سواریاں طلب کیں اور وہاں سے شہر کی جانب روانہ ہوئیں۔

ایک مصر کی عورتیں تھیں کہ انہوں نے حضرت زلیخا پر حضرت یوسف کی محبت کا الزام لگایا۔ زلیخا مصر کی ملکہ تھیں اور یوسف غلاموں کی طرح

خریدے گئے تھے۔ مصر کی عورتوں نے یہ طعنہ دیا تھا کہ زلیخا ملکہ ہو کر غلام سے محبت کرتی ہے۔ زلیخا نے ان عورتوں کو مدعو کر کے ان کے ہاتھوں میں لیموں اور چھریاں دے کر کہا۔ "جب میں اشارہ کروں تب لیموں کاٹنا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت یوسف کو عورتوں کے مجمع میں بلایا۔ انہیں دیکھ کر مدہوش ہو گئیں۔ زلیخا نے انہیں لیمو کاٹنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے محویت کی وجہ سے اپنی انگلیاں تراش لیں۔ حیرت ہے کہ انہیں زخم کا بھی احساس نہیں ہوا۔ جب حضرت یوسف وہاں سے ہٹا دیے گئے تب وہ ہوش میں آئیں۔ اس وقت انہیں تکلیف معلوم ہوئی انہوں نے کہا —— حاشا یہ بشر نہیں ہے"

ایک ستھرا کی عورتیں تھیں انہوں نے نورجہاں کو دیکھنے کی خواہش کی جب انھیں دیکھا تو ان کا حسن دیکھ کر حیران رہ گئیں انھوں نے بھی یہی کہا یہ انسان نہیں۔ بسرا زپری ہیں"

تیئسواں باب (۲۳)

باخدا درویش

شہنشاہ جہانگیر کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ ستھرا کی عورتیں نورجہاں کی خوبصورتی کی شہرت سن کر دیکھنے آئی ہیں جب معلوم ہوا کہ وہ چلی گئی ہیں تو جہانگیر نورجہاں کے پاس آئے اس وقت نورجہاں شاہانہ لباس اتار چکی تھیں اور سادہ لباس پہن رہی تھیں کئی بیش خدمتیں اور کنیزیں لباس پہنانے میں مدد دے رہی تھیں۔

جہانگیر چوروں کی طرح نہایت خاموشی کے ساتھ آئے تھے چونکہ فرش

پر قالین بچھے تھے اس لئے ان کے قدموں کی چاپ نہیں ہوئی - نورجہاں اور کنیزوں میں سے کسی کو بھی ان کے آنے کا علم نہ ہوا۔

جب نورجہاں لباس تبدیل کر چکیں تب ان کی نظر سامنے اٹھ گئی شہنشاہ کو کھڑے دیکھ کر جلدی سے تعظیم کے لئے اٹھیں۔ کھڑے ہوتے وقت سر سے دوپٹہ ڈھلک کر مسہری پر گر پڑا لیکن نورجہاں کو خیال بھی نہیں ہوا - وہ جہانگیر کے استقبال کو بڑھیں۔

کنیزوں کو حیرت ہوئی کہ خلاف معمول نورجہاں جلدی سے کیوں اٹھیں اب جو انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو جہانگیر کو سامنے کھڑے پایا وہ دم بخود ہو گئیں - پھر ایک دم وہاں سے کھسک کر بھاگ گئیں - اب اس کمرے میں نورجہاں اور جہانگیر ہی رہ گئے۔

نورجہاں نے مسکرا کر کہا --- "چور"

جہانگیر نے ہنس کر کہا "ہم یا تم"

نورجہاں -- "آپ"

جہانگیر - غلط - تم نہ معلوم ہماری کتنی عورتوں کا آج دل چرا لیا ہو گا -

نورجہاں - یہ آپ چوروں کی طرح آئے کیوں ؟

جہانگیر - یہ دیکھنے کہ تم نے کیا کیا چرایا ہے -

نورجہاں نے تمسخر کے ساتھ کہا - "ہم چور ہیں نہیں آپ کا بھی کچھ نہ چرا لیں"

جہانگیر - ہمارے پاس تم نے چھوڑا ہی کیا ہے - سب کچھ چرا لیا ہے -

نورجہاں - بھلا آپ سے باتوں میں کون جیت سکتا ہے آئیے تشریف لائیے

نورجہاں جہانگیر کا ہاتھ پکڑ کر مسہری پر لے گئی دونوں بیٹھ گئے - جہانگیر نے نورجہاں کا دوپٹہ اڑھاتے ہوئے کہا - "اس قدر مدہوشی کہ یہ بھی خبر نہیں رہا کہ

سر پر دوپٹہ ہے یا نہیں "

نورجہاں۔ اوہ...... آپ کا شکریہ۔ آپ کو دیکھ کر کچھ بھی خیال نہیں رہا۔

جہانگیر۔ اگر چور تو ایسے بے خبر نہیں ہوتے۔

نورجہاں۔ ہم چور ہیں بھی تو نہیں۔

جہانگیر۔ ٹھیک ہے ؎

سامنے بیٹھ کے دل کو جو چرائے کوئی
ایسی چوری کا پتہ خاک لگائے کوئی

کہو عورتوں نے تمہیں کتنا پسند کیا۔

نورجہاں۔ ہمیں کیا معلوم ان عورتوں سے ہی پوچھیئے۔

جہانگیر۔ یہ بھولا پن ہی غضب کا ہے۔

نورجہاں۔ کہیئے شاہ صاحب سے ملے۔

جہانگیر۔ ابھی کہاں ملنا نصیب ہوا ہے۔ سنا ہے شاہ صاحب بہت برگزیدہ لوگوں میں سے ہے۔ جمنا کے کنارے ایک مسجد اور کچھ عمارتیں تعمیر کرائی ہیں۔ اگرچہ معتقدین کثرت سے آتے رہتے ہیں اور مرید ہونا بھی چاہتے ہیں لیکن وہ بہت کم لوگوں کو مرید کرتے ہیں۔ جن لوگوں میں صلاحیت ہوتی ہے ان سے ہی بیعت لیتے ہیں ورنہ نہیں۔

نورجہاں۔ ان سے کب ملنے کا ارادہ ہے۔

جہانگیر۔ ہمارا وکیل ملاقات کا وقت مقرر کرنے گیا ہے اول تو وہ راضی ہی نہ ہوئے کہنے لگے میں ایک عاجز فقیر ہوں وہ شہنشاہ ہیں لیکن جب وکیل نے ان سے کہا کہ شہنشاہ محض آپ کی ملاقات کے لئے متھرا آئے

ہیں - تب رضامند ہوئے - آج مغرب کا وقت ملاقات کا مقرر ہوا ہے -

نورجہاں - تب وہ خدا رسیدہ معلوم ہوتے ہیں - ہم بھی ملاقات کو چلیں -

جہانگیر - ہمارے وکیل نے ملکۂ عالم کی ملاقات کے لئے بھی کہا تھا مگر انہوں نے انکار کر دیا - کہنے لگے - فقیروں کے پاس عورتوں کا کیا کام - معلوم ہوا ہے کہ وہ نہ عورتوں کو مرید کرتے ہیں - نہ اپنے پاس آنے دیتے ہیں - کہتے تھے کہ یہ عورتیں ہوتی بھی ہیں چور - انہیں تو الگ ہی رکھنا چاہیئے -

نورجہاں - خیر عورتیں چور تو نہیں ہوتیں لیکن مردوں کی چوری ضرور پکڑ لیتی ہیں اسی لئے مرد ان سے خائف رہتے ہیں -

جہانگیر نے ہنس کر کہا - "کیوں نہ ہو آخر عورت ہو نہ عورتوں کی طرفداری کرنا ہی چاہیئے -

نورجہاں - آپ بھی تو مرد ہیں - مردوں کی طرفداری کرتے ہیں -

جہانگیر - چلو تم ہی جیتیں - چھوڑو اس قصے کو -

دونوں کچھ دیر اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر جہانگیر اٹھ کر چلے گئے اسی روز شام کے وقت شہنشاہ جہانگیر اپنے چند مخصوص جاں نثاروں کو ساتھ لے کر درویش سے ملاقات کرنے چلے بارگاہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر وہ مسجد اور خانقاہ تھی جس میں درویش رہتے تھے جہانگیر نے خانقاہ میں پہنچ کر دیکھا کہ بہت سے لوگ موجود ہیں - درویش کسی کمرے میں تھے انہوں نے خیال کر لیا تھا کہ اگر درویش خالی ہیں تو ان کے استقبال کو ضرور آئیں گے اور اگر تارک الدنیا ہیں تو نہیں آنے کے -

درویش ان کے استقبال کو نہیں آئے شہنشاہ کو ان سے عقیدت

ہوگیا۔ وہ خود اس حجرہ میں گئے جس میں درویش تھے۔ انہیں دیکھ کر درویش کھڑے ہوگئے۔ شہنشاہ نے انہیں جھک کر سلام کیا۔ درویش نے کہا۔

"سلام مسنون کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ ایسے کہیئے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ"

جہانگیر نے اسی طرح سلام کیا۔ درویش نے سلام کا جواب دیا درویش کے چہرے سے جلال ظاہر تھا۔ آنکھیں کسی قدر سرخ تھیں داڑھی لمبی اور سفید تھی۔ ستر سال کے قریب عمر معلوم ہوتی تھی لیکن ان کے قویٰ مضبوط تھے انہوں نے کہا۔ آپ شہنشاہ ہیں آپ کو فقیروں کی آزمائش نہیں کرنی چاہیئے

جہانگیر۔ ہم سے غلطی ہوئی۔

درویش۔ آپ عادل ہیں۔ عادل بادشاہوں کو خدا مشکلات میں مبتلا نہیں کیا کرتا انشاءاللہ آپ کبھی کسی مشکل میں مبتلا نہ ہوں گے۔ آرام اور اطمینان سے رہیں گے۔

جہانگیر۔ ہماری یہی تمنا تھی۔ ہم اسی دعا کے لیئے آپ کی خدمت میں آئے تھے آرام و اطمینان یہی دو چیزیں ہمیں چاہیئیں۔

درویش۔ ملکۂ عالم سے کہدینا کہ تمہاری عقیدت کا تحفہ بھی ہمیں پہنچ گیا وہ صاحب نصیب اور صاحب اقبال ہیں لیکن نصیبہ ہمیشہ یاور نہیں رہا کرتا۔ بندوں کی آزمائش ہوا کرتی ہے۔

جہانگیر۔ کیا پھر وہ پریشانی میں مبتلا ہوں گی۔

درویش۔ یہ دنیا ہے۔ جب تک آسمان کی گردش اور سیاروں کی تاثیر باقی ہے اس وقت انقلابات ہوتے ہی رہیں گے۔

جہانگیر۔ کیا ہمارے سامنے ایسا ہوگا۔

درویش - یہ سر خداوندی ہے - ظاہر نہیں کئے جا سکتے - نماز کا وقت ہو گیا ہے چلیے نماز پڑھیں -

جہانگیر چاہتے تھے کہ ملکہ نورجہاں کے متعلق درویش نے جو باتیں کہی ہیں ان کی تفصیل دریافت کریں لیکن یہ دیکھ کر کہ درویش وضاحت کرنا نہیں چاہتے خاموش ہو گئے اور فقیر کے ساتھ مسجد میں آئے - مسجد نمازیوں سے بھر گئی تھی مسجد کے نیچے ہی جمنا بہہ رہی تھی - شام کے دھندلکے میں جمنا کا پانی اور اس کے کنارہ کا منظر نہایت ہی بھلا معلوم ہو رہا تھا -

تھوڑی ہی دیر میں مغرب کی اذان ہوئی - جماعت کھڑی ہوئی درویش نے خود نماز پڑھائی - جہانگیر درویش کے عین پیچھے کھڑے تھے - درویش خوش الحان تھے ان کی قرأت نہایت پیاری معلوم ہوتی تھی جہانگیر کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ ان کے آنسو نکل آئے -

جب نماز پڑھی جا چکی تو درویش نے جہانگیر سے کہا -

ہمیشہ اس بات کو یاد رکھو کہ احکم الحاکمین اور سلطان السلاطین باری تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے دنیا کو پیدا کیا ہے - امیر غریب مفلس تونگر وزیر اور بادشاہ سب اسی کے بندے ہیں - انسان کو غرور نہیں کرنا چاہیئے اور خدا کو نہیں بھول جانا چاہیئے دولت ثروت اور حکومت اس کے انعامات ہیں ان کے عطا کرنے پر خدا کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے -

جہانگیر سنتے رہے اس عرصہ میں نمازی چلے گئے صرف چار پانچ مخلص مرید ہی باقی رہ گئے جہانگیر نے درویش کی خدمت میں اشرفیاں پیش کرنی چاہیں درویش نے مسکرا کر کہا - "ظل اللہ فقیر کو اشرفیوں کی کیا حاجت"

درویش کھڑے ہو گئے ان کے مرید بھی کھڑے ہوئے جہانگیر نے بھی کھڑا ہونا چاہا۔ درویش نے انہیں روک دیا پیر اور مریدوں نے ہاتھ اٹھا کر آہستہ آہستہ کچھ دعا مانگی۔ خدا کی شان مسجد کی چھت میں سے سونے کی اشرفیاں برسنے لگیں۔ مریدوں نے انہیں جمع کر کے شمار کیا تو سات سو اشرفیاں تھیں ان میں سے آدھی اشرفیاں درویش نے جہانگیر کو دے کر کہا۔ "یہ اشرفیاں خزانہ میں رکھ دینا انشاء اللہ خزانہ میں کبھی کمی نہ آئے گی۔"

جہانگیر نے اشرفیاں لے لیں اور درویش سے رخصت ہو کر بارگاہ کی طرف چلے راستہ میں خیال ہوا کہ چلتے وقت درویش سے مصافحہ نہیں کیا یہ خیال کر کے وہ واپس لوٹے ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ درویش کے ایک خادم نے آ کر شہنشاہ کو سلام کر کے کہا "درویش نے عرض کیا ہے کہ آپ واپس آنے کی تکلیف نہ کریں آپ کا دست بوس فقیر کو پہنچ گیا۔"

جہانگیر کو بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے مصافحہ نہ کرنے کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا اس سے انہیں درویش سے اور بھی عقیدت ہو گئی۔[1]

چوبیسواں باب (۲۴)

زبردست یورش

اسلامی لشکر نے کانگڑہ کا اس سختی اور ہوشیاری سے مقابلہ کیا تھا کہ

---

[1] از سیر المتاخرین جلد اول صفحہ ۲۱۲

انسان تو انسان پرندہ بھی اڑ کر قلعہ کے اندر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ رسد بالکل بند کر دی گئی۔ پانی جن چشموں سے قلعہ کے اندر پہنچتا تھا وہ چٹانوں کے نیچے ہی نیچے آ کر قلعہ میں نمودار ہوتے تھے اور قلعہ کے اندر کے دونوں تالاب کے پاس سے گزرتے تھے اور دوسری طرف سے باہر نکل جاتے تھے چونکہ ان چشموں کا پتہ اسلامی لشکر کو نہ چلا اس لئے وہ پانی نہ روک سکے اگر ان چشموں کا پتہ چل جاتا تو چند ہی روز کے محاصرہ میں راجہ تلوک چند عاجز آ کر قلعہ کی کنجیاں شہزادہ خرم کے حوالے کر دیتے۔

چونکہ قلعہ کے اندر کافی رسد تھی۔ پھر سبزی ترکاری اور تھوڑا بہت اناج ہر سال پیدا بھی ہوتا تھا اس لئے بھی اہل قلعہ کو بیفکری تھی قلعہ کی طرف سے انہیں یہ اطمینان تھا ہی کہ اسے سرنگیں لگا کر اڑا دینا کمندیں لگا کر اس پر چڑھ جانا ناممکن ہے اس لئے بھی انہیں قلعہ کے فتح ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

راجہ تلوک چند نے اپنے قلعہ کی فصیل پر اپنے سپاہی کثرت سے پھیلا دیئے تھے۔ برجوں کے اندر اور دروازوں کے اوپر بھی بہت سے سورما راجپوت مامور کر دیئے گئے۔ تمام فصیل پر اور برجوں میں تیروں برچھوں اور سنگریزوں کے انبار لگا دیئے تھے جب مسلمان حملہ آور ہوتے تھے تو فصیل کے اوپر سے راجپوت تیروں برچھوں اور سنگریزوں کی اس شدت سے بارش کرتے کہ مسلمانوں کو آگے بڑھنا دشوار ہو جاتا۔

شاہزادہ خرم اور بکرماجیت کا یہ خیال تھا کہ قلعہ کے اندر بہت زیادہ لوگ پہنچ گئے ہیں جو رسد قلعہ کے اندر ہے وہ اتنے آدمیوں کو کافی

نہ ہوگی۔ اس لئے بھوک سے عاجز آکر راجہ قلعہ ان کے حوالہ کردے گا۔

مگر جب محاصرے نے طول کھینچا تو شاہزادہ کو یہ خیال ہوا کہ کوئی خفیہ راستہ ایسا ہے جس کے ذریعہ سے قلعہ والوں کو رسد پہنچ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ اطاعت قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے راستہ کی جستجو شروع کی تمام درے چٹانیں اور گھاٹیاں چھان ڈالیں لیکن کسی طرف کوئی راستہ نہ ملا۔

جب کہ شاہزادہ خرم (شاہجہان) راستے کی تلاش میں تھے ایک دن قلعے کے دروازے کی چھوٹی کھڑکی کھلی اس میں سے ایک سپاہی نکل کر اسلامی لشکر کی طرف بڑھا۔

کانگڑاہ کے قلعہ کے صرف دو دروازے تھے ایک شمال کی طرف اور دوسرا جنوب کی جانب۔ دونوں دروازے بہت بلند اور مضبوط اور شاندار تھے ان پر جو کواڑ چڑھے ہوئے تھے وہ چھ انچ موٹی لکڑی کے تھے اور لکڑی کے تختوں پر موٹی فولادی چادریں چڑھی ہوئی تھیں اور اوپر سے نیچے تک نوکیلی میخیں جڑی ہوئی تھیں۔ اس سے کیواڑ ایسے مضبوط ہو گئے تھے کہ انہیں کلہاڑیوں یا دوسرے اوزاروں سے توڑ ڈالنا آسان نہ تھا اور چونکہ اس میں گل میخیں لگی ہوئی تھیں اس لئے ہاتھیوں کا ٹکریں مار کر توڑ ڈالنا بھی دشوار تھا

راجپوت سپاہی شاہی لشکر کے قریب آکر رکا اس نے کہا میں قاصد ہوں شاہزادے کے حضور میں باریاب ہونا چاہتا ہوں۔

ایک افسر نے اسے لشکر میں داخل ہونے کا اشارہ کیا راجپوت بڑھ کر لشکر میں داخل ہوگیا ایک افسر چند سپاہیوں کی معیت میں اسے ساتھ لے کر شاہزادے کی بارگاہ کی طرف بڑھا۔ راجپوت نے دیکھا کہ شاہی لشکر کچھ ایسے طریقہ میں خیمہ زن ہے کہ قلعہ سے کم محفوظ نہیں ہے۔

شاہزادے کی بارگاہ بھی شاہی بارگاہ کی طرح پرشکوہ اور شاندار تھی شاہزادے کو قاصد کی اطلاع کی گئی۔ شاہزادے نے اسے طلب کر لیا افسر قاصد کو ساتھ لے کر بارگاہ معلی میں پہنچا۔ قاصد نے نہایت ادب سے شاہزادے کو سلام کیا اس وقت شاہزادے کے پاس ان کے لشکر کے تمام سرداران موجود تھے کوئی مشورہ ہو رہا تھا۔ شاہزادہ نے پوچھا۔ "تم کس لئے آئے ہو۔"

قاصد نے جواب دیا۔ صاحب عالم! میں راجہ کا پیغام لے کر حاضر ہوا ہوں۔

شاہزادہ۔ عرض کرو۔

قاصد۔ راجہ نے کہا ہے کہ اگر آپ دس سال بھی محاصرہ کئے رہیں گے تب بھی یہ قلعہ فتح نہ ہوگا۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے بادشاہوں نے اس کا محاصرہ کیا مگر ناکام واپس گئے۔ آپ کو بھی ایک روز بادل ناخواستہ واپس جانا ہوگا۔ اگر آپ اب محاصرہ اٹھا کر واپس تشریف لے جائیں تو وہ مسلم قیدی جن کی وجہ سے آپ نے یہاں تک آنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے رہا کر دیئے جائیں گے۔

جب آپ محاصرہ اٹھا کر میدان میں پہنچ جائیں گے تب قیدی آپ کے حوالہ کر دیئے جائیں گے۔

شاہزادے نہایت اطمینان اور صبر و سکون سے قاصد کا پیغام سنتے رہے جب وہ خاموش ہوا تو شاہزادے نے کہا۔

راجہ تلوک چند سے کہہ دینا کہ جب ان کی چیرہ دستیاں اور مظالم حد سے گذر گئے ہیں تب یورش کی گئی ہے۔ اس مرتبہ اس

لیے یورش نہیں کی گئی ہے کہ بغیر قلعہ فتح کیے ہوئے واپس جایا جائے اور جب ہم قلعہ فتح کرلیں گے تو قیدی خود بخود رہا ہو جائیں گے۔

قاصد۔ جان کی امان ہو تو آخری پیغام بھی عرض کر دوں۔

شاہزادہ۔ تم قاصد ہو۔ تمہیں کوئی اذیت نہ دی جائے گی۔ جان کی امان ہے۔ بیخوفی سے پیغام عرض کرو۔

قاصد۔ راجہ نے کہا ہے کہ اگر آپ نے صلح کا یہ پیغام رد کر دیا اور محاصرہ نہ اٹھا لیا تو تمام مسلمان قیدیوں کو قتل کر کے ان کے سروں کو قلعہ سے نیچے پھینک دیا جائے گا۔

یہ سن کر شاہزادۂ خرم کو جوش اور غصہ آگیا۔ انہوں نے کہا۔

"تم راجہ سے کہہ دینا کہ اگر اس نے یہ حماقت کی کہ مسلم قیدیوں کو قتل کیا تو قلعہ فتح کر کے اہل قلعہ میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ خصوصاً راجہ کے زن و فرزند کو خود اس کے ہاتھ سے قتل کرایا جائے گا اور اگر اس نے مسلم قیدیوں کو زندہ رکھا تو وہ اس کے اہل و عیال اور اس کی رعایا سب زندہ رکھے جائیں گے۔"

قاصد نے سلام کیا اور وہاں سے واپس لوٹ گیا۔ شاہزادہ کو احتمال ہوا کہ کہیں راجہ غصہ سے اندھا ہو کر قیدیوں کو قتل نہ کر ڈالے اس لئے انہوں نے فوراً اپنے لشکر کو مسلح ہو کر دھاوے کے لئے نکلنے کا حکم دیا راجہ بکرماجیت کے پاس بھی پیغام بھیجدیا کہ وہ بھی اسی وقت اپنی طرف سے حملہ کریں۔

راجہ بکرماجیت قلعہ کے دوسرے دروازے کی طرف تھے وہ بھی تیار ہو گئے۔ ایک طرف سے انہوں نے اور دوسری طرف سے شاہزادہ نے

یورش کر دی شاہی لشکر آہستہ آہستہ قلعہ کی طرف بڑھنے لگا۔

راجپوتوں نے فصیل کے اوپر سے مسلمانوں کی پیش قدمی کو دیکھا۔ انہوں نے خطرہ کا اعلان کرنے کے لئے اگنی بان چلائے راجہ جلدی سے قلعہ پر آ گئے انہیں دیکھتے ہی افسروں نے تندہی سے دوڑ دھوپ شروع کی۔ راجپوتوں نے نقارے بجائے اور گلے پھاڑ پھاڑ کر چلانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی جب مسلمان ادھر آئے تو انہوں نے فلاخنوں کے ذریعہ سے پتھروں کی بارش شروع کی وہ بھاری اور نوکیلے پتھر ریشم کی ڈوروں میں رکھ کر پوری طاقت سے گھما کر ایک طرف کی ڈور کھینچ لیتے تھے۔ پتھر زناٹے کے ساتھ جا کر پڑتا تھا۔

مسلمانوں نے ان پتھروں سے بچنے کے لئے گھوڑوں کی گردنوں سے آگے اپنی چوڑی ڈھالیں نکال لی تھیں۔ پتھر ڈھالوں سے اس زور سے آ کر ٹکراتے تھے کہ بعض اوقات سپاہیوں کے ہاتھ لغزش کھا جاتے تھے۔ نوکیلے پتھروں نے بہت ہی ڈھالوں میں سوراخ کر دیئے کئی گھوڑوں کے سروں میں پتھر لگے جن سے ان کے سر ٹوٹ گئے۔ گھوڑے زمین پر گر کر تڑپنے لگے بعض سوار گھوڑوں سے کود کر الگ ہو گئے بعض گھوڑوں کے نیچے دب گئے۔

مسلمانوں نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا تھا۔ راجپوت بھی ہر طرف سے مسلمانوں پر پتھر پھینک رہے تھے شاہزادہ خرم نے جب دیکھا کہ گھوڑوں کو نقصان پہنچ رہا ہے تو انہوں نے حکم دیا کہ سوار گھوڑوں سے نیچے اتر جائیں اور گھوڑوں کو کیمپ میں پہنچا دیں۔

چنانچہ ان کے تمام لشکر نے گھوڑوں سے اتر کر گھوڑے سائیسوں کے حوالے کئے اور سائیس انہیں کیمپ میں لے گئے۔ راجہ بکرماجیت نے بھی گھوڑے کیمپ میں بھجوا دیئے۔ اب مسلمانوں نے ڈھالوں کا قلعہ بنا لیا اور

ان کی آڑ میں آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

راجپوت شور مچا مچا کر پتھر برسا رہے تھے۔ یہ پتھر نہایت زور اور بھیانک آواز کے ساتھ آ کر ڈھالوں میں لگتے تھے جن مسلمانوں کے سر یا پیر ڈھالوں سے باہر نکل جاتے پتھر انہیں توڑ ڈالتے تھے۔ اس طرح مسلمان زخمی بھی ہو رہے تھے جو لوگ شدید طور پر زخمی ہوتے وہ علیحدہ کر کے کیمپ میں پہنچا دیئے جاتے جہاں ان کی اسی وقت مرہم پٹی کی جاتی اور جن کے معمولی زخم آتے وہ بدستور اپنی جگہ پر جمے رہتے اور دوسرے سپاہیوں کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے۔

راجپوتوں کا خیال تھا کہ مسلمان ان کی سنگ اندازی سے تنگ آ کر واپس لوٹ جائیں گے مگر انہیں دیکھ کر یہ بڑی حیرت ہوئی کہ مسلمان پیچھے ہٹنے کے بجائے اور آگے بڑھ رہے ہیں۔

مسلمانوں کی یہ جسارت دیکھ کر راجپوتوں کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے اور بھی زور زور سے غل کر کے سنگ اندازی کے ساتھ ساتھ تیر افگنی بھی شروع کر دی۔ اب مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ پتھروں سے زیادہ تیر نقصان رساں اور جان لیوا ہو گئے۔ لیکن پتھروں کی طرح تیر بھی مسلمانوں کی ڈھالوں سے ٹکرا کر نیچے گر پڑتے تھے البتہ کبھی کبھی بعض تیر بعض مسلمانوں کو زخمی بھی کر دیتے تھے۔

اگرچہ اس وقت تک نقصان مسلمانوں ہی کا ہو رہا تھا وہی زخمی ہو رہے تھے انہیں ہی اپنی جانوں کا خطرہ تھا لیکن اس پر بھی وہ نہایت استقلال اور بڑی جوانمردی سے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے ان کی پیش قدمی سے یہ خیال ہوتا تھا کہ آج انہوں نے قلعہ کی فصیل تک پہنچنے کا عزم صمیم کر لیا ہے۔

راجپوت بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر مسلمان قلعہ کی فصیل تک پہنچ گئے تو ضرور اسے توڑ ڈالنے کی کوشش کریں گے اس لئے وہ نہایت تیزی سے پتھر اور تیر برسا رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمان لوٹ جائیں۔ وہ فصیل کی دیوار سے اوپر سر نکالے بے فکری سے حربے چلا رہے تھے۔

جب مسلمان کچھ اور قریب آ گئے تو اب راجپوتوں نے برچھے مارنے بھی شروع کر دیئے۔ یہ برچھے چوڑے اور لمبی دھار کے تھے بڑے خطرناک تھے جس چیز پر پڑتے تھے اس میں دھنستے چلے جاتے تھے۔

اس طرح مسلمانوں پر پتھروں تیروں اور برچھوں کی بارش ہونے لگی لیکن مسلمانوں کے استقلال میں اب بھی فرق نہیں آیا۔ اب اسلامی لشکر کے افسروں نے سپاہیوں کو رک جانے کا حکم دیا۔

وہ رک گئے۔ اگلی صفوں والوں نے اوپر تلے ڈھالیں کھڑی کر کے لوہے کی دیوار سی اتنی اونچی قائم کر دی جس سے گھٹنوں پر کھڑے ہونے والا انسان دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہے اب تیسری صف کے مسلمان گھٹنوں پر کھڑے ہو گئے انہوں نے جلدی سے کمانیں سنبھالیں اور ان میں تیر رکھ کر اپنی پوری طاقت سے کھینچ کر چھوڑے یہ تیر سنسناتے ہوئے چلے اور قلعہ کی فصیل پر پہنچے بعض تیر تو فصیل سے ٹکرا کر نیچے گر پڑے لیکن زیادہ تر ان لوگوں کے سروں میں ترازو ہو گئے جو فصیل سے اوپر سر ابھارے تیر اور برچھے مار رہے تھے وہ سب کے سب شدید طور پر زخمی ہو گئے کسی کی آنکھ پھوٹ گئی کسی کی پیشانی ٹوٹ گئی۔ کسی کے دانت توڑ کر تیر حلق میں جا گھسا۔ غرض بہت سے راجپوت زخمی ہو کر چلانے اور مسلمانوں کو گالیاں دینے لگے مسلمانوں نے ان سے اپنے زخموں کا انتقام لے لیا۔

اس ایک ہی حملے سے راجپوت ڈر گئے۔ وہ فصیل کی دیوار کی آڑ میں کھڑے ہو کر سوراخوں کے ذریعہ سے جلدی جلدی تیر چلانے لگے۔ انہوں نے اس پھرتی سے تیر باری کی کہ مسلمانوں کو آگے بڑھنا دشوار ہو گیا پھر بھی دن چھپے تک مسلمان لڑتے رہے۔ جب رات ہو گئی تو وہ واپس لوٹ آئے۔ اگرچہ آج بھی مسلمانوں کو کچھ کامیابی نہیں ہوئی لیکن راجپوتوں پر ان کی بہادری کا سکہ بیٹھ گیا۔

پچیسواں باب (۲۵)

گلاب کا عطر

زینت بیگم حسن خدمات کی وجہ سے دن بدن نور جہاں کے حضور میں تقرب حاصل کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ نورجہاں کے تمام کاموں کی دیکھ بھال اسی کے ذمہ ہو گئی تھی۔ وہ تھی بھی نہایت ہوشیار ہر کام بڑی ہوشیاری اور دانشمندی سے کرتی تھی نورجہاں کو کبھی اسے تنبیہ کرنے کا موقع نہ ملتا تھا در اصل اسے نورجہاں سے ایسی محبت ہو گئی تھی کہ بغیر ان کے دیکھے اسے چین نہ پڑتا تھا اور اس محبت ہی کی وجہ سے وہ ان کا کام وقت پر اور ہوشیاری سے کرتی تھی وہ تھی بھی صاف گو اور سادہ لوح۔ ایک مرتبہ جب نورجہاں شہنشاہ جہانگیر کے ساتھ دورے پر جانے لگیں تو انہوں نے زینت بیگم کو محل ہی میں رہنے اور دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا۔ زینت بیگم اس حکم کو سن کر کچھ سناٹے میں آ گئی۔ نورجہاں قیافہ شناس تھیں وہ تاڑ گئیں۔ انہوں نے دریافت کیا کیا تمہیں یہاں رہنے میں کچھ تامل ہے۔

زینت بیگم نے جواب دیا۔ "جی ہاں"

نورجہاں۔ کیوں؟

زینت بیگم۔ پہلے میں عرض کر دوں کہ عدول حکمی کرنا میرا شیوہ نہیں ہے۔

نورجہاں۔ ہم جانتے ہیں لیکن اب کیا بات ہے۔

زینت بیگم۔ جان کی اماں پاؤں تو عرض کروں۔

نورجہاں۔ جان کی اماں ہے۔ عرض کرو۔

زینت بیگم۔ میں ملکۂ عالم کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔

نورجہاں نے ہنس کر کہا۔۔ اچھا یہ بات ہے تب ہمارے ساتھ چلو۔

چنانچہ زینت بیگم ساتھ گئی تھی اس روز سے نورجہاں اس پر اور بھی مہربان ہوگئی تھیں۔ یہ بات جہانگیر کے بھی گوش گذار ہوگئی تھی چنانچہ ایک روز انہوں نے نورجہاں سے کہا۔۔ تم نے دیکھا ملکۂ عالم۔

نورجہاں۔ کیا جہاں پناہ۔

جہانگیر۔ تمہیں جلانے کے لئے اب تم پر عورتیں بھی فریفتہ ہونے لگی ہیں

نورجہاں نے ترچھی چتون سے دیکھ کر کہا۔ ان کے لئے بھی کوئی قانون بنا دیجئے۔ شہنشاہ جو ٹھہرے۔

جہانگیر۔ یہ بات انصاف کے خلاف ہو جائے گی۔

نورجہاں۔ انصاف کیا کہتا ہے؟

جہانگیر۔ انصاف تو یہ کہتا ہے کہ قانون تمہارے لئے بنایا جائے۔

نورجہاں۔ ہمارے لئے بنا دیجئے۔

جہانگیر۔ لیکن خطا تمہاری بھی نہیں۔

نورجہاں۔ پھر کس کی ہے۔

جہانگیر۔ تمہاری بھولی صورت کی، شربتی آنکھوں کی، ریشم سے بالوں کی

نورجہاں شرماکر خاموش ہوگئیں۔

ایک روز جب شام کے وقت مالنیں پھول لائیں تو حسب معمول زینت بیگم انہیں ساتھ لے کر نورجہاں کی خوابگاہ میں پہنچی پھول روزانہ نورجہاں کی سیج کے لئے آتے تھے۔

نوجوان مالنوں نے چنگیر دان رکھے اور چاندنی پہ پھول پھیلا دیئے زینت بیگم نے خود ایک ایک پھول چن چن کر الگ کیا جس میں ذرا بھی پتیاں مرجھائی ہوئی دیکھیں یا پھولوں کی رگیں ابھری ہوئی معلوم ہوئیں انہیں علیحدہ کر دیا اس نے نورجہاں کی سیج پر پھولوں کی تہیں بچھا دیں اور ہاتھ پھیر کر یہ دیکھ لیا کہ اب تو کوئی پھول چبھنے کا نہیں۔

اس وقت دن چھپ چکا تھا۔ فانوسوں میں موم بتیاں روشن ہوگئی تھیں روشنی کی کثرت سے رات کو کمرہ میں دن سا نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ نہ معلوم اس روز زینت بیگم کے دل میں کیا بات آئی۔ وہ سیج پر پہلے بیٹھی۔ پھر لیٹ گئی اس کے بعد اس نے مسہری کے جالیدار زرنشمین پردے بھی کھینچ لئے۔

ابھی اسے لیٹے چند ہی لمحے ہوئے تھے کہ خلاف توقع نورجہاں آگئیں انھیں دیکھتے ہی زینت بیگم کا نیچے کا سانس نیچے اور اوپر کا اوپر رہ گیا۔

ملکہ کی سیج پر لیٹنا تو کیا بیٹھنا بھی بڑی گستاخی میں داخل تھا زینت بیگم زرد ہو گئی۔ کانپتی ہوئی اٹھی۔ مسہری سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ نورجہاں نے پوچھا۔

"یہ کیا؟"

زینت بیگم نے کہا۔ "خطاوار ہوں۔ یہ سر حاضر ہے اڑا دیجئے۔"

نورجہاں نے مسکرا کر کہا۔ "نہیں ہم نے معاف کیا۔"

زینت بیگم اس قدر مشکور ہوئی کہ دوزانو کھڑی ہو گئی بےساختہ اس کی آنکھو

سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔

نورجہاں نے متحیر ہو کر پوچھا۔ "اب یہ رونا کیا"۔

زینت بیگم۔ یہ آنسو شکر گذاری کے ہیں میری نالائقیاں حد سے گذر گئی ہیں اور آپ کے کرم لطف نما کی بھی انتہا ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ع

کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ

نورجہاں۔ تم خطا کرو۔ ہم معاف کریں گے۔ تمہیں خطا کرنے میں مزا آتا ہے تو ہمیں معاف کرنے میں لطف آتا ہے۔

زینت بیگم وہاں سے چلی گئی اس روز سے اس نے انتہائی احتیاط سے کام کرنا شروع کیا۔ لیکن ایک روز پھر اس سے غلطی ہو گئی اور غلطی ایسی کہ جان کے لالے پڑ گئے۔

زینت بیگم کے ذمہ نورجہاں کے غسل خانہ کی بھی دیکھ بھال تھی غسل کے پانی کو خوشبودار بنانے کے لئے گلاب کے پھول ڈالے جاتے تھے۔ نورجہاں روزانہ غسل کیا کرتی تھیں۔ پانی میں پھول بسانے کا طریقہ یہ تھا کہ تازہ پھولوں کی ایک تہہ دے کر ان پر اتنا گرم پانی ڈالا جاتا جس سے وہ پانی میں تیرنے نہ پائیں یہ بات بھی خیال میں رکھنی چاہیئے کہ یہ عمل غسل خانہ میں جو پانی کے حوض بنے ہوئے تھے۔ ان میں کیا جاتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے کئی حوض تھے یہ سب حوض سنگ مرمر کے تھے۔ ایک ایک حوض میں کئی کئی گھڑے پانی آتا تھا۔

ہر حوض میں اس قدر پھول اور ان پر اس قدر پانی ڈالا جاتا تھا کہ پھول تیرتے نہ تھے۔ البتہ پانی میں ڈوبے رہتے تھے ان سب حوضوں کا پانی جب ضرورت ہوتی یعنی جب نورجہاں غسل کرنے لگتیں تو ایک بڑے حوض میں ان ٹونٹیوں کے ذریعہ سے جمع کر لیا جاتا جو حوضوں میں لگی ہوئی تھیں۔ ان

ٹونٹیوں میں چاندی کی چابیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس بڑے حوض کے ایک طرف تو سنگ مرمر کا ایک ٹب لگا ہوا تھا اور دوسری طرف سنگ مرمر کی ایک چبوتری تھی۔ اگر نورجہاں ٹب میں بیٹھ کر نہانا چاہتیں تو بڑے حوض کی ٹونٹی کھول دی جاتی اور ٹب بھر دیا جاتا اور اگر چبوتری پر بیٹھ کر نہانا چاہتیں تو کنیزیں چاندی کے لوٹوں میں پانی بھر بھر کر نہلا دیتیں۔

غسل خانہ سے متصل حمام بھی تھا اس میں سات کمرے تھے جو بتدریج گرم رکھے جاتے تھے۔ ساتواں کمرہ اس قدر گرم ہوتا تھا کہ اس میں پہنچتے ہی اگر جسم پر ذرا سا بھی میل ہوتا تو پھول کر پانی ڈالتے ہی الگ ہو جاتا۔

لیکن نورجہاں جاڑوں میں تو حمام میں نہاتی تھیں ورنہ عام طور پر غسل خانہ ہی میں غسل کیا کرتی تھیں ایک روز جب وہ حسب معمول غسل کرنے غسل خانہ میں گئیں تو انہوں نے اس میں داخل ہو کر کپڑے اتارنے ہی شروع کئے تھے کہ انہیں کچھ عجب قسم کی خوشبو آئی جو اس قدر بھینی تھی کہ جو کنیزیں اس وقت ان کے ساتھ تھیں انہیں اس کا احساس نہیں ہوا۔ نورجہاں نے کہا۔

"آج یہ غسل خانہ میں خوشبو کس قدر بسی ہوئی ہے"

زینت بیگم بھی موجود تھی وہ لرز گئی اسے یاد آگیا کہ آج نہ غسل خانہ کے حوضوں کا پانی بدلا گیا ہے اور نہ کل کے باسی پھول پھینکے گئے ہیں۔ بات یہ ہوئی تھی کہ صبح کے وقت حسب معمول جب مالنیں گلاب کے پھول لائیں تو زینت بیگم کسی اور کام میں مشغول تھی اور چونکہ وہ پھولوں کو خود صاف کر کے اپنے سامنے حوضوں میں ڈلوایا کرتی تھی اس لئے اس نے پھول غسل خانہ کے ملحقہ کمرہ میں رکھوا دیئے تھے اور یہ سوچ لیا تھا کہ جب کام سے فارغ ہو جائے گی تب حوضوں کو صاف کرا کر پھول ڈال کر پانی بھروا دے گی لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ وہ بھول گئی نہ پانی بدلا جا سکا نہ تازہ

پھول ڈالے جاسکے اب جب نورجہاں نے خوشبو کا تذکرہ کیا تب اسے یاد آگیا کہ آج تو نہ پانی بدلا گیا نہ پھول ڈالے گئے، وہ سہم گئی اس نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا ملکۂ عالم۔ یہ خطا میری ہے"

نورجہاں۔ یعنی تم نے خوشبو بسائی ہے۔

زینت بیگم۔ جی نہیں بلکہ کل کے پھول غسل خانہ سے باہر نہیں پھینکے گئے۔

نورجہاں۔ پھر کہاں رکھے ہیں۔

زینت بیگم۔ حوضوں میں پڑے ہیں۔

نورجہاں نے خفگی کے لہجہ میں کہا۔ "کیوں ایسا ہوا"

زینت بیگم۔ یہ کنیز بھول گئی۔

نورجہاں۔ لیکن یہ کام تمہارا نہیں تھا۔ پرستاروں کا تھا انھوں نے پھول کیوں نہیں بدلے۔

زینت بیگم۔ میں نے انہیں منع کر رکھا ہے۔ میری موجودگی میں پانی اور پھول بدلے جاتے ہیں۔ خطاوار میں ہوں۔

نورجہاں نے مسکرا کر کہا۔ تم نے بھی دنیا بھر کے کام اپنے ذمے رکھے ہیں تمہاری کچھ خطا نہیں۔ کام کی کثرت کی وجہ سے تم بھول گئیں۔

زینت بیگم۔ پھر بھی میرا ہی قصور ہے ملکۂ عالم۔

نورجہاں۔ اچھا اگر تمہارا قصور ہے تو ہم نے معاف کیا آج ہم اسی پانی سے غسل کرلیں۔

زینت بیگم نے ان کا شکریہ ادا کیا جب کنیزوں نے آفتابہ میں پانی بھر کر نورجہاں کے سامنے پیش کیا تو نورجہاں کو اس میں ترمرے نظر آئے، انہوں نے پانی سونگھا تو اس میں خوشبو تھی۔ انہوں نے کہا اوہ! یہ گلاب کے پھولوں کا

تیل شامل ہوگیا ہے۔

اس وقت تو نورجہاں اس پانی سے نہالیں لیکن سوچتی رہیں کہ یہ گلاب کا تیل کیسے حاصل کیا جائے۔ آخر سوچتے سوچتے انہوں نے بھبکہ ایجاد کر کے اس کے ذریعہ گلاب کا عرق کھینچا وہ کافی خوشبودار تھا اب بجائے پانی کے وہ گلاب کے عرق سے نہانے لگیں مگر وہ پھر بھی گلاب کے پھولوں سے زیادہ خوشبو حاصل کرنے کی فکر میں رہیں آخر انہوں نے اس کا عطر نکال ہی لیا۔ عطر کی موجد نورجہاں ہی ہیں جہانگیر نے ان کی اس ایجاد پر لاکھوں روپئے انعام دیئے۔

اگر کوئی اور عورت ہوتی تو وہ پانی اور پھول نہ بدلنے کی وجہ سے کنیزوں پر عتاب نازل کرتی لیکن نورجہاں نے کنیزوں کو معاف کر دیا اور ایک ایسی چیز ایجاد کرلی جس کی وجہ سے ساری دنیا میں ان کی شہرت ہوگئی۔

چھبیسواں باب (۲۶)

اطاعت

راجہ تلوک چند نے مسلمانوں کے محاصرہ سے تنگ ہو کر شاہزادہ خرم کے پاس یہ پیغام بھیجا تھا کہ یا تو محاصرہ اٹھالو ورنہ مسلمان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے گا در اصل ان کا یہی ارادہ بھی ہوگیا تھا اگرچہ ابھی تک انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں تھی۔ غلّے کے ذخیرے پڑے تھے۔

سامان حرب بھی کافی تھا۔ یہ بھی اندیشہ نہیں تھا کہ مسلمان قلعہ کو فتح ہی کرلیں گے لیکن انھیں سب سے بڑی تکلیف یہ تھی کہ بیرونی دنیا سے ان کا قطع تعلق ہوگیا تھا اور کنوئیں کے مینڈک کی طرح قلعہ ہی ان کی دنیا رہ گئی تھی ابھی

تکلیف سے تنگ آکر انہوں نے دھمکی دی تھی۔

لیکن شاہزادہ خرم نے فوراً ہی اس دھمکی کا یہ جواب دیا کہ قلعہ پر حملہ کردیا اس حملہ کا یہ اثر ہوا کہ راجہ تلوک چند ڈر گئے انھیں خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلم قیدیوں کو قتل کرنے پر مسلمانوں کو زیادہ جوش آجائے اور وہ قلعہ فتح کرکے تمام قلعہ والوں کو قتل کرڈالیں چنانچہ انہوں نے قیدیوں کو قتل نہیں کیا۔

عرفان کے دل کو لگی ہوئی تھی وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح جلدی سے جلدی قلعہ فتح ہوجائے تاکہ ان کی عذرا انہیں مل جائے اسی لیئے وہ نہایت جوش و خروش سے حملہ کرتے تھے اور ہر حملے میں پیش پیش رہتے تھے کئی مرتبہ انہوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیا۔ آگے بڑھتے ہوئے قلعہ کے قریب تک پہنچ گئے لیکن پھر بھی فصیل تک رسائی نہ ہوسکی مجبور لشکر کی واپسی کے ساتھ وہ بھی واپس لوٹ آئے۔ شاہزادہ خرم کو ان کی بہادری کا چند مرتبہ امتحان ہوچکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ان کے منصب میں اضافہ کردیا تھا۔

ایک موقع پر ایک گھوڑا اور خلعت بھی انعام میں دیا تھا ان کی دلیری کی تعریف کی تھی۔

شاہزادۂ خرم نے محاصرہ کو اور سخت کردیا تھا۔ ابھی کانگڑہ کی مہم کسی نتیجہ پر پہنچی تھی کہ شہنشاہ جہانگیر کی طرف سے جلد قلعہ فتح کرنے کی تاکید آئی اور شاہزادہ کو آگرہ میں طلب کیا راجہ جگت سنگھ والی متھرا کو راجہ بکرماجیت کی مدد کے لئے بھیجدیا۔

شاہزادہ خرم نے سپہ سالاری کا چارج راجہ بکرماجیت کو دیا عرفان اور راجہ جگت سنگھ کو نائب سپہ سالار مقرر کیا انہیں ہوشیاری سے رہنے زور پر جوش حملے کرکے جلد قلعہ فتح کرلینے کی ہدایت کی اور خود وہاں سے آگرہ چلے

راجہ بکرماجیت کو چونکہ وطن سے آئے عرصہ ہوگیا تھا اس لئے وہ چاہتے تھے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو قلعہ فتح کرلیا جائے۔ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ درباری امرا اور خود شہنشاہ ان کی نسبت کیا خیال کریں گے۔ کہتے ہوں گے ایک قلعہ فتح نہ کرسکے۔

لیکن اس بات سے ذرا تسلی ہوجاتی تھی کہ اس قلعہ پر اکثر بادشاہوں نے حملے کئے تھے اور فتح نہ کرسکے تھے ان کی یہ خواہش بڑی زبردست تھی کہ کسی طرح قلعہ فتح ہوجائے۔

چنانچہ انہوں نے شاہزادہ کے جانے کے بعد کئی پر زور حملے کئے۔ ہر حملے میں یہ یقین ہوچلا کہ آج قلعہ ضرور فتح ہوجائے گا لیکن ایک راجپوتوں کی پرزور مدافعت دوسرے قلعہ کی مضبوطی نے ہر مرتبہ ناکام رکھا۔

راجہ بکرماجیت نے سمجھ لیا کہ محاصرے سے تنگ آکر ہی محاصرین قلعہ حوالے کریں گے چنانچہ انہوں نے محاصرہ اور بھی سخت کردیا اور حملے بند کردیے۔ نہایت اطمینان سے مقیم ہوگئے۔ مسلمانوں کو بھی معلوم ہوگیا کہ جب تک قلعہ فتح نہ ہوجائے گا اس وقت تک یہاں سے جانا ناممکن ہے اس لئے وہ بھی صبر واستقلال کے ساتھ محاصرہ میں مصروف ہوگئے۔

اتفاق سے اس سال قلعہ کے اندر پیداوار نہ ہوئی غلے کے جو ذخیرے تھے وہ زیادہ تعداد میں خرچ ہوگئے جو باقی رہے ان میں کیڑے پڑ گئے انسانوں کے کھانے کے قابل نہ رہے۔ پھر بھی راجہ تلوک چند نے ہمت نہیں ہاری۔ اطاعت قبول نہیں کی بلکہ یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو کہ قلعہ میں غلہ کا قحط پڑ گیا ہے۔

انھوں نے پھر صلح کی کوشش کی چنانچہ قاصد بھیجا اور کہلایا:۔

"وہ تمام قیدی چھوڑ دیں گے تاوانِ جنگ بھی ادا کر دیں گے آئندہ شاہی علاقہ پر تاخت بھی نہ کریں گے۔

راجہ بکرماجیت نے جواب دیا: "صلح نہیں ہو سکتی اطاعت قبول کرو۔"

کئی مہینے تک نامہ و پیغام ہوتے رہے اس عرصہ میں قلعہ کے اندر قحط پڑ گیا۔ اناج کے ذخیرے خراب ہو چکے تھے صرف سبز ترکاریاں رہ گئی تھیں لوگ ترکاریاں ابال ابال کر کھاتے تھے لیکن ترکاریاں بھی کب تک کفایت کرتیں وہ بھی ختم ہونے لگیں اب لوگ بھوک سے مرنے لگے۔

راجہ اب بھی اطاعت قبول کرنے کو تیار نہ تھے لیکن رعایا تنگ آ چکی تھی ادھر لوگوں کے کاروبار ختم ہو گئے تھے۔ ادھر قحط پڑ گیا تھا سخت پریشانی پھیل گئی تھی رعایا نے مطالبہ شروع کر دیا کہ یا تو بادشاہ کی اطاعت قبول کر لو یا میدان میں چل کر لڑو بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے یہ اچھا ہے کہ میدانِ جنگ میں عزت کی موت مر جائیں۔

اگرچہ رعایا کا مطالبہ معقول تھا لیکن راجہ چاہتے تھے کہ غیر مشروط طور پر ہتھیار نہ ڈالیں پھر باعزت صلح کرنے کی کوشش کریں۔

چنانچہ انھوں نے رعایا سے چند روز کی مہلت طلب کی اور قاصد کو پھر بھیجا۔ تاوانِ جنگ کے علاوہ کچھ اور زرِ نقد دینے کا وعدہ کیا۔ یہ دھمکی بھی دی کہ اگر یہ درخواست منظور نہ کی گئی تو قیدیوں کو قتل کر کے رسمِ جوہر[1] عمل میں لائی جائے گی اور پھر راجپوت سر ہتھیلیوں پر رکھ کر

---

[1] راجپوتوں میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی لڑائی میں وہ عاجز آ جاتے اور فتح اور صلح کی امید نہ رہتی تو اپنے بچوں اور عورتوں کو زندہ آگ میں جلا دیتے تھے اور پھر زعفرانی لباس پہن کر میدانِ جنگ میں نکل کر لڑ کر مر جاتے تھے اس رسم کو جوہر کہتے تھے۔ صادق صدیقی

مرنے کے لئے مقابلہ میں آجائیں گے۔

ایسے لوگوں کا مقابلہ کرنا جو موت کا استقبال کرنے کو نکلے ہوں دشوار ہو جائے گا۔ سخت خونریزی ہو گی اس لئے خونریزی کو بچانے کے لئے اس پیش کش کو قبول کر لیجئے۔ آپ بھی راجپوت ہیں اس لئے امید ہے کہ آپ اس بات کو قبول کر لیں گے۔

اس پیغام میں تہدید بھی تھی اور عاجزی بھی۔ لالچ بھی تھا اور خودداری کا اظہار بھی۔ راجہ بکرماجیت ممکن تھا کہ کچھ پسیج جاتے لیکن ایک تو عرفان کا تقاضا تھا کہ صلح نہ کی جائے دوسرے شاہزادہ کی ہدایت کہ فتح کیا جائے تیسرے خود شہنشاہ کا فرمان کہ قلعہ پر ضرور قبضہ کیا جائے انھیں صلح پر آمادہ نہ کر سکا۔ چنانچہ انہوں نے جواب دیا کہ:۔

میں مجبور ہوں میرے لئے حکم یہ ہے کہ قلعہ فتح کروں — اگر راجپوتوں میں جوہر کی رسم ہے لیکن یہ رسم ایام جاہلیت کی ہے۔ عورتوں اور بچوں نے کیا قصور کیا ہے کہ انہیں زندہ آگ میں جلایا جائے۔

اگر ایسا ہی پاس آبرو ہے تو خود مردوں کو بھی اسی آگ میں جل جانا چاہیئے جس میں وہ اپنے اہل و عیال کو جلائیں۔

مسلمانوں کو دیکھو غیرت مند وہ ہیں اپنے بیوی بچوں کو قتل نہیں کرتے بلکہ خود لڑ کر یا تو مارے جاتے ہیں یا دشمن کو مار ڈالتے ہیں تم بھی اگر غیرت مند ہو تو لڑو۔ بزدل ہو تو ستی ہو جاؤ۔

اس جواب سے راجہ نا امید ہو گئے انہوں نے مشیروں سے جوہر کا مشورہ کیا۔ بہت کم راجپوت اس رسم کے لئے تیار نظر آئے اس رسم کو بھی

عمل میں لانا دشوار نظر آیا۔ اب قحط اس قدر پڑ چکا تھا کہ لوگ بھوکے مرنے لگے تھے۔ قلعہ کے اندر راجہ کے محل کے سامنے بھوکی رعایا نے مظاہرے کرنے شروع کئے۔ راجہ پریشان ہو گئے۔ پچھتائے کہ کیوں انہوں نے اسلامی علاقہ پر تاخت کر کے مسلمانوں کو اعلان جنگ دیا۔ ان کا غرور خاک میں مل گیا اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ بلا کسی شرط کے ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کر لیں۔ اور اس قلعہ کو جو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا اور جو آج تک فتح نہ ہوا تھا۔ شہنشاہ ہند کے حوالے کر دیں۔

ذرا سی ملک بھی چھوڑتے ہوئے انسان کو درد ہوا کرتا تھا۔ سلطنت چھوڑنے سے کس قدر صدمہ ہوتا ہوگا۔ راجہ کو بھی بیحد قلق ہوا۔ چاہتے تھے کہ قلعہ مسلمانوں کے حوالہ نہ کریں۔ لیکن اب یہ بات ناممکن ہو گئی تھی بھوکی رعایا کے باغی ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے قلعہ کا پھاٹک کھلوا دیا۔ اور ایک قاصد کے ہاتھ قلعہ کی کنجی راجہ بکرماجیت کے پاس بھیج دی۔

جس وقت کنجی راجہ بکرماجیت کے پاس پہنچی وہ خوش ہو گئے انہوں نے تمام لشکر کو یہ خوشخبری پہنچا دی۔ مسلمانوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا

راجہ بکرماجیت عرفان اور ان کے فوجی دستے کو ساتھ لے کر قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے چلے۔ باقی لشکر جہاں کہیں مقیم تھا وہیں صف بستہ ہو گیا تاکہ اگر راجہ تلوک چند یا قلعہ کے لوگ فریب دے کر غداری کریں تو تمام لشکر آواز دیتے ہی قلعہ کے اندر گھس جائے۔

راجہ بکرماجیت کو قلعہ فتح ہونے کی خوشی تھی۔ جس قلعہ کو اب تک کوئی فتح نہ کر سکا تھا انہوں نے اسے فتح کر لیا تھا۔ یہ بڑے فخر کی بات تھی لیکن عرفان کو عذرا سے ملنے کی خوشی تھی۔ وہ دعائیں مانگتے جا رہے تھے کہ

خدا کرے عذرا زندہ اور باعصمت ہو۔ غرض راجہ بکرماجیت اور عرفان لشکر لیے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

ستائیسواں باب (۲۷)

قلعہ والوں کا حال زار

جب راجہ بکرماجیت قلعہ کے دروازے پر پہنچے تو راجہ تلوک چند ملے وہ ان کے استقبال کے لیے آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے تمام امراء تھے۔ راجہ تلوک چند نے راجہ بکرماجیت کے سامنے اپنا سر جھکا دیا اور چشم پرآب ہو کر اپنی تلوار ان کے سامنے پیش کر دی۔ راجہ بکرماجیت نے کہا۔

"مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ بہادر ہیں، آپ نے نہایت دلیری سے شاہی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن اس بات کا افسوس بھی ہے کہ آپ نے کیوں شاہی علاقہ پر تاخت کی کیوں محصور ہونے کی نوبت آئی اور کیوں ایسا ہوا کہ آپ کو قلعہ کی کنجیاں اور اپنی تلوار میرے سامنے پیش کرنی پڑی۔

تلوک چند۔ یہ میرے پرالبدھ کا قصور ہے۔ پچھلے کرموں کا پھل ہے کاش میں لڑائی میں مارا جاتا۔

کیسے تمسخر کی بات ہے کہ دولت ثروت اور حکومت کے نشہ میں مدہوش ہو کر انسان وہ باتیں کر گزرتا ہے جو اس کی تباہی اور بربادی کا سبب بن جاتی ہیں اور جب اپنی مذبوح حرکتوں سے برباد ہو جاتا ہے تو قسمت کا رونا رونے لگتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر　　فعل بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں انسان بار بار مرتا ہے اور پیدا ہوتا ہے جو کچھ وہ پہلے جنم میں بھلے برے کام کرتا ہے اور اس کی جزا و سزا اگلے جنم میں بھگتنا ہے۔ اول تو اسی بات کی کوئی دلیل نہیں کہ انسان بار بار پیدا ہوتا ہے۔

صاف طور پر یہ بات نہیں بتائی جاتی کہ جب انسان مرجاتا ہے تو کہاں پہنچ جاتا ہے اور اس کی روح کو کون دوسرے قالب میں لاتا ہے اور کون پھر اس قالب سے روح کھینچتا ہے کس کے حکم سے روح کھینچی جاتی ہے اس کے علاوہ اس عقیدہ کا غلط ہونا اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر برس کے بعد جب مردم شماری ہوتی ہے تو ساری دنیا میں پچھلی مردم شماری سے کروڑوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ مویشیوں کی تعداد میں بھی سال بہ سال اضافہ ہوتا رہتا ہے آخر یہ نئی روحیں کہاں سے آجاتی ہیں۔

پھر یہ نظام قدرت ہے کہ برسات میں سیکڑوں قسم کے بے شمار کیڑے مکوڑے پیدا ہوجاتے ہیں۔ ہندوؤں کی ستم ظریفی دیکھو وہ ان کیڑوں میں بھی وہی روحیں بتلاتے ہیں جو پچھلے جنم میں انسانوں کے قالبوں میں تھیں آخر یہ روحیں دنیا میں آنے کے لئے برسات ہی کا کیوں انتظار کرتی رہتی ہیں گرمی اور سردی کی رتوں میں کیوں پیدا نہیں ہوتیں۔

ہندوؤں کا یہ عقیدہ اس قدر کمزور ہے کہ وہ اس کا صحیح جواب نہیں دے سکتے تعلیم یافتہ ہندو سوچنے لگے ہیں کہ اس عقیدہ کی کوئی اصلیت نہیں ہے لیکن چونکہ ان کے بزرگوں نے اس عقیدہ کی تعلیم دی ہے اس لئے اسے غلط سمجھتے ہوئے بھی صحیح ماننے کو مجبور ہیں۔

راجہ تلوک چند کو خدا نے سلطنت دی انہوں نے ہوا و ہوس میں آکر

مسلمانوں پر چھاپے مارے۔ شہنشاہ جہانگیر نے ان کی سرزنش کے لئے لشکر بھیجے آخر قلعہ فتح ہو گیا۔ سلطنت جاتی رہی خود تو بد اعمالی کر کے سلطنت کھوئی اور وجہ یہ قرار دی کہ پچھلے جنم میں کچھ برے کام کئے تھے اس کی سزا میں سلطنت چھن گئی۔ بد اعمالی اور مظالم کی کس قدر غلط توضیح ہے اگر حقیقت میں انہوں نے پچھلی زندگی میں برے کام کئے تھے تو سلطنت کیسے مل گئی اور اگر اچھے کرم کئے تھے تو سلطنت چھن کیوں گئی۔

راجہ بکرماجیت نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ غم نہیں کرنا چاہیئے جب ہم اس بات کے قائل ہیں کہ نئی زندگی میں پرانی زندگی کے کرموں کا پھل ملتا ہے پھر افسوس کیسا۔

راجہ تلوک چند۔ افسوس ہوتا ہے۔ میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ میری رعایا بھوک سے مر رہی ہے اسے کھانے کو دیجیئے۔

راجہ بکرماجیت۔ دیا جائے گا۔ مسلم قیدی کہاں ہیں۔

راجہ تلوک چند۔ انھیں رہا کر دیا گیا ہے وہ عنقریب آپ سے ملیں گے۔

راجہ بکرماجیت آگے بڑھے۔ قلعہ کے اندر جس قدر آدمی اور جانور نظر آئے سب ڈھانچہ ہو گئے تھے۔ بھوک نے ان کی قوت سلب کر لی تھی اس قدر کمزور تھے کہ ایک ایک پسلی اور ایک ایک ہڈی نظر آتی تھی جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ ان کی حالت دیکھ کر مسلمانوں کو بڑا افسوس ہوا۔ ترس بھی آیا۔

راجہ تلوک چند نے سچ کہا تھا انہوں نے مسلم قیدیوں کو چھوڑ دیا تھا۔ یہ قیدی عرفان کو حوض کے ایک کنارہ پر بیٹھے ملے۔ ان میں مرد عورتیں اور لڑکیاں سب تھیں عذرا کے خیال سے عرفان کا دل دھڑکنے لگا لیکن جب

انہوں نے ان ستم زدہ قیدیوں کو دیکھا تو انہیں نحیف و ناتواں دیکھ کر ان کا دل ہل گیا۔ بیچارے سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔ کمزوری کا یہ عالم تھا کہ چلنا پھرنا تو کیا بات بھی نہ کی جاتی تھی

وہ فوراً گھوڑے سے نیچے اتر گئے ان کے ہمراہی سوار بھی اتر پڑے عرفان نے قیدیوں کو سلام کیا۔ جوں ہی انہوں نے عرفان کو پہچانا۔ بہت خوش ہوئے انہوں نے کہا۔ "اوہ عرفان ......"

عرفان - ہاں یہ آپ کا خادم ہی ہے آپ لوگ کمزور ہیں باتیں نہ کریں میں اس قلعہ کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت سب سے ضروری تمہاری خدمت ہے۔ تمہیں اپنے ساتھ کیمپ میں لے چلوں"

ایک نوجوان نے جو اور لوگوں سے کسی قدر توانا معلوم ہوتا تھا کہا۔ "ہمیں کھانے کو دیجئے۔"

عرفان - انشاء اللہ سب کچھ ملے گا۔ افسوس تمہاری کیا حالتیں ہو گئی ہیں۔

نوجوان - خدا کا شکر کرو کہ ہم ابھی تک زندہ ہیں۔

عرفان - کیا تمہیں قید خانہ میں تکلیف پہنچی۔

نوجوان - قید خانہ آرام کی جگہ نہیں ہے۔

عرفان - یہ سچ ہے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا راجہ یا ان کے آدمیوں نے تمہیں اس حال کو پہنچایا۔

نوجوان - نہیں بھوک نے ہمارا یہ حال کیا

نوخیز لڑکیوں کے ساتھ عذرا بھی تھی اوروں کی طرح وہ بھی سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھی۔ اس کے نقش و نگار نہایت دلکش تھے تندرستی کے زمانہ میں

رنگ سرخ و سفید ہوگا۔ لیکن اس وقت زردی زیادہ نمایاں تھی۔ اس پر بھی وہ کافی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔ وہ کبھی کبھی عرفان کو دیکھ لیتی تھی۔ عرفان نے اسے یہاں آتے ہی دیکھ لیا تھا۔ عرفان نے کہا۔ "ذرا ٹھہرو میں تمہیں کیمپ میں لے چلنے کی اجازت راجہ بکرماجیت سے لے آؤں۔"

نوجوان۔ ضرور لے آؤ۔ لیکن یہ تو بتاؤ تم شاہی فوج کے ساتھ کیسے ہو۔

عرفان۔ میں بھرتی ہو گیا تھا۔ اس قلعہ پر حملہ کرنے کی ترغیب میں نے ہی دی تھی۔

نوجوان۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔

عرفان وہاں سے گھوڑے پر سوار ہو کر چلے۔ راجہ بکرماجیت شاہی خزانہ کی طرف بڑھ گئے تھے۔ عرفان نے راستہ ہی میں جا لیا۔ انہوں نے دیکھا کہ راجہ بکرماجیت کو عورتیں گھیرے کھڑی ہیں یہ تمام عورتیں پہاڑنیں تھیں ان کے چہروں کی رنگتیں سفید تھیں ان میں بعض کی گود میں بچے تھے۔ بعض بوڑھی تھیں۔ بعض جوان اور بہت سی نوخیز لڑکیاں تھیں لیکن عورتیں لڑکیاں اور بچے سب حد درجہ کمزور تھے بھوک نے ان کے جسموں کو گھلا دیا تھا ان کے چہروں سے حسرت ٹپک رہی تھی وہ راجہ بکرماجیت سے روٹی مانگ رہی تھیں۔

راجہ بکرماجیت نے اپنے ایک افسر کو غلہ کیمپ سے لانے کے لئے بھیج دیا تھا وہ انھیں تسلی دے رہے تھے کہ غلہ آنے والا ہے۔ ذرا صبر کرو تمہاری بھوک کا بھی انتظام ہو جائے گا۔

عرفان کو وہ رہ کر راجہ کوگ چند کے اوپر غصہ آ رہا تھا وہ کہتے تھے نہ راجہ ان کی بستی پر تاخت کرتے نہ مسلمانوں کو پکڑ لاتے نہ وہ آگرہ جا کر جہانگیر بادشاہ کو بلاتے۔ نہ جہانگیر لشکر کشی کا حکم دیتے نہ اسلامی لشکر قلعہ کا محاصرہ کرتا۔ اور

نہ کانگڑہ میں قحط پڑتا۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ وہ راجہ اور ان کے نادان مشیروں کو قتل کر ڈالیں لیکن راجہ نے اطاعت کر لی تھی۔ انہیں امان دے دی گئی تھی۔ اس لئے وہ مجبور تھے قتل کرنا تو کیا انہیں سزا بھی نہ دے سکتے تھے انہوں نے راجہ بکرماجیت سے کہا۔ اگر اجازت ہو تو میں مسلم قیدیوں کو کیمپ میں لے جاؤں۔

بکرماجیت۔ اجازت ہے لے جاؤ ان کی تواضع کرو۔

عرفان چلے آئے انہوں نے قیدیوں کو گھوڑوں پر سوار کیا اور انہیں لیکر وہاں سے کیمپ میں چلے آئے۔ راجہ بکرماجیت نے خزانے پر قبضہ کر لیا قلعہ والوں کو غلہ دیا اور اپنے کیمپ میں واپس آ کر شہنشاہ جہانگیر کو مشہور کانگڑہ کی فتح کی خوشخبری روانہ کی۔

اٹھائیسواں باب (۲۸)

مختصر ملاقات

عرفان اپنے بستی والوں کو دشمنوں کی قید سے چھڑا لائے چونکہ ان لوگوں کو بھوک نے بہت زیادہ کمزور کر دیا تھا نیز جیل خانہ کی مرطوب اور خراب آب و ہوا نے ان کی صحت کو سخت نقصان پہنچایا تھا اس لئے وہ زندگی سے دور اور موت کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔

ہر شاہی لشکر کے ساتھ کئی طبیب اور ہر قسم کی دوائیں بھی رہتی تھیں چنانچہ اس لشکر کے ساتھ بھی تھیں۔ عرفان نے فوراً طبیبوں کی طرف رجوع کیا۔ طبیبوں نے بڑی ہمدردی سے علاج اور عرفان نے نہایت محنت سے

تیمارداری شروع کی۔ ان لوگوں کی حالت سنبھلنے لگی اور چند ہی روز میں وہ سب تندرست و توانا ہو گئے۔

عورتوں اور لڑکیوں کے لیے کئی خیمے علیحدہ نصب کر کے ان کے آگے سائبان اور چاروں طرف قناتیں کھینچ دی گئیں تھیں۔ تمام عورتیں بھی صحتیاب ہو گئی تھیں چونکہ ان کے کپڑے بوسیدہ ہو گئے تھے۔ اس لیے ان کے لیے نئے کپڑے مہیا کیے گئے۔ اگرچہ انہیں دنیا کی نعمتوں میں سے بہت سی نعمتیں مل گئی تھیں ان کی بستی پر تاخت کے وقت دشمنوں نے ان کے عزیزوں کو تہ تیغ کر ڈالا تھا۔ ان کے دلوں سے ان کی یاد نہ بھولتی تھی۔ وہ نماز پڑھ پڑھ کر صبر جمیل کی دعائیں مانگا کرتی تھیں۔

ان خواتین اسلام کے جاننے والوں یا ان کے بستی والوں میں سے صرف عرفان تھے۔ وہی ان کی خاطر مدارات کر رہے تھے۔ تمام عورتوں کو ان سے بڑی ہمدردی اور محبت ہو گئی تھی۔ خصوصاً عذرا، جو ان کی منگیتر تھی۔

یہ بات عرفان نے خود ہی بتا دی تھی کہ اس مرتبہ کا لشکر وہ پر لشکر کشی کی ترغیب عرفان نے ہی شہنشاہ کو دی تھی وہ خود بھی فوج میں بھرتی ہو کر لڑنے آئے تھے اس سے سب نے یہ سمجھ لیا تھا کہ عرفان کو عذرا سے محبت تھی اور وہ محبت ہی انھیں یہاں چڑھا کر لائی ہے۔ بوڑھی اور جوان عورتوں نے تو اس بات کو دل ہی میں رکھا لیکن عذرا کی ہم عمر لڑکیاں ایسا نہ کر سکیں وہ اکثر عذرا کو چھیڑ دیتیں۔ کہتیں تمہارے وہ محض تمہاری وجہ سے لشکر لے کر یہاں آئے بھلا وہ کون ہیں۔ نام تو بتاؤ تو جانیں۔

عذرا سمجھ سب کچھ جاتی اس کا جی بھی چاہتا تھا کہ وہ اس ذکر کو اور لمبا کر دیں لیکن دکھانے کے لئے بظاہر خفا ہو جاتی لیکن اس مصنوعی غصہ کا

پول جلد ہی کھل جاتا۔ بات ہنسی میں اڑ جاتی۔

جب عذرا تندرست ہو گئی اور کھانے کو اچھا ملا تو اس کے چہرہ کی زردی دور ہو گئی رخسار گلاب کے تر و تازہ پھول کی طرح شاداب نظر آنے لگے اس کی آنکھیں بڑی اور خوبصورت تھیں۔ نہایت دلکش معلوم ہوتی تھیں۔ لیکن ان میں کچھ ایسا زہر ہلاہل بھرا ہوا تھا کہ ان کی طرف دیکھنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ جب وہ کسی طرف دیکھتی تھی اور کسی کی نگاہیں اس سے چار ہو جاتی تھیں تو مژگان کے تیر دیکھنے والے کے دل میں گڑ جاتے تھے وہ عرفان سے اور عرفان اس سے باتیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن موقع ہی نہ ملتا تھا۔

راجہ بکرما جیت نے کانگڑہ کی فتح کی خوش خبری روانہ کر دی تھی قلعہ پر قبضہ کر لینے کے بعد انہوں نے راجہ تلوک چند کو شہنشاہ کے حضور میں روانہ کرنے کا قصد کیا۔ راجہ شرمسار تھے انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں جہانگیر بلا وجہ مسلم بستیوں کو لوٹنے اور مسلمانوں کو قتل و گرفتار کرنے کی پاداش میں انہیں قتل نہ کرڈالیں اس لئے وہ دربار میں جانے سے متامل تھے لیکن راجہ بکرما جیت نے انہیں سمجھایا کہ ان کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ دربار میں جاکر شہنشاہ سے معافی مانگیں۔ اگر انہوں نے معافی نہ مانگی اور جہانگیر نے انہیں معاف نہ کر دیا تو وہ قید کر دیئے جائیں گے یا قتل کر ڈالے جائیں گے ...... مجبور ہو کر راجہ تلوک چند عفو تقصیرات کے لئے آگرہ جانے پر آمادہ ہو گئے۔

راجہ بکرما جیت نے عرفان سے کہا۔ اس مہم کے تم ہی محرک ہو تم ہی راجہ تلوک چند کو اپنے ساتھ لے جاکر دربار میں پیش کرو۔ اس سے تمہارے منصب

ں اضافہ ہو جائے گا اور تمہاری عزت و عظمت اور بڑھ جائے گی۔

عرفان اب عذرا کو وہاں چھوڑ کر جانا نہ چاہتے تھے انہوں نے کہا۔

" میں نے اس مہم میں شرکت منصب وجاہ حاصل کرنے کے لیئے نہ کی تھی بسبرا
باعث اپنے ہم وطنوں کو دشمن کی قید سے چھڑانے کا تھا۔ خدا کا شکر ہے
مقصد حاصل ہو گیا بہتر یہ ہے کہ کسی اور شخص کو اس کام پر مامور فرمایئے
ر اگر مجھے ہی حکم دیجئے گا تو فوجی آئین کی وجہ سے میں بھی تعمیل حکم کروں گا

راجہ بکرماجیت کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ عرفان کو عذرا سے محبت ہے
ور محبت ہی اس مہم کی ترغیب کا باعث ہوئی ہے۔ انہوں نے مسکرا کر کہا
ر اگر تم نہیں جانا چاہتے ہو تو نہ جاؤ ہم کسی اور کو بھیجدیں گے لیکن اب
ہیں تم فوجی خدمات سے سبکدوش نہ ہو جانا۔

چونکہ عرفان نے اس لڑائی میں بڑی جوانمردی اور ہمت و جرأت کا اظہار
کیا تھا۔ اس لیئے راجہ بکرماجیت چاہتے تھے کہ وہ بدستور فوج میں کام کرتے
یں۔ عرفان نے کہا۔ فی الحال میرا ارادہ فوجی خدمات سے علیحدہ ہونے
کا نہیں ہے۔

راجہ بکرماجیت نے گل شیر خاں کے ہمراہ راجہ لوک چند کو آگرہ روانہ
کیا۔ اور خود وہیں مقیم ہو گئے ان کا اور عرفان کا ارادہ ہوا کہ وہ جوالا مکھی
کی سیر کریں۔

لیکن سیاحت کرنے سے قبل قلعہ اور اس کے نواح کا انتظام کرنا ضروری
تا کہ امن و امان قائم رہے لہذا راجہ بکرماجیت قیام امن میں مشغول ہو گئے
ہی لشکر اب بھی قلعہ سے باہر ہی فروکش تھا۔ صرف ایک رسالہ قلعہ
اندر متعین کیا گیا تھا۔

خواتین کے لیے جس جگہ خیمے لگائے گئے تھے وہ ایک مختصر سطح میدان تھا شاہی لشکر اس کے گرد کچھ فاصلہ پر میدان اور چٹانوں پر مقیم تھا گویا عورتوں کی حفاظت کا اچھی طرح انتظام کرلیا گیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی رکھا گیا تھا کہ ایک طرف سے لشکر اتنے فاصلے پر رہے کہ اگر ادھر عورتیں سیر کرنا چاہیں تو سپاہیوں سے ان کا سامنا نہ ہو۔ اس طرف ایک اونچی چٹان آگئی چٹان کے دوسری طرف لشکر پڑا تھا۔ چٹان کے۔ اوپر سے ایک چشمہ بہہ کر آیا تھا اور کچھ دور میدان میں بہہ کر پھر چٹان میں ہی داخل ہو جاتا تھا اکثر عورتیں اسی چٹان کے نیچے چشمے کے کنارے سیر کرنے نکل جاتی تھیں۔

ایک روز شام کے وقت عصر کی نماز پڑھ کر عرفان اس طرح جا نکلے اتفاق سے وہاں عذرا اور چند اور اس کی ہم سن لڑکیاں موجود تھیں سب نوخیز اور شوخ تھیں دوڑتی اور اچھلتی پھر رہی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیر سے آئی ہوئی ہیں اور اب تھک گئی ہیں چنانچہ ان میں سے ایک ایک دو دو کر کے سب لڑکیاں چلی گئیں عذرا چشمہ کے کنارے پر بیٹھ کر اونچی چٹان کو دیکھنے لگی اور کچھ ایسی محو ہوئی کہ اسے کچھ بھی خبر نہ ہوئی کہ اس کے خوبصورت سر سے دوپٹہ ڈھلک کر پیچھے جا پڑا ہے اور اس کی سیاہ اور مشکبو زلفیں مار سیاہ کی طرح نظر آرہی ہیں۔

عرفان دبے قدموں اس پری رخسار کے قریب پہنچ کر رکے اور آہستہ سے بولے۔ "کس قدر خوبصورت ہے"

عذرا چونک پڑی اس نے گھوم کر ہوش ربا نگاہوں سے عرفان کو دیکھ کر کہا۔ "اوہ آپ ہیں"

عرفان۔ کیا دیکھ رہی ہو عذرا۔

عذرا۔ کچھ بھی نہیں۔ آپ شاید اس لئے آئے ہیں کہ مجھ پر یہ احسان جتائیں کہ آپ نے میرے لئے یہاں آنے کی زحمت گوارا کی تھی۔

عرفان۔ یہ تم سے کس نے کہا۔

عذرا۔ سب لڑکیاں یہی کہتی ہیں۔

عرفان۔ مگر میں نے کسی سے یہ نہیں کہا حالانکہ بات دراصل یہی ہے۔

عذرا نے تیکھی چتون سے دیکھ کر کہا "یہی بات ہے"

عرفان نے گھبرا کر کہا ۔۔ اگر تم خفا ہوتی ہو تو یہ بات نہیں ہے۔

شریر عذرا مسکرانے لگی۔ عرفان نے کہا۔ "کس قدر شریر ہو تم پہلے تو تیز نظروں سے دیکھ کر ڈرا دیا۔ اب مسکرا رہی ہو۔

عذرا۔ آپ ڈر گئے تھے۔

عرفان۔ اب اگر ڈرنے کا اقرار کرتا ہوں تو تم کہو گی۔ نرم دل ہے اور اگر اقرار نہیں کرتا تو پھر بگڑو گی۔ اچھا تم ہی بتاؤ کیا جواب دوں۔

عذرا۔ کچھ نہیں۔ کہیں کوئی شریر لڑکی یہاں نہ آجائے۔ اچھا اب میں جاتی ہوں۔

عذرا کھڑی ہو گئی۔ عرفان بہت کچھ باتیں کرنا چاہتے تھے لیکن اس نے موقع ہی نہ دیا چلی گئی۔ عرفان بھی چلے آئے۔ وہ پھر ملاقات کا موقع ڈھونڈنے لگے لیکن نہ ملا۔ چند روز کے بعد انہوں نے سنا کہ شہنشاہ جہانگیر خود تشریف لا رہے ہیں وہ ان کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

انتیسواں باب (۲۹)

پہاڑی ساحرہ

شہنشاہ جہانگیر کے آنے کی خبر صرف مسلمانوں اور کانگڑہ کے باشندوں کو نہیں ہوگئی تھی بلکہ لاہور سے کانگڑہ اور کانگڑہ سے کشمیر تک پھیل گئی تھی شہنشاہ ہند کا آنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ہر مقام پر بڑے انتظامات شروع ہو گئے تھے۔

راجہ بکرا جیت کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ راجہ تلوک چند شہنشاہ جہانگیر کے حضور میں پہنچ گئے۔ جہانگیر نے ان کا قصور معاف کر دیا کچھ عرصہ کے بعد لاہور کے گورنر نے اطلاع دی کہ شہنشاہ لاہور آ گئے ہیں اور عنقریب کانگڑہ روانہ ہونے والے ہیں۔

راجہ بکرا جیت نے استقبال کی تیاری شروع کر دی۔ عرفان کو بھی معلوم ہو گیا تھا انہوں نے اپنے بستی والے مردوں اور عورتوں سے بھی کہہ دیا چونکہ جہانگیر کے ساتھ نورجہاں آ رہی تھیں اور نورجہاں کے حسن کی شہرت تھی اس لئے عورتیں انہیں دیکھنے کی بڑی مشتاق تھیں۔

عذرا کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ عرفان نے زنجیر عدل کو کھینچ کر جہانگیر اور نورجہاں سے فریاد کی تھی۔ اسے اس خیال سے شرم آ رہی تھی کہ کہیں عرفان نے اس سے محبت کا حال ان دونوں سے نہ کہہ دیا ہو وہ اس فکر میں تھی کہ عرفان سے مل کر یہ معلوم کرے کہ اس کا ذکر شہنشاہ یا ملکہ سے تو نہیں آیا اس نے عرفان سے ملنے کی کوشش شروع کی۔

ایک روز موقع مل ہی گیا۔ صبح کا وقت تھا۔ آفتاب طلوع ہو کر اونچی چٹانوں پر اپنی سنہری کرنیں پھیلانے لگا تھا۔ پہاڑ پر دلکش روشنی پھیل گئی تھی۔ عرفان چشمہ کے کنارے پر اسی چٹان پر بیٹھے تھے جس پر کچھ عرصہ ہوا جب عذرا بیٹھی تھی اور انہوں نے اس کے پاس پہنچ کر اس سے گفتگو کی تھی۔

وہ پانی کی روانی دیکھ رہے تھے چشمہ کچھ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ پانی بھی کم تھا۔ وہ خاموش بیٹھے تھے کہ ایک سریلی آواز آئی۔ "کیا چشمے کی لہریں گن رہے ہو"

عرفان نے گھوم کر دیکھا۔ پاس ہی عذرا کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کے آتشناک رخساروں سے حسن کی شعاعیں نکل رہی تھیں آنکھوں میں تیز چمک تھی خلاف امید عرفان اس غارت گر صبر و شکیب کو اپنے پاس کھڑے دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے انہوں نے کہا۔ "میں چشمہ کی لہریں تو نہیں گن رہا۔ البتہ اس میں کسی جمیلہ کا عکس لطیف دیکھ رہا ہوں۔"

عذرا بغیر کسی جھجک کے ان کے پاس والے پتھر پر بیٹھ گئی اس نے کہا۔

"کون جمیلہ ہے۔"

عرفان۔ ایسا چاند ہے جس پر آسمان جیسے سیکڑوں چاند قربان ہیں۔

عذرا نے شوخی سے کہا۔ "وہ ایسا چاند۔ جب تو میں بھی دیکھوں۔"

اس نے جھانکا چشمہ کا پانی آئینہ کی طرح چمک رہا تھا۔ عذرا کا عکس نمودار ہوا۔ عرفان نے اشارے سے بتا کر کہا۔ "یہ ہے وہ چاند۔ دیکھا تم نے۔"

عذرا نے شرمیلی نظروں سے عرفان کو دیکھ کر کسی قدر مسکراتے ہوئے کہا۔

شریر کہیں کے۔

عرفان۔ کیوں کیا ابھی وہ چاند نظر نہیں آیا جس پر آسمان کے چاند

قربان کئے جا سکتے ہیں۔

عذرا۔ میں تو سمجھتی تھی تم سچ بولتے ہو۔

عرفان۔ مجھے فخر ہے میں نے آج تک جھوٹ نہیں بولا۔ تم چاند سے بڑھ کر خوبصورت ہو۔

عذرا شرما گئی۔ اس نے کہا:۔ "ایک بات تو بتائیے"

عرفان نے اس کے پھول سے رخساروں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا۔"

عذرا۔ تم نے شہنشاہ یا ملکہ سے میرا تو کچھ ذکر نہیں کیا تھا۔

عرفان۔ یہ غلطی مجھ سے ہو چکی ہے۔ ملکۂ عالم نے شاید میری حالت دیکھ کر بھانپ لیا تھا۔ انہوں نے مجھ سے ایسا سوال کیا جس کے جواب میں تمہارا ذکر میں ان سے کر چکا ہوں۔

عذرا۔ گویا آپ نے مجھے اچھی طرح بدنام کر دیا ہے۔

عرفان۔ اس میں بدنامی نہیں شہرت ہے تمہیں میرا مشکور ہونا چاہیے کہ میں نے تمہیں مشہور کر دیا۔

عذرا نے ترچھی نظر سے عرفان کو دیکھ کر کہا۔ بڑا کام کیا اگر ملکۂ عالم نے مجھے طلب فرمایا تو میں کیسے ان کے سامنے جا سکوں گی۔

عرفان۔ ہرگز نہ جھجکنا بے دھڑک جا کر کہہ دینا میں وہی ماہرو ہوں جس کا ذکر دیوانہ عرفان نے آپ سے کیا تھا۔

عذرا کو ہنسی آ گئی اس نے کہا:۔ "آپ کے دیوانہ ہونے میں تو کوئی شک نہیں رہا۔ نہ معلوم لڑکیاں تمہاری تعریف کیوں کرتی ہیں"

عرفان۔ وہ منصف مزاج ہیں۔

عذرا پر کچھ ایسا ہنسی کا دورہ پڑا کہ وہ اٹھی اور ہنستی ہوئی بھاگی

چلی گئی۔ عرفان کو حیرت ہوئی کہ کس بات پر وہ ہنسی اور کیوں بھاگ گئی۔

تھوڑی دیر اور بیٹھ کر وہ بھی اٹھ کر چلے گئے۔

اس ملاقات کے چند ہی روز بعد شہنشاہ جہانگیر وہاں آ گئے ہندو اور مسلمانوں سب نے ہی ان کا شاندار استقبال کیا شہنشاہ کے آنے سے بڑی چہل پہل ہو گئی۔ چٹانوں پر دور تک شاہی لشکر پھیل گیا سب سے اونچی چٹان پر بارگاہِ خاص اور حرم سرا بنائی گئیں۔

شہنشاہ جہانگیر نے جب کانگڑہ کا قلعہ دیکھا تو اس کی مضبوطی اور کشادگی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ہندو امراء نے فراخدلی سے ان کا استقبال کیا نذریں پیش کیں۔ جہانگیر نے انہیں خلعت عطا کیے۔

شہنشاہ کو معلوم ہوا کہ زیر قلعہ ایک بھون ہے اس میں ایک بت ہے جس کے گرد ایک چھتر خود بخود حرکت کرتا ہے۔ جہانگیر کو اس کے دیکھنے کا اشتیاق ہوا چنانچہ وہ ایک روز اس بت کے دیکھنے کو تشریف لے گئے ان کے ساتھ نور جہاں بھی تھیں۔

بیشمار ہندو مردوں اور عورتوں نے ان کا استقبال کیا بھون نہایت کشادہ تھا ایک پختہ گڑھی تھی اس میں ایک درخت پیپل کا تھا کئی درخت پہاڑی تھے۔ پنڈتوں کی پلٹن سامنے پرا جمائے کھڑی تھی۔ ایک طرف ہندو معززین تھے دوسری طرف رئی جانی عورتیں تھیں نور جہاں نے عورتوں سے اور جہانگیر نے مردوں سے باتیں کیں۔

پنڈت شہنشاہ اور ملکہ کو ایک وسیع کمرہ میں لے گئے۔ اس کمرہ میں ایک بڑا بت رکھا تھا ـــــ اس بت کے گرد ایک چتر گھوم رہا تھا۔ یہ چتر پانڈوں کے زمانہ کا بتایا جاتا تھا ـــــ (ط) از سیر المتاخرین صفحہ ۳۱۸۔

یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کس دھات کا بنا ہوا ہے۔ ایک بوڑھے پنڈت نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ جہاں پناہ جی۔ اس مندر کے متعلق ایک پیشین گوئی چلی آتی ہے اجازت ہو تو عرض کروں۔

جہانگیر۔ عرض کرو۔

برہمن۔ پیشین گوئی یہ ہے کہ ایک مسلمان شہنشاہ کانگڑہ کو فتح کریں گے وہ نہایت منصف مزاج ہوں گے وہ ایک سونے کا چتر عطا کریں گے۔

جہانگیر۔ ہم مسلمان ہیں۔ مندر پر چتر نہیں چڑھا سکتے البتہ سونا دے دیں گے تم چاہو تو بنا لو۔

تمام برہمنوں نے جہانگیر کا شکریہ ادا کیا۔ جہانگیر نے اسی وقت اتنا سونا جس سے چتر تیار ہو سکے برہمنوں کو دے دیا تمام ہندو جہانگیر کے مشکور ہوئے اس سونے سے انھوں نے چتر[1] تیار کرا لیا۔ جہانگیر نے کانگڑہ کے اندر ایک شاندار مسجد تیار کرانی شروع کی۔

جب جہانگیر اور نور جہاں نے کانگڑہ اور اس کے نواح کی اچھی طرح سیر کرلی تو ایک روز نور جہاں نے جہانگیر سے کہا۔ ”آپ کو وہ فریادی یاد ہے جس نے کانگڑہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔

جہانگیر۔ یاد ہے۔ اس کا نام عرفان ہے۔

نور جہاں۔ اسے بلا کر دریافت تو کیجئے۔ اس کی منگیتر ملی یا نہیں۔

جہانگیر۔ ملکہ عالم کو یہ بات معلوم ہو گی کہ اس قلعہ میں جس قدر مسلمان مرد

---

[1] (از سیر المتاخرین صفحہ ۳۱۴)

اور عورتیں قید تھیں وہ سب رہا ہو گئی ہیں۔

نورجہاں۔ ہاں ہمیں معلوم ہے۔

جہانگیر۔ انہی میں اس کی منگیتر بھی ہوگی اسی کو نہ بلالو۔

نورجہاں۔ عالم پناہ نے ٹھیک فرمایا۔

دوسرے روز نورجہاں نے عذرا کو طلب کیا اسے یہ خدشہ پہلے ہی سے تھا بیچاری شرماتی لجاتی ملکہ کے حضور میں پہنچی وہ ایک دیہاتی اور سیدھی سادھی لڑکی تھی اس نے یہ شان و شوکت اور جاہ و جلال کہاں دیکھا تھا اس پر رعب طاری ہو گیا کنیزوں نے اسے نورجہاں کے حضور میں پہنچایا اس نے نہایت ادب سے سلام کیا۔ وہ ہیبت زدہ ہو کر کانپ رہی تھی ملکہ نے سلام لے کر نہایت نرمی سے کہا۔

"خوف نہ کرو۔ تمہارا کیا نام ہے؟"

"کنیز کا نام عذرا ہے۔"

نورجہاں نے مسکرا کر کہا۔ "جب عرفان نے فریاد کی تو ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اسے کسی لڑکی سے محبت ہے اور جب اس نے اس بات کا اقرار کر لیا تھا تو ہم نے یہ بھی جان لیا تھا کہ وہ لڑکی نہایت خوبصورت ہوگی آج تمہیں دیکھا تو ہمارے خیال کی تصدیق ہو گئی۔"

عذرا سر جھکائے کھڑی تھی۔ شرما رہی تھی۔ نورجہاں نے کہا۔ "تم تو شرما رہی ہو تمہیں تو شوخ ہونا چاہیے تھا۔"

زینت بیگم نے کہا۔ "ملکہ عالم! عذرا کا انداز کہہ رہا ہے کہ یہ نہایت شریر ہے اس وقت شرم کی گرد دبی ہوئی ہے عرفان کو بہت دق کرے گی سدا۔"

عذرا نے زینت بیگم کی طرف دیکھا زینت بیگم نے کہا۔ "اُف آنکھوں میں کس قدر جادو ہے یہ تو بہار کی ساحرہ ہے۔"

نورجہاں نے ہنس کر کہا۔ "بھئی خوب کہا۔"

عذرا بھی شرما گئی نورجہاں نے کہا۔ "تم آج سے ہماری خواصوں میں داخل کر لی گئیں۔"

عذرا۔ "کیا جانے خواصیں کیسی ہوتی ہیں" اس نے گھبرا کر ملکہ کی طرف دیکھا ملکہ نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ تمہیں عرفان سے جدا نہ کیا جائے گا۔"

عذرا اس قدر شرمائی کہ اس کا سر اس کے سینے سے لگ گیا۔ نورجہاں نے زینت بیگم کو اشارہ کیا وہ عذرا کو اپنے ساتھ لے گئی۔

چند ہی روز کے بعد نورجہاں کے حکم سے عرفان کے ساتھ عذرا کی شادی ہو گئی۔

جہانگیر نے کانگڑہ میں جو مسجد تیار کرانی شروع کی تھی اس میں بیشمار معمار اور مزدور لگا دیئے جب مسجد تیاری کے قریب پہنچی تو اس میں اذان دلائی اور خود جماعت کے ساتھ نماز ادا کر کے شرائط[1] اسلام بجا لائے۔ اس کے بعد وہاں سے آگرہ روانہ ہوئے۔ عرفان کو بھی ساتھ لے لیا۔

تیسواں باب (۳۰)

مہابت خاں

شہنشاہ جہانگیر کانگڑہ سے چل کر آگرہ میں واپس آ گئے۔

عذرا بھی نورجہاں کے ساتھ آئی اس نے شاہی ایوانات کہاں دیکھے تھے

---

[1] از سیر المتاخرین جلد اول صفحہ (۳۱۸)

وہ شاہی محلات - ان کا آرائشی سامان دیکھ کر ششدر رہ گئی - عرفان کا منصب بڑھ گیا - شاہی محل کے دروازے پر جو فوج رہتی تھی وہ اس میں لے گئے - نائب داروغہ ہو گئے -

انھیں محل کے قریب ہی ایک اچھا مکان رہنے کو دے دیا گیا - عذرا دن بھر محل میں رہتی اور رات کو اپنے مکان میں آجاتی -

جہانگیر روزانہ دربار کیا کرتے تھے - نورجہاں بھی چلمن کے اندر تخت کے اپر جہانگیر کے پیچھے بیٹھا کرتی تھیں -

دربار میں جو معاملات پیش ہوتے اکثر نورجہاں ان میں مشورہ دیا کرتی تھیں جہانگیر ان کے مشورہ کے مطابق فیصلہ صادر کر دیتے تھے - یہ حقیقت ہے کہ نورجہاں بھی جہانگیر کی طرح منصف مزاج تھیں ہوشیار اور سمجھدار بھی تھیں ہر معاملہ کی تہہ کو پہنچ جاتی تھیں -

ایک روز دربار لگا ہوا تھا - مقدمات فیصل ہو رہے تھے کہ ایک شخص نے بلند آواز سے کہا - "عادل شہنشاہ میں در انصاف کھلوانے کے لئے حاضر ہوا ہوں - انصاف چاہتا ہوں -

تمام درباری اور شہنشاہ اس کی طرف دیکھنے لگے - شہنشاہ نے کہا -

"انصاف کیا جائے گا - دعویٰ پیش کرو -

سائل نے کہا - جان بخشی ہو تو عرض کروں -

جہانگیر - فریادی کو کوئی خوف نہیں ہونا چاہیئے - یہ عدالت ہے انصاف ہوگا - اگر ہم سے کوئی شکایت ہے - بے دھڑک کہو -

سائل - شکایت جہاں پناہ ہی سے ہے -

جہانگیر - بیان کرو کیا شکایت ہے -

سائل - عالم پناہ! شہنشاہ ہیں۔ رعایا کے جان و مال ظل اللہ کے ہاتھ میں ہیں - خدا قیامت کے روز بادشاہوں سے ان کی رعیت کے متعلق سوال کریگا آپ سے بھی پوچھے گا۔ آپ نے مہابت خاں کو بنگالہ میں متعین کر کے وہاں کی رعایا کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے - وہ ظالم و جابر ہیں انھوں نے رعیت کو جبر و ظلم سے لوٹا ہے وہاں کے لوگوں نے ان کے مظالم سے تنگ آ کر مجھے شہنشاہ کے حضور میں فریاد کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

مہابت خاں کا اصلی نام زمانہ بیگ تھا وہ جہانگیر کے شاہزادگی کے زمانہ ہی سے ان کی سرکار میں اچھے منصب پر سرفراز تھے انہوں نے اس وقت بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے - اور اب جبکہ جہانگیر شہنشاہ ہو گئے تھے تو اب بھی اپنی خدمات احسن طریقہ پر انجام دیتے چلے آ رہے تھے - جب شاہزادہ خرم نے جو جہانگیر کے بعد شاہجہاں کے لقب سے تخت نشین ہوئے بغاوت کی تو مہابت خاں نے ہی ان کی گوشمالی کر کے انھیں سیدھا کیا تھا۔

لیکن مہابت خاں مغرور ہو گئے تھے وہ سمجھنے لگے تھے کہ شہنشاہ جہانگیر ان کے مرہون منت ہیں - جب کوئی اہم مہم پیش آتی ہے تو انہیں ہی یاد کیا جاتا ہے وہی بغاوتوں کو فرد کرتے اور جہانگیر کے دشمنوں کو نیچا دکھاتے ہیں ان کے ذہن نشین یہ بات ہو گئی تھی کہ تمام ملک ان کا لوہا ماننے لگا - شہنشاہ ان سے دبتے ہیں اس لئے وہ دست درازیاں کرنے لگے تھے - ان کے اخراجات بڑھ گئے تھے وہ رعایا سے بہ جبر دولت حاصل کر لینے جانتے تھے کہ اگر ان کی شکایت بھی کی جائے گی تو جہانگیر طرح دے جائیں گے - چشم پوشی کریںگے۔

انھیں بنگال میں خزانہ لانے کے لئے بھیجا گیا تھا انھوں نے وہاں بھی لوٹ شروع کر دی جور و تعدی سے لوگوں سے روپیہ وصول کیا کئی ہاتھی بے

لئے - اور یہ نذرانہ روپیہ اور ہاتھی آگرہ نہیں بھیجے - جہانگیر کو اس کی اطلاع ہو چکی تھی لیکن اس وقت مہابت خاں دکن کی مہم میں مصروف تھے اس لئے جہانگیر نے ان سے باز پرس کرنی مناسب نہ سمجھی - اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ جب وہ وہاں سے فارغ ہو کر آئیں تو ان سے اس کا مطالبہ کیا جائے۔

لیکن اب جبکہ فریادی نے سر دربار دعویٰ کیا تو جہانگیر کو اپنے پس و پیش کرنے پر تاسف ہوا - انہوں نے نورجہاں سے کہا - "ملکۂ عالم نے اس فریادی کی فریاد سنی -

نورجہاں - سنی عالم پناہ!

جہانگیر - تم نے مہابت خاں کو اپنے بھائی آصف خاں پر زور ڈالنے کے لیے کابل سے بلوایا تھا - اب تم کیا کہتی ہو -

ابوالحسن جنہیں آصف خاں کا خطاب ملا تھا - نورجہاں کے بھائی تھے جب ابوالحسن ایران سے آئے تھے تو نورجہاں کی سفارش پر ہی انھیں منصب جاگیر اور آصف خاں کا خطاب عطا ہوئے تھے - نورجہاں اور آصف خاں میں کافی محبت تھی لیکن چند ہی روز بعد دونوں میں نا اتفاقی ہو گئی اس نا اتفاقی میں خود غرضی کو دخل تھا -

بات یہ ہوئی کہ آصف خاں کے ایک بیٹی تھی - جو نہایت خوبرو تھی نورجہاں کی تحریک پر اس کی شادی جہانگیر کے منجھلے بیٹے شاہزادہ خرم (شاہجہاں) کے ساتھ ہو گئی - خرم کو اپنی اس بیوی سے ایسی ہی محبت ہو گئی - جیسی جہانگیر کو نورجہاں سے تھی - آصف خاں کی اس بیٹی کو ممتاز محل کا خطاب دیا گیا - یہ وہی ممتاز محل ہے جس کا روضہ "تاج محل" کے نام سے آگرہ میں ہے -

جہانگیر کو کچھ تو شاہزادہ خرم سے اس لئے محبت تھی کہ وہ ان کے فرمانبردار

تھے جب جہانگیر کے بڑے بیٹے خسرو نے راجہ مان سنگھ کی تحریک پر بغاوت کی تو خرم نے خسرو کی بڑی مذمت کی تھی۔ کچھ اس لئے خرم کا خیال زیادہ تھا کہ نورجہاں کے بھائی کی بیٹی سے ان کی شادی ہوئی تھی وہ آصف خاں کو خوش رکھنے کے خیال سے انہیں نوازتے رہتے تھے۔ خود نورجہاں بھی خرم اور ممتاز محل دونوں کی خاطر داری ملحوظ رکھتی تھیں۔

غرض جہانگیر اور نورجہاں دونوں خرم اور ممتاز محل دونوں کی بہت زیادہ مدارات کرتے رہتے تھے۔

لیکن کچھ عرصہ بعد نورجہاں نے اپنی اس لڑکی کی شادی جو شیر افگن سے تھی جہانگیر کے بھتیجے شہریار کے ساتھ کر دی تھی اب یہ قدرتی بات تھی کہ نورجہاں کو شہریار کا بھی خیال ہو گیا تھا وہ ان کی مدارات کرنے لگی تھیں۔

یہ بات شاہزادہ خرم اور آصف خاں دونوں کو ناگوار گزرنے لگی آصف خاں کی یہ کوشش تھی کہ شاہزادہ خرم کو جہانگیر کے بعد تخت نشین کرائیں لیکن اب انہیں یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں نورجہاں شہریار کو ولی عہد مقرر نہ کرا دیں اور چونکہ جہانگیر پر آصف خاں سے زیادہ نورجہاں کا اثر تھا اس لئے ان کا یہ اندیشہ روز بروز بڑھتا ہی جاتا تھا۔

چنانچہ انہوں نے خرم کو بہکا کر بغاوت کرا دی اور خود اس کے ساتھی بن گئے نورجہاں بھی زیرک و دانا تھیں وہ اس تہ کو پہنچ گئیں۔ انہوں نے خرم کی گوشمالی اور آصف خاں کو زیر کرنے کے لئے مہابت کو کابل سے بلوایا تھا۔

مہابت خاں نے آصف خاں اور خرم دونوں کو جہانگیر کا مطیع کرا دیا تھا بلکہ نورجہاں کی بھی یہ آرزو ہو گئی تھی کہ خرم کے بجائے سلطنت شہریار کو ملے چونکہ اس طرح آصف خاں اور نورجہاں دونوں میں خود غرضی پیدا ہو گئی تھی

اس لئے ان کی باہمی محبت جاتی رہی تھی۔ اور محبت عداوت میں منتقل ہو گئی تھی۔

جہانگیر کے سوال کرنے پر نورجہاں نے کہا۔ آصف خاں ہمارا بھائی ہے لیکن اس نے سرکشی کی تھی۔ اس کی سرکوبی کے لئے ہم نے مہابت خاں کو طلب کیا تھا آصف خاں سیدھا ہو گیا۔ اب مہابت خاں نے پیر نکالے ہیں۔ اس کے خلاف جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کی تصدیق بھی ہو چکی ہے اس سے وہ تمام روپیہ اور ہاتھی جو اس نے زبردستی بنگالہ کے لوگوں سے وصول کئے ہیں حاصل کر کے انہیں واپس دیئے جائیں۔

جہانگیر۔ ملکہ عالم کا فیصلہ مناسب ہے۔ انصاف کے سامنے ہم کسی امیر اور سلطنت کے مشیر کا تو کیا خود ملکہ کا بھی لحاظ نہیں کریں گے۔

نورجہاں۔ ایک عادل شہنشاہ کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

اب جہانگیر نے سائل سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تمہاری فریاد ہم نے سن لی ہم انصاف کریں گے۔

سائل نے نعرہ لگایا۔ عادل شہنشاہ زندہ باد۔

تمام درباریوں نے اس نعرہ کی تکرار کی۔ جہانگیر نے ایک درباری کی طرف دیکھ کر کہا ——"فدائی خاں"

اس درباری کا نام فدائی خاں تھا اس نے دست بستہ کھڑے ہو کر کہا۔

"پیر و مرشد"

جہانگیر۔ تمہارے سپرد یہ خدمت کی جاتی ہے تم دکن جا کر مہابت خاں کے پاس ہمارا یہ فرمان پہنچاؤ کہ اس نے جو روپیہ بنگالہ سے بہ جبر وصول کیا ہے اور جو ہاتھی حاصل کئے ہیں وہ سب حاضر کرے۔

فدائی خاں۔ یہ خانہ زاد بڑے فخر سے اس خدمت کو انجام دے گا

لیکن اگر مہابت خاں کچھ حیلے حوالے کریں کیا کیا جائے۔

جہانگیر۔ فوراً اسے گرفتار کر کے ہمارے حضور میں پیش کرو۔

فدائی خاں۔ اگر وہ مقابلہ کرے۔

جہانگیر۔ اس کی گوشمالی کر دو۔

فدائی خاں۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

تھوڑی دیر میں دربار برخاست ہو گیا۔ اگلے ہی روز فدائی خاں کچھ فوج لے کر مہابت خاں سے شہنشاہ کے احکام کی تعمیل کرانے کے لئے دکن روانہ ہو گئے

اکتیسواں باب (۳۱)

نظر بندی

فدائی خاں کو مہابت خاں کی طرف روانہ کر کے شہنشاہ جہانگیر دورہ کے لئے کابل روانہ ہوئے آصف خاں بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے نورجہاں کو راضی کر لیا تھا ان دونوں کے دلوں میں جو کدورت پیدا ہوئی تھی وہ دور ہو گئی تھی۔ نورجہاں چونکہ جہانگیر کے دم کے ساتھ رہتی تھیں اس لئے وہ بھی ہمراہ تھیں۔

جہانگیر کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ جب وہ دورے پر جاتے یا سفر میں ہوتے تو ضرور شکار کھیلتے۔ چنانچہ اس موقع پر بھی وہ شکار کھیلتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

بیانتک کہ دریائے بہت کے کنارے پہنچے چونکہ وہاں شکار کی افراط تھی وہ وادی بھی پرفضا تھی اس لئے شہنشاہ نے وہیں قیام کر دیا

اور سیر و شکار میں مشغول ہو گئے۔

جبکہ شہنشاہ دریائے بہت کے کنارے پر ٹھہرے ہوئے تھے اس وقت اطلاع ہوئی کہ مہابت خاں اپنے ساتھ راجپوتوں کا جرار لشکر لائے ہیں انہیں ان کی نیت میں فتور معلوم ہوا انہوں نے جہانگیر کو اس بات کی اطلاع دی جہانگیر نے خود بھی تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ مہابت خاں کو راجپوتوں نے ابھار رکھا ہے وہ سرکشی پر آمادہ ہیں فریب دے کر معافی حاصل کرنا چاہتے ہیں جو مطالبات ان پر واجب ہیں انہیں ادا کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ جہانگیر کو سخت ناگوار ہوا انہوں نے حکم دے دیا کہ جب تک مہابت خاں مطالبات شاہی ادا نہ کرے باریاب مجرا نہ ہو گا۔

مہابت خاں دراصل یہی چاہتے تھے کہ بادشاہ کے حضور میں پہنچ کر جس طرح بھی ہو معافی حاصل کر لیں۔ روپیہ ان کے پاس نہیں رہا تھا خرچ ہو چکا تھا وہ شاہی مطالبات پورے نہیں کر سکتے تھے۔ جب انہیں شاہی حکم پہنچا تو بڑا فکر ہوا۔ راجپوتوں نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ اگر بادشاہ اپنے حضور میں باریابی کی اجازت نہیں دیتے تو جنگ شروع کر دو دراصل راجپوت یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو آپس میں ٹکرا دیں۔

لیکن مہابت خاں خوب جانتے تھے کہ اول تو بادشاہ کے ساتھ لشکر زیادہ ہے دوسرے راجپوت لڑائی میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے وہ موقع کا انتظار کرنے لگے۔

اتفاق سے آصف خاں بغیر جہانگیر سے مشورہ کئے شاہی لشکر کی قطاریں قطار دے کر دریا پار ہو گئے۔ مہابت خاں دیکھتے رہے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ اس وقت جہانگیر کے جلو میں چند امراء خاص اور خادم رہ گئے ہیں وہ مست تھے

راجپوتوں سے کہا۔ خوش قسمتی سے اب موقع مناسب ہے۔ آصف خاں اور دوسرے امراء دریا پار چلے گئے ہیں۔ اس وقت شہنشاہ کے ساتھ بہت کم سپاہی رہ گئے ہیں۔ چلو! قسمت آزمائی کریں۔

راجپوتوں کو لوٹ مار کا چسکا پڑا ہوا تھا انہیں لوٹ کے مال کی امید ہوئی وہ کمر بستہ ہو گئے۔ مہابت خاں فوراً انہیں ساتھ لے کر چلے۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پل پر قبضہ کر لیا جس کے ذریعہ سے آصف خاں اپنا لشکر لے کر پار اترے تھے یہ پل کشتیوں کا بنایا ہوا تھا۔ مہابت خاں نے اس پل کو آگ لگا دی اور ہزار سوار وہاں اس لئے چھوڑ دیئے کہ آصف خاں پھر واپس نہ آجائیں۔

وہ باقی لشکر لے کر بارگاہِ خاص کی طرف متوجہ ہوئے۔ راجپوتوں نے شاہی کیمپ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت شہنشاہ جہانگیر غسلخانہ میں بیٹھے تھے پرستاران حرم نے انہیں اطلاع دی کہ مہابت خاں راجپوتی لشکر لے کر چڑھ آئے ہیں۔ جہانگیر گھبرائے نہیں وہ پالکی میں سوار ہو گئے کہاروں نے پالکی اٹھائی قلماقنیاں ننگی تلواریں لے کر پالکی کے دونوں طرف ہو گئیں ابھی پالکی چند ہی قدم چلی تھی کہ مہابت خاں دو راجپوت افسروں کو لے کر غسل خانے میں گھس آئے۔

غسلخانہ بھی دولت خانۂ شاہی میں شامل تھا کسی غیر شخص کو بغیر اجازت وہاں آنے کا حکم نہیں تھا جہانگیر مہابت خاں کی یہ گستاخی دیکھ کر بہت برہم ہوئے انہوں نے گرج کر کہا۔ "تمہاری یہ جرأت کہ تم بلا اطلاع اور بغیر اجازت کے غسل خانہ میں گھس آئے۔"

مہابت خاں جانتے تھے کہ جہانگیر کی رگوں میں چغتائیہ خاندان کا خون ہے وہ تلوار کے دھنی ہیں اگر انہیں جوش آگیا تو خون کی ندیاں بہا دیں گے جو

مسلمان مرد اور عورتیں وہاں موجود ہیں ان میں سے ہر ایک اس قدر وفادار و جاں نثار ہے کہ اپنی جان کی بازی لگا دے گا اگرچہ جنگ نے طول کھینچا اور آصف خاں اپنا لشکر لے کر آگئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

مقابلہ دشوار ہو جائے گا اس لئے انہوں نے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا۔ وہ فوراً شہنشاہ کے حضور میں پہنچ کر جہانگیر کے قدموں پر گر پڑے۔ انہوں نے کہا۔ "غلام زادہ حاضر ہے۔ خطاوار ہے۔ جو چاہے سزا دیجئے۔"

جہانگیر۔ آخر تم نے یہ گستاخی کیوں کی؟

مہابت خاں۔ عالم پناہ! میں ازلی وفادار ہوں میری سرشت میں جاں نثاری ہے۔ شاہی نمک سے میرے گوشت و پوست پلے ہیں۔ میں نے حضور میں باریاب ہو کر اپنی مجبوری ظاہر کرنی چاہی لیکن میرے مخالفوں نے بدگوئی کر کے میری تمنا پوری نہ ہونے دی۔ اس وقت خوش قسمتی سے باریابی کا موقع مل گیا مجرے کے لئے حاضر ہو گیا ہوں۔

جہانگیر۔ لیکن تمہاری یہ آمد گستاخانہ ہے۔

مہابت خاں۔ میں جانتا ہوں لیکن سوائے اس کے اور چارہ ہی کیا ہے۔

اس عرصہ میں دولت خانۂ شاہی کے محافظوں کے چند افسر بھی وہاں آگئے تھے۔ ان عرفان بھی تھے۔ عرفان نے مہابت خاں کے تیور دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ وہ جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں ان کے دل میں وہ نہیں ہے ان کی آنکھیں ان کی زبان کو جھٹلا رہی تھیں وہ جہانگیر اور مہابت خاں کے درمیان میں جا کھڑے ہوئے۔

جہانگیر ابھی تک پالکی میں سوار تھے۔ انہیں مہابت خاں کے جواب پر غصہ آ گیا انہوں نے تلوار میان سے کھینچنی چاہی۔ عرفان نے دیکھ لیا

انہوں نے نہایت دبے لہجہ میں کہا۔ "عالیجاہ ضبط کیجئے۔"

جہانگیر نے اول مہابت خاں کی اور پھر عمر خاں کی طرف دیکھا مہابت خاں کے چہرے پر سے گستاخانہ سرکشی کے اور عمر خاں کے چہرہ سے جاں نثارانہ وفاداری کے آثار ظاہر تھے۔ انہوں نے قبضۂ شمشیر سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور مہابت خاں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تمہیں وزیر اعظم کے توسل سے پھر اپنی درخواست پیش کرنی چاہیئے تھی۔"

مہابت خاں۔ مگر وزیر اعظم یہاں نہیں تھے۔

جہانگیر۔ لیکن پھر بھی تمہیں سرکشی سے باز رہنا چاہیئے تھا۔

مہابت خاں۔ میری یہ مجال نہیں کہ میں خودسری یا سرکشی کر سکوں۔

جہانگیر۔ اچھا۔ اب تم کیا چاہتے ہو۔

مہابت خاں۔ معافی۔

جہانگیر۔ کس بات کی۔

مہابت خاں۔ اپنی ہر خطا کی۔

جہانگیر۔ لیکن پہلے تمہیں مطالبات شاہی ادا کرنے چاہئیں۔

مہابت خاں۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو یہاں تک نوبت ہی کیوں پہنچتی۔

جہانگیر۔ مگر جن لوگوں سے تم نے بہ جبر روپیہ وصول کیا ہے۔ انہیں واپس دینا ضرور ہے۔

مہابت خاں۔ میں نے ان سرمایہ داروں سے روپیہ لیا ہے جو دولت پر سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ نہ اپنے لئے خرچ کرتے ہیں نہ دوسروں کو دیتے ہیں۔ اول درجہ کے کنجوس بلکہ مکھی چوس ہیں۔ اگر ان سے تھوڑی دولت لی تو وہ برباد نہیں ہو گئے۔

جہانگیر۔ مگر کسی کو کسی سے زبردست دولت چھیننے کا کیا حق ہے۔

مہابت خاں۔ اگر یہ بات ہے تو میں اس کی بھی معافی چاہتا ہوں۔

جہانگیر۔ ہم اس بات کو کیسے معاف کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں کو روپیہ دیکر رضامند کر لو جن سے تم نے روپیہ لیا ہے۔

مہابت خاں۔ اس میں میری توہین ہے۔

جہانگیر کو پھر غصہ آگیا۔ انھوں نے پھر تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ عرفان نے پھر آہستہ سے کہا۔ "عالم پناہ صبر و ضبط سے کام لیجئے۔"

جہانگیر نے پھر ضبط کیا۔ جس وقت یہاں یہ گفتگو ہو رہی تھی راجپوتوں نے دولت خانۂ شاہی پر تاخت شروع کر دی۔ وہ لیٹرے تھے۔ لوٹ مار کے لئے آئے تھے چونکہ وہاں نہ باقاعدہ لشکر تھا۔ نہ کوئی افسر تھا اس لئے شاہی خدام راجپوتوں کا مقابلہ نہ کر سکے یا انہوں نے مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔

عرفان کو یہ دیکھ کر جوش آگیا ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا انہوں نے تلوار نکالنے کے لئے قبضہ پر ہاتھ ڈالا۔ جہانگیر نے دیکھ لیا انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "حوصلہ سے کام لو عرفان۔"

عرفان بھی سنبھل گئے مہابت خاں ان راجپوتوں کو دیکھنے لگے تھے جو غسل خانہ میں گھس آئے تھے انھوں نے اشارہ سے انہیں سے باز رہنے کا حکم دیا۔ راجپوت بھی شہنشاہ کے گرد آ کھڑے ہو گئے۔

اب مہابت خاں نے اپنا گھوڑا منگا کر جہانگیر کے حضور میں پیش کر کے کہا۔ "جہاں پناہ سوار ہوں۔ غلام زادہ رکاب میں رہے گا۔"

جہانگیر شہنشاہ تھے انھوں نے وابستگان دولت کو اس سے بہتر سیکڑوں گھوڑے عطا کئے تھے مہابت خاں کے گھوڑے پر کیسے سوار ہوتے۔ انہوں نے

اسپ خاصہ طلب فرمایا اور پالکی میں سے نکل کر اس پر سوار ہوئے۔ سوار ہوتے وقت انھوں نے آہستہ سے عرفان کے کان میں کہا۔ "ملکۂ عالم کی حفاظت کرنا۔"

عرفان وہاں سے ٹل کر حرم سرا کی طرف چلے گئے جہانگیر مہابت خاں کے ساتھ روانہ ہوئے ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ مہابت خاں نے ہاتھی پیش کر کے کہا ـــ "عالم پناہ اب ہاتھی پر سوار ہو لیں۔"

جہانگیر انکار نہ کر سکے۔ ہاتھی پر سوار ہو گئے بعض شاہی خدام نے شہنشاہ کے رکاب میں چلنا چاہا۔ مہابت خاں نے انہیں روک دیا اور جہانگیر کو اپنے کیمپ میں لے جا کر اپنے خاص خیمے میں اتارا۔ اس طرح انہوں نے جہانگیر کو اپنی حراست میں لے لیا۔

چھتیسواں باب (۳۶)

ہمت مردانہ

مہابت خاں نے جب جہانگیر کو نظر بند کر لیا تو انھیں ملکہ نورجہاں کی بھی فکر ہوئی وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ نورجہاں مدبرہ تھی اور بہادر تھی۔ امراء اور ارکین سلطنت پر ان کا اثر بھی کافی ہے۔ فوجیں بھی ان کے کہنے میں ہیں۔ تمام ملک بھی ان کی عزت کرتا ہے انہیں یہ اندیشہ نہیں بلکہ یقین تھا کہ نورجہاں جہانگیر کو چھڑانے کی کوشش کرے گی۔ وہ فوجی دستے لے کر پھیر دولت خانہ شاہی پر گئے انہوں نے حرم سرا کا محاصرہ کر لیا لیکن یہ سن کر ان کی تمام امیدوں پر اوس پڑ گئی کہ نورجہاں حرم سرا

ہیں نہیں ہیں۔ مہابت خاں نے حرم سرا اور دولت خانہ شاہی پر قبضہ کر لیا اپنے لشکر کو بھی وہیں بلا لیا اور اسی جگہ مقیم ہو گئے۔

نورجہاں اس وقت جب مہابت خاں غسلخانہ میں گھس آئے تھے حرم سرا ہی میں تھیں لیکن جب مہابت خاں جہانگیر کو اپنے ساتھ اپنے قیام گاہ پر لے گئے تو نورجہاں کو موقع مل گیا وہ اپنی تمام پرستاروں اور کنیزوں کو قلماقنیوں اور دولت خانہ شاہی کے محافظوں کی حفاظت میں روانہ ہو کر دریا پار اپنے بھائی آصف خاں کے پاس پہنچ گئیں ان کے داماد شاہزادہ شہریار کے خیمہ پہ اتر گیا۔

نورجہاں کو اس بات کا بڑا ہی ملال تھا کہ مہابت خاں شہنشاہ جہانگیر کو اپنے ساتھ لے گئے انھوں نے تمام امرا اور فوجی افسروں کو طلب کیا آصف خاں اور شہریار کو بھی بلایا جب یہ سب لوگ آ گئے تب ان سے کہا۔

کس قدر افسوس اور شرم کی بات ہے کہ تم سب لوگ دیکھتے ہی رہ گئے اور مہابت خاں تمہارے شہنشاہ کو اپنے ساتھ لے گیا کیا یہی تمہاری وفاداری اور جاں نثاری ہے؟ کیا یہی تمہاری بہادری ہے؟"

آصف خاں نے کہا — غلطی مجھ سے ہوئی میں تمام لشکر لے کر اس طرف چلا آیا یہ نہ سمجھا کہ دشمن قریب ہے اور شہنشاہ کے جلو میں اس قدر لشکر نہیں ہے کہ وہ دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ دشمن کا وار چل گیا لیکن وہ جاتا کہاں ہے کل صبح ہی دریا پار کر کے اس پر یورش کی جائے گی شہنشاہ کو ان کی حراست سے چھڑا لیا جائے گا اور مہابت خاں کو ملکۂ عالم کے حضور میں پابہ جولاں پیش کیا جائے گا۔

اس وقت امراء میں سے آصف خاں کے علاوہ ان کے بیٹے ابوطالب میر خلیل اللہ، خواجہ قاسم، خواجہ ابوالحسن اور بدیع الزماں وغیرہ تھے ان لوگوں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ انہوں نے دریا پار آنے میں بڑی ہی غلطی کی ہے اور وہ سب پھر دریا کو عبور کرکے مہابت خاں کو ان کی سرکشانہ چیرہ دستیوں کی سزا دیں گے اور شہنشاہ جہانگیر کو ان کی حراست سے رہائی دلا کر ان سے معافی چاہیں گے۔

طے یہ ہوا کہ دوسرے دن آفتاب طلوع ہوتے ہی یہ مہم شروع کر دی جائے گی۔ نور جہاں نے جوش میں آکر کہا۔

"سنو! اگر تم نے بزدلی کی، تم پسپا ہوئے تو ہم اپنی جان کی بازی لگا دیں گے۔ یا تو اس مہم کو فتح کریں گے یا اپنی جان دے دیں گے۔"

سب نے یک زبان ہو کر کہا، ہم میدان جنگ میں کٹ کر مر جائیں گے لیکن شکست کا داغ اپنی پیشانی پر نہ لگنے دیں گے۔

اس قرارداد کے بعد یہ مجلس شوریٰ برخاست ہو گئی اسی وقت سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سپاہی اور افسر رات کو بہت کم سوئے صبح ہوتے ہی طبل جنگ بجنے لگا مسلمان نماز سے فارغ ہو کر مسلح ہوئے فوجی پیادہ پلٹنیں اور سواروں کے رسالے دریائے بہت کی طرف بڑھے۔

مہابت خاں بھی غافل نہیں تھے۔ انہوں نے راتہی کو دریا کے کنارہ پر راجپوتوں کے دستے پھیلا دیئے تھے۔ صبح ہوتے ہی یہ رسالے اور مہابت خاں کا سارا لشکر مسلح ہو کر لڑائی کے لیے تیار ہو گیا اس لشکر میں راجپوت ہی راجپوت تھے۔ دراصل راجپوت اکبر ہی کے زمانے سے سلطنت مغلیہ کو مٹانے کی فکر میں تھے

جب انہوں نے دیکھا کہ مہابت خاں سے شہنشاہ جہانگیر ناخوش ہو گئے ہیں۔ تو انہوں نے انہیں یعنی مہابت خاں کو ابھارا اور خود ان کے ساتھی بن گئے۔

نورجہاں ہاتھی پر سوار ہوئیں۔ آج انہوں نے بھی زرہ بکتر چار آئینے لگائے۔ تاج سر پہ رکھا۔ ان کا یہ جنگی لباس خالص چاندی کا تھا۔ یہ لباس بھی ان پر بھوٹ نکلا۔ انہوں نے خنجر پیٹی میں اڑسا، قرولی ہاتھ میں لی ترکش پشت پر لٹکایا، کمان شانے پر ڈالی۔ غرض سپاہی بن گئیں۔ عماری میں بیٹھیں زینت بیگم اور عذرا ان کے پیچھے بیٹھ گئیں دو پرستاریں بھی سوار ہو گئیں۔ وہ قلب لشکر میں رہیں۔ میمنہ میں آصف خاں اور ان کے بیٹے ابوطالب اور میسرہ میں میر خلیل اللہ اور بدیع الزماں اور خواجہ قاسم نورجہاں کے جلو میں متعین ہوئے۔

دریا کے کنارے پہنچ کر اسے عبور کرنے کی فکر ہوئی۔ مہابت خاں نے پل پہلے ہی جلا دیا تھا۔ کشتیاں موجود نہ تھیں۔ دریا طغیانی پر تھا اسے پار کرنا مشکل نظر آیا۔ تمام افسر اور سارا لشکر کنارہ پر کھڑا ہوا متذبذب نظر آیا۔ نورجہاں نے فیلبان سے کہا۔۔۔۔ فوج اور سرداروں نے پہلی کم ہمتی یہ دکھائی کہ دریا کی روانی سے ڈر گئے۔ اس کنارے پر کھڑے سوچ رہے ہیں۔ یہ وقت سوچنے کا نہیں ہے ہمت اور جرأت کا ہے تم ہاتھی کو بڑھا کر دریا میں اتار دو اور اگر تم بھی پانی سے ڈرتے ہو تو ہاتھی سے نیچے اتر جاؤ ہم خود ہاتھی کو لے چلیں گے۔

فیلبان کو جوش آ گیا اس نے کہا۔۔۔ میں نامرد نہیں ہوں مسلمان ہوں جہاد کے لئے گھر سے نکلا ہوں۔ شہادت میری عین تمنا ہے میں پیچھے ہٹنے والوں میں نہیں ہوں۔

یہ کہتے ہی اس نے ہاتھی کو بڑھایا۔ فوج نے دیکھا اتنے جاں نثار افسر نورجہاں کو روکیں اتنے میں ملکہ کا ہاتھی دریا میں بھی اتر گیا۔ نور جہاں کے ہاتھی کو دریا میں دیکھ کر تمام سپاہیوں کو جوش آ گیا۔ سواروں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ افسر بھی دریا میں کود پڑے جس دریا سے لوگ ڈر رہے تھے اب اس میں کودنے لگے تھے۔ گھوڑے تیرنے لگے تھے وہ پیادہ سپاہی جو تیرنے میں مشاق تھے دریا میں پھاند پڑے تھے اور اس میں مچھلی کی طرح تیر رہے تھے۔ کئی میل تک سپاہی گھوڑے اور ہاتھی دریا میں پھیل گئے یہ لشکر دوسرے کنارے کی طرف مہابت خاں کے لشکر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

آفتاب نکل آیا تھا اور اس کی نفشی شعاعیں نیلگوں پانی پر لوٹ رہی تھیں۔ سنہری دھوپ میں ہر چیز جگمگا رہی تھی۔ مہابت خاں نے جب شاہی لشکر کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے راجپوتوں کو للکارا۔ راجپوتوں نے کمانیں سنبھالیں اور مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمان سواروں نے ڈھالیں سامنے کر دیں لیکن تیر ڈھالوں پر نہ رک سکے۔ مسلمانوں اور ان کے گھوڑوں کو چھیدنے لگے۔

چونکہ مسلمان دریا کو عبور کر رہے تھے اس لئے وہ خود تیر باری نہ کر سکتے تھے صرف دشمنوں کے تیروں سے بچ رہے تھے پھر بھی بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے تھے۔ اتفاق سے ابوطالب بھی زخمی ہو گئے۔ انہوں نے فوراً اپنا گھوڑا پیچھے لوٹایا اور جس کنارہ سے دریا میں اترے تھے اسی کنارہ کی طرف واپس چل دیئے ان کے دستہ کے لوگ بھی لوٹ پڑے لیکن آصف خاں ابھی تک بڑھتے چلے جا رہے تھے ان کے بھی ایک تیر آ کر لگا وہ بھی خفیف طور

پر زخمی ہو گئے ان کی ہمت بھی جواب دے گئی نہ ہمیں (نورجہاں) کا خیال رہا نہ غیرت کا پاس۔ وہ بھی واپس لوٹ پڑے۔ ان کا لشکر بھی پیچھے پھر گیا ان کی دیکھا دیکھی اور بھی کئی سردار اور کئی فوجی دستے واپس لوٹ گئے۔

نورجہاں ان لوگوں کو واپس لوٹتے دیکھ رہی تھیں بجائے اس کے کہ ان کی ہمت بھی جواب دے جاتی اور انہیں جوش آ رہا تھا وہ اپنے جلو کے سواروں کو جوش دلاتی بڑھی چلی جا رہی تھیں۔

راجپوت برابر تیر برسا رہے تھے اور مسلمان زخمی ہوتے چلے جا رہے تھے لیکن جو لوگ نورجہاں کے جلو میں تھے وہ زخمی ہونے پر بھی پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے بلکہ آگے ہی بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

اب نورجہاں نے کمان سنبھال لی تھی وہ خود ترکش میں سے تیر نکالتیں کمان میں رکھ کر چلہ کھینچتیں اور تیر چلاتیں ان کے تیروں نے کئی راجپوتوں کو الٹ دیا ان میں سے کئی مر گئے کئی بری طرح زخمی ہو کر ناکارہ ہو گئے۔

راجپوتوں نے جوش میں آ کر اور بھی تیزی سے تیر افگنی شروع کی اکثر تیر نورجہاں کی عماری پر آ کے پڑتے تھے۔ کئی تیر ملکہ کی زرہ بکتر پر آ کر پڑے نورجہاں اس سے گھبرائی نہیں وہ تیروں سے بچنے کے لئے ادھر ادھر جھک ضرور جاتی تھیں۔ لیکن واپس لوٹنے کا خیال بھی ان کے دل میں نہیں آیا نہایت بہادری سے تیر برساتی ہوئی بڑھ رہی تھیں ان کا ہاتھی زخمی ہو گیا تھا۔ لیکن ہاتھی بھی پیچھے نہ لوٹا بلکہ پانی میں تیر کر آگے بڑھ رہا تھا۔

اتفاق سے ایک تیر عماری پر آیا۔ نورجہاں داہنی طرف جھک گئیں وہ تیر ایک کنیز کے جسم میں ترازو ہو گیا۔ کنیز نے سسکی بھری۔ نورجہاں نے کہا۔

"ہماری کنیز کو ایسا بہادر ہونا چاہیئے کہ زخم کھانے پر آہ نہ کرے۔

کنیز نے عرض کی۔ یہ بات فطرتی تھی۔ اب آہ نہ کروں گی۔"

نورجہاں نے خود کنیز کے جسم سے تیر کھینچ لیا۔ عذرا نے جلدی سے زخم پر پٹی کس دی۔ نورجہاں نے اس عرصہ میں ایک تیر کمان میں رکھ کر چھوڑا وہ ایک راجپوت افسر کے سینے میں گھس گیا۔ افسر تیورا کر گرا نورجہاں نے کنیز سے کہا تو ہم نے تمہارا بدلہ لے لیا۔

کنیز نے کہا "ملکۂ عالم کا شکریہ"

جب نورجہاں کا ہاتھی اور ان کے جلو کا رسالہ دوسرے کنارہ کے قریب پہنچا تو مہابت خاں نے راجپوتوں کو کنارہ سے ہٹا دیا اور خود وہاں سے اپنی جائے قیام پر اپنا سب لشکر لے کر چلے گئے دولت خانۂ شاہی کو خالی کر گئے۔ حیرت یہ ہے انہوں نے ایسا کیوں کیا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ نورجہاں کے ساتھ بہت کم سپاہی آ رہے ہیں اگر وہ کھڑے رہتے تو شاید نورجہاں کے تمام ہمراہی یا تو بھاگ جاتے یا مارے جاتے۔ اپنے ہٹنے میں بھی انہوں نے کوئی مصلحت سوچی ہو گی۔

نورجہاں دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچیں جب وہ تمام سپاہ جوان کے ساتھ دریا میں کودی تھی اس پار ان کے پاس آ گئی تو وہ وہاں سے سیدھی دولتخانہ شاہی میں چلی گئیں افسروں نے پہرہ کا معقول انتظام کر دیا۔ فوجی دستے جگہ جگہ نورجہاں کی حفاظت کے لئے تعینات کر دیئے اس طرح نورجہاں نے ہمت مردانہ دکھا کر یہ ثابت کر دیا کہ اگرچہ وہ نازک بدن جمال ہیں لیکن ان کے سینے میں مردوں سے زیادہ بہادر دل ہے۔

تنتیسواں باب (۳۳)

مہابت خاں کی جان بخشی

نورجہاں اس زمانہ کی بے مثل حسینہ ہی نہ تھیں بلکہ مدبرہ بھی تھیں۔ ذی عقل اور نکتہ سنج بھی تھیں اگرچہ ہندوستان کے شہنشاہ جہانگیر تھے لیکن دراصل فرمانروائی نورجہاں کر رہی تھیں وہ پیچیدہ سے پیچیدہ معاملوں کو اس خوبی سے سلجھا دیتی تھیں کہ وزراء اور امراء حیران رہ جاتے تھے۔

گھوڑے پر سوار ہونا اور تیر اندازی کرنا خوب جانتی تھیں ان کا نشانہ کبھی خطا نہ کرتا تھا لیکن ان کے استقلال اور ان کی بہادری کا امتحان دریائے بہت کے کنارہ مہابت خاں کی جنگ میں ہوا انہوں نے یہ واضح اور ثابت کر دیا کہ وہ مردوں سے کچھ کم جنگجو نہیں بلکہ ان سے بڑھ کر پرجوش، غیور اور دلیر ہیں۔

جب کہ انہوں نے اور ان کے بھائی آصف خاں نے دریا میں اتر کر جنگ شروع کی تو ان کے بھائی تاب مقاومت نہ لا سکے ہزیمت اٹھا کر بھاگ گئے لیکن نورجہاں برابر مقابلہ کرتی رہیں۔ حالانکہ تیر ان کی عماری پر آ آ کر گرتے ان کی ایک کنیز زخمی ہو گئی۔ ہر قدم پر خود ان کے قتل یا زخمی ہو جانے کا احتمال تھا لیکن وہ گھبرائی نہیں بلکہ نہایت جرأت و ہمت سے بڑھ کر دوسرے کنارے پر پہنچ گئیں۔

مہابت خاں اپنا لشکر لے کر ان کے سامنے سے ٹل گئے اور انہوں نے شاہی کیمپ پر پھر قبضہ کر لیا۔ رات نہایت اطمینان اور آرام سے گذاری البتہ کا اندیشہ

تھا کہ صبح ہوتے ہی مہابت خاں پر یورش کر کے انھیں شکست دے کر جہانگیر کو ان کی نظر بندی سے رہائی دلائیں لیکن شاہی سپاہیوں، امیروں اور فوجی افسروں نے سخت بزدلی اور کم ہمتی کی ان میں سے کئی وہ لوگ جن کی وفاداری اور بہادری پر بھروسہ تھا مہابت خاں سے مل گئے۔

خواجہ ابوالحسن وغیرہ غداروں میں شامل تھے آصف خاں اور ان کے بیٹے ابوطالب پہلے ہی بھاگ چکے تھے جن لوگوں نے مہابت خاں کی اطاعت اختیار کر لی تھی وہ اپنا لشکر بھی اپنے ساتھ مہابت خاں کے پاس لے گئے۔ نور جہاں کے ساتھ بہت تھوڑا لشکر رہ گیا۔ یہ لشکر وہی تھا جو وہ اپنے ساتھ لڑائی کے لئے لائی تھیں۔

یہ بات نہایت ہمت شکن اور پست حوصلہ بنا دینے والی تھی لیکن آفرین ہے نور جہاں کی جرأت کو ان کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا انہوں نے اعلان کر دیا کہ اگر غدار لوگ ساتھ چھوڑ گئے ہیں چھوڑ جانے دو۔ ہم مہابت خاں کا مقابلہ کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر نور جہاں اس وقت ذرا بھی کم ہمتی کا اظہار کرتیں تو سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہو جاتا جس طرح شہنشاہ ہمایوں کے ایک صوبیدار نے دگرگوں شیر خاں کا لقب اختیار کر کے حکومت شروع کر دی تھی۔ اس طرح مہابت خاں بھی سلطنت خیتائیہ پر قابض ہو کر حکمرانی کرنے لگتے۔ انہوں نے جہانگیر کو نظر بند کر کے زیادہ تر امرا کو اپنا طرفدار بنا ہی لیا تھا ان کے حکمران ہونے میں اب بات ہی کیا باقی رہ گئی تھی۔

لیکن وہ نور جہاں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ سمجھے تھے کہ نور جہاں کی موجودگی میں وہ سلطنت پر قبضہ نہیں کر سکتے اس لئے انہوں نے مکاری کا جال

پھینکا۔ نورجہاں کو بھی اسیر کرنے کے لئے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ جہانگیر ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ پیغامبر جہانگیر کی انگوٹھی بھی لایا تھا جس سے نورجہاں کو یقین آجائے گا اس میں کوئی فریب نہیں ہے واقعی جہانگیر ان سے ملاقات کرنی چاہتے ہیں۔

نورجہاں نہایت ہوشیار اور سمجھدار خاتون تھیں انھوں نے خود یہ سمجھ لیا کہ اگر جنگ کی تو کامیابی کی امید نہیں۔ ممکن ہے مہابت خاں کے کیمپ میں جاکر جوڑ توڑ لگانے سے امراء کو اپنا طرفدار کرکے مہابت خاں کو زیر کیا جاسکے چنانچہ وہ مہابت خاں کے پاس شہنشاہ جہانگیر سے ملاقات کرنے کو تیار ہوگئیں انہوں نے قاصد سے کہلا دیا کہ ہم آرہے ہیں۔

مہابت خاں اس پیغام کو سن کر خوش ہوگئے انہوں نے نورجہاں کے استقبال کی تیاریاں شروع کردیں اسی روز شام کے وقت نورجہاں حشم و خدم مہابت خاں کے کیمپ میں پہنچ گئیں۔ مہابت خاں نے ان کا نہایت شاندار استقبال کیا۔

جب وہ جہانگیر کے پاس پہنچیں تو انہوں نے انھیں آزردہ خاطر پایا۔ نورجہاں نے انھیں تسلی دی۔ اور اسی وقت سے اپنی اور جہانگیر کی رہائی کی کوشش میں مصروف ہوگئیں۔

مہابت خاں اگرچہ نہایت عقلمند آدمی تھے لیکن اس قدر باحوصلہ نہ تھے کہ سلطنت کے بار گراں کو سنبھال لیتے۔ ان کا یہ ارادہ ہوا کہ وہ جہانگیر کے تمام وفاداروں کو یا تو قتل کر ڈالیں یا گرفتار کرکے قید کردیں ...... اور جب راستے کے تمام کانٹے دور ہوجائیں تب عنان حکومت ہاتھ میں لیں چنانچہ انہوں نے اول پنجاب سے کابل تک تمام علاقہ پر اپنا قبضہ کرنے کے لئے دوبارہ

بہت کے کنارہ سے کابل کی طرف کوچ کیا جہانگیر اور نور جہاں کو ساتھ لے لیا جب وہ قلعہ اٹک بنارس میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ نور جہاں کے بھائی آصف خاں قلعہ میں چھپے بیٹھے ہیں ۔ مہابت خاں نے آصف خاں کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر زندگی چاہتے ہو تو میری اطاعت قبول کر لو ۔ میں نے جہانگیر اور نور جہاں کو گرفتار کر لیا ہے ۔ اگر سرکشی کرو گے تو قلعہ فتح کر کے تمہیں قتل کر ڈالوں گا ۔ آصف خاں ڈر گئے وہ اپنے بارہ ساتھیوں کے ساتھ مہابت خاں کے پاس چلے آئے مہابت خاں نے انہیں سب کو حراست میں لے لیا ۔ اور وہاں سے کابل روانہ ہو گئے ۔

کابل میں پہنچ کر انھوں نے قیام کیا اس عرصہ میں نور جہاں غافل اور خاموش نہیں رہیں ۔ وہ برابر شاہی امیروں کو اپنا طرفدار بناتی رہیں کئی فوجی افسروں نے ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا ۔

نور جہاں بڑی رازداری سے کوشش کر رہی تھیں مہابت خاں اور ان کے ہوا خواہوں کو اس بات کا علم نہ ہو سکا ۔

مہابت خاں کے ساتھ جو راجپوت آئے تھے وہ یہ دیکھ کر کہ ان کی کوشش سے جہانگیر اور نور جہاں اسیر ہو گئے ہیں ، زیادہ سرکشی کرنے لگے ۔ وہ مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے ۔ مسلمانوں کو ناگوار گذرتا ایک روز انہوں نے یہ حماقت کی کہ اسلام کو برا کہنے لگے مسلمانوں کو جوش آگیا وہ نتیجہ سے بے نیاز ہو کر راجپوتوں پر ٹوٹ پڑے ۔ راجپوت کیوں دبنے والے تھے وہ بھی مقابلے میں آگئے جنگ شروع ہو گئی خون کی ندیاں بہنے لگیں ۔ لوگ کٹ کٹ کر گرنے لگے ۔

نور جہاں کو جب معلوم ہوا کہ مذہبی اہانت پر مسلمانوں کو جوش آگیا ہے اور وہ راجپوتوں سے لڑ رہے ہیں تو انہوں نے اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا وہ فوراً اپنے ہاتھی پر سوار ہو کر میدان جنگ میں پہنچ گئیں انہوں نے

بلند آواز سے کہا۔

"مسلمانو! یہ سن کر کہ راجپوتوں نے مذہب اسلام کی توہین کی ہے ہمارے جسم میں خون جوش کھانے لگا ہے۔ ہم اسلام کی توہین برداشت نہیں کر سکتے اور ہم کیا کوئی مسلمان بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ہر مسلمان کو یا تو کٹ مرنا چاہیئے یا راجپوتوں کو مار ڈالنا چاہیئے۔

نورجہاں کی اس مختصر تقریر نے مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگا دی۔ وہ اسلامی سپاہی بھی جو مہابت خاں کے وفادار اور جاں نثار تھے تلواریں سونت سونت کر راجپوتوں پر ٹوٹ پڑے اور نہایت بہادری سے لڑنے لگے۔

جب کہ جنگ کی آگ تیزی سے بھڑک اٹھی تھی سرفروش بہادری سے لڑ رہے تھے تلواریں پھرتی سے چل رہی تھیں سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ مہابت خاں میدان میں پہنچے انہیں خوف ہوا کہ ان کے ہمراہی راجپوت سب کے سب نہ مار ڈالے جائیں انہوں نے کوشش کی کہ لڑائی بند ہو جائے لیکن مسلمانوں کو جوش آ چکا تھا۔

نورجہاں نے ان کے دلوں میں جوش کی آگ لگا دی تھی مہابت خاں اس آگ کو بجھا نہ سکے۔ جنگ بند نہ ہوئی بلکہ اور تیز ہو گئی یہاں تک کہ آٹھ ہزار راجپوت مارے گئے۔

باقی راجپوتوں نے ہتھیار[1] ڈال دیئے مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر مہابت خاں کو بڑا فکر ہوا ان کی اسامی دفونت

---

[1] از سیر المتاخرین صفحہ ۳۲۴

کوچ کر گئی وہ جلدی سے نورجہاں کے حضور میں پہنچے اور ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ میرے لئے کیا حکم ہے۔

نورجہاں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھیں اس وقت تمام امیر فوجی افسر اور سارا لشکر ان کے حکم کے نیچے آگیا تھا۔ مہابت خاں اب ان کے رحم و کرم پر رہ گئے تھے اگر وہ چاہتیں تو اس وقت مہابت خاں کا خاتمہ کرا دیتیں یا انہیں قید کر لیتیں لیکن انہوں نے نہایت رواداری سے کام لیا چونکہ مہابت خاں نے انہیں حراست میں لے کر ان کے ساتھ کوئی سختی یا زیادتی نہ کی تھی اس لئے انہوں نے بھی ان پر زیادتی کرنی مناسب نہ سمجھی انہوں نے دریافت کیا " تم کیا چاہتے ہو "

مہابت خاں نے عرض کی " جان بخشی "

نورجہاں۔ جاؤ ہم نے تمہاری جان بخشی کی لیکن تم ہمارے بھائی آصف خاں اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دو۔

مہابت خاں۔ دریائے بہت کے کنارے پر پہنچ کر میں اس حکم کی تعمیل کر دوں گا کیونکہ قیدی اٹک کے قلعہ اٹک بنارس ہی میں نظر بند ہیں۔

مہابت خاں نے یہ سچ کہا تھا۔ نورجہاں نے کہا " ہم تمہاری اسی درخواست کو منظور کرتے ہیں۔

اگلے روز نورجہاں اور جہانگیر کابل سے پنجاب کی طرف روانہ ہو گئے خدا کی شان ہے جب وہ پنجاب سے کابل کی طرف آ رہے تھے تو حراست میں تھے اور اب جب کابل سے پنجاب جا رہے تھے مہابت خاں ان کی حراست میں تھے۔

پنجاب میں پہنچ کر مہابت خاں نے آصف خاں وغیرہ کو رہا کر دیا

نورجہاں نے انہیں حکم دیا کہ وہ ٹھٹھہ کی مہم پر روانہ ہوں۔ مہابت خاں کو حکم ماننے کے سوائے چارہ ہی کیا تھا وہ ٹھٹھہ روانہ ہو گئے۔ نورجہاں مع لشکر اور جہانگیر کے آگرہ روانہ ہوئیں۔ آگرہ میں ان کا نہایت شاندار استقبال ہوا۔

یوں تو جہانگیر کو ان سے بہت محبت تھی ہی لیکن ان کی اس کارروائی سے ان کی عزت بھی بہت زیادہ ہو گئی جب تک وہ زندہ رہے یہی کہتے کہ ہماری زندگی اور سلطنت دونوں نورجہاں کی بدولت بچیں۔

یہ ذکر ہے اس بچی کا جو قندھار کے قریب نہایت ہی کسمپرسی کی حالت میں اس وقت پیدا ہوئی تھی جب ماں اور باپ پر خدا کی وسیع زمین تنگ ہو گئی تھی ان پر غربت و افلاس اور فقر و فاقہ کا تسلط تھا یہاں تک تباہ حال اور فاقہ زدہ تھے کہ وہ اس ننھی سی جان کو اپنے ساتھ نہ لے جا سکتے تھے بلکہ ننگا ہی پتوں سے ڈھک کر جنگل بیابان میں چھوڑ آئے تھے۔

لیکن وہ ایسی صاحب نصیب اور مالک اقبال تھی کہ پیدا ہوتے ہی اپنا اور اپنے ماں باپ کا رزق ساتھ لائی جوں جوں بڑی ہوتی رہی اس کے ماں باپ کے دن پھرتے رہے جب جوان ہوئی تو حسن و امارت کے جملہ لوازم موجود ہو گئے وہ نہایت فرزانہ و مدبرہ ہوئی اگر شیر افگن بھی اس سے مشورہ کر کے کام کرتے تو نہ تو انہیں ناکامی ہوتی نہ ان کی جان جاتی لیکن انہوں نے نورجہاں کو سمجھا نہیں وہ ان

نورجہاں

کی عقل و سمجھ سے کام نہ لے سکے۔ جہانگیر نے انہیں پہچان لیا اور انہوں نے زمام حکومت ہی ان کے ہاتھوں میں دے دیا۔

نورجہاں نے سلطنت مغلیہ کے قصر کو صرف منہدم ہونے سے ہی نہیں بچایا بلکہ اس کی بنیاد اور مضبوط کر دی۔

ایک روز نورجہاں غسل کر کے آئی تھیں۔ ان کی سیاہ زلفیں ان کے چہرہ کے گرد حلقہ کیے ہوئے سے اس طرح پشت پر پڑے لہرا رہے تھے وہ اس وقت بھی کمال خوبصورت معلوم ہو رہی تھیں۔ اتفاق سے جہانگیر آ گئے اور انہوں نے انہیں دیکھا دیکھتے ہی ششدر رہ گئے۔ پاس آ کر بولے۔ "کس قدر حسین ہو تم۔" نورجہاں نے شرمیلی اور نشیلی آنکھوں سے جہانگیر کو دیکھا۔ جہانگیر پر خود فراموشی طاری ہو گئی۔ نورجہاں مسکرانے لگی۔ جہانگیر نے کچھ وقفہ کے بعد کہا۔ "واہ نور تمہاری آنکھیں شراب سے چھلکتے ہوئے دو جام ہیں۔ یہ پیالے بے پئے ہوئے مست کر دیتے ہیں۔ جب ایک دریا بھی سرشار رہتا ہے۔"

اسی وقت ایک سریلی ہنسی کی آواز آئی۔ جہانگیر نے کہا "یہ کون شریر ہے؟"

عذرا سامنے آ گئی۔ اس نے ہاتھ باندھ کر کہا "عالم پناہ مجھ سے یہ گستاخی ہو گئی۔"

جہانگیر نے مسکرا کر کہا۔ "اوہو تم ہو ملکہ عالم کی شوخ خواص تھیں۔ کیا سزا دی جائے۔"

عذرا۔ "جہاں پناہ تجویز فرمائیں۔"

جہانگیر۔ "تمہاری سزا یہ ہے کہ ان ساتھیوں کو اکٹھا کر کے باندھو جو ملکہ عالم کے شانوں پر پڑی ہیں۔"

عذرا۔ "بسر و چشم سزا ہے۔" عذرا نے بڑھ کر نورجہاں کی زلفوں میں شانہ کر کے چوٹی گوندھنی شروع کر دی۔

نورجہاں کو قدرت نے ایک ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچایا۔ وہ ملکہ عالم ہو گئیں لیکن ان میں رعونت نہیں آئی۔ انہوں نے کبھی تکبر نہیں کیا۔ ان سے جہانگیر ہی نہیں بلکہ تمام رعایا خوش تھی۔ ان کا نام تاریخوں میں جلی قلم سے لکھا ہوا ملتا ہے۔

ختم شد